إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر
ہدایت القرآن

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

جلد سوم

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد سوم کے بارے میں

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد:

حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی رحمہ اللہ نے تفسیر ہدایت القرآن (پارہ عَمَّ کے بعد) سورۃ الانفال کی آیت ۵۴ تک لکھ کر قلم رکھ دیا، پھر میں نے گھوڑا دوڑایا، اس لئے خیال تھا کہ چالیس سال پہلے کی لکھی ہوئی میری تحریر پھس پھسی ہوگی، لہٰذا اس کو دوبارہ لکھنا چاہئے، مگر جب لکھتا ہوا اپنے حصہ تک پہنچا تو اندازہ ہوا کہ **الحمد للہ** اس وقت کی زبان بھی اور مضامین بھی ٹھیک ہیں، میں تفسیر میں خاص طور پر ربط آیات کا خیال رکھتا ہوں، اور ربط باہر سے داخل نہیں کرتا، آیات سے ابھارتا ہوں، یہ بات بھی میری لکھی ہوئی تفسیر میں موجود تھی، اس لئے دوبارہ لکھنے کا ارادہ ملتوی کردیا، البتہ حسب سابق عناوین بڑھائے، بنیادی بھی اور بغلی بھی، عنوان سے مضمون جلدی قابو میں آتا ہے، اور جہاں مفردات پر حواشی نہیں تھے: بڑھائے۔ پس اس جلد میں نظر ثانی کی ہے، کوئی خاص تبدیلی نہیں کی، البتہ اس جلد کی سیٹنگ دوبارہ کی ہے، اس لئے صفحات گھٹ گئے ہیں، پہلے ہر پارے کے نمبرات الگ تھے، اب مسلسل کردیئے ہیں۔

اسی طرح جلد چہارم پر بھی نظر ثانی کرنے کا ارادہ ہے، اگرچہ وہ پوری میرے قلم سے ہے اور اس میں لغات بھی ہیں، مگر عناوین نہیں، وہ بڑھاؤں گا اور جلد پنجم پر نظر ثانی کررکھی ہے، اگرچہ اس میں عناوین نہیں ہیں، مگر اب ہمت نہیں۔

انداز بدلا ہے: اب تک جو انداز چل رہا تھا وہ یہ تھا کہ ایک مضمون کی آیات لکھ کر مفردات کا ترجمہ کیا جاتا تھا، پھر عنوان قائم کرکے تقریر کی جاتی تھی، پھر آخر میں آیت مع ترجمہ لکھی جاتی تھی، مگر جلد سوم کے نصف سے یہ انداز بدل گیا ہے، مفردات کے بعد عنوان قائم کرکے تقریر اور آیات کا ترجمہ ساتھ ساتھ چلتا ہے اس میں قارئین کو ذرا دشواری پیش آئے گی، آیت کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے ترجمہ ملانے کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔

یہ تفسیر قارئین کو قرآنِ کریم سے قریب کرے گی

اس تفسیر میں زوائد وفوائد نہیں ہیں، اس کے لئے بڑی تفسیریں ہیں، اس تفسیر میں قرآن پاک جو ارشاد فرماتا ہے وہی سمجھایا ہے، لہٰذا تفسیر پڑھنے والے پہلے آیات پاک کو دو تین مرتبہ پڑھیں، پھر مفردات پڑھیں، پھر ترجمہ مفردات کے ساتھ ملائیں اور طلبہ اور اہل علم حواشی بھی دیکھیں، پھر عنوان میں غور کریں اور تفسیر پڑھیں، امید ہے کہ وہ قرآن پاک سے نزدیک ہونگے، **والله ولي التوفيق. والأمر بيد الله! وصلى الله على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعن.**

فہرست مضامین

بقیہ سورۃ الاعراف

سورۃ الانفال

سورۃ التوبہ

سورۂ یونس (علیہ السلام)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

وَمَآ اَرْسَلْنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	الْحَسَنَةَ	اچھائی کو	اٰمَنُوْا	ایمان لاتے
فِىْ قَرْيَةٍ	کسی بستی میں	حَتّٰى عَفَوْا (۵)	یہاں تک کہ زیادہ ہوگئے وہ	وَاتَّقَوْا	اور (شرک سے) بچتے
مِّنْ نَّبِىٍّ	کوئی نبی	وَّقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	لَفَتَحْنَا	تو کھول دیتے ہم
اِلَّآ اَخَذْنَآ	مگر دوچار کیا ہم نے	قَدْ مَسَّ	تحقیق چھویا	عَلَيْهِمْ	ان پر
اَهْلَهَا	اس کے باشندوں کو	اٰبَآءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو	بَرَكٰتٍ	برکتیں
بِالْبَاْسَآءِ (۱)	نہایت تنگ حالی سے	الضَّرَّآءُ	نہایت تکلیف نے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
وَالضَّرَّآءِ (۲)	اور تکلیف (بیماری) سے	وَالسَّرَّآءُ	اور خوش حالی نے	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے
لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	فَاَخَذْنٰهُمْ	پس پکڑا ہم نے ان کو	وَلٰكِنْ	لیکن
يَضَّرَّعُوْنَ (۳)	عاجزی کریں	بَغْتَةً	اچانک (یکبارگی)	كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے
ثُمَّ	پھر	وَّهُمْ	درانحالیکہ ان کو	فَاَخَذْنٰهُمْ	پس پکڑا ہم نے ان کو
بَدَّلْنَا (۴)	بدل دیا ہم نے	لَا يَشْعُرُوْنَ	محسوس بھی نہیں ہوا	بِمَا كَانُوْا	ان کاموں کی وجہ سے
مَكَانَ	جگہ میں	وَلَوْ اَنَّ	اور اگر یہ بات ہوتی کہ		جو تھے وہ
السَّيِّئَةِ	برائی کے	اَهْلَ الْقُرٰٓى	بستیوں والے	يَكْسِبُوْنَ	کیا کرتے

(۱) البأساء: اسم مؤنث، از بُؤْسٌ: سختی، تنگی، جنگ کی شدت (۲) الضراء: اسم مؤنث: از ضُرٌّ: تکلیف، مرض، ضرر، نقصان (۳) یضرعون: از تَضَرُّع (باب تفعل) دراصل یتضرعون تھا: گڑگڑانا، عاجزی کرنا، (۴) بَدَّل کے دو مفعول آتے ہیں، اور دونوں حرف جر کے بغیر بھی آتے ہیں (ہدایت القرآن ۱: ۸۷) (۵) عَفَا (ن) عُفُوًّا: اضداد میں سے ہے: بڑھنا گھٹنا، عفا الشیئَ: لمبا اور زیادہ کرنا، عفا عنه: معاف کرنا، یہاں بڑھنے کے معنی ہیں۔

انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کو دکھ سکھ سے آزما کر ہلاک کیا جاتا ہے

رسالت کا مسئلہ چل رہا ہے، ابھی دور تک چلے گا، انبیائے خمسہ کی تکذیب کرنے والی اقوام کی ہلاکت کا ذکر آیا، آگے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے والے فرعونیوں کی ہلاکت کا ذکر ہے، درمیان میں سلسلہ کلام روک کر عبرت و موعظت ابھارتے ہیں، اور ایک سوال مقدر کا جواب بھی دیتے ہیں کہ جن قوموں کو ہلاک کیا گیا ان کو غفلت میں رکھ کر ہلاک نہیں کیا گیا، بلکہ ان کے لئے پہلے راہِ راست پر آنے کے مواقع فراہم کئے گئے، جب اقوام نے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، اور پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا تو ان کو ہلاک کیا گیا۔

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے انبیاء کو مبعوث فرماتے ہیں تاکہ وہ مشرکین کو توحید کی دعوت دیں اور شرک کے انجام سے آگاہ کریں، شروع میں اللہ تعالیٰ انبیاء کی اقوام کو بدحالی اور بیماری وغیرہ سے دوچار کرتے ہیں، تاکہ ان کے دل نرم پڑیں، کبھی لوگ حالات سے دوچار ہوتے ہیں تو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور اپنی زندگیاں سنوار لیتے ہیں۔

پھر جب اس کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا تو خوش حالی کا دور شروع ہوتا ہے، خوب بارشیں ہوتی ہیں، باغات پھلتے پھولتے ہیں، تجارتوں میں نفع ہوتا ہے، مال اور اولاد بڑھتی ہے اور قوموں کو عروج حاصل ہوتا ہے، حالات کی اس تبدیلی سے بھی کبھی فائدہ ہوتا ہے، لوگ شکر گذار ہوتے ہیں، بعض لوگ سبق لیتے ہیں اور راہِ راست پر آجاتے ہیں۔

مگر ضدی طبیعت کے لوگ کوئی سبق نہیں لیتے، وہ کہتے ہیں: ''سرد و گرم حالات سے ہمارے اسلاف بھی گذرے ہیں!'' یعنی یہ حالات کی تبدیلی انبیاء کی تکذیب کا نتیجہ نہیں، نہ شرک کا وبال ہے، بس زمانہ کا الٹ پھیر ہے۔

اس طرح جب قوموں پر حجت تام ہوجاتی ہے تو عذاب آتا ہے، اور وہ اس طرح پکڑ لئے جاتے ہیں کہ ان کو عذاب کی بھنک بھی نہیں پڑتی، یکایک عذاب میں دھر لئے جاتے ہیں۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِىٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا —— نبی: رسول سے عام ہے، قوموں کی ہلاکت کے لئے رسول کی بعثت ضروری نہیں، نبی کی بعثت بھی کافی ہے —— تو اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف سے دوچار کیا، تاکہ وہ عاجزی کریں —— اور ایمان لائیں —— پھر ہم نے بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا —— تاکہ وہ شکر گذار بنیں اور ایمان لائیں —— یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے —— یعنی انہیں خوب عروج حاصل ہوا —— اور انھوں نے کہا:

''ہمارے باپ دادوں کو بھی دکھ سکھ نے چھویا ہے!'' ـــــ یعنی یہ زمانہ کا الٹ پھیر ہے، کچھ شرک کا وبال اور نبی کی تکذیب کا نتیجہ نہیں ـــــ پس ہم نے ان کو اچانک عذاب میں دھر لیا، درانحالیکہ انہیں بھنک بھی نہیں پڑی!

ماضی کے احوال سے موجودین کو ایمان کی ترغیب

اب ایک آیت گریز کی ہے، کلام کا نہج بدل کر ہلاک شدہ قوموں پر افسوس ظاہر کیا ہے اور قریش کو ایمان کی دعوت دی ہے، فرماتے ہیں: اگر گذشتہ قومیں انبیاء کی باتیں مانتیں، شرک کو چھوڑتیں اور ایک اللہ کی عبادت کرتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی نعمتوں سے نہال کر دیتے، آسمان وزمین اپنی برکتوں کے دہانے ان پر کھول دیتے، مگر افسوس! انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور شرک سے باز نہ آئے، جیسے آج قریش رسول اللہ ﷺ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں، شرک کو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے، پس جس طرح ان اقوام کو ان کے کرتوتوں کی پاداش میں پکڑ لیا کیا مشرکین مکہ کا بھی یہ انجام نہیں ہوسکتا؟ وہ ماضی کے احوال سے سبق کیوں نہیں لیتے!

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۶﴾

ترجمہ: اور اگر بستیوں والے ـــــ یعنی گذشتہ انبیاء کی امتیں ـــــ ایمان لاتے اور (گناہوں سے) بچتے، تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انھوں نے انبیاء کی تکذیب کی، پس ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے عذاب میں پکڑ لیا! ـــــ یہی حال آج کے مکذبین کا بھی ہوسکتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَاۗىِٕمُوْنَ ۝۹۷ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۸ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹۹

اَفَاَمِنَ	کیا پس نڈر ہوگئے	بَيَاتًا	رات میں	اَهْلُ الْقُرٰٓى	بستیوں والے
اَهْلُ الْقُرٰٓى	بستیوں والے	وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ	اَنْ يَّاْتِيَهُمْ	اس بات سے کہ پہنچے ان کو
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ	اس بات سے کہ پہنچے ان کو	نَاۗىِٕمُوْنَ	سو رہے ہوں؟	بَاْسُنَا	ہمارا عذاب
بَاْسُنَا	ہمارا عذاب	اَوَاَمِنَ	کیا اور بے خوف ہوگئے	ضُحًى	دن چڑھے

وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ	مَكْرَ اللّٰهِ	اللہ کی خفیہ تدبیر سے؟	اِلَّا الْقَوْمُ	مگر لوگ
يَلْعَبُوْنَ	کھیل رہے ہوں؟	فَلَا يَاْمَنُ	پس نہیں مطمئن ہوتے	الْخٰسِرُوْنَ	کھاٹے میں رہنے
اَفَاَمِنُوْا	کیا پس مطمئن ہوگئے وہ	مَكْرَ اللّٰهِ	اللہ کی خفیہ تدبیر سے		والے!

گذشتہ قوموں کی طرح موجودین کو بھی عذاب میں پکڑا جا سکتا ہے

اب تین آیتوں میں موجودہ مکذبین کو، یعنی جزیرۃ العرب کے لوگوں کو جو قرآن کے اولین مخاطب ہیں تنبیہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ کے عذاب سے کیوں نڈر ہو گئے ہو؟ بے فکر سو رہے ہو! جبکہ عذاب کی بنیاد: شرک و تکذیب تم میں بھی موجود ہے، تم اپنی خوش حالی پر اترا رہے ہو، حالانکہ جس طرح اللہ نے پہلوں کو پکڑا ہے تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

مکر: کے اصلی معنی ہیں: دھوکہ، فریب، یہاں مشاکلۃً یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، یہاں اس کے معنی ہیں: خفیہ تدبیر، انبیاء کی تکذیب کرنے والوں کو جو دنیا میں ڈھیل دی جاتی ہے، پھر ان کو ان کے فریب کی سزا دی جاتی ہے: اس کو ''اللہ کی خفیہ تدبیر'' کہا گیا ہے۔

آیاتِ کریمہ: کیا تو بستیوں والے —— یعنی جزیرۃ العرب کے باشندے —— نڈر ہو گئے اس بات سے کہ ان کو ہمارا عذاب پہنچے رات میں جبکہ وہ سو رہے ہوں، اور کیا بستیوں والے بے خوف ہو گئے —— یہ دوسری بات کہنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے اور یہ قرآن کا اسلوب ہے —— اس بات سے کہ ان کو ہمارا عذاب پہنچے دن چڑھے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں —— کاروبار بھی ایک طرح کا کھیل ہے —— کیا تو وہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے مطمئن ہو گئے؟ جبکہ اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف گھاٹے میں رہنے والے ہی مطمئن ہوتے ہیں!

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰۱ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝۱۰۲

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	يَهْدِ	راہ ملی	لِلَّذِيْنَ	ان کو جو

يَرِثُوْنَ	وارث ہوئے	نَقُصُّ	سناتے ہیں ہم	يَطْبَعُ	مہر کر دیتے ہیں
الْاَرْضَ	زمین کے	عَلَيْكَ	آپ کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	مِنْ اَنْۢبَآئِهَا	ان کے کچھ احوال	عَلٰى قُلُوْبِ	دلوں پر
اَهْلِهَآ	اس کے باشندوں کے	وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	الْكٰفِرِيْنَ	منکرین کے
اَنْ لَّوْ	کہ اگر	جَآءَتْهُمْ	پہنچے ان کو	وَمَا	اور نہیں
نَشَآءُ	چاہتے ہم	رُسُلُهُمْ	ان کے رسول	وَجَدْنَا	پایا ہم نے
اَصَبْنٰهُمْ	پہنچتے ہم ان کو	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ	لِاَكْثَرِهِمْ	ان کے اکثر کے لئے
بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	فَمَا كَانُوْا	پس نہیں تھے وہ	مِّنْ عَهْدٍ	کوئی پیمان (وچن)
وَنَطْبَعُ	اور مہر کر دیتے ہم	لِيُؤْمِنُوْا	کہ ایمان لاتے	وَاِنْ	اور بے شک
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	بِمَا كَذَّبُوْا	ان باتوں پر جن کو	وَّجَدْنَآ	پایا ہم نے
فَهُمْ	پس وہ		انھوں نے جھٹلایا	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر کو
لَا يَسْمَعُوْنَ	بات نہ سنتے	مِنْ قَبْلُ	پہلے سے	لَفٰسِقِيْنَ	البتہ حد اطاعت سے
تِلْكَ الْقُرٰى	وہ بستیاں	كَذٰلِكَ	اسی طرح		نکل جانے والے

موجودہ لوگ مطمئن نہ بیٹھیں، ان کے ساتھ بھی قدماء جیسا معاملہ کیا جاسکتا ہے!

اب پھر گریز کی آیتیں ہیں، پھر موضوع بدلے گا، پہلی آیت کا تعلق موجودین (مشرکین عرب) سے ہے، پھر دو آیتوں کا تعلق انبیائے سابقین کی امتوں سے ہے، ان کی ہلاکت کا مضمون فرعونیوں کی ہلاکت سے مسلسل ہوجائے گا۔

پہلی آیت میں یہ بات ہے کہ موجودہ مشرکین گذشتہ مشرکین کے وارث ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے بعد اِن لوگوں نے زمین کو آباد کیا ہے، پس کیا قدماء کے احوال سے اِن لوگوں کو راہ نہیں ملی؟ گذشتہ اقوام نے اپنے انبیاء کی باتیں نہیں سنیں، ضد میں بھر گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کردی، اور انجام کار وہ ہلاک ہوئے، یہی صورتِ حال آج بھی ہے، لوگ نبی ﷺ کی باتیں گوش ہوش سے نہیں سن رہے، مقابلہ اور محاربہ پر اترے ہوئے ہیں، پس کیا ایسا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر بھی مہر کردیں، اور ان کی حرکتوں کی پاداش میں ان کو ہلاک کردیں؟ ایسا ہونا بڑی حد تک ممکن ہے! پھر موجودین: قدماء کی ہلاکت سے سبق کیوں نہیں لیتے؟ اپنے حالات کو ان کے حالات پر قیاس کیوں نہیں کرتے؟ اور اللہ کی گرفت سے بچنے کے لئے ایمان کیوں نہیں لاتے؟ آخر انتظار کس بات کا ہے؟ —— اس طرح یہ

آیت موجودہ لوگوں سے متعلق ہے جو قرآنِ کریم کے مخاطب ہیں۔

﴿ اَوَلَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ﴾

ترجمہ: کیا اور راہ نہیں ملی ان لوگوں کو جو زمین کے وارث ہوئے ہیں اس کے قدیم باشندوں کے بعد کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پہنچتے اور ان کے دلوں پر مہر کر دیتے، پس وہ بات نہ سنتے؟

گذشتہ اقوام اور آج کی قوم ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں!

انبیائے خمسہ کی قوموں کے کچھ احوال پہلے آ چکے ہیں، ان کے پاس رسول واضح دلائل کے ساتھ پہنچے، مگر ان کے منہ سے 'نا' نکل گیا وہ 'ہاں' ہو کر نہیں دیا، ایک دفعہ جس چیز کا انکار کر بیٹھے اس کا اقرار نہیں کیا، اگرچہ ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیئے، جب اللہ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ جاتی ہے تو ان میں قبولِ حق کا امکان باقی نہیں رہتا، ان کے دلوں پر ٹھپہ لگ جاتا ہے اور ہلاکت کے سوا کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی، اکثر انسانوں کا یہی حال ہے، انھوں نے عہدِ الست میں جو اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے اس کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کیا، اکثر لوگ اللہ کی اطاعت کے لئے آمادہ نہیں، جیسے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کا حال آگے آ رہا ہے، انھوں نے بھی کسی قیمت پر موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی اور ہلاک ہوئے!

﴿ تِلۡكَ الۡقُرٰی نَقُصُّ عَلَیۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآئِهَا‌ۚ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ‌ۚ فَمَا كَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا بِمَا كَذَّبُوۡا مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ كَذٰلِكَ یَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوۡبِ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدۡنَا لِاَكۡثَرِهِمۡ مِّنۡ عَهۡدٍ‌ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَكۡثَرَهُمۡ لَفٰسِقِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ﴾

ترجمہ: وہ بستیاں ـــــ یعنی انبیائے خمسہ کی امتیں ـــــ ہم آپ کو ان کے کچھ احوال سناتے ہیں ـــــ وہ احوال بالتفصیل پہلے آ چکے ہیں، اور بالاجمال یہاں بیان کئے ہیں ـــــ اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات کے ساتھ پہنچے، مگر وہ ان باتوں پر ایمان نہیں لائے جس کو وہ قبل ازیں جھٹلا چکے تھے، اس طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتے ہیں انکار کرنے والوں کے دلوں پر! ـــــ اور ہم نے نہیں پایا ان کے اکثر کے لئے کوئی عہد و پیمان، اور ان کے اکثر بالیقین حدِ اطاعت سے نکلنے والے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ۚ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۰۶﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۰۸﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا	پھر ہم نے بھیجا	مِّن رَّبِّ	پالنہار کی طرف سے	إِن كُنتَ	اگر ہے تو
مِن بَعْدِهِم	ان لوگوں کے بعد	الْعَالَمِينَ	جہانوں کے	جِئْتَ	آیا ہے
مُّوسَىٰ	موسیٰ کو	حَقِيقٌ (۲)	سزاوار ہے	بِآيَةٍ	بڑی نشانی کے ساتھ
بِآيَاتِنَا	ہماری نشانیوں کے ساتھ	عَلَىٰ أَن لَّا (۳)	کہ نہ	فَأْتِ بِهَا	تو لا اس کو
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	أَقُولَ	کہوں	إِن كُنتَ	اگر ہے تو
وَمَلَئِهِ (۱)	اور اس کے سرداروں	عَلَى اللَّهِ	اللہ پر	مِنَ الصَّادِقِينَ	سچوں میں سے
	کی طرف	إِلَّا الْحَقَّ	مگر سچی بات	فَأَلْقَىٰ	پس ڈالی اس نے
فَظَلَمُوا	پس حق مارا انھوں نے	قَدْ جِئْتُكُم	تحقیق آیا ہوں میں	عَصَاهُ	اپنی لاٹھی
بِهَا	ان (نشانیوں) کا		تمہارے پاس	فَإِذَا هِيَ	پس اچانک وہ
فَانظُرْ	پس دیکھ	بِبَيِّنَةٍ	واضح معجزہ کے ساتھ	ثُعْبَانٌ	اژدہا ہے
كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا	مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی	مُّبِينٌ	کھلا
عَاقِبَةُ	انجام		طرف سے	وَنَزَعَ	اور نکالا اس نے
الْمُفْسِدِينَ	فساد مچانے والوں کا؟	فَأَرْسِلْ	پس بھیج تو	يَدَهُ	اپنا ہاتھ
وَقَالَ مُوسَىٰ	اور کہا موسیٰ نے	مَعِيَ	میرے ساتھ	فَإِذَا هِيَ	پس اچانک وہ
يَا فِرْعَوْنُ	اے فرعون	بَنِي إِسْرَائِيلَ	بنی اسرائیل کو	بَيْضَاءُ	سفید (روشن) ہے
إِنِّي رَسُولٌ	بیشک میں پیغامبر ہوں	قَالَ	کہا فرعون نے	لِلنَّاظِرِينَ	دیکھنے والوں کے لئے

(۱) المَلأُ: اسم جمع: سردارانِ قوم، سربرآوردہ لوگ، مَلأَ (ف) مَلْئًا: بھرنا، پُر کرنا (۲) حقیق: حَقٌّ سے بروزن فعیل: صفت مشبہ: بمعنی جدیر (۳) علی: بمعنی باء ہے اور حقیق سے متعلق ہے۔

لمبے واقعہ کا ایک آیت میں خلاصہ

قرآنِ کریم کا ایک اسلوبِ بیان یہ ہے کہ جب وہ کوئی لمبا واقعہ بیان کرتا ہے تو پہلے اس کا خلاصہ کرتا ہے، پھر تفصیل شروع کرتا ہے، جیسے سورۃ یوسف میں پہلے ایک رکوع میں پورا واقعہ اجمالاً بیان کیا ہے، پھر دوسرے رکوع سے تفصیل شروع کی ہے، اور جیسے سورۃ الکہف میں اصحابِ کہف کا واقعہ بیان کیا ہے تو پہلے چار آیتوں میں اس کا نچوڑ بیان کیا ہے پھر تفصیل شروع کی ہے۔ یہاں بھی موسیٰ علیہ السلام، فرعون، قبطیوں اور سِبطیوں کے مفصل احوال بیان کئے ہیں، مگر اصل مقصود فرعون کا واقعہ بیان کرنا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت ٹھکرائی اور ہلاک ہوا، چنانچہ ایک آیت میں واقعہ کا خلاصہ بیان کیا ہے کہ ہم نے گذشتہ اقوام (انبیائے خمسہ کی امتوں) کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو محیر العقول معجزات (عصا اور ید بیضا) کے ساتھ فرعون کی طرف اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا، مگر انھوں نے ان معجزات کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا اور وہ ہلاک ہوئے، سارے غرقاب کردیئے گئے۔

فائدہ: سِبط: پوتا، نواسہ، نواسہ کے لئے زیادہ مستعمل ہے، پوتے کے لئے حفید ہے، سبطیوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں اور قبطی فرعون کی قوم ہے۔

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد ــــ یعنی انبیائے خمسہ کی امتوں کی ہلاکت کے بعد ــــ موسیٰ کو اپنے معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا، پس انھوں نے ان معجزات کے ساتھ ناانصافی کی ــــ ان کا حق مارا، ایمان نہیں لائے ــــ پس دیکھ فسادیوں کا انجام کیا ہوا؟ ــــ سب غرقاب کردیئے گئے!

موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور فرعون سے گفتگو

معجزات دکھائے اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی ہے، جب وہ جوان ہوئے تو ان کے ہاتھ سے نادانستہ ایک قبطی مارا گیا، فرعون کی پارلیمنٹ میں جوابی قتل (قصاص) کے لئے مشورہ شروع ہوا، فرعون کے خاندان کا ایک شخص، جو موسیٰ علیہ السلام کا ہمدرد تھا، میٹنگ سے اٹھ کر تیزی سے شہر میں آیا، اور آپؑ کو مشورہ دیا کہ وہ فوراً فرعون کی حکومت کی حدود سے نکل جائیں، ورنہ مارے جائیں گے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف چل دیئے، وہ فرعون کی حدودِ مملکت سے

باہر تھا، وہاں آپؑ نے ایک نیک بندے کے یہاں دس سال نوکری کی اور اس کی لڑکی سے شادی کی، جب مدتِ اجارہ پوری ہوئی تو آپ اپنے گھر والوں کو اور مال سامان کو لے کر اپنے آبائی وطن کنعان کے لئے چلے، مگر راستہ بھول کر وادی سَینا میں پہنچ گئے، وہاں آپ نے ایک ٹھنڈی رات میں طور پہاڑ پر روشنی دیکھی، جب آگ لینے کے لئے وہاں پہنچے تو نبوت سے سرفراز کئے گئے اور فرعون، اس کے سرداروں، سبطیوں اور قبطیوں کی طرف جانے کا حکم ملا، آپ نے سفارش کر کے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنوایا، اس طرح آپ مدین سے لوٹ کر مصر پہنچے، بھائی اور خاندان سے ملے اور گھر والوں کو ٹھہرایا، پھر دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے، اور اس سے چار باتیں کہیں:

۱- میں جہانوں کے پالنہار اللہ کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ کے پاس آیا ہوں، پس میری باتیں میری نہیں، رب العالمین کی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ آپ ان کو قبول کریں۔

۲- اور جب میں اللہ کا فرستادہ ہوں تو میرے شایانِ شان یہی بات ہے کہ میں بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں، یعنی میری ہر بات کانٹے کے تول پوری ہوگی، اس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں۔

۳- اور میں خالی ہاتھ نہیں آیا، میرے پاس دربارِ عالی کی سند ہے، مجھے محیر العقول معجزات عنایت فرمائے گئے ہیں۔

۴- بنی اسرائیل کو جو انبیاء کی اولاد ہیں میرے ساتھ ان کے آبائی وطن کنعان کی طرف جانے دیں، ان کو اپنی قید سے آزاد کریں۔

فائدہ: بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کر کے شام ہی میں قیام فرمایا تھا، بعدہٗ: حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے، اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ان کو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے، تاکہ وہ وہاں آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں (فوائد)

فرعون نے جواب دیا: تم جن معجزات کے ساتھ آئے ہو وہ دکھاؤ، اگر تم سچے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ صاف اژدہا بن گئی، نظر بندی نہیں تھی، واقعی انقلاب ماہیت ہوگیا، کہتے ہیں: اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا، فرعون بدحواس ہو کر بھاگا، موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کو پکڑ لیا تو وہ لاٹھی بن گیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ گریبان میں ڈالا، اور بغل میں دبا کر نکالا تو وہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا —— موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے نو معجزات دیئے تھے، ان میں سے یہ دو اہم معجزات تھے، ان کا اس موقعہ پر مظاہرہ کیا گیا۔

آیاتِ کریمہ: اور موسیٰ نے کہا: (۱) اے فرعون! بے شک میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں (۲) میرے لائق یہی

ہے کہ میں بجز سچ کے اللہ کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں (۳) میں آپ لوگوں کے پاس آپ لوگوں کے پروردگار کی طرف سے واضح معجزہ کے ساتھ آیا ہوں (۴) لہٰذا تم میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو۔

فرعون نے کہا: اگر تو کسی بڑی نشانی کے ساتھ آیا ہے تو اس کو دکھا، اگر تو سچا ہے، پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو یکا یک وہ واضح اژدہا تھی، اور اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ چمکدار تھا دیکھنے والوں کے لئے!

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۴ / ۴۸

قَالَ الْمَلَاُ	کہا سرداروں نے	مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ	قوم کی فرعون کے	اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ	بے شک یہ البتہ جادوگر ہے

عَلِیْمٌ	ماہر	اِنْ كُنَّا	اگر ہوں ہم	وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ (۲)	اور ڈرا دیا انھوں نے ان کو
یُّرِیْدُ	چاہتا ہے	نَحْنُ	ہی	وَجَآءُوْ	اور آئے وہ
اَنْ یُّخْرِجَكُمْ	کہ نکالے تم کو	الْغٰلِبِیْنَ	جیتنے والے؟	بِسِحْرٍ	جادو کے ساتھ
مِّنْ اَرْضِكُمْ	تمہاری سرزمین سے	قَالَ	کہا فرعون نے	عَظِیْمٍ	بڑا
فَمَاذَا	پس کیا	نَعَمْ	ہاں!	وَاَوْحَیْنَآ	اور وحی بھیجی ہم نے
تَاْمُرُوْنَ	حکم دیتے ہو تم (فرعون کو)	وَاِنَّكُمْ	اور بے شک تم	اِلٰی مُوْسٰۤی	موسیٰ کی طرف
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ	البتہ نزدیک کئے ہوؤں	اَنْ اَلْقِ	کہ ڈالیں آپ
اَرْجِهْ (۱)	ڈھیل دیں آپ اس کو		میں سے ہوگے	عَصَاكَ	اپنی لاٹھی
وَاَخَاهُ	اور اس کے بھائی کو	قَالُوْا	کہا جادوگروں نے	فَاِذَا هِیَ	پس یکا یک وہ
وَاَرْسِلْ	اور بھیجیں آپ	یٰمُوْسٰۤی	اے موسیٰ	تَلْقَفُ (۳)	پھرتی سے نگلنے لگی
فِی الْمَدَآئِنِ	شہروں میں	اِمَّآ	یا تو یہ	مَا یَاْفِكُوْنَ (۴)	اس سوانگ کو جو بنا
حٰشِرِیْنَ	جمع کرنے والوں کو	اَنْ تُلْقِیَ	کہ ڈالے تو		لائے تھے وہ
یَاْتُوْكَ	آئیں وہ آپ کے پاس	وَاِمَّآ	اور یا یہ	فَوَقَعَ	پس ثابت ہوگیا
بِكُلِّ سٰحِرٍ	ہر جادوگر کے ساتھ	اَنْ نَّكُوْنَ	کہ ہوں ہم	الْحَقُّ	سچ
عَلِیْمٍ	جاننے والے	نَحْنُ	ہی	وَبَطَلَ	اور غلط ہوگیا
وَجَآءَ	اور آئے	الْمُلْقِیْنَ	ڈالنے والے	مَا كَانُوْا	جو تھے وہ
السَّحَرَةُ	جادوگر	قَالَ	کہا موسیٰ نے	یَعْمَلُوْنَ	بناتے
فِرْعَوْنَ	فرعون کے پاس	اَلْقُوْا	ڈالو تم	فَغُلِبُوْا	پس ہار گئے فرعونی
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	فَلَمَّآ اَلْقَوْا	پس جب ڈالا انھوں نے	هُنَالِكَ	اس جگہ
اِنَّ لَنَا	بے شک ہمارے لئے	سَحَرُوْٓا	جادو کردیا انھوں نے	وَانْقَلَبُوْا	اور پلٹے وہ
لَاَجْرًا	البتہ مزدوری ہوگی	اَعْیُنَ النَّاسِ	لوگوں کی آنکھوں پر	صٰغِرِیْنَ	ذلیل ہوکر

(۱) أَرْجِ: إرجاء (افعال) سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر، ہٗ: ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ (۲) اِسْتِرْهَاب: ڈرانا، گھبرانا (۳) لَقِف (س) لَقْفًا: پھرتی سے نگل جانا (۴) أَفَكَ (ض) إفكًا: جھوٹ طور پر بنانا، سوانگ: شعبدہ، کھیل۔

وَأُلْقِيَ	اور ڈال دیئے گئے	لَكُمْ	تمھیں	أَجْمَعِينَ	سبھی کو
السَّحَرَةُ	جادوگر	إِنَّ هٰذَا	بے شک یہ	قَالُوٓا	کہا انھوں نے
سٰجِدِينَ	سجدے میں	لَمَكْرٌ	البتہ ایک چال ہے	إِنَّآ	بے شک ہم
قَالُوٓا	کہا انھوں نے	مَّكَرْتُمُوهُ	جس کو چلے ہو تم	إِلٰى رَبِّنَا	ہمارے پروردگار کی طرف
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	فِي الْمَدِينَةِ	اس شہر میں	مُنْقَلِبُونَ	لوٹنے والے ہیں
بِرَبِّ	پروردگار پر	لِتُخْرِجُوا	تاکہ نکالو تم	وَمَا تَنْقِمُ (۱)	اور نہیں ناگوار گذری تجھے
الْعٰلَمِينَ	جہانوں کے	مِنْهَا	اس (شہر) سے	مِنَّآ	ہماری
رَبِّ مُوسٰى	موسیٰ کے پروردگار پر	أَهْلَهَا	اس کے باشندوں کو	إِلَّآ أَنْ اٰمَنَّا	مگر یہ بات کہ ایمان
وَهٰرُونَ	اور ہارون کے	فَسَوْفَ	پس عنقریب		لائے ہم
قَالَ	کہا	تَعْلَمُونَ	جان لوگے تم	بِاٰيٰتِ رَبِّنَا	ہمارے رب کے معجزات پر
فِرْعَوْنُ	فرعون نے	لَأُقَطِّعَنَّ	میں ضرور کاٹوں گا	لَمَّا جَآءَتْنَا	جب وہ پہنچے ہمیں
اٰمَنْتُمْ	کیا ایمان لائے تم	أَيْدِيَكُمْ	تمہارے ہاتھوں کو	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!
بِهٖ	اس (پروردگار) پر	وَأَرْجُلَكُمْ	اور تمہارے پیروں کو	أَفْرِغْ عَلَيْنَا	ریڑھیے ہم پر
قَبْلَ	پہلے	مِّنْ خِلَافٍ	مخالف جانب سے	صَبْرًا	صبر (برداشت)
أَنْ اٰذَنَ	(اس کے) کہ اجازت	ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ	پھر میں ضرور تم کو سولی	وَّتَوَفَّنَا	اور موت دیجئے، ہمیں
	دوں میں		دوں گا	مُسْلِمِينَ	مسلمان ہونے کی حالت میں

سرداروں نے معجزات کو جادو قرار دیا، اور جادوگروں سے مقابلہ کرانے کا مشورہ دیا

موسیٰ علیہ السلام نے دعوت سر دربار دی تھی، اپنے دونوں معجزات تمام درباریوں کو دکھائے تھے، پس ان میں سے بعض نے کہا: یہ ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے بے دخل کردے، اور ملک کا کنٹرول خود سنبھال لے، دریں صورت پارلیمنٹ نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ وہ موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے، اور ملک میں چپڑاسی ڈورائے جو تمام ماہر جادوگروں کو جمع کرلائیں، اور ان کا موسیٰ سے مقابلہ کرائے۔

آگے کا مضمون سورۂ طٰہٰ میں ہے: فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ہم تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لائیں گے،

(۱) نَقَمَ (ض) منه: کوئی بات ناپسند کرنا، ناگوار سمجھنا۔

لہٰذا تو مقابلہ کا کوئی دن اور میدان مقرر کر، موسیٰ علیہ السلام نے جشن کا دن اور دن چڑھے کا وقت مقرر کیا، اور لوٹ گئے۔

﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾﴾

ترجمہ: فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک یہ ماہر جادوگر ہے، چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے بے دخل کردے، پس آپ حضرات (فرعون کو) کیا حکم (مشورہ) دیتے ہو؟

سب سرداروں نے (فرعون سے) کہا کہ آپ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دیں —— یعنی ابھی جواب نہ دیں —— اور شہروں میں ہرکارے دوڑائیں، جو آپ کے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لائیں —— اور ان کا موسیٰ سے مقابلہ کرائیں۔

جادوگروں نے فرعون سے اجرت کی امید باندھی

جب جادوگر فرعون کے پاس آئے تو انھوں نے خوبصورت طریقہ پر مزدوری مانگی، وہ پیشہ ور تھے، جادو کرنا یا کا ان کا دھندا تھا، وہ مفت میں کام نہیں کرتے، انھوں نے فرعون سے کہا: اگر ہم مقابلہ میں جیت گئے تو ہمیں کچھ مزدوری ملے گی؟ فرعون نے کہا: بالکل ملے گی! اور تم کو دربار میں جگہ بھی دی جائے گی (تاکہ آئندہ بھی تم سے کام لیا جاسکے)

فائدہ: جو عامل نذرانہ پہلے وصول کرتے ہیں، پھر عمل کرتے ہیں: وہ صحیح نہیں! معلوم نہیں عمل سے فائدہ ہو یا نہ ہو، حدیث میں عَسْبُ الفحل کی ممانعت آئی ہے، یعنی مادہ کو گابھن کرانے کی اجرت جائز نہیں، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ نر کے جست کرنے سے مادہ کا گابھن ہونا یقینی نہیں، کبھی داؤ خالی جاتا ہے، اسی طرح عمل کا فائدہ بھی یقینی نہیں، البتہ اجرت پہلے طے کرلی جائے اور عمل کا فائدہ ظاہر ہونے کے بعد لی جائے تو جائز ہے۔

﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾﴾

ترجمہ: اور جادوگر فرعون کے پاس آئے، انھوں نے کہا: کیا ہمارے لئے کچھ مزدوری ہوگی اگر ہم ہی غالب رہیں؟ فرعون نے کہا: ہاں! اور تم مقرب بارگاہ ہو جاؤ گے!

مقابلہ شروع ہوا، جادوگروں نے اپنا کرتب دکھایا، جس کو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ نگل گیا

میدان میں سبطی اور قبطی مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے، فرعون بھی مع اعوان وانصار موجود تھا، جادوگر فیلڈ میں

اترے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا: آپ ابتدا کرتے ہیں یا ہم ابتدا کریں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم ہی زور آزمالو! انھوں نے لاٹھیاں اور رسیاں جو منتر پڑھ کر لائے تھے میدان میں ڈالیں، اور نظر بندی کردی، جس سے سارا میدان سانپوں سے بھرا ہوا نظر آنے لگا، جس سے سب پر دہشت طاری ہوگئی، ایک سانپ گھبرانے کے لئے کافی ہوتا ہے، یہاں تو ان گنت سانپ تھے، یوں انھوں نے اپنے خیال میں زبردست جادو کا مظاہرہ کیا۔

فوراً وحی آئی کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی ڈالیں، ڈالی تو وہ اژدہا بن کر جادوگروں کے سوانگ (تماشہ) کو نگلنے لگی، اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کو چٹ کرگئی، تب سچ کھل گیا اور باطل مٹ گیا —— جادوگروں نے نظر بندی کی تھی، لاٹھیوں اور رسیوں کی ماہیت نہیں بدلی تھی، اس لئے وہ کسی کو کاٹ نہیں سکتے تھے، اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی حقیقۃً سانپ بن گئی تھی، اس لئے وہ سب کو پھرتی سے نگل گئی۔

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝١١٥ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۗءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝١١٦ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝١١٧ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١١٨﴾

ترجمہ: جادوگروں نے کہا: ”اے موسیٰ! یا تو تو ڈالے یا ہم ہی ہوں (پہلے) ڈالنے والے؟“ —— موسیٰ نے کہا: تم ڈالو! پس جب انھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا، اور ان پر دہشت طاری کردی، اور انھوں نے زبردست جادو کا مظاہرہ کیا —— اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اپنی لاٹھی ڈالیں، پس یکایک وہ اس سوانگ کو پھرتی سے نگلنے لگی جو جادوگر بنا کر لائے تھے، اس طرح سچ کھل گیا، اور جادوگروں کا بنایا ہوا مٹ گیا۔

مقابلہ میں فرعونیوں نے منہ کی کھائی، جادوگر مسلمان ہوگئے،

اور انھوں نے فرعون کی سزا خندہ پیشانی سے قبول کی!

میدانی مقابلہ میں فرعون کی پارٹی ہاری، وہ ذلیل ہوکر میدان سے لوٹی، اور جادوگر سجدہ ریز ہوگئے، ان کے سجدہ کا مطلب تھا: رب العالمین پر ایمان لانا، بس پھر کیا تھا؟ فرعون آپے سے باہر ہوگیا، اس نے جادوگروں سے کہا: ”تم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لائے میری اجازت کے بغیر؟ معلوم ہوتا ہے یہ تمہاری ملی بھگت ہے، تم سب مل کر ملک پر قبضہ کرنا چاہتے ہو، تمہارے ایمان کا انجام تمہیں ابھی معلوم ہوجائے گا، جب میں تمہارے مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا!“

جادوگروں نے جواب دیا: ''ہمارا کیا بگڑے گا! ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹیں گے، اور تو جو ہمیں سزا دے گا تو کس گناہ کی سزا دے گا؟ اسی گناہ کی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو معجزہ مان لیا!'' یعنی یہ ہمارا گناہ نہیں، خوبی ہے!

پھر انھوں نے دعا کی: ''الٰہی! ہمیں سزا برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرما! اور ہمیں آخری سانس تک ایمان پر برقرار رکھ!'' —— اس طرح جادوگروں نے فرعون کی سزا کو خندہ پیشانی سے قبول کیا!

﴿ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝١١٩ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝١٢٠ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٢١ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝١٢٢ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝١٢٣ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝١٢٤ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝١٢٥ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝١٢٦ ﴾

ترجمہ: پس وہاں —— مقابلہ کے میدان میں —— فرعونی ہارے، اور ذلیل ہو کر (میدان سے) لوٹے، اور جادوگر سجدہ میں ڈال دیئے گئے —— ﴿ اُلْقِيَ ﴾ فعل مجہول ہے، یعنی بغیر کسی خارجی دباؤ کے مسلمان ہوگئے ——

انھوں نے کہا: ''ہم جہانوں کے پالنہار پر ایمان لائے، موسیٰ اور ہارون کے پالنہار پر''

فرعون نے کہا: ''تم اس (رب العالمین) پر ایمان لائے میرے اجازت دینے سے پہلے؟ یہ ضرور کوئی سازش ہے جو تم نے مملکت میں رچی ہے، تاکہ تم مملکت سے اس کے (اصل) باشندوں کو بے دخل کردو، پس ابھی تمھیں (سازش کا انجام) معلوم ہوجائے گا (جب) میں بالیقین تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا، پھر تم سب کو سولی پر لٹکاؤں گا!'' —— تب تم اپنی سازش کا مزہ چکھوگے!

جادوگروں نے کہا: ''بے شک ہم ہمارے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور تجھے ہماری یہی بات ناگوار گذری ہے کہ ہم ہمارے پروردگار کے معجزات پر ایمان لائے جب وہ ہمیں پہنچے!''

دعا: ''اے ہمارے پروردگار! آپ ہم پر صبر انڈیل دیں! اور ہمیں فرماں بردار ہونے کی حالت میں موت دیں!''

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝١٢٧ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۣۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ

مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۹ ع

وَ قَالَ	اور کہا	نِسَآءَهُمْ	ان کی عورتوں کو	قَالُوْٓا	کہا بنی اسرائیل نے
الْمَلَاُ	سرداروں نے	وَاِنَّا فَوْقَهُمْ	اور ہم ان پر	اُوْذِيْنَا	تکلیف پہنچائے گئے ہم
مِنْ قَوْمِ	قوم	قٰهِرُوْنَ	زور آور ہیں	مِنْ قَبْلِ	آپ کے ہمارے پاس
فِرْعَوْنَ	فرعون کے	قَالَ مُوْسٰى	کہا موسیٰ نے	اَنْ تَاْتِيَنَا	آنے سے پہلے
اَتَذَرُ	کیا چھوڑتے ہیں آپ	لِقَوْمِهِ	اپنی قوم سے	وَمِنْۢ بَعْدِ	اور آپ کے ہمارے
مُوْسٰى	موسیٰ کو	اسْتَعِيْنُوْا	مدد مانگو تم	مَا جِئْتَنَا	پاس آنے کے بعد
وَ قَوْمَهٗ	اور اس کی قوم کو	بِاللّٰهِ	اللہ سے	قَالَ	کہا موسیٰ نے
لِيُفْسِدُوْا	تا کہ بگاڑ پیدا کریں وہ	وَاصْبِرُوْا	اور صبر کرو	عَسٰى رَبُّكُمْ	نزدیک ہے تمہارا پروردگار
فِي الْاَرْضِ	ملک میں	اِنَّ الْاَرْضَ	بے شک زمین	اَنْ يُّهْلِكَ	کہ ہلاک کرے
وَيَذَرَكَ	اور چھوڑ دیں وہ آپ کو	لِلّٰهِ	اللہ کی ہے	عَدُوَّكُمْ	تمہارے دشمنوں کو
وَاٰلِهَتَكَ	اور آپ کے معبودوں کو	يُوْرِثُهَا	وارث بناتے وہ اس کا	وَيَسْتَخْلِفَكُمْ	اور نائب بنائے تم کو
قَالَ	کہا فرعون نے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
سَنُقَتِّلُ	اب قتل کریں گے ہم	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے	فَيَنْظُرَ	پھر دیکھے وہ
اَبْنَآءَهُمْ	ان کے بیٹوں کو	وَالْعَاقِبَةُ	اور اچھا انجام	كَيْفَ	کیسے
وَنَسْتَحْيٖ	اور زندہ رکھیں گے	لِلْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کیلئے ہے	تَعْمَلُوْنَ	کرتے ہو تم کام!

جادوگروں کو سزا دے کر فرعون نے بنی اسرائیل کو بھی سزا دی

جب فرعون جادوگروں کو سزا دے کر فارغ ہوا تو پارلیمنٹ میں سرداروں نے کہا: آپ نے جادوگروں کو تو سزا دیدی، مگر موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا، وہ ملک میں اودھم مچائیں گے، رفتہ رفتہ اپنی طاقت جمع کر کے آپ کے لئے خطرہ بن

جائیں گے، آپ کی مورتیوں کو اور آپ کے دھرم کو چھوڑ دیں گے، لہٰذا ان کو بھی ضرور سزا دینی چاہئے۔

مگر ان کی تعداد چھ لاکھ تھی، اتنی بڑی تعداد کو قتل کرنا سیاسی مصلحت نہیں تھی، اس لئے فرعون نے بنی اسرائیل کی تعداد کو آہستہ آہستہ گھٹانے کا طریقہ اختیار کیا، اس نے کہا: ہم حسبِ سابق ان کے لڑکوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے، اس طرح ان کی تعداد گھٹ جائے گی، اور لڑکوں کے قتل کے واقعات اکا دکا پیش آئیں گے اس لئے کوئی خلفشار نہیں ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس سال موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہونی تھی، نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے فرعون کی حکومت ختم ہوجائے گی، چنانچہ فرعون نے حکم دیا کہ اس سال بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کردیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے، کیونکہ ان سے کوئی خطرہ نہیں، اب وہی سزا دوبارہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لئے تجویز کی کہ لڑکوں کو قتل کیا جائے، تاکہ ان کی تعداد گھٹے، اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے، تاکہ بنی اسرائیل کے لئے دردِ سر بنیں اور قبطیوں کی خدمت کریں (تفصیل پوری ہوئی)

فرعون نے یہ بھی کہا کہ حالات ہمارے قابو میں ہیں، اس پر عمل کرنے میں کسی فتنہ (خلفشار) کا اندیشہ نہیں، جب اس حکم پر عمل شروع ہوا تو بنی اسرائیل بہت گھبرائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی، اور فرمایا: اللہ سے مدد مانگو اور صبر (برداشت) سے کام لو، ملک اللہ کا ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مالک بنائیں، اور اچھا انجام نیکو کاروں کے لئے ہے! ـــــ یعنی اگر تم نیکوکار ہوئے تو تمہارا پلّہ بھاری رہے گا!

سِبطیوں نے شکوہ کیا، انھوں نے کہا: آپ کی بعثت سے پہلے بھی ہم پر یہ آفت آئی تھی، اب دوبارہ آپ کی بعثت کے بعد یہی آفت آئی! ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ دوبارہ لڑکوں کا قتل شروع ہوگیا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا: وہ دن دور نہیں جب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کریں گے، اور تمہیں زمین میں ان کا قائم مقام بنائیں گے، پھر دیکھیں گے کہ تم کیسے کام کرتے ہو، خلف ثابت ہوتے ہو یا ناخلف!

سوال: فرعون کا دعوی تھا: ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾: میں تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں! پھر اس کے معبود کون تھے؟ اور ﴿ اٰلِهَتَكَ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: فرعون بھی 'بندہ' تھا، بندگی اس کی فطرت تھی، حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ مورتیوں کو پوجتا تھا، اور سلیمان تیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ گائے کو پوجتا تھا، اس طرح وہ اپنی طبیعت کا تقاضا پورا کرتا تھا، جیسے قبوری: نماز نہیں پڑھتے، قبروں کا طواف کرکے اور اولیاء سے مرادیں مانگ کر طبیعت کا تقاضا پورا کرلیتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا: ''کیا آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو چھوڑتے ہیں کہ وہ ملک میں اودھم مچائیں، اور آپ کو اور آپ کی مورتیوں کو چھوڑ دیں؟'' —— یعنی کیا ان کو کوئی سزا نہیں دیں گے؟ —— فرعون نے کہا: ''اب ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہم ان پر قابو یافتہ ہیں!''

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اللہ سے مدد مانگو، اور قوتِ برداشت سے کام لو، زمین یقیناً اللہ کی ہے، وہ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہیں وارث بنائیں، اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے!''

فائدہ (۱): انبیائے کرام عالم الغیب نہیں ہوتے، ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو وعدے فرماتے ہیں وہ اجمالی ہوتے ہیں، تفصیلات سے وہ آگاہ نہیں ہوتے، ان آیات میں مکی دور میں مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ صبر وہمت سے مخالفین کے ظلم وستم سہیں، زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ جس کو چاہیں مالک بنائیں اور اچھا انجام بہر حال پرہیزگاروں کے لئے ہے، رہی یہ بات کہ اس کی کیا صورت ہوگی؟ اور اس میں کتنا وقت لگے گا؟ یہ بات نبی ﷺ کو بھی نہیں بتائی گئی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں تھی، بالاجمال یہ خوش خبری سنائی تھی۔

فائدہ (۲): معجزہ نہ نبی کا فعل ہوتا ہے نہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے، وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے، اور اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، اللہ جب چاہتے ہیں معجزہ ظاہر ہوتا ہے، عصا جو سانپ بنتا تھا وہ ہر وقت لاٹھی ڈالنے سے نہیں بنتا تھا، نہ ہاتھ چمکتا تھا، بلکہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے تو یہ معجزات ظاہر ہوتے۔

بنی اسرائیل نے کہا: ''ہم آپ کی بعثت سے پہلے —— آپ کی ولادت کے وقت —— تکلیف پہنچائے گئے، اور (اب) آپ کی بعثت کے بعد بھی!'' —— موسیٰ نے کہا: ''جلدی تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا، اور تم کو زمین میں نائب بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو؟''

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا

وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ اِسْرَآءِيلَ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	قَالُوْا	(تو) کہتے	طٰٓئِرُهُمْ (۳)	ان کی بدفالی
اَخَذْنَآ	(کہ) پکڑا ہم نے	لَنَا هٰذِهٖ	ہمارے لئے ہے یہ	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے
اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کو	وَ اِنْ تُصِبْهُمْ	اور اگر پہنچتی ان کو	وَلٰكِنَّ	لیکن
بِالسِّنِيْنَ (۱)	قحطوں میں	سَيِّئَةٌ	بدحالی	اَكْثَرَهُمْ	اکثر
وَنَقْصٍ	اور کمی میں	يَّطَّيَّرُوْا (۲)	(تو) بدفالی لیتے وہ	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
مِّنَ الثَّمَرٰتِ	پھلوں کی	بِمُوْسٰى	موسیٰ کی	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	وَ مَنْ مَّعَهٗ	اور ان کی جو اس کے	مَهْمَا (۴)	جو کچھ بھی
يَذَّكَّرُوْنَ	نصیحت قبول کریں		ساتھ تھے	تَاْتِنَا بِهٖ (۵)	لائے تو ہمارے پاس اس کو
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ	پس جب پہنچتی ان کو	اَلَآ	سن!	مِنْ اٰيَةٍ (۶)	یعنی کوئی نشانی
الْحَسَنَةُ	خوش حالی	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	لِّتَسْحَرَنَا	تاکہ جادو کرے تو ہم پر

(۱) سِنِين: سَنَةٌ کی جمع: اصل معنی: سال، مجازی معنی: قحط (۲) تَطَيُّر (تفعل) يَطَّيَّرُوْا اصل میں يَتَطيروا تھا: بدشگونی لینا، بدفالی لینا (۳) طائر: پرندہ، مجازی معنی: بدشگونی، بدفالی، عرب پرندہ اڑا کر فال لیا کرتے تھے (۴) مهما: اسم ظرف بمعنی متی: جو بھی، جو کچھ بھی، دو فعلوں کو جزم دیتا ہے، اور ما (برائے غیر ذوی العقول) کے معنی میں ہوتا ہے۔ (۵) بہ کی ضمیر مهما کی طرف عائد ہے۔ (۶) من آية: مهما کا بیان ہے۔

بِهَا	اس (نشانی) کے ذریعہ	رَبَّكَ	اپنے پروردگار سے	فَانْتَقَمْنَا	پس بدلہ لیا ہم نے
فَمَا نَحْنُ	تو نہیں ہیں ہم	بِمَا عَهِدَ [1]	اس پیمان کی وجہ سے جو	مِنْهُمْ	ان سے
لَكَ	تجھ پر	عِنْدَكَ	تیرے پاس ہے	فَاَغْرَقْنٰهُمْ	پس ڈبو دیا ہم نے ان کو
بِمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	لَئِنْ	بخدا! اگر	فِي الْيَمِّ	سمندر میں
فَاَرْسَلْنَا	پس چھوڑا ہم نے	كَشَفْتَ	کھول دیا تو نے	بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ کہ انھوں نے
عَلَيْهِمُ	ان پر	عَنَّا	ہم سے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
الطُّوْفَانَ	طوفانِ بادوباراں	الرِّجْزَ	یہ عذاب	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
وَالْجَرَادَ	اور ٹڈیاں	لَنُؤْمِنَنَّ	(تو) ضرور بات مان	وَكَانُوْا عَنْهَا	اور تھے وہ ان سے
وَالْقُمَّلَ	اور جوئیں		لیں گے ہم	غٰفِلِيْنَ	غفلت برتنے والے
وَالضَّفَادِعَ	اور مینڈک	لَكَ	آپ کی	وَاَوْرَثْنَا	اور وارث بنایا ہم نے
وَالدَّمَ	اور خون	وَلَنُرْسِلَنَّ	اور ضرور بھیجیں گے ہم	الْقَوْمَ	ان لوگوں کو
اٰيٰتٍ	نشانیاں	مَعَكَ	تیرے ساتھ	الَّذِيْنَ كَانُوْا	جو تھے
مُّفَصَّلٰتٍ	جدا جدا	بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	يُسْتَضْعَفُوْنَ	کمزور قرار دیئے گئے
فَاسْتَكْبَرُوْا	پس گھمنڈ کیا انھوں نے	فَلَمَّا كَشَفْنَا	پس جب کھول دیا ہم نے	مَشَارِقَ	مشرق کا
وَكَانُوْا قَوْمًا	اور تھے وہ لوگ	عَنْهُمُ	ان سے	الْاَرْضِ	سرزمین کے
مُّجْرِمِيْنَ	بدکار	الرِّجْزَ	وہ عذاب	وَمَغَارِبَهَا	اور اس کے مغرب کا
وَلَمَّا وَقَعَ	اور جب پڑا	اِلٰٓى اَجَلٍ	ایک مدت کے لئے	الَّتِيْ	جو کہ
عَلَيْهِمُ	ان پر	هُمْ	وہ	بٰرَكْنَا	برکت رکھی تھی ہم نے
الرِّجْزُ	عذاب	بٰلِغُوْهُ	اس مدت کو پہنچنے	فِيْهَا	اس میں
قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے		والے ہیں	وَتَمَّتْ	اور پوری ہوگئی
يٰمُوْسَى	اے موسیٰ	اِذَا هُمْ	(تو) اچانک وہ	كَلِمَتُ	بات
ادْعُ لَنَا	دعا کرو تو ہمارے لئے	يَنْكُثُوْنَ	عہد توڑ بیٹھے	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار کی

(۱) بما: ما مصدریہ ہے۔

الْحُسْنٰى	عمدہ	وَدَمَّرْنَا	اور ملیامیٹ کردیا ہم نے	وَ قَوْمُهٗ	اور اس کی قوم
عَلٰى بَنِىٓ	اولاد پر	مَا كَانَ	اس کو جو تھے	وَمَا كَانُوْا	اور جو تھے وہ
اِسْرَآءِيْلَ	یعقوب کی	يَصْنَعُ	بناتے	يَعْرِشُوْنَ (۱)	اونچا چڑھاتے
بِمَا صَبَرُوْا	ان کے صبر کرنے کی وجہ سے	فِرْعَوْنُ	فرعون	۞	۞

آلِ فرعون کا ابتلاء اور ان کا آخری انجام

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس آیت سے شروع ہوا ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ﴾ یعنی گذشتہ انبیائے خمسہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات (عصا اور ید بیضاء) کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا، ان لوگوں نے ان معجزات کو جادو قرار دیا، اور جادوگروں سے مقابلہ کرایا، جس میں وہ بری طرح ہارے، جادوگروں نے اسلام قبول کرلیا، فرعون نے ان کو قتل کردیا، پھر بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس طرح بات بڑھتی چلی گئی۔

اب گفتگو پیچھے کی طرف لوٹ رہی ہے، جہاں سے یہ جلد شروع ہوئی ہے وہاں تین آیتوں میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب کوئی نبی مبعوث کئے جاتے ہیں تو ابتداءً تکذیب کرنے والوں کو سرد وگرم حالات سے دوچار کیا جاتا ہے، یہ تنبیہ ہوتی ہے کہ لوگ شرارتوں سے باز آئیں، اور نبی کی طرف مائل ہوں، ان آیات میں اسی ابتلاء کا ذکر ہے، اور یہ مضمون آلِ فرعون کے آخری انجام تک چلا گیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے سات معجزات جو آلِ فرعون کے لئے ابتلاء تھے

سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۱۰۱) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ﴾: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نہایت واضح نشانیاں عطا فرمائی تھیں، ان میں سے دو: بڑے معجزات تھے، باقی سات آلِ فرعون کے لئے ابتلا تھے، تفصیل درج ذیل ہے:

۱- موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو زمین پر ڈالنے سے اژدہا بن جاتی تھی، مگر اس کا مظاہرہ تین ہی مرتبہ ہوا ہے: ایک: جب نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ دوم: فرعون کے سامنے جب پہلی مرتبہ اس کے پاس دعوت لے کر گئے۔ سوم: جادوگروں کے مقابلہ میں —— ان کے علاوہ لاٹھی سے دوسرے دو کرشمے ظاہر ہوئے ہیں: ایک: لاٹھی دریا پر ماری تو پانی

(۱) عَرَشَ (ن، ض) عَرْشًا: اونچا بنانا، چھتری (ٹٹی) چڑھانا۔

پھٹ گیا اور بارہ راستے نکل آئے۔ دوم: میدانِ تیہ میں پتھر پر لاٹھی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ علاوہ ازیں اس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے کا بھی کام لیا جاتا تھا، پس یہ لاٹھی کثیر المقاصد تھی، ہمیشہ سانپ نہیں بنتی تھی۔

۲-ید بیضاء: جب موسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ بغل میں دبا کر نکالتے تو وہ سورج کی طرح چمکنے لگتا، اس کا مظاہرہ دو مرتبہ ہوا ہے، ایک: جب نبوت سے سرفراز کیا گیا، دوم: فرعون کے سامنے، ایسا نہیں تھا کہ اندھیری رات میں اس سے چراغ کا کام لیتے ہوں۔

یہ دو نشانیاں: موسیٰ علیہ السلام کے بڑے معجزات تھے، قرآنِ کریم میں متعدد جگہ ان کا ذکر آیا ہے، اس سورت کی (آیت ۱۰۸) میں بھی اس کا ذکر ہے۔

وہ سات نشانیاں جو از قبیل ابتلاء تھیں:

۱-طوفان (بادو باراں کا سیلاب) ۲-ٹڈی دَل ۳-جوئیں، چیچڑی، سرسری یا گھن ۴-مینڈک ۵-خون —— ان پانچ کا ذکر اسی سورت کی (آیت ۱۳۳) میں ہے —— (۶) قحط سالیاں (۷) پھلوں کی کمی، ان دو کا ذکر (آیت ۱۳۰) میں ہے، بعض حضرات ان کو ایک قرار دیتے ہیں اور ساتویں نشانی طاعون کو قرار دیتے ہیں، جس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۵۹) میں ہے، مگر وہ عذاب بنی اسرائیل پر آیا تھا، آل فرعون سے اس کا کچھ تعلق نہیں تھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ان آخری دو کو الگ الگ شمار کیا ہے۔

یہ ساتوں نشانیاں قبطیوں کے لئے ابتلاء تھیں، رہی یہ بات کہ یہ نشانیاں کس ترتیب سے واقع ہوئی ہیں؟ اور ہر ابتلاء کتنے دن رہا؟ اور دو عذابوں کے درمیان کتنا فصل رہتا تھا؟ —— اس کی تعیین و تفصیل کی کوئی صورت نہیں، نہ اس کا کوئی فائدہ ہے، اور مفسرین جو لکھتے ہیں کہ ہر آزمائش ہفتہ بھر رہتی تھی، اور دو آزمائشوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل ہوتا تھا: یہ بات بے دلیل ہے، البتہ اتنا اشارہ ملتا ہے کہ آخری دو نشانیاں پہلے واقع ہوئی ہیں، باقی پانچ بعد میں، واللہ اعلم!

تفصیل:

غالباً پہلے کئی سال کا قحط پڑا، جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال کا قحط پڑا تھا، اور بھوک مری کی نوبت آگئی، پھر بارش ہوئی مگر پیداوار برائے نام ہوئی، یہ بھی قحط ہی کی ایک شکل تھی۔

اور قبطیوں کا حال یہ تھا کہ جب بھی اچھی حالت آتی تو اس کو اپنا حق جتلاتے، اور جب برا حال ہو جاتا تو اس کو موسیٰ علیہ السلام اور مؤمنین کی نحوست سمجھتے، حالانکہ بدحالی ان کی بداعمالی کے نتیجہ میں آتی تھی، مگر وہ بے وقوف اس کو سمجھتے نہیں تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾: سن! یہ برا حال اللہ کے پاس سے ہے یعنی اس میں

موسیٰ اور مؤمنین کا کچھ دخل نہیں!

اور قبطی ڈھٹائی سے کہتے کہ یہ سب موسیٰ کے جادو کے کرشمے ہیں، ہم ان شعبدہ بازیوں سے ایمان لانے والے نہیں!

پھر یکے بعد دیگرے باقی پانچ آزمائشیں آئیں، جب بھی کسی آفت میں مبتلا ہوتے تو قبطی: فرعون کی طرف رجوع کرتے، فرعون: موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتا، نبوت کے واسطہ سے، موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو زبان سے تو مانتا نہیں تھا، مگر اس کا دل قائل تھا، اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا وعدہ کرتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ عذاب ہٹاتے، مگر ان کی سرکشی اور بدعہدی کا حال یہ تھا کہ وہ ہر بار وعدہ کر کے مکر جاتے، نہ ایمان لاتے، نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرتے۔

اس طرح معاملات چلتے رہے، تا آنکہ پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، پس موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ کسی رات بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جائیں، فرعون کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تکذیب اور غفلت کی سزا میں غرقاب کر دیا۔

اور بنی اسرائیل کو جن کو بے حیثیت کر دیا گیا تھا ایک پورے ملک (شام) کا مالک بنا دیا، یہ علاقہ زرخیز تھا، بنی اسرائیل وہاں خوب پھلے پھولے، ان کو ان کے صبر کا صلہ مل گیا، اور محلات و باغات والے فرعونیوں کو ملیامیٹ کر دیا۔

اللہ کی سنت یہی ہے، جب کوئی قوم ظلم، تکبر، عیش پرستی اور دوسری قسم کی برائیوں میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کو نیچا دکھایا جاتا ہے اور دبی کچلی قوم کو ابھارا جاتا ہے۔

آیاتِ کریمہ مع تفسیر:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳۰﴾

ترجمہ: اور البتہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے فرعون والوں (قبطیوں) کو قحطوں میں اور پھلوں (پیداوار) کی کمی میں مبتلا کیا، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ـــــ یعنی غفلت سے چونکیں ـــــ قحط اور پیداوار کی کمی دو الگ الگ نشانیاں تھیں، پس طاعون (پلیگ) کو نو نشانیوں میں لینے کی ضرورت نہیں، اور غالباً یہ دو نشانیاں پہلے ظاہر ہوئی تھیں، اس لئے ان کا ذکر پہلے کیا۔

﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۱ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۲ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۱۳۳﴾

ترجمہ: اور جب بھی ان پر خوش حالی آتی تو کہتے: یہ تو ہمارا حق ہے! —— یعنی ہم مبارک اور اقبال مند ہیں —— اور اگر ان کو کوئی بدحالی پہنچتی تو اس کو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے! —— حالانکہ وہ ان کے اعمال کا نتیجہ ہوتی تھی، ارشاد پاک ہے: —— سن! ان کی نحوست اللہ کے پاس ہے! —— یعنی ان کے کفریہ اعمال کی وجہ سے ان کے لئے مقدر ہے —— لیکن ان کے اکثر جانتے نہیں —— اور (اوپر سے) یوں کہتے ہیں کہ تم خواہ کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ، جس کے ذریعہ تم ہم پر جادو کردو، پھر بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہیں مانیں گے —— جب ایسی سرکشی اختیار کی تو ہم نے ان پر طوفانِ (بادوباراں) بھیجا، اور ٹڈیاں، اور جوئیں، اور مینڈک اور خون یہ سب جدا جدا نشانیاں تھیں، پس انھوں نے گھمنڈ کیا اور وہ جرائم پیشہ لوگ تھے!

﴿ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۳۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب آپڑتا ان پر عذاب تو کہتے: ''اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعا کر، اس وچن کی وجہ سے جو تیرے پاس ہے —— یعنی تیرا دعوی ہے کہ تو سرکار کا ایلچی ہے، اس لئے وہ تیری دعا سنے گا —— بخدا! اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور آپ کی بات مان لیں گے —— یعنی تجھے رسول مان لیں گے —— اور ہم ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے —— یعنی آزاد کریں گے۔

﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ ﴾

ترجمہ: پس جب ہم ان سے عذاب ہٹا دیتے، ایک مدت کے لئے —— مثلاً ایک ماہ کے لئے یا ایک سال کے لئے —— جس تک وہ پہنچنے والے ہیں —— یعنی وہ مدت بہر حال ایک دن پوری ہوجائے گی، پھر دوسری آفت آئے گی —— پس یکا یک وہ عہد توڑ بیٹھتے! —— یعنی نہ ایمان لاتے ہیں نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرتے ہیں —— پس ہم نے ان سے بدلہ لیا —— یعنی نقض عہد کی ان کو سزا دی —— اور انہیں دریا میں ڈبو دیا، اس لئے کہ انھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور وہ ان سے بے پروا تھے —— تکذیب اور غفلت کا ایک ہی مطلب ہے۔

﴿ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشٰرِقَ الْأَرْضِ وَمَغٰرِبَهَا الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۙ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۷﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا —— یعنی مالک بنایا —— جن کو کمزور قرار دیا گیا تھا، سرزمین (شام) کے مشرق ومغرب کا، جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں —— اُس وقت ملکِ شام بڑا ملک تھا، اب وہ فلسطین، اردن اور شام میں تقسیم ہوگیا ہے، یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے —— اور بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا —— یعنی ان کو آزادی مل گئی —— ان کے صبر کرنے کی وجہ سے —— جس کی موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ﴿ اصْبِرُوْا ﴾ سے تلقین کی تھی —— اور ہم نے ملیامیٹ کردیا جو کچھ فرعون نے اور اس کی قوم نے بنایا چڑھایا تھا! —— بنایا تھا: یعنی ساختہ پرداختہ کارخانے، اور چڑھایا تھا: یعنی اونچی اونچی عمارتیں —— نہ رہے مکیں نہ رہے مکان!

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾

وَجٰوَزْنَا	اور پار اتار دیا ہم نے	لَّهُمْ	اپنی	قَالَ	کہا موسیٰ نے
بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	اِنَّكُمْ قَوْمٌ	بیشک تم ایسے لوگ ہو
الْبَحْرَ	سمندر سے	يٰمُوْسَى	اے موسیٰ!	تَجْهَلُوْنَ	نادانی کرتے ہو
فَاَتَوْا	پس پہنچے وہ	اجْعَلْ لَّنَآ	بنا ہمارے لئے	اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ	بے شک یہ لوگ
عَلٰي قَوْمٍ	ایک قوم پر	اِلٰهًا	کوئی مورتی	مُتَبَّرٌ (۲)	تباہ ہے
يَّعْكُفُوْنَ (۱)	جمے ہوئے تھے وہ	كَمَا لَهُمْ	جیسا ان کے لئے	مَّا هُمْ فِيْهِ	وہ حالت جس میں وہ ہیں
عَلٰٓي اَصْنَامٍ	مورتیوں پر	اٰلِهَةٌ	مورتیاں ہیں	وَبٰطِلٌ	اور باطل ہونے والا ہے

(۱) عکف (ن) عُکوفا: جم کر بیٹھنا، لگ کر بیٹھنا (۲) متبر: اسم مفعول، تبتیر (تفعیل): تباہ وبرباد، ٹوٹا ہوا، متبر: إن کی خبر ہے، اور ماهم فيه: موصول صلہ مل کر نائب فاعل ہیں، اور باطل: اسم فاعل، مابعد اس کا فاعل ہے۔

مَّا كَانُوْا	جو وہ ہیں	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	اَبْنَآءَكُمْ	تمہارے بیٹوں کو
يَعْمَلُوْنَ	کرتے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَيَسْتَحْيُوْنَ	اور زندہ رہنے دیتے تھے
قَالَ	کہا موسیٰ نے	اَنْجَيْنٰكُمْ	نجات دی ہم نے تم کو	نِسَآءَكُمْ	تمہاری عورتوں کو
اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے علاوہ کو	مِّنْ اٰلِ	فرعون والوں سے	وَفِيْ ذٰلِكُمْ (۳)	اور اس میں
اَبْغِيْكُمْ (۱)	چاہوں میں تمہارے لئے	فِرْعَوْنَ		بَلَآءٌ	انعام تھا
اِلٰهًا	معبود	يَسُوْمُوْنَكُمْ (۲)	جو چکھاتے تھے تم کو	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی
وَّهُوَ	درانحالیکہ اس نے	سُوْٓءَ الْعَذَابِ	بدترین سزا		طرف سے
فَضَّلَكُمْ	برتری بخشی ہے تم کو	يُقَتِّلُوْنَ	قتل کرتے تھے	عَظِيْمٌ	بڑا

فرعون سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل کے حالات

ا- بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے مورتی کی درخواست کی جو رد کر دی گئی

پہلے تین باتیں جان لیں:

ا- حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے تمام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تھے، ان میں مؤمنین بھی تھے اور منافقین بھی، اکثریت مؤمنین کی تھی، اور اقل قلیل منافق تھے، ان کا سردار سامری تھا، اس نے برائے نام موسیٰ علیہ السلام کا اتباع کیا تھا، جب موسیٰ علیہ السلام طور پر بلائے گئے تو وہ اوپن ہو گیا، اور اس نے بچھڑا بنایا اور منافقوں نے اس کی پوجا شروع کی، اس کا واقعہ سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے، اور بنی اسرائیل میں نفاق اس لئے تھا کہ وہ غلام تھے، اور محکوم قوم کے افراد دنیوی مفاد کے لئے حاکم قوم کی طرف پینگ بڑھاتے ہیں، ان کا ایک پیر حاکم قوم کے پالے میں ہوتا ہے اور دوسرا پیر اپنے دین میں، اور جب حاکم قوم: محکوم قوم کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے تو انہیں افراد کو آلہ کار بناتی ہے۔

۲- مصر کے قبطی اصنام پرست تھے، وہ گائے کو بھی پوجتے تھے، اور ایک ساتھ بسی ہوئی قوموں کے ایک دوسرے پر

(ا) أبغيكم: دراصل أبغي لكم ہے۔ (۲) يسومونكم: ہدایت القرآن (۸۲:۱) کے حواشی دیکھیں (۳) ذا: اسم اشارہ مفرد مذکر کے لئے ہے، اس کے آخر میں کاف مخاطب کے احوال کے موافق بڑھایا جاتا ہے، یہاں مشارٌ الیہ مذکورہ دونوں باتیں ہیں، اس لئے جمع کی ضمیر کم آئی ہے، فرعون سے نجات دینا اور بدترین سزا چکھانا: دونوں باتیں پیش نظر ہیں، مگر ماسیق لاجلہ الکلام پہلی بات ہے، اس لئے بلاء کا ترجمہ 'انعام' کیا ہے، اور سورۃ بقرہ میں دوسری بات مقصود تھی، اس لئے وہاں ترجمہ 'آزمائش' کیا تھا۔

اثرات پڑتے ہیں، جیسے آج جاہل مسلمانوں میں بہت سی ہندوانہ رسمیں رائج ہوگئی ہیں، بنی اسرائیل کے منافقین کا بھی مورتیوں کی طرف میلان تھا، اس لئے موقع ملتے ہی وہ درخواست کر بیٹھے۔

۳-معبود صرف اللہ تعالیٰ ہیں، وہی خالق و مالک ہیں، مگر وہ لامکان ولازمان ہیں، اس لئے عاقل تو معبود غائب کی پرستش کرسکتا ہے، مگر جاہل کے لئے پیکر کی ضرورت ہوتی ہے، مظاہر پرستی انسانوں کی بنیادی کمزوری ہے، یہی کمزوری: انبیاء اور اولیاء کی قبروں کی اور اصنام پرستی کا سبب بنتی ہے۔

آیاتِ پاک کی تفسیر:

جب فرعون کا لشکر سمندر میں غرقاب ہوگیا، اور بنی اسرائیل دریا سے پار اتر گئے تو آگے وہ ایک ایسی قوم پر پہنچے، جو مورتیوں کی دلدادہ تھی، وہاں بنی اسرائیل کے منافقین موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کر بیٹھے کہ ان کے لئے بھی کوئی مورتی تجویز کی جائے، جس پیکر کے واسطے سے وہ اللہ کی عبادت کریں، موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹا، فرمایا: تم نادان ہو! سمجھتے نہیں کہ ان اصنام پرستوں کا انجام ہلاکت ہے، اور ان کی ساری کمائی اکارت جانے والی ہے، اور کیا میں اللہ کے علاوہ تمہارے لئے کوئی معبود تلاش کروں؟ جبکہ اللہ نے تمہیں دین حق دے کر جہانوں پر برتری بخشی ہے، اور دوسرا انعام تم پر یہ کیا ہے کہ تم کو قبطیوں سے نجات بخشی جو تمہیں بری طرح سزا دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، یہ رستگاری کیا بڑا انعام نہیں؟ پھر بھی تم دوسرا خدا چاہتے ہو! —— اس ڈانٹ ڈپٹ سے وقتی طور پر ان منافقین کا صنم پرستی کا جذبہ سرد پڑ گیا۔

<u>آیاتِ کریمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا، پس وہ ایک قوم پر پہنچے جو اپنی مورتیوں پر جمی ہوئی تھی —— وہ قوم کونسی تھی؟ معلوم نہیں! متعین کر کے کیا کروگے؟ —— انھوں نے درخواست کی: اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی مورتی بنا جیسی ان کے لئے مورتیاں ہیں —— موسیٰ نے کہا: بے شک تم نادان لوگ ہو! بے شک یہ لوگ جن مورتیوں کو پوجتے ہیں ان کا انجام ہلاکت ہے، اور وہ جو کام کرتے ہیں وہ اکارت جانے والے ہیں! —— (نیز) کہا: کیا اللہ کے علاوہ کو میں تمہارے لئے معبود چاہوں؟ حالانکہ اس نے تم کو (دین حق کے ذریعہ) جہانوں پر برتری بخشی ہے —— (دوسرا انعام: یاد کرو:) جب تمہیں ان قبطیوں سے نجات بخشی جو تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے، اور اس (نجات دینے میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑا انعام ہے! ——</u>

مشارٌ الیہ: مرجع کی طرح قریب ہوتا ہے، پس مشار الیہ دریا سے پار اتارنا نہیں ہے، بلکہ سخت عذاب سے نجات دینا ہے جو انعام ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

وَوٰعَدْنَا	اور ہم نے میعاد مقرر کی	مِيْقَاتُ	مدت	هٰرُوْنَ	ہارون سے
مُوْسٰى	موسیٰ کے لئے	رَبِّهٖٓ	اس کے پروردگار کی	اخْلُفْنِيْ	نیابت کر میری
ثَلٰثِيْنَ	تیس	اَرْبَعِيْنَ	چالیس	فِيْ قَوْمِيْ	میری قوم میں
لَيْلَةً	راتیں	لَيْلَةً	راتیں	وَاَصْلِحْ	اور سنوار (احوال کو)
وَّاَتْمَمْنٰهَا	اور پورا کیا ہم نے ان کو	وَقَالَ	اور کہا	وَلَا تَتَّبِعْ	اور مت پیروی کر
بِعَشْرٍ	دس کے ساتھ	مُوْسٰى	موسیٰ نے	سَبِيْلَ	راہ کی
فَتَمَّ	پس پوری ہوگئی	لِاَخِيْهِ	اپنے بھائی	الْمُفْسِدِيْنَ	فسادیوں کے

۲-موسیٰ علیہ السلام لمبے وقت کے لئے طور پر چلے گئے تو پیچھے منافقوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی

بنی اسرائیل کے منافقوں نے مورتیوں کی تجویز رکھی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹ پلائی تھی، اور ان کو درخواست کی نامعقولیت سمجھائی تھی، جس سے بات دب گئی تھی، پھر قافلہ آگے بڑھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔

مخلص مسلمانوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے مانگیں، وہ ہمیں اپنی کتاب عنایت فرمائیں، تاکہ منافقوں کو ریشہ دوانیوں کا موقع نہ ملے، موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، وحی آئی کہ آپ طور پر آئیں، ایک ماہ کا اعتکاف کریں، ہم آپ کو اپنی کتاب (تورات) دیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام قوم سے تیس دن کا وعدہ کر کے طور پر تشریف لے گئے، اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا قائم مقام بنا گئے، اور ان کو تاکید کی کہ قوم کے احوال پر نظر رکھیں، منافقین کوئی فساد برپا نہ کرنے پائیں، اگر وہ کچھ گڑبڑ مچائیں تو اصلاح کریں، اور میرے طریقہ پر کاربند رہیں، مفسدہ پردازوں کی راہ پر نہ چلیں۔

پھر موسیٰ علیہ السلام خدام کے ساتھ طور پر تشریف لے گئے، وہاں ایک ماہ کے روزے رکھے اور اعتکاف کیا، وہاں

تورات نازل ہونی شروع ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام اس کو تختیوں میں لکھتے رہے، جب مہینہ پورا ہوا تو ابھی نزول پورا نہیں ہوا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دس دن بڑھا دیئے، یہی مدت منافقوں کے لئے فتنہ بن گئی۔

ایک ماہ تک تو وہ موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرتے رہے، جب مدت مقررہ پر موسیٰ علیہ السلام نہ لوٹے تو سامری نے زیورات سے بچھڑا بنایا، اور منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ خدا تو یہ رہا، موسیٰ اس کو بھول کر طور پر خدا کو تلاش کر رہے ہیں! وہ اب تک نہیں لوٹے، ان کو خدا نہیں ملا، اس طرح منافقوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے اس کو ہر چند سمجھایا، مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آئے، حضرت ہارون علیہ السلام مخلصین کے ساتھ ان کے پاس ٹھہرے رہے، اگر وہ مخلصین کو لے کر آگے بڑھتے تو منافقین ساتھ نہ دیتے اور قوم دو حصوں میں بٹ جاتی، چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے مصلحت یہ سمجھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ٹھہرے رہیں، یہ واقعہ تفصیل سے سورۂ طٰہٰ میں آیا ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر لوٹے تو پیچھے منافقین نے جو گڑبڑ مچائی تھی وہ سامنے آئی، وحی آئی کہ مرتدین کو قتل کیا جائے، مشرکین بیٹھ جائیں اور تائبین ان کو قتل کریں، جب چند لوگ قتل ہوگئے تو باقی کو معاف کردیا۔

ان آیات میں یہی واقعہ ذکر کیا گیا ہے، یہاں ایک سوال ہے کہ پہلے ایک ماہ کی مدت کیوں مقرر کی؟ پھر اس میں دس دن کا اضافہ کیوں کیا؟ پہلے ہی سے چالیس دن کی مدت کیوں مقرر نہیں کی؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ تورات کا نزول مکمل نہیں ہوا تھا، اس لئے مدت بڑھادی، اگر پہلے سے چالیس دن مدت مقرر کرتے تو منافقین یہ حرکت نہ کرتے، موسیٰ علیہ السلام کا چالیس دن تک انتظار کرتے، مگر جب مدت میں چالیس دن کا اضافہ ہوا تو بنی اسرائیل کو اس کی خبر نہ ہوئی، اس لئے فتنہ پردازوں کو بچھڑا بنانے کا اور اس کا پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا، اور یہی اللہ تعالیٰ کو منظور تھا، جس طرح ہدایت کے اسباب بنتے ہیں گمراہی کے بھی اسباب بنتے ہیں: ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾: اللہ تعالیٰ مچھر جیسی مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور بہتوں کو راہ راست دکھاتے ہیں، اور ان مثالوں سے حد اطاعت سے نکلنے والوں ہی کو گمراہ کرتے ہیں [البقرۃ ۲۶]

فائدہ: جماعت کے ایک ذمہ دار نے کہا: ''موسیٰ علیہ السلام جماعت کو چھوڑ کر خانقاہ میں چلے گئے تو چھ لاکھ بنی اسرائیل میں سے پانچ لاکھ اسّی ہزار مرتد ہوگئے!'' —— یہ بات صحیح نہیں، موسیٰ علیہ السلام ازخود طور پر نہیں گئے تھے، بلائے گئے تھے، پس اگر پیچھے ارتداد پھیلا تو الزام کس پر جائے گا؟ بلانے والے پر! (العیاذ باللہ) —— علاوہ ازیں: ہر داعی کا ہر وقت قوم میں رہنا ضروری نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کو قائم مقام بنا کر گئے تھے، اور وہ بھی نبی تھے، اور ان کو تاکید کر کے گئے تھے —— اور آخری بات: پانچ لاکھ اسّی ہزار کا مرتد ہونا کونسی آیت یا حدیث میں آیا ہے؟ یہ تو

تخمینہ ہے جو کسی نے قائم کیا ہے، صحیح بات اس کے برعکس ہے، بیس ہزار مرتد ہوئے ہوں گے باقی دین پر جمے رہے ہونگے، یہ بات قرین قیاس ہے، اگر بڑی تعداد مرتد ہوجاتی تو ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا تھا، بغاوت ہوجاتی، تھوڑی ہی مقدار مرتد ہوئی تھی جو کان ہلائے بغیر قتل کے لئے بیٹھ گئی۔

آیاتِ کریمہ: اور ہم نے موسیٰ کے لئے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی، اور ان کو دس راتوں سے مکمل کیا، پس آپ کے پروردگار کی مدت چالیس راتیں پوری ہوئی، اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: میری قوم میں میری قائم مقامی کریں، اور (لوگوں کے احوال) سنواریں، اور فسادیوں کی پیروی نہ کریں!

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

وَلَمَّا جَآءَ	اور جب پہنچے	لَنْ تَرٰىنِيْ	ہرگز نہیں دیکھے گا تو مجھے	جَعَلَهٗ	(تو) کردیا اس کو
مُوْسٰى	موسیٰ	وَلٰكِنِ انْظُرْ	البتہ دیکھ تو	دَكًّا[1]	ریزہ ریزہ
لِمِيْقَاتِنَا	ہمارے مقررہ وقت پر	اِلَى الْجَبَلِ	پہاڑ کی طرف	وَّخَرَّ مُوْسٰى	اور گر پڑے موسیٰ
وَكَلَّمَهٗ	اور ان سے بات کی	فَاِنِ اسْتَقَرَّ	پس اگر وہ ٹھہرا رہا	صَعِقًا	بے ہوش ہوکر
رَبُّهٗ	ان کے رب نے	مَكَانَهٗ	اس کی جگہ	فَلَمَّآ اَفَاقَ	پھر جب اس کو ہوش آیا
قَالَ	کہا اس نے	فَسَوْفَ	تو عنقریب	قَالَ	(تو) کہا
رَبِّ	اے میرے رب!	تَرٰىنِيْ	تو مجھے دیکھے گا	سُبْحٰنَكَ	آپ کی ذات پاک ہے!
اَرِنِيْٓ	دکھلایئے آپ مجھے	فَلَمَّا	پس جب	تُبْتُ	متوجہ ہوا میں
اَنْظُرْ	دیکھوں میں	تَجَلّٰى	تجلی فرمائی	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
اِلَيْكَ	آپ کو	رَبُّهٗ	اس کے رب نے	وَاَنَا اَوَّلُ	اور میں پہلا
قَالَ	فرمایا	لِلْجَبَلِ	پہاڑ پر	الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والا ہوں

(۱) دَكَّهٗ (ن) دَكًّا: کوٹنا، منہدم کرنا، ریزہ ریزہ کرنا، دکا: مصدر، بمعنی اسم مفعول ہے۔

منافقین بچھڑا پوج رہے تھے، اور موسیٰ علیہ السلام دیدار خداوندی کی درخواست کررہے تھے، ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟

جب موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت میں طور پر پہنچے، اور ایک چلّہ کا اعتکاف کیا، پھر دس دن کا اضافہ کیا، اور تورات کا نزول مکمل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے براہ راست کلام فرمایا، یہ دوسری مرتبہ ہم کلامی تھی، موسیٰ علیہ السلام کو بلاواسطہ کلام سننے سے بے پایاں لذت حاصل ہوئی، آپ نے کمالِ اشتیاق سے اللہ کے دیدار کی درخواست کردی کہ اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اٹھا دیجئے، تاکہ میں بے حجاب آپ کا جلوہ دیکھ سکوں، اُدھر سے جواب ملا: آپ میرے دیدار کا تحمل نہیں کرسکیں گے، دنیا میں موت سے پہلے کسی کو بھی دیدارِ خداوندی کا شرف حاصل ہونا ممتنع (ناممکن) ہے، اگرچہ عقلاً جائز ہے، اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی تھی، اہل السنہ والجماعہ کا یہی مذہب ہے کہ دنیا میں رویتِ باری گو عقلاً ممکن ہے، مگر شرعاً ممتنع ہے، البتہ آخرت میں نصوص قطعیہ سے جمالِ خداوندی کا دیدار نصیب ہوگا (از فوائد)

پھر ارشاد ہوا: آپ سامنے والے پہاڑ کی طرف دیکھیں، ہم اس پر ایک جھلک ڈالتے ہیں، اگر پہاڑ جیسی مضبوط مخلوق جلوہ برداشت کرسکے تو آپ بھی میرا جلوہ دیکھ لیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر ذرا سی تجلی فرمائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے اس لئے وہ بے ہوش ہوکر گر پڑے، جب ہوش آیا تو آپ نے اللہ کی پاکی بیان کی کہ اس دنیا میں اللہ کی رویت ممکن نہیں، اور اپنی نامناسب درخواست سے توبہ کی اور اعتراف کیا کہ میں سب سے پہلے مانتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی رؤیت ممکن نہیں! ــــ اِدھر تو یہ صورتِ حال تھی، اُدھر منافقین چلّہ کے ختم پر بچھڑے کے سامنے گھٹنے ٹیکے بیٹھے تھے، پس موازنہ کرو: منافقین کا کیا حال تھا اور موسیٰ علیہ السلام کس حال میں تھے؟ ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟ ان آیات میں یہی مضمون ہے۔

آیاتِ پاک: اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور ان سے ان کے پروردگار نے بات کی تو انھوں نے درخواست کی: اے میرے پروردگار! آپ مجھے (خود کو) دکھلائیں (تاکہ) میں آپ کو دیکھوں ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو، پس اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لوگے! ـــ پھر جب آپ کے پروردگار نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے ـــ پھر جب ان کو ہوش آیا تو عرض کیا: ”آپ کی ذات پاک ہے! میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اور میں پہلا شخص ہوں جو اس بات کو مانتا ہوں!

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

قَالَ	فرمایا	وَكُنْ	اور ہوں آپ	فَخُذْهَا	پس لیں آپ اس کو
يٰمُوْسٰى	اے موسیٰ!	مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں میں سے	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے
اِنِّىْ	بے شک میں نے	وَكَتَبْنَا	اور لکھ دی ہم نے	وَّاْمُرْ	اور حکم دیں
اصْطَفَيْتُكَ	چن لیا تجھے	لَهٗ	اس کے لئے	قَوْمَكَ	اپنی قوم کو
عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر	فِى الْاَلْوَاحِ	تختیوں میں	يَاْخُذُوْا	کہ لیں وہ
بِرِسٰلٰتِىْ	میرے پیغامات کے لئے	مِنْ كُلِّ شَىْءٍ	ہر قسم کی	بِاَحْسَنِهَا	اس کے بہترین کو
وَبِكَلَامِىْ	اور میری ہم کلامی کیلئے	مَّوْعِظَةً	نصیحت	سَاُورِيْكُمْ	ابھی دکھاؤں گا میں تم کو
فَخُذْ	پس لیں آپ	وَّ تَفْصِيْلًا	اور تفصیل	دَارَ	گھر
مَآ اٰتَيْتُكَ	جو عطا کیا میں نے آپ کو	لِّكُلِّ شَىْءٍ	ہر چیز کی	الْفٰسِقِيْنَ	نافرمانوں کا

دیدار نہ ہو سکا تو دیگر امتیازات کیا کم ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدارِ خداوندی کی درخواست کی تھی، اس کا جواب نفی میں ملا کہ موجودہ ضعیف قُویٰ کے ساتھ یہ بات ممکن نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین امتیازات بخشے ہیں جو تسلی کے لئے کافی ہیں!

ایک: آپ کو رسالت سے سرفراز کیا گیا ہے، آپ کو اللہ کے پیغامات پہنچتے ہیں، رسول کا مرتبہ نبی سے بڑا ہوتا ہے، پھر موسیٰ علیہ السلام تو اولوالعزم رسول ہیں۔

دوم: آپ کو دنیا میں ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، کسی اور کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا، اور یہ آپ کی جزوی فضیلت ہے، اور اسی لئے آپ کا مخصوص لقب کلیم اللہ ہے۔

سوم: آپ کو جامع، کامل و مکمل کتاب تورات عنایت فرمائی ہے، جس میں ہر دینی ضرورت کا تفصیلی بیان ہے، جس کا

نمبر قرآنِ کریم کے بعد ہے، لہٰذا اس کتاب کو مضبوطی سے لیں، اور اس پر عمل کر کے شکر گذار بندہ بنیں (اس امتیاز کا ذکر اگلی آیت میں ہے)

﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾﴾

ترجمہ: ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! میں نے آپ کو لوگوں پر امتیاز بخشا ہے میرے پیغامات اور میری ہم کلامی کے ذریعہ، پس آپ لیں جو میں نے آپ کو عنایت فرمایا ہے، اور آپ شکر گذاروں میں شامل ہوں!

تورات اللہ تعالیٰ کی بہترین کتاب، اور اس پر عمل کی ترغیب وترہیب

تورات شریف: لکڑی کی تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی، یہ تختیاں کہاں سے آئی تھیں؟ کس نے لکھی تھیں؟ اور وہ کس کا کلام تھا؟ —— جاننا چاہئے کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر تنہا نہیں گئے ہونگے، مہینہ بھر کا کھانے پینے کا انتظام بھی ساتھ لے کر گئے ہونگے، اس لئے ساتھ میں خدام بھی ہونگے، آپ تختیاں لے کر گئے ہونگے یا خدام سے منگوائی ہونگی، اور گوسالہ پرستی کا واقعہ چونکہ مدت کے آخر میں پیش آیا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو اس کی خبر نہیں ہوئی، جب واپس لوٹنے کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے سامری کے سوانگ سے آپ کو مطلع کیا۔

اور تورات: یا تو فرشتہ کا کلام تھا یا خود موسیٰ علیہ السلام کا کلام تھا، اللہ کا کلام نہیں تھا، ورنہ اس میں تحریف ممکن نہ ہوتی، اللہ کا کلام صرف قرآنِ کریم ہے، اس لئے اس میں تحریف ممکن نہیں، قرآن اللہ کی کتاب بھی ہے اور کلام بھی، دوسری کتابیں: صرف اللہ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں، قرآن میں ہر جگہ ان کو اللہ کی کتابیں کہا ہے، اللہ کا کلام کسی جگہ نہیں کہا، البتہ سورۃ البقرۃ (آیت ۷۵) میں ہے: ﴿يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ﴾: بنی اسرائیل کا ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا ہے، پھر اس کو بدل ڈالتا ہے۔ اس آیت میں ان ستّر آدمیوں کا ذکر ہے جنھوں نے طور پر اللہ کا کلام سنا تھا، تورات کا ذکر نہیں (براہین قاسمیہ، جواب ترکی بہ ترکی از حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہٗ)

اور کتاب: خط کو بھی کہتے ہیں، اور خط دوسرے سے بھی لکھوا سکتے ہیں، پس ﴿كَتَبْنَا لَهٗ﴾ میں اسناد مجازی ہے، اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام نے لکھی تھی اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، جیسے سورۃ الانفال (آیت ۱۷) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾: مگر اللہ نے پھینکا: یہ اسناد مجازی ہے، بدر کے میدان میں مٹھی بھر کر نبی ﷺ نے مٹی پھینکی تھی، مگر اللہ کے حکم سے پھینکی تھی، اس لئے اس کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا۔

تورات میں ہر قسم کی پند وموعظت تھی، اور ہر دینی ضرورت کی تکمیل تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ اسے مضبوطی

سے لیں، یعنی اس کے سارے احکامات پر عمل کریں، اور بنی اسرائیل کو بھی حکم دیں کہ وہ تورات کی بہترین باتوں پر عمل کریں، یہ قضیہ قیاسا تہامعہا ہے، یعنی ایسی بات ہے جس کی دلیل اس کے ساتھ ہے، تورات کے احکام پر عمل کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ وہ بہترین احکام ہیں، یہاں تک تورات پر عمل کی ترغیب ہے، پھر فرمایا: ''ابھی میں تم کو حد اطاعت سے نکلنے والوں کے انجام (دوزخ) سے آگاہ کرتا ہوں'' یہ ترہیب (ڈراوا) ہے۔

﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، پس (حکم دیا کہ) آپ اس کو مضبوطی سے لیں، اور اپنی قوم کو (بھی) حکم دیں کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں، ابھی میں تم کو حد اطاعت سے نکل جانے والوں کا ـــــ یعنی تورات کے احکام پر عمل نہ کرنے والوں کا ـــــ گھر (انجام، دوزخ) دکھاؤں گا ـــــ یعنی موت کے بعد وہ کہاں پہنچیں گے؟ وہ تمہارے سامنے آجائے گا۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰي مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

سَاَصْرِفُ	اب پھیروں گا میں	الَّذِيْنَ	ان کو جو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
عَنْ اٰيٰتِيَ	میری آیتوں سے	يَتَكَبَّرُوْنَ	گھمنڈ کرتے ہیں	بِغَيْرِ الْحَقِّ	ناحق

وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھتے وہ	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	وَلَا يَهْدِيْهِمْ	اور نہ دکھاتا ہے ان کو
كُلَّ اٰيَةٍ	سب نشانیاں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	سَبِيْلًا	راہ
لَّا يُؤْمِنُوْا	(تو) نہیں ایمان لاتے وہ	وَلِقَآءِ	اور آخرت کی	اِتَّخَذُوْهُ	(معبود) بنالیا انھوں
بِهَا	ان پر	الْاٰخِرَةِ	ملاقات کو		نے اس کو
وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھتے وہ	حَبِطَتْ	برباد ہوئے	وَكَانُوْا	اور تھے وہ
سَبِيْلَ	راہ	اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام	ظٰلِمِيْنَ	(اللہ کی) حق تلفی کرنے
الرُّشْدِ	ہدایت	هَلْ يُجْزَوْنَ	نہیں بدلہ دیئے جائیں		والے
لَا يَتَّخِذُوْهُ	(تو) نہیں بناتے وہ اس کو		گے وہ	وَلَمَّا سُقِطَ[1]	اور جب گرایا گیا
سَبِيْلًا	راہ	اِلَّا مَا كَانُوْا	مگر ان کاموں کا جو تھے	فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں میں
وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھتے وہ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے	وَرَاَوْا	اور دیکھ لیا انھوں نے
سَبِيْلَ	راہ	وَاتَّخَذَ	اور بنایا	اَنَّهُمْ	کہ وہ
الْغَيِّ	ضلالت	قَوْمُ مُوْسٰى	موسیٰ کی قوم نے	قَدْ	بالتحقیق
يَتَّخِذُوْهُ	(تو) بناتے ہیں اس کو	مِنْۢ بَعْدِهٖ	ان کے جانے کے بعد	ضَلُّوْا	گمراہ ہوگئے
سَبِيْلًا	راہ	مِنْ حُلِيِّهِمْ	اپنے زیورات سے	قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے
ذٰلِكَ	یہ بات	عِجْلًا	بچھڑا	لَئِنْ	بخدا! اگر
بِاَنَّهُمْ	بایں وجہ ہے کہ انھوں نے	جَسَدًا	دھڑ	لَّمْ يَرْحَمْنَا	نہ مہربانی کی ہم پر
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	لَّهٗ خُوَارٌ	اس کے لئے گائے کی	رَبُّنَا	ہمارے پروردگار نے
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو		آواز ہے	وَيَغْفِرْ لَنَا	اور (نہ) بخشا ہم کو
وَكَانُوْا عَنْهَا	اور تھے وہ ان سے	اَلَمْ يَرَوْا	کیا نہیں دیکھا انھوں نے	لَنَكُوْنَنَّ	تو ضرور ہونگے ہم
غٰفِلِيْنَ	بے خبر	اَنَّهٗ	کہ وہ	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹا پانے والوں
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	لَا يُكَلِّمُهُمْ	ان کے ساتھ بات نہیں کرتا		میں سے

ربط: گذشتہ آیت کا آخر تھا: ﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ﴾: میں جلدی تم کو حد اطاعت سے نکلنے والوں کا گھر

(۱) سُقِطَ (ن): ماضی مجہول، اور یہ محاورہ ہے: سُقِطَ في يده: أي نَدِمَ: پشیمان ہوا۔

دکھاؤں گا۔اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ فاسقوں سے مراد فرعونی اور عمالقہ ہیں، اور ان کا گھر مصر اور بیت المقدس ہے، پس یہ ترغیب کا مضمون ہے، اور آگے کی آیت ترہیب کا مضمون ہے، مگر بنی اسرائیل کا مصر کی طرف لوٹنا تاریخی طور پر ثابت نہیں۔

اس لئے میں نے دوسری تفسیر اختیار کی ہے، فاسقین سے مراد اعلیٰ درجہ کے فاسقین ہیں، جو حد اطاعت سے نکلنے والے کافر ہیں، اور ان کا گھر دوزخ ہے، جو مرتے ہی ان کے سامنے آنے والا ہے، پس اب زیر تفسیر آیت کو مستقل مضمون قرار دینا چاہئے، اور اس میں قریش پر چوٹ بھی ہے۔

اللہ کے دین کی تکذیب وہ لوگ کرتے ہیں جن کو اپنی چودھراہٹ پیاری ہوتی ہے

انبیائے کرام جب مبعوث ہوتے ہیں یا داعی جب اللہ کے دین کی طرف بلاتا ہے تو لوگ پیچھے ہٹتے ہیں، تکذیب کرتے ہیں، دعوت قبول نہیں کرتے: یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین میں بلا وجہ کی بڑائی مارتے ہیں، ان کو اپنی لیڈری ختم ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، انبیاء کی بات ماننے میں ان کی ہیٹی ہوتی ہے، ان کے سامنے خواہ لاکھ دلائل پیش کئے جائیں یا معجزات دکھائے جائیں: ایمان نہیں لاتے، انبیاء جو دین پیش کرتے ہیں اس کی خوبیوں میں غور نہیں کرتے، اور اس کو نہیں اپناتے، ہاں گمراہی کی راہ سامنے آئے تو بے سوچے سمجھے اس کو اپنا لیتے ہیں —— اور یہ دونوں باتیں: یعنی راہِ ہدایت کو نہ اپنانا اور گمراہی کی راہ کو اپنانا: بایں وجہ ہے کہ وہ اللہ کی باتوں کو نہیں مانتے، وہ اللہ کی آیتوں سے غافل ہیں، اپنے انجام کو نہیں سوچتے، انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں، قیامت کے دن ان کے اعمال برباد ہوں گے، اور ان کو اپنے اعمال کی وجہ سے دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾

ترجمہ: ابھی میں اپنی آیتوں سے برگشتہ کروں گا ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق کی بڑائی مارتے ہیں —— یعنی ان کا غرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں، اس لئے اللہ نے بھی اپنی آیات سے ان کا دل پھیر دیا، اب ان کو منتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی —— اور اگر وہ ساری نشانیاں دیکھیں تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں، اور اگر وہ ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس کو نہ اپنائیں، اور اگر وہ گمراہی کی راہ دیکھیں تو اس کو اپنا لیں، یہ بات بایں وجہ ہے کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، اور وہ ان سے غافل رہے —— اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال برباد گئے، اور وہ

انہی اعمال کا بدلہ دیئے جائیں گے جو وہ کیا کرتے تھے!

دین کو وہ لوگ بگاڑتے ہیں جو چودھراہٹ کے خواہش مند ہوتے ہیں

جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے، اور ایک ماہ کی مدت پوری ہوگئی، اور وہ واپس نہیں لوٹے، کیونکہ مدت میں دس دن کا اضافہ کردیا گیا تھا، پس بنی اسرائیل کے لئے الانتظارُ أشدُّ من الموت ہوگیا، اور سامری نے زیور جمع کرکے ایک بچھڑا بنایا، جو محض دھڑ تھا، اس میں جان نہیں تھی، نہ بڑ سکتی تھی، مگر وہ گائے کی طرح رانبھتا تھا، سامری ٹیکنیک (ہنرمندی) جانتا تھا، اس نے بچھڑے میں ایسے سوراخ رکھے تھے کہ جب ہوا اس میں گھس کر نکلتی تو گائے کی آواز پیدا ہوتی تھی، پھر کیا تھا؟ منافقین اس پر مفتون ہوگئے، اور اس کی پوجا شروع کردی، حالانکہ معبود کے لئے ضروری ہے کہ وہ بولے اور اپنے بندوں کو ہدایت دے، جبکہ بچھڑا نہ بات کرتا تھا نہ راہ نمائی! مگر عقل کے اندھوں نے اس کو معبود بنالیا، اور عبادت جو اللہ کا حق تھا اس کو غیر محل میں رکھ دیا، یہ ظلم (شرک) ہوا۔

اس پورے واقعہ کا ذمہ دار سامری تھا، اس نے بڑا بننے کے لئے یہ سوانگ رچا تھا، وہ خود بچھڑے کا مجاور بن بیٹھا تھا، اسی طرح گذشتہ مذاہب میں اور موجودہ دین اسلام میں جو لوگ گمراہی نکالتے ہیں ان کا مقصد بھی بڑا بننا ہوتا ہے، سورہ بقرۃ (آیت ۲۱۳) میں ہے: ﴿ بَغۡيَۢا بَيۡنَهُمۡ ﴾ یعنی ایک دوسرے پر بڑائی جتانے کے لئے ملت میں غلط راہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیڈر اپنی چلانے کے لئے اسلام میں غلط راہ نکالتا ہے، مسلمانوں میں گمراہ فرقوں کے بانیوں کا درپردہ یہی مقصد ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہیں، طائفہ منصورہ ہمیشہ دین پر برقرار رہتا ہے۔

اور اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو اس کے مقصد کے برخلاف سزا دی، فرمایا: ﴿ فَاذۡهَبۡ فَإِنَّ لَكَ فِي الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ﴾: پس جا! اس زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہتا پھرے گا: ''مجھے مت چھونا'' اور تیرے لئے (آخرت میں) ایک وعدہ ہے جس سے تو ہرگز پیچھے نہیں رہے گا، یعنی آخرت میں تجھے تیری حرکت کی سزا مل کر رہے گی، اور دنیا میں تو 'اچھوت' بن جائے گا، یہ اس کے مقصد کے برخلاف سزا دی۔

﴿ وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۝۱۴۸ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم نے ان کے (طور پر) جانے کے بعد اپنے زیورات سے بچھڑا بنایا، ایک دھڑ جس کے لئے گائے کی آواز تھی، کیا نہیں دیکھا انھوں نے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا، نہ وہ ان کی راہ نمائی کرتا ہے، انھوں نے اس کو

معبود بنالیا، اور وہ ظالم (اللہ کی حق تلفی کرنے والے) تھے۔

توبہ کا دروازہ کھلا ہے: ہر چہ کردی باز آ!

غیر مسلم ہو یا مرتد: ہر ایک کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اسی طرح گنہگار مؤمن کے لئے بھی، چنانچہ جب بعض گوسالہ پرستوں کو عقل آئی تو وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہوئے، ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اور جب ان کو یقین آ گیا کہ انھوں نے شرکِ جلی کیا تو انھوں نے توبہ کی اور اعتراف کیا کہ اگر اللہ نے ان پر مہربانی نہ کی اور بخشش نہ کی تو وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی، اور اس کی صورت مرتدین کا قتل تجویز کیا، جب کچھ لوگ قتل ہو چکے تو باقی کو معاف کر دیا (سورۃ البقرۃ (آیت ۵۴) میں اس کا تذکرہ ہے)

﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب وہ ــــ یعنی بعض گوسالہ پرست ــــ اپنی حرکت پر سخت نادم ہوئے، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ وہ بالیقین گمراہ ہو گئے تو انھوں نے کہا: بخدا! اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر مہربانی نہ کی اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا پانے والوں میں سے ہونگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ع ۱۸

وَلَمَّا رَجَعَ	اور جب لوٹے	غَضْبَانَ (۱)	غضبناک	بِئْسَمَا (۲)	بری ہے جو
مُوْسٰى	موسیٰ	اَسِفًا (۱)	افسوس کرتے ہوئے	خَلَفْتُمُوْنِيْ	نیابت کی تم نے میری
اِلٰى قَوْمِهٖ	اپنی قوم کی طرف	قَالَ	(تو) کہا	مِنْۢ بَعْدِيْ	میرے بعد

(۱) غضبان اور أسفا: موسی کے احوال ہیں (۲) بئس: فعل ذم ہے اور ما: تمیز ہے بئس کے فاعل مستتر سے۔

اَعَجِلْتُمْ	کیا جلدی کی تم نے	ابْنَ اُمَّ	اے ماں جایے![1]	الظّٰلِمِيْنَ	شرک کرنے والے
اَمْرَ رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے حکم میں؟	اِنَّ الْقَوْمَ	بے شک لوگوں نے	قَالَ رَبِّ	کہا اے پروردگار!
وَاَلْقَى	اور ڈال دیں	اسْتَضْعَفُوْنِيْ	کمزور سمجھا مجھے	اغْفِرْ لِيْ	بخش دے مجھے
الْاَلْوَاحَ	تختیاں	وَكَادُوْا[2]	اور قریب تھے	وَلِاَخِيْ	اور میرے بھائی کو
وَاَخَذَ	اور پکڑا	يَقْتُلُوْنَنِيْ	کہ وہ مار ڈالیں مجھے	وَاَدْخِلْنَا	اور داخل فرما ہمیں
بِرَاْسِ	سر	فَلَا تُشْمِتْ[3]	پس نہ ہنسا تو	فِيْ رَحْمَتِكَ	اپنی مہربانی میں
اَخِيْهِ	اپنے بھائی کا	بِيَ	مجھ پر	وَاَنْتَ	اور آپ
يَجُرُّهٗ	گھسیٹ رہے ہیں اس کو	الْاَعْدَآءَ	دشمنوں کو	اَرْحَمُ	بڑے رحم فرمانے والے
اِلَيْهِ	اپنی طرف	وَلَا تَجْعَلْنِيْ	اور نہ بنا تو مجھے	الرّٰحِمِيْنَ	مہربانی کرنے والوں
قَالَ	کہا اس نے:	مَعَ الْقَوْمِ	لوگوں کے ساتھ		سے ہیں

بنی اسرائیل سے سخت باز پرس، اور معقول معذرت سامنے آنے پر دلداری

واقعات: زمانی ترتیب سے ذکر نہیں کئے گئے، مضامین کا ربط پیش نظر ہے، ان دو آیتوں میں جو واقعہ ہے وہ طور سے لوٹتے ہی پیش آیا ہے، تورات لکھنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام تختیاں ساتھ لے گئے ہونگے، تورات: اللہ کی کتاب ہے، کلام نہیں، کلام یا تو فرشتہ کا ہے یا موسیٰ علیہ السلام کا، موسیٰ علیہ السلام اس کو لکھتے جاتے تھے، تیس دن میں کام مکمل نہ ہوا تو دس دن کی مدت بڑھادی۔

جب کام پورا ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ تمہارے پیچھے سامری نے سوانگ بھرا، بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو گمراہ کر دیا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام غضبناک افسوس کرتے ہوئے قوم کی طرف لوٹے، اور آتے ہی بنی اسرائیل کو لیا، اور ان سے سخت باز پرس کی، حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ذمہ دار تھے: ان کو مخاطب بنایا، مگر حقیقت میں سارے بنی اسرائیل مخاطب ہیں کہ تم نے میرے بعد بری حرکت کی، ایک ماہ میں دس دن کا اضافہ ہوا تو کیا بگڑ گیا؟ کیا تم یہ سمجھے ہوئے تھے کہ چٹکی بجاتے تورات مل جائے گی! پھر بھاری تختیاں نیچے رکھ دیں، اور دونوں ہاتھ خالی کر لئے، اور بھائی کا سر اور ڈاڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، یہ آخری درجہ کی سرزنش تھی۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے عرض کیا: بھیّا! گمراہوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھے کہ مجھے مار ڈالیں، پس آپ

---

(۱) ماں جایا: ماں شریک بھائی یعنی حقیقی بھائی (۲) فعل کاد: محل اثبات میں نفی کرتا ہے (۳) إشمات: دشمن کو ہنسانا، خوش کرنا۔

میرے ساتھ جو معاملہ کر رہے ہیں اس سے دشمن خوش ہونگے، آپ مجھے مشرکوں کا ہمنوا نہ سمجھیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے سر اور ڈاڑھی چھوڑ کر دعا کی: الٰہی! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیں، میں نے ان کے ساتھ جو نازیبا برتاؤ کیا ہے اس کو معاف کریں، اور بھائی نے جو کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے اس کو بھی معاف کریں اور آپ اپنی مہربانی میں ہمیں شامل فرمائیں، آپ ارحم الراحمین ہیں! —— یہ مؤمنین کی دلداری ہے، مخاطب ہارون علیہ السلام ہیں، ان کے ضمن میں سب مؤمنین آ گئے۔ پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے اور بچھڑے کو ریت کر دریا میں بہادیا، اور گوسالہ پرستوں کے لیڈر سامری کو 'اچھوت' بنادیا۔

آیاتِ کریمہ: اور جب موسیٰ غضبناک افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے تو کہا: "تم نے میرے بعد میری بری نیابت کی! کیا تم نے اپنے پروردگار کا کام جلدی نمٹ جانے والا سمجھا!" اور تختیاں ڈال دیں —— بھاری بوجھ جلدی میں رکھ دیا جائے تو ایسا محسوس ہوگا کہ ڈال دیا —— اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے —— سورۂ طٰہٰ میں ڈاڑھی کا بھی ذکر ہے —— بھائی نے کہا: "اے ماں جایے! لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھے کہ وہ مجھے مار ڈالیں، پس آپ مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسائیں، اور مجھے شرک کرنے والوں میں شامل نہ کریں"

موسیٰ نے کہا: "اے میرے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرمائیں، اور ہمیں اپنی رحمت میں شامل فرمائیں، اور آپ سب سے بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں!"

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ۝۱۵۲ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۵۳

اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	وَذِلَّةٌ	اور رسوائی	عَمِلُوا	کیے
اتَّخَذُوا	معبود بنالیا	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی میں	السَّيِّاٰتِ	برے کام
الْعِجْلَ	بچھڑے کو	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	ثُمَّ تَابُوْا	پھر توبہ کی انھوں نے
سَيَنَالُهُمْ	عنقریب پہنچے گا ان کو	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم	مِنْ بَعْدِهَا	برائیوں کے بعد
غَضَبٌ	سخت غصہ	الْمُفْتَرِيْنَ	بہتان باندھنے والوں کو	وَاٰمَنُوْٓا	اور ایمان لائے وہ
مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کا	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کا پروردگار

مِنْۢ بَعْدِهَا	برائیوں کے بعد	لَغَفُوْرٌ	یقیناً بڑا بخشنے والا	رَّحِيْمٌ	بڑا رحم فرمانے والا ہے

دنیا میں مرتد کی سزا قتل ہے اور آخرت میں دوزخ: اور ایمان لائے تو معتبر ہے

گوسالہ پرستوں میں سے کچھ لوگ سنبھل گئے، جیسا کہ پہلے گذرا، اور کچھ لوگ مرتد ہی رہے، ان کا لیڈر سامری بھی مرتد رہا اور اس کے فتنہ کا 'اچھوت' بنا کر تدارک کیا، باقی مرتدین کو قتل کیا۔

مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے اور آخرت میں دوزخ! مگر یہ سزا مرد مرتد کے لئے ہے، مرتد عورت کی سزا نظر بندی ہے، اس کو دوسری عورتوں کے ساتھ ملنے سے روک دیا جائے گا، اور دوسری عورتوں کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور مرد اور عورت کی سزا میں یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ فتنہ کا سدّباب مقصود ہے: ﴿اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾ مرد آزاد پھرے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، اور نظر بندی مرد کے موضوع کے خلاف ہے، اور عورت کو نظر بند رکھا جاسکتا ہے اس لئے اس کو یہ سزا دی جائے گی۔

اور مرتد کا قتل: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ کے خلاف نہیں، آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ابتداءً اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور مرتد کو جو اسلام سے نکل گیا ہے، فتنہ روکنے کے لئے نمٹایا جاتا ہے، چنانچہ مرتدہ کو قتل نہیں کیا جاتا۔

اور مرد مرتد کو بھی اس وقت قتل کیا جاتا ہے جب اس کے شبہات اس حد تک دور کردیئے جائیں کہ اس کی بولتی بند ہوجائے، پھر مہلت مانگنے پر تین دن سوچنے کا موقع دیا جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹے تو اس کی قسمت! ورنہ قتل کیا جائے، اور وہ بھی اسلامی حکومت قتل کرسکتی ہے، اور دوبارہ اسلام قبول کرلے تو اس کا ایمان معتبر ہے۔ ان آیات میں یہی مضمون ہے۔

آیاتِ کریمہ: بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا، ان کو عنقریب ان کے پروردگار کا سخت غصہ پہنچے گا —— آخرت کا عذاب مراد ہے —— اور دنیوی زندگی میں رسوائی! —— دنیا میں مرتد کا قتل مراد ہے —— اور اسی طرح ہم افتراء پردازوں کو سزا دیتے ہیں —— اور جن لوگوں نے برائیاں کیں، پھر ان کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے تو ان کا پروردگار برائیوں کے ارتکاب کے بعد یقیناً بڑا بخشنے والا، بڑا مہربانی کرنے والا ہے!

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ

وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾

وَلَمَّا سَكَتَ	اور جب تھم گیا	رَجُلًا	آدمیوں کو	السُّفَهَآءُ	بے وقوفوں نے
عَنْ مُّوْسَى	موسیٰ کا	لِّمِيْقَاتِنَا	ہمارے مقررہ وقت کیلئے	مِنَّا	ہم میں سے
الْغَضَبُ	غصہ	فَلَمَّآ	پس جب	اِنْ هِیَ	نہیں ہے وہ
اَخَذَ	(تو) لی اس نے	اَخَذَتْهُمُ	پکڑا ان کو	اِلَّا فِتْنَتُكَ	مگر آپ کی آزمائش
الْاَلْوَاحَ	تختیاں	الرَّجْفَةُ (۲)	زلزلہ نے	تُضِلُّ	گمراہ کرتے ہیں آپ
وَفِیْ نُسْخَتِهَا (۱)	اور اس کی اصل کاپی میں	قَالَ	کہا اس نے	بِهَا	اس کے ذریعہ
هُدًى	راہ نمائی ہے	رَبِّ	اے پروردگار!	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی ہے	لَوْ شِئْتَ	اگر چاہتے آپ	وَتَهْدِیْ	اور راہ دکھاتے ہیں آپ
لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو کہ	اَهْلَكْتَهُمْ	ہلاک کرتے ان کو	مَنْ تَشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
هُمْ لِرَبِّهِمْ	وہ اپنے رب سے	مِّنْ قَبْلُ	پہلے	اَنْتَ وَلِیُّنَا	آپ ہمارے کارساز ہیں
يَرْهَبُوْنَ	ڈرتے ہیں	وَاِيَّایَ	اور مجھ کو (بھی)	فَاغْفِرْ لَنَا	پس بخش دیں آپ ہمیں
وَاخْتَارَ	اور چنا	اَتُهْلِكُنَا	کیا ہلاک کرتے ہیں	وَارْحَمْنَا	اور مہربانی فرمائیں
مُوْسٰى	موسیٰ نے		آپ ہم کو		آپ ہم پر
قَوْمَهٗ	اپنی قوم سے	بِمَا فَعَلَ	اس حرکت کی وجہ سے	وَاَنْتَ	اور آپ
سَبْعِيْنَ	ستّر		جو کی	خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ	بہترین بخشنے والے ہیں

تورات اللہ کی عظیم کتاب تھی

موسیٰ علیہ السلام طور سے لوٹے تو غصہ میں بپھرے ہوئے تھے، تورات کی تختیاں رکھ دیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام سے سخت باز پرس کی، پھر جب معقول معذرت سامنے آئی تو دلداری کی، پھر گوسالہ پرستوں کی طرف متوجہ ہوئے،

(۱) نسخہ: لکھی ہوئی تحریر، کتاب کی اصل کاپی جس سے نقل لی جائے، تورات کا اصل نسخہ جو موسیٰ علیہ السلام نے طور پر لکھا تھا جو عرصہ تک بنی اسرائیل کے پاس محفوظ رہا، جس سے بنی اسرائیل نقلیں لیتے تھے۔ (۲) الرجفة: زلزلہ، بھونچال، سورۃ بقرہ اور سورۂ نساء میں الصاعقة ہے، اس کے معنی ہیں: بجلی، کڑک، دونوں باتیں جمع تھیں، زلزلہ بھی آیا اور کڑک بھی ہوئی۔

ان کو ڈانٹا ڈپٹا اور بچھڑے کی بے قدری سمجھائی، پھر اس کو ریت کر دریا برد کر دیا، پھر سامری کو سزا دی کہ تو کہتا پھرے گا: ﴿ لَا مِسَاسَ ﴾: مجھے ہاتھ مت لگانا! ہاتھ لگانے سے اس کو بخار چڑھ جاتا تھا، پھر مرتدین کو سزا دی، جب تمام معاملات نمٹ گئے اور موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا پڑا تو آپ تورات کی تختیوں کی طرف متوجہ ہوئے، بنی اسرائیل سے کہا: ''یہ اللہ کی کتاب ہے، اس پر مکمل طور پر عمل کرو!''

تورات کے اصل نسخہ میں، جو موسیٰ علیہ السلام نے طور پر لکھا تھا، اور جس سے بنی اسرائیل نقلیں لیا کرتے تھے: اس میں اللہ کی راہ نمائی تھی، اور جو اللہ سے ڈر کر تورات کے احکام پر عمل کرے: اس کے لئے مہربانی کا مژدہ تھا، یعنی تورات اللہ کی قیمتی کتاب تھی، قرآنِ کریم کے بعد اسی کا نمبر ہے، مگر اس سے فائدہ اسی کو پہنچے گا جو اللہ سے ڈر کر اس پر عمل کرے، جیسے قرآن کے بارے میں ہے: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾: قرآن راہ نما کتاب ہے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے!

اور یہ آیت اگلے واقعہ کی تمہید ہے، دیکھو! ایسی قیمتی کتاب کی بنی اسرائیل نے کیا قدر کی! گدھا کیا جانے زعفران کی قدر! ـــــ اور 'اصل نسخہ' کی قید سے محرف تورات نکل گئی، آج جو تورات یہود کے پاس ہے وہ محرف ہے۔

﴿ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا پڑا تو اس نے تختیاں لیں، اور اس کے نسخہمیں (اصل کاپی میں) راہ نمائی اور مہربانی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں!

مخلصین کا حال دیکھیں، دوسروں کو کیا روئیں!

جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے تورات کی تختیاں پیش کیں تو قوم نے کہا: ''ہم کیا جانیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے!'' (ان کو شبہ اس سے پڑا تھا کہ تحریر موسیٰ علیہ السلام کی تھی) موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''تم اپنے قبائل میں سے چند آدمی منتخب کرو، میں اللہ پاک سے کہلوادوں کہ یہ میری کتاب ہے'' قوم نے ستّر سردار منتخب کئے، موسیٰ علیہ السلام ان کو طور پر لے گئے، وہاں انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر کہنے لگے: ''جب تک ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور رودررو بات نہ سنیں: کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ نے فرمایا!'' اس گستاخی پر پہاڑ کپکپایا اور اوپر سے بجلی گری، اور سب کانپ کر مر گئے، اس سے موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے کہ قوم کو کیا جواب دیں گے؟ چنانچہ آپ نے دعا کی:

''الٰہی! اگر آپ ان لوگوں کو اور مجھ کو (بھی) پہلے ہی بنی اسرائیل کے سامنے ہلاک کر دیتے تو کس کو مجال تھی کہ آپ کی مشیت پر انگلی اٹھاتا! آپ نے قوم کے احمقوں کی بات کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دیا، یہ آپ کا امتحان

ہے، ایسے تکوینی واقعات سے کچھ لوگ گمراہ ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ راہِ راست پاتے ہیں، آپ ہی ہمارے دستگیر ہیں، آپ ہمیں معاف فرمائیں، اور ہم پر مہربانی فرمائیں، آپ بہترین معاف فرمانے والے ہیں!''

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی، اور وہ لوگ بخشے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ازسرنو زندہ کردیا، سورۃ بقرۃ (آیت ۵۶) میں ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾: پھر ہم نے تمہیں زندہ کیا، تمہارے مرے پیچھے، تاکہ تم شکرگزار بنو! یہ واقعہ سورۃ النساء (آیت ۱۵۳) میں بھی آیا ہے۔ دیکھو! بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب کی کیا قدر کی؟ مخلصین کا جب یہ حال تھا تو دوسروں کا کیا رونا! سچ ہے گدھے کیا جانیں زعفران کی قدر! موسیٰ علیہ السلام کلامِ الٰہی سن کر مشتاقِ دید ہوئے اور قوم کے سردار کلام سن کر شک میں مبتلا ہوگئے!

﴿ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝۱۵۵ ﴾

ترجمہ: اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے مقرر وقت کے لئے ستر آدمی چنے، پس جب ان کو زلزلہ نے پکڑا تو اس نے کہا: ''اے میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو ان کو اور مجھے پہلے ہی ہلاک کرتے! کیا آپ ہم کو ہلاک کرتے ہیں اس گستاخی کی وجہ سے جو ہمارے بےوقوفوں نے کی! یہ آپ کی آزمائش ہے! اس (آزمائش) سے جس کو آپ چاہیں گمراہ کریں، اور جس کو چاہیں راہ راست دکھائیں، آپ ہی ہمارے کارساز ہیں! پس آپ ہمیں بخش دیں! اور ہم پر مہربانی فرمائیں! اور آپ بہترین بخشنے والے ہیں! ـــــ دعا ابھی باقی ہے اور قبولیت بھی!

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۶ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ

عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ۧ

وَاكْتُبْ لَنَا	اور لکھیے ہمارے لئے	وَيُؤْتُوْنَ	اور دیتے ہیں	بِالْمَعْرُوْفِ	نیک کاموں کا
فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں	الزَّكٰوةَ	زکات	وَيَنْهٰىهُمْ	اور روکتے ہیں ان کو
حَسَنَةً	خوبی (بھلائی)	وَالَّذِيْنَ(۲)	اور ان کے لئے جو کہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	بری باتوں سے
وَّفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	هُمْ	وہ	وَيُحِلُّ	اور حلال کرتے ہیں
اِنَّا هُدْنَا(۱)	بیشک ہم نے رجوع کیا	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں پر	لَهُمُ	ان کے لئے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں	الطَّيِّبٰتِ	پاکیزہ چیزوں کو
قَالَ	فرمایا	اَلَّذِيْنَ(۳)	ان کے لئے جو	وَيُحَرِّمُ	اور حرام کرتے ہیں
عَذَابِيْٓ	میرا عذاب	يَتَّبِعُوْنَ	پیروی کرتے ہیں	عَلَيْهِمُ	ان پر
اُصِيْبُ	پہنچوں گا میں	الرَّسُوْلَ	رسول	الْخَبٰۗىِٕثَ	گندی چیزوں کو
بِهٖ	اس کے ساتھ	النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ	نبی امی کی	وَيَضَعُ	اور اتارتے ہیں
مَنْ اَشَاۗءُ	جس کو چاہوں گا	الَّذِيْ	جو	عَنْهُمْ	ان سے
وَرَحْمَتِيْ	اور میری مہربانی	يَجِدُوْنَهٗ	پاتے ہیں وہ اس کو	اِصْرَهُمْ(۴)	ان کے بوجھ
وَسِعَتْ	شامل ہے	مَكْتُوْبًا	لکھا ہوا	وَالْاَغْلٰلَ(۵)	اور قیود
كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	عِنْدَهُمْ	اپنے پاس	الَّتِيْ	جو
فَسَاَكْتُبُهَا	پس اب لکھوں گا میں	فِي التَّوْرٰىةِ	تورات میں	كَانَتْ عَلَيْهِمْ	تھیں ان پر
لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	وَالْاِنْجِيْلِ	اور انجیل میں	فَالَّذِيْنَ	پس جو لوگ
يَتَّقُوْنَ	ڈرتے ہیں	يَاْمُرُهُمْ	حکم دیتے ہیں وہ ان کو	اٰمَنُوْا بِهٖ	ایمان لائے اس پر

(۱) هُدْنا: ماضی، جمع متکلم: ہم نے توبہ کی، ہم نے رجوع کیا، هَادَ يَهُوْدُ (ن) هَوْدًا (۲) الذین کا عطف پہلے الذین پر ہے، حرفِ جر لوٹائے بغیر (۳) یہ الذین: پہلے الذین سے بدل ہے، عطف نہیں، تاکہ یہ نیا جملہ بن سکے، پس یہ مبتدا ہوگا، اور فالذین آمنوا به: خبر ہوگی، اس کو بھی جملہ مستقلہ کی صورت میں لایا گیا ہے (۴) إصر: بھاری بوجھ: جو اٹھانے والے کو چلنے سے روک دے، مراد تکالیف شاقّہ ہیں (۵) أغلال: غُلّ کی جمع ہتھکڑیاں، قیدیں، مراد تکالیف شاقّہ ہیں۔

وَ عَزَّرُوْهُ(۱)	اور انھوں نے اس کو قوت پہنچائی	وَ اتَّبَعُوا	اور پیروی کی انھوں نے	اُنْزِلَ مَعَهٗٓ	اتاری گئی اس کے ساتھ
		النُّوْرَ	اس روشنی کی	اُولٰٓئِكَ هُمُ	وہی لوگ
وَ نَصَرُوْهُ	اور اس کی مدد کی	الَّذِيْٓ	جو	الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں

موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا تتمہ اور دعا کا جواب اور جواب کا تتمہ

بنی اسرائیل کی کامیابی آخری نبی ﷺ پر ایمان لانے پر موقوف ہے

ربط: جب طور پر ستر نمائندے ہلاک ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے لمبی دعا کی ہے، اس کے نتیجہ میں ان لوگوں کو زندہ کردیا، یہ دعا کی قبولیت تھی، یہ دعا تین حصوں پر مشتمل تھی، اور وہ گذشتہ آیت میں آئی ہے، وہ دعا یہ تھی:

۱- میں ان سرداروں کو طور پر لایا ہوں، یہاں انھوں نے ایک حماقت کی اور ہلاک ہوئے، اب بلاء میرے سر پڑے گی، قوم کہے گی: ہمارے سرداروں کو موسیٰ نے لے جا کر ماردیا، حالانکہ آپ ان کو اور مجھے قوم کے سامنے ہلاک کرسکتے تھے، اس صورت میں میرے سر الزام نہ آتا!

۲- یہ واقعہ آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے، اور آزمائشی واقعات سے کوئی گمراہ ہوتا ہے، کوئی راہ پاتا ہے، پس کچھ بنی اسرائیل تو اس واقعہ کو ان کی حماقت کی سزا قرار دیں گے اور ایمان پر جمے رہیں گے، اور کچھ بنی اسرائیل اس کا الزام میرے سر دھریں گے اور گمراہ ہونگے، پس اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو بعض لوگ گمراہ نہ ہوتے۔

۳- آپ ہمارے کارساز ہیں، آپ ان احمقوں کی غلطی معاف کریں، اور ان پر مہربانی فرمائیں، یعنی ان کو دوبارہ زندہ کریں، تاکہ میں الزام سے بری ہوجاؤں اور قوم بھی ایمان پر برقرار رہے۔

یہ تینوں دعائیں ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اس لئے ان کو گذشتہ آیت میں جمع کیا ہے، اور اس کی قبولیت یعنی مردوں کے زندہ ہونے کی دوسری جگہ صراحت ہے۔

اور اب یہاں پہلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لئے دونوں جہانوں میں سربلندی کی دعا کی ہے، یہ گذشتہ دعا کا تتمہ ہے اور اسی آیت میں اس کی قبولیت کا ذکر ہے:

دعا: الٰہی! میری امت سربلند رہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس لئے کہ ہم ٹوٹ کر آپ کے ہوگئے ہیں!

جواب: اللہ تعالیٰ نے جواب کی تمہید میں ایک قاعدہ بیان کیا ہے:

(۱) عَزَّرَ تعزیرا: مدد کرنا، قوت پہنچانا، تعظیم کرنا۔

قاعدہ: اللہ کی صفتِ رحمت: صفتِ غضب پر غالب ہے، صفتِ غضب کی کارفرمائی ان لوگوں کے حق میں ہوتی ہے جو سزا کے مستحق ہوتے ہیں، اور مہربانی: گنہ گار مؤمنین پر بھی ہوگی، ان کے گناہ بخش دیں گے اور جنت عطا فرمائیں گے۔ ﴿ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ کی تعمیم گنہگار مؤمنین کی حد تک ہے۔

دعا کا جواب: بنی اسرائیل کی کامیابی دو باتوں پر موقوف ہے: اعمالِ صالحہ پر اور آخری نبی ﷺ کی پیروی پر۔

اعمالِ صالحہ:

۱- وہ تقوی شعار رہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ممنوعاتِ شرعیہ کو چھوڑیں، اور پہلے اس کو اس لئے ذکر کیا کہ دفع مضرت: جلبِ منفعت سے مقدم ہوتی ہے۔

۲- زکات ادا کریں، یہ مال میں اللہ کا حق ہے، وہ غریبوں کو پہنچائیں —— مالی عبادت بھاری ہوتی ہے، اس لئے اس کا ذکر کیا، پس نماز جو بدن کا حق ہے، اس کو بدرجۂ اولیٰ ادا کرنا ہوگا۔

۳- اللہ کی تمام باتوں کو مانیں، خواہ دل چاہے یا نہ چاہے —— آخری نبی ﷺ پر ایمان لانے کو یہود و نصاری کا دل نہیں چاہتا، مگر ایمان لانا ضروری ہے۔

آخری شرط: آخری نبی پر جو ام القری میں مبعوث ہونگے، جو رسول بھی ہونگے اور نبی بھی، جن کا ذکر تورات و انجیل میں ہے: ان کی پیروی کریں تو وہ سرخ رو ہونگے۔

آخری پیغمبر بنی اسرائیل کے تعلق سے پانچ کام کریں گے:

۱- وہ بنی اسرائیل کو نیک کاموں کا حکم دیں گے۔

۲- وہ ان کو بری باتوں سے روکیں گے۔

۳- وہ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کریں گے —— بنی اسرائیل کی شریعت میں اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام تھیں، آخری نبی ان کو حلال کریں گے، اس لئے کہ وہ پاکیزہ چیزیں ہیں، اور بنی اسرائیل کے لئے ان کی حرمت خاص وجہ سے تھی۔

۴- آخری نبی بنی اسرائیل کے لئے گندی چیزوں کو حرام کریں گے —— عیسائی خنزیر کھاتے ہیں، وہ گندہ جانور ہے، آخری نبی اس کی حرمت کا اعلان کریں گے۔

۵- اہل کتاب پر جو ریت رواج کا بوجھ اور بندشیں ہیں ان کو ہٹائیں گے —— کسی بھی ملت پر جب عرصہ دراز

گذر جاتا ہے تو شریعت کے شاندار محل میں مکڑیاں جالے تن دیتی ہیں، اہل ملت کے لئے وہ چیزیں بوجھ اور بیڑیاں بن جاتی ہیں، خواہی نخواہی ان کو کرنا پڑتا ہے، اسی لئے ریت رواج اور بدعات کو مٹانے کا حکم ہے۔

پس جو اہل کتاب (یہود و نصاری) آخری نبی ﷺ پر ایمان لائیں گے، ان کی تائید کریں گے، ان کی مدد کریں گے، اور اس روشنی کی پیروی کریں گے جو آخری نبی پر نازل کی گئی ہے یعنی قرآن کی پیروی کریں گے: وہ کامیاب ہونگے!

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں دعا کی تھی، اس وقت آخری نبی ﷺ کا وجود نہیں ہوا تھا، پھر دعا کے جواب میں آخری نبی پر ایمان کی شرط کیوں لگائی؟

جواب: ایمان کے لئے اگلے پچھلے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے، خواہ ان کا زمانہ گذر چکا ہو یا آئندہ ان کا وجود ہونے والا ہو، سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اس کتاب پر یقین رکھتے ہیں جو آپ پر اتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں، بعد میں کوئی کتاب یا کوئی نیا نبی آنے والا نہیں، اس لئے بعد کی کتاب کا ذکر نہیں کیا، پس یہ آیت ختم نبوت کی دلیل ہے، مگر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تو نبوت جاری تھی، ان کے بعد بھی انبیاء ورسل آنے والے تھے اور کتابیں بھی اترنے والی تھیں، اس لئے آخری رسول اور آخری کتاب تک سب پر ایمان لانا ضروری تھا۔

فائدہ(۱): اُمی کی قید اس لئے لگائی کہ آخری نبی أم القری میں مبعوث ہونگے، یعنی بنی اسماعیل میں مبعوث ہونگے، اور نبی رسول سے عام ہے، بنی اسرائیل میں نبی بھی مبعوث ہونے والے ہیں اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خاتم انبیاء بنی اسرائیل مبعوث ہونگے، پھر آخری رسول نبی امی مبعوث ہونگے، اب سلسلہ ختم!

فائدہ(۲): خاتم النّبیین ﷺ عالمگیر رسول ہیں، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، اور اس آیت میں بنی اسرائیل کی طرف لوٹنے والی ضمیریں تخصیص ذکری کے طور پر ہیں، آپ بنی اسرائیل ہی کے لئے پانچ کام نہیں کریں گے، اپنی ساری امت کے لئے یہ کام کریں گے۔

فائدہ(۳): إصر (بوجھ) اور أغلال (بیڑیاں) دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے، بوجھ عام ہے اور ہتھکڑیاں خاص، اور مراد ریت رواج اور بدعات ہیں، یہ چیزیں شروع میں بوجھ ہوتی ہیں، آخر میں سر پڑ جاتی ہیں اور آدمی کو جکڑ دیتی ہیں، اس لئے ریت رواج اور بدعات ابتداء ہی سے قابل ترک ہیں، حدیث شریف میں ہے: من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد: دین میں ایجاد بندہ ممنوع ہے، خواہ وہ رواج ثواب کی نیت کے بغیر کیا جائے یا وہ بدعت ثواب کی نیت سے کی جائے: دونوں ممنوع اور قابل ترک ہیں، جیسے نکاح کی رسمیں اور موت کے بعد کی بدعات:

سب کو مٹانا چاہئے اور ان کی جگہ سنت کو زندہ کرنا چاہئے۔

فائدہ (۴): قرآن کریم میں صرف اللہ کی کتابوں کو 'نور' کہا گیا ہے، کسی نبی یا رسول کو نور نہیں کہا گیا، اور سورۃ المائدۃ (آیت ۱۵) میں: ﴿نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ میں عطف تفسیری ہے، اور قرینہ: ﴿يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ﴾ میں مفرد کی ضمیر ہے، اس آیت میں بھی قرآن کریم کو نور فرمایا ہے۔

فائدہ (۵): ﴿اُنْزِلَ﴾: ماضی مجہول تحقق وقوع کے لئے ہے، قرآن کا نزول اگرچہ آئندہ ہوگا، مگر اس کا نزول یقینی ہے اس لئے اس کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہے۔

آیات کریمہ: اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ دیں اور آخرت میں (بھی) بے شک ہم نے آپ کی طرف رجوع کیا ہے!

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: (تمہید) ''میں جسے چاہوں اپنے عذاب سے دوچار کروں، اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے'' ـــــ تمہید پوری ہوئی ـــــ پس میں عنقریب اس (رحمت) کو لکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو (اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے) بچتے ہیں اور زکات دیتے ہیں، اور ان لوگوں کے لئے جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

جو لوگ نبی امی رسول کی پیروی کرتے ہیں، جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں، اور ان کو بری باتوں سے روکتے ہیں، اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں، اور ان پر گندی چیزیں حرام کرتے ہیں، اور ان سے ان کے وہ بوجھ اور بیڑیاں اتارتے ہیں جو ان پر تھیں، پس جو لوگ ان پر ایمان لائے، اور ان کی تائید کی، اور ان کی مدد کی، اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے: وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں!

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

قُلْ	کہہ دو	اللّٰهِ	اللہ کا	الَّذِيْ لَهٗ	جس کے لئے		
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	مُلْكُ	حکومت ہے		
اِنِّيْ رَسُوْلُ	بیشک میں رسول ہوں	جَمِيْعًا	سبھی کی طرف	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں		

وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ	بِاللّٰهِ	اللہ پر
لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَكَلِمٰتِهٖ	اور اس کے کلاموں پر
اِلَّا هُوَ	مگر وہ	وَرَسُوْلِهِ	اور اس کے رسول	وَاتَّبِعُوْهُ	اور پیروی کرو تم ان کی
يُحْيٖ	جلاتا ہے وہ	النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ	نبی امی پر	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
وَيُمِيْتُ	اور مارتا ہے وہ	الَّذِيْ يُؤْمِنُ	جو یقین رکھتا ہے	تَهْتَدُوْنَ	راہ پاؤ

آخری نبی ﷺ سبھی انسانوں کی طرف مبعوث ہیں

اب ایک آیت عجیب جامعیت کی شان لئے ہوئے ہے، اور اس میں ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی ہے، گذشتہ آیت میں ــــ جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم (بنی اسرائیل) کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابی کی دعا کے جواب کا تتمہ تھی ــــ بار بار ھم: جمع مذکر غائب کی ضمیر آئی ہے، اس کا مرجع بنی اسرائیل ہیں، اس سے غلطی فہمی ہوسکتی تھی کہ آخری نبی صرف بنی اسرائیل کے لئے ہونگے، اور انہیں کو آخری نبی پر ایمان لانے کا، تقویت پہنچانے کا، مدد کرنے کا اور ان پر نازل شدہ قرآن کی پیروی کرنے کا حکم ہے، آخری نبی دوسرے انسانوں کے لئے نبی نہیں ہونگے، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت آئی ہے۔

جیسے سورۃ الانعام اور سورۃ الشوری میں یہ آیت ہے: ﴿لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا﴾: تاکہ آپ مکہ کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے آس پاس ہیں: ان کو ڈرائیں، اس آیت سے بھی بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ آخری نبی صرف عربوں کے لئے ہیں، تمام انسانوں کے لئے نبی نہیں۔

حالانکہ تخصیص کبھی ذکری ہوتی ہے، موقع کے تقاضے سے تخصیص کی جاتی ہے، قرآنِ کریم عربی میں ہے، اس کے پہلے مخاطب عرب ہیں، پھر ان کے واسطہ سے تمام انسانوں کو دعوت پہنچے گی، پس آخری نبی کی بعثت دوہری ہے، یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں قسم اول کے مبحث ششم کے باب دوم میں بیان کی ہے۔

اسی طرح گذشتہ آیت چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے جواب کا تتمہ تھی اس لئے ضمیر ھم بار بار آئی ہے اور جن پانچ کاموں کا بنی اسرائیل کے تعلق سے تذکرہ کیا ہے وہ سبھی انسانوں کے لئے ہیں، بنی اسرائیل کی تخصیص نہیں۔

اس لئے اب اس آیت میں تمام لوگوں کے لئے صاف اعلان کیا جارہا ہے کہ:

میں بالیقین تم سبھی کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں!

اس لئے کہ پوری کائنات پر اللہ کی حکومت ہے، اور سرکار عالی مقام اپنا نمائندہ بھیجتا ہے، وہ نمائندے لوگوں کو سرکار

عالی مقام (ایک اللہ) کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں، اور نمائندے بھیجنے کا یہ سلسلہ پہلے دن سے جاری ہے، انبیاء علیہم السلام آتے ہیں اور جاتے ہیں، اللہ جلاتے ہیں اور مارتے ہیں، اب آخری رسول آئے ہیں جو ام القری میں مبعوث کئے گئے ہیں، پس تمام لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نمائندے پر ایمان لائیں، ایمان: عقائد کا نام ہے، اور یہ آخری رسول اس لئے ہیں کہ اللہ نے ان پر اپنا کلام نازل فرمایا ہے، جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی ہے، اس لئے وہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا، اب کسی نئے نبی اور نئی کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی، لہٰذا اس آخری رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لاؤ، یہ رسول خود بھی صرف اللہ کو معبود مانتا ہے اور قرآن کو اس کا کلام مانتا ہے، اور اسی کی وہ تمہیں دعوت دیتا ہے، لہٰذا اس رسول کی افعال واعمال میں پیروی کرو، یہی ہدایت کا راستہ ہے!

آیتِ کریمہ: کہو: اے لوگو! میں بالیقین تم سبھی کی طرف اللہ کا رسول (بھیجا ہوا) ہوں، جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے —— یعنی سرکار: ملک میں نمائندے (گورنر) بھیجتی ہے —— جن کے سوا کوئی معبود نہیں —— یعنی سرکارِ عالی مقام کے نمائندے توحید کی دعوت دیتے ہیں —— وہ جلاتے اور مارتے ہیں —— یعنی ہمیشہ سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے —— پس تم اللہ پر اور اس کے رسول امی نبی پر ایمان لاؤ، وہ (خود بھی) اللہ پر اور اس کے کلاموں (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں —— یعنی یہ آخری رسول ہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا ہے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا —— اور تم ان کی پیروی کرو —— افعال واعمال میں —— تاکہ تم راہ پاؤ!

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

ع ۲۰ ۵ ۱۰

وَمِنْ قَوْمِ (1)	اور قوم سے	اثْنَتَا عَشْرَةَ	بارہ	يَظْلِمُوْنَ	نقصان کرتے
مُوْسٰى	موسیٰ کی	عَيْنًا	چشمے	وَاِذْ قِيْلَ	اور جب کہا گیا
اُمَّةٌ	ایک امت ہے	قَدْ عَلِمَ	تحقیق جان لی	لَهُمُ	ان سے
يَّهْدُوْنَ	جو راہ بتاتے ہیں	كُلُّ اُنَاسٍ	سب لوگوں نے	اسْكُنُوْا	رہو بسو
بِالْحَقِّ	دین حق کی	مَّشْرَبَهُمْ	اپنی گھاٹ	هٰذِهِ الْقَرْيَةَ	اس بستی میں
وَبِهٖ	اور اسی کے موافق	وَظَلَّلْنَا	اور سایہ کیا ہم نے	وَكُلُوْا مِنْهَا	اور کھاؤ اس میں سے
يَعْدِلُوْنَ	انصاف کرتے ہیں	عَلَيْهِمُ	ان پر	حَيْثُ شِئْتُمْ	جہاں سے چاہو
وَقَطَّعْنٰهُمُ	اور جدا جدا کیا ہم نے ان کو	الْغَمَامَ	بادل کا	وَقُوْلُوْا	اور کہو:
اثْنَتَيْ عَشْرَةَ	بارہ	وَاَنْزَلْنَا	اور اتارا ہم نے	حِطَّةٌ	معافی!
اَسْبَاطًا (2)	دادوں کی اولاد	عَلَيْهِمُ	ان پر	وَّادْخُلُوا	اور داخل ہوؤ
اُمَمًا	بڑی بڑی جماعتیں	الْمَنَّ	منّ	الْبَابَ	دروازے میں
وَاَوْحَيْنَآ	وحی کی ہم نے	وَالسَّلْوٰى	اور سلوی	سُجَّدًا	سجدہ کرتے ہوئے
اِلٰى مُوْسٰى	موسیٰ کی طرف	كُلُوْا	کھاؤ	نَّغْفِرْ	بخشیں گے ہم
اِذِ اسْتَسْقٰىهُ	جب پانی مانگا ان سے	مِنْ طَيِّبٰتِ	پاکیزہ چیزوں سے	لَكُمْ	تمہارے لئے
قَوْمُهٗٓ	ان کی قوم نے	مَا رَزَقْنٰكُمْ	جو کھانے کو دیں ہم	خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ	تمہاری خطائیں
اَنِ اضْرِبْ (3)	کہ ماریں آپ		نے تم کو	سَنَزِيْدُ	عنقریب زیادہ دیں گے ہم
بِّعَصَاكَ	اپنی لاٹھی	وَمَا ظَلَمُوْنَا	اور نہیں نقصان کیا	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو
الْحَجَرَ	پتھر پر		انھوں نے ہمارا	فَبَدَّلَ	پس بدل دیا
فَانْۢبَجَسَتْ	پس پھوٹ نکلے	وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	بلکہ تھے وہ	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
مِنْهُ	اس سے	اَنْفُسَهُمْ	اپنی جانوں کا	ظَلَمُوْا مِنْهُمْ	ظلم کیا ان میں سے

(۱) من قوم: خبر مقدم ہے، اور من: تبعیضیہ ہے، اور أمة: مبتدا مؤخر ہے اور جملہ یهدون: أمة کی صفت ہے، (۲) أسباط: سِبط کی جمع: عربوں کے قبائل کی طرح یہود کے قبائل کا نام...... اثنتی عشرة: حال ہے، اور أسباطا: اس سے بدل ہے اور أمما: بدل در بدل ہے۔ (۳) أن اضرب: أن: تفسیریہ ہے، وحی کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا	بات کو	فَاَرْسَلْنَا	پس بھیجا ہم نے	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
غَيْرَ الَّذِىْ	علاوہ اس کے جو	عَلَيْهِمْ	ان پر	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
قِيْلَ لَهُمْ	کہی گئی تھی ان سے	رِجْزًا	عذاب	يَظْلِمُوْنَ	ناانصافی کرتے

بنی اسرائیل کے احوال

بہت اچھے، اچھے، برے اور بہت برے: درجہ بدرجہ

ربط: اب بنی اسرائیل کے احوال بیان کئے جارہے ہیں، ان کا پہلا حال: بہت اچھا ہے، پھر تین احوال بھی اللہ کے انعامات ہیں، اس لئے وہ بھی اچھے حالات ہیں، پھر پانچویں معاملہ کے آخر میں انھوں نے گڑبڑ کردی، اللہ نے منّ وسلویٰ اتارا، اور حکم دیا کہ ذخیرہ نہ کریں، مگر انھوں نے ظلم کیا اور ذخیرہ کیا تو وہ نعمت بند ہوگئی، یہ ان کا برا حال ہوگیا، پھر بیت المقدس فتح ہونے کے بعد شہر میں داخل ہونے کی اجازت ملی تو شرارت پر اتر آئے، اس کی سزا میں ان پر پلیگ اترا، تفصیل آگے آرہی ہے، ان آیات میں انہی چھ احوال کا تذکرہ ہے، اور بہت برے احوال کا تذکرہ آگے آئے گا۔

تمہید: بنی اسرائیل جب دریا سے پار اترے اور وادیٔ سَینا میں پہنچے تو اللہ کا حکم آیا کہ عمالقہ سے جہاد کرو، اور ان کو اس سرزمین سے کھدیڑو! اور وہاں جاکر بسو اور وہاں کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔

بنی اسرائیل چونکہ چار پانچ سو سال سے غلامی کی زندگی بسر کررہے تھے اس لئے بزدل ہوگئے تھے، وہ جہاد کے لئے تیار نہیں ہوئے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ٹکا سا جواب دیا کہ آپ اور اللہ تعالیٰ عمالقہ سے لڑیں، ہم یہاں ہیں، جب آپ علاقہ فتح کرلیں گے تو ہم وہاں جاکر بسیں گے، اس گستاخی کی وجہ سے ان پر بیت المقدس کا علاقہ چالیس سال کے لئے حرام کردیا، سورۃ المائدۃ میں ہے کہ وہ چالیس سال تک زمین میں حیران وسرگشتہ پھیریں گے، کہیں قرار نہیں پائیں گے۔

اس عرصہ میں حضرت ہارون علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا سے چل بسے، اس مدت میں بنی اسرائیل کہاں کہاں رہے؟ اس کا ریکارڈ نہیں، سورۃ المائدۃ میں صرف: ﴿ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ﴾ ہے، یعنی اس مدت میں وہ زمین میں حیران پھریں گے، لوگوں نے ﴿ يَتِيْهُوْنَ ﴾ سے میدانِ تیہ نکال لیا، اور اس کا نقشہ اور پیائش بھی بتادی (نوے میل لمبائی اور اٹھارہ میل چوڑائی) حالانکہ اس نام کا کوئی میدان پرانے جغرافیہ میں نہیں، یہ مقاتل رحمہ اللہ کا بیان ہے، انھوں نے ﴿ فِى الْاَرْضِ ﴾ کو نظر انداز کردیا ہے، جبکہ مجمل کو مجمل ہی رہنے دینا چاہئے، اور بات اللہ کے حوالے کرنی چاہئے کہ معلوم نہیں کہاں کہاں رہے؟

۱- بنی اسرائیل کی اکثریت دینِ حق پر جمی رہی: یہ ان کی بہت اچھی حالت تھی

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں منافقین بھی تھے، انھوں نے ہی بچھڑا بنایا تھا، مگر اکثریت دینِ حق پر جمی رہی، وہ اللہ کے دین کو لوگوں میں پھیلاتے تھے، اور کورٹوں میں شریعتِ موسوی کے مطابق فیصلے کرتے تھے، یہ ان کا عمومی حال تھا اور بہت اچھا حال تھا، اور گیہوں میں کنکر تو ہوا ہی کرتے ہیں، کوئی بھی بڑی جماعت منافقوں سے خالی نہیں ہوتی، دورِ نبوی میں بھی مسلمانوں میں منافقین تھے اور آج بھی ہیں، بلکہ پہلے سے زیادہ ہیں، مگر حکم جمہور پر لگتا ہے، اس لئے یہ بنی اسرائیل کی بہت اچھی حالت تھی۔

﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٩﴾﴾

ترجمہ: اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت (لوگوں کی) دینِ حق کی طرف راہ نمائی کرتی تھی، اور اس کے موافق انصاف (بھی) کرتی تھی!

۲- بنی اسرائیل کے بارہ بڑے خاندان: ایک انعام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے، ان کی اولاد چھ سو سال میں بارہ بڑے خاندان بن گئی، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا ایک انعام تھا، لہٰذا یہ بھی اچھی حالت ہے۔

﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کے بارہ علاحدہ علاحدہ بڑے خاندان بنائے!

۳- بنی اسرائیل پیاسے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالے: دوسرا انعام

بنی اسرائیل زمین میں بھٹکتے ہوئے کسی ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی نام کو نہیں تھا، ان کی بڑی تعداد تھی، وہ سخت پیاسے ہوئے، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، وحی آئی کہ فلاں پتھر پر اپنی لاٹھی ماریں، فوراً بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، سب نے چشمے تقسیم کر لئے، تاکہ پانی لینے میں کوئی نزاع نہ ہو، یہ بنی اسرائیل پر اللہ کا دوسرا انعام تھا، پس یہ بھی ان کا اچھا حال ہے، اور یہ انعام وقتی تھا، قوم آگے بڑھ گئی تو چشمے بند ہو گئے۔

اس کی نظیر: بخاری شریف کی روایت ہے: اُس سفر میں جس میں فجر کی نماز قضاء ہوئی تھی: قافلے کے پاس پانی ختم ہو گیا، چنانچہ سفر روک دیا اور حضرت علی اور حضرت عمران رضی اللہ عنہما کو پانی تلاش کرنے کے لئے بھیجا، ان کو ایک عورت ملی جو اونٹ پر پانی لے کر آ رہی تھی، دونوں نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا: یہاں سے ۲۴ گھنٹوں کی دوری

پر ہے، وہ دونوں اس عورت کو اونٹ کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس لائے، اس کو اونٹ سے اتارا اور پکھالوں کے اوپر کے دہانے کھولے اور ان میں نبی ﷺ کا دم کیا ہوا پانی ڈالا، پھر بڑے برتن رکھ کر نیچے کے منہ کھول دیئے، لشکر نے پانی لیا، پیا اور اونٹوں کو بھی پلایا، جب ضرورت پوری ہوگئی تو پکھالوں کے نیچے کے منہ باندھ دیئے، اس وقت پکھالیں پہلے سے زیادہ بھری ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

پتھر کے نیچے تو زمین ہوتی ہے اور زمین میں پانی کے سوت ہوتے ہیں، اس لئے پتھر سے چشمے نکلنا زیادہ تعجب خیز نہیں، اور پکھالوں کا زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، پھر بھی اس میں سے بے حساب پانی نکلنا زیادہ تعجب خیز ہے۔

اسی طرح ایک موقعہ پر پانی نہیں رہا، نبی ﷺ نے ایک برتن میں تھوڑے پانی میں ہاتھ رکھا، تو انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنا شروع ہوگیا، جبکہ انگلیوں کا بھی زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، پس یہ بھی زیادہ تعجب خیز بات ہے۔

پتھر کا حال تو زمزم جیسا تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمزم کی جگہ ایڑی یا ہتھیلی ماری تو چشمہ پھوٹ پڑا، سوت چشمے کی طرح ابل پڑا جو زمین کے نیچے تھا۔

﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ﴾

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی ــــ جب ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا ــــ کہ آپ پتھر پر اپنی لاٹھی ماریں ــــ ماری ــــ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، سب لوگوں نے اپنی گھاٹیں جان لیں ــــ یعنی تقسیم کرلیں۔

۴- بنی اسرائیل پر بادل نے سایہ کیا: تیسرا انعام

قافلہ زمین میں گھومتا ہوا کسی ایسی جگہ پہنچا جہاں سایہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، اور گرمی سخت تھی، قوم نے شکوہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج دیا جو وقتِ ضرورت تک ان پر سایہ فگن رہا، یہ بھی بنی اسرائیل پر ایک انعام تھا، پس یہ بھی ان کا اچھا حال تھا۔

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا۔

۵- بنی اسرائیل کے پاس کھانے کو نہ رہا تو اللہ نے منّ وسلویٰ اتارا: اس انعام میں انھوں نے خیانت کی!

اسی آوارہ گردی کے زمانے میں بنی اسرائیل ایسی جگہ پہنچے جہاں ان کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں رہا، انھوں

نے موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کی، اللہ تعالیٰ نے ان پر منّ وسلوی اتارا۔ مَنّ: ربڑی جیسی میٹھی چیز تھی، شبنم کی طرح اترتی تھی، اور پتّوں پر جم جاتی تھی، لوگ اس کو چاٹتے تھے، یہ گویا کھانے کے بعد کا میٹھا تھا، اور سَلْوی: سمندر کے پرندے تھے، ان کو بٹیر اور مرغابی کہتے ہیں، وہ سمندر سے اڑتی تھیں اور لوگوں کے قریب آکر بیٹھ جاتی تھیں، لوگ ان کو پکڑ کر ذبح کرتے اور بھون کر کھاتے، یہ بھی ایک انعام تھا، مگر بنی اسرائیل نے اس میں خیانت کی۔

حکم یہ تھا کہ حسبِ ضرورت مرغابیاں پکڑیں۔ باقی اڑ جاتی تھیں، ذخیرہ نہ کریں، روز یہ پرندے آئیں گے، مگر لالچی لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو یہ نعمت بند ہوگئی، یہ انھوں نے اپنا نقصان کیا، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑا، پس یہ حال شروع میں اچھا تھا، آخر میں برا ہوگیا۔

﴿ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان پر منّ وسلوی اتارا (اور کہا:) کھاؤ ان ستھری چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو بطور روزی عنایت فرمائی ہیں، اور انھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا!

۶- بنی اسرائیل شروع سے آخر تک احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے: ان کا برا حال

جب حصار کی مدت پوری ہوئی تو بنی اسرائیل نے اپنے زمانہ کے نبی سے درخواست کی کہ ان کے لئے کوئی بادشاہ مقرر کیا جائے، جس کی امارت میں وہ جہاد کر کے بیت المقدس فتح کریں، طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا، وہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے، آگے ایک نہر پر ان کا امتحان کیا، ۳۱۳ کھرے نکلے، باقی کھوٹے! کھروں نے جہاد کیا، جالوت کو مار گرایا اور عمالقہ کو بھگایا، تب اللہ نے بنی اسرائیل کو اجازت دی کہ وہ بیت المقدس میں جائیں، مگر معافی مانگتے ہوئے اور عاجزی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں معاف کریں گے، اور جنھوں نے جہاد کیا ہے ان کو اور بھی انعامات سے نوازیں گے۔

مگر ان ظالموں نے وہ تو کیا نہیں جو ان سے کہا گیا تھا، کہتے ہیں کہ معافی کے بجائے گیہوں کہتے ہوئے اور سینہ تان کر اکڑتے ہوئے داخل ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس شرارت کی سزا دی، پلیگ پھوٹا اور بے شمار لوگ لقمۂ اجل بن گئے۔

بنی اسرائیل کا یہ حال شروع سے آخر تک برا تھا، پہلے تو انھوں نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کیا، پھر نہر سے پیٹ بھر کر پانی پیا اور جہاد سے انکار کر بیٹھے، اور جب بیت المقدس فتح ہوا اور داخلہ کی اجازت ملی تو بھی احکام کی خلاف ورزی کی، پس یہ ان کا از ابتدا تا انتہا برا حال ہے، اور بہت برے حال کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

﴿ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۶۱ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝۱۶۲ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا گیا کہ اس بستی (بیت المقدس) میں رہو بسو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ، اور (داخل ہوتے وقت) کہو: ہمیں معاف فرما! اور دروازے میں داخل ہوؤ عاجزی کے ساتھ: ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور نیک کام کرنے والوں پر (جہاد کرنے والوں پر) مزید نوازشات فرمائیں گے۔

پس ان میں سے ظالموں نے بات کو بدل دیا اس کے علاوہ سے جو ان سے کہی گئی تھی، پس ہم نے ان پر آسمان سے عذاب اتارا، اس شرارت کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے!

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۱۶۳ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَۨا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۶۴ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۱۶۵ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۱۶۶

وَسْـَٔلْهُمْ	اور پوچھو ان سے	اِذْ يَعْدُوْنَ	جب حد سے بڑھتے وہ	حِيْتَانُهُمْ	ان کی مچھلیاں
عَنِ الْقَرْيَةِ	اس بستی کا حال	فِي السَّبْتِ	سنیچر کے دن میں؟	يَوْمَ	دن میں
الَّتِيْ كَانَتْ	جو تھی	اِذْ تَاْتِيْهِمْ	(یاد کرو) جب آنے	سَبْتِهِمْ	ان کے سنیچر کے
حَاضِرَةَ الْبَحْرِ	سمندر کے کنارے		لگیں ان کے پاس	شُرَّعًا [۱]	قریب

(۱) شُرَّعًا: شارِع کی جمع: تأتیهم کے فاعل کا حال، شَرَعَ علیه: قریب ہونا۔

وَيَوْمَ	اور جس دن	عَذَابًا شَدِيْدًا	سخت سزا!	ظَلَمُوْا	گناہ کیا
لَا يَسْبِتُوْنَ	ان کا سنیچر نہ ہوتا	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	بِعَذَابٍ	سزا میں
لَا تَأْتِيْهِمْ	نہیں آتی تھیں وہ ان	مَعْذِرَةً (۴)	عذر پیش کرنے کیلئے	بَئِيْسٍ	سخت
	کے پاس	اِلٰى رَبِّكُمْ	تمہارے رب کے سامنے	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
كَذٰلِكَ (۱)	اس طرح	وَلَعَلَّهُمْ	اور شاید وہ	يَفْسُقُوْنَ	بے حکمی کرتے
نَبْلُوْهُمْ	آزمارہے تھے ہم ان کو	يَتَّقُوْنَ	بچیں	فَلَمَّا عَتَوْا	پس جب بڑھے وہ
بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ	فَلَمَّا نَسُوْا	پس جب بھول گئے وہ	عَنْ مَّا	اس سے جو
يَفْسُقُوْنَ	بے حکمی کرتے	مَا ذُكِّرُوْا	جو نصیحت کیئے گئے تھے وہ	نُهُوْا	روکے گئے تھے وہ
وَاِذْ قَالَتْ	اور (یاد کرو) جب کہا	بِهٖٓ	اس کے ذریعہ	عَنْهُ	اس سے
اُمَّةٌ مِّنْهُمْ	ان کی ایک جماعت نے	اَنْجَيْنَا	(تو) بچالیا ہم نے	قُلْنَا	(تو) کہا ہم نے
لِمَ تَعِظُوْنَ	کیوں سمجھاتے ہو تم	الَّذِيْنَ	ان کو جو	لَهُمْ	ان سے
قَوْمًا	ان لوگوں کو	يَنْهَوْنَ	روکتے تھے	كُوْنُوْا	ہو جاؤ
اللّٰهُ (۲)	اللہ تعالیٰ	عَنِ السُّوْٓءِ	برے کام سے	قِرَدَةً	بندر
مُهْلِكُهُمْ	ہلاک کرنے والے ہیں ان کو	وَاَخَذْنَا	اور پکڑا ہم نے	خٰسِئِيْنَ (۵)	ذلیل
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ (۳)	یا سزا دینے والے ہیں ان کو	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	❁	❁

بنی اسرائیل کے بہت برے احوال

۱- بنی اسرائیل نے حیلہ کر کے سنیچر میں مچھلیاں پکڑیں تو بندر بنا دیئے گئے!

کسی سمندر کے کنارے اسرائیلی آباد تھے، یہود کے لئے سنیچر کے دن میں ہر کام ممنوع تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان کیا، بار کے دن مچھلیاں ان کے قریب آتی تھیں، دوسرے دنوں میں غائب ہو جاتی تھیں، ان لوگوں نے سمندر کے قریب حوض بنائے اور ان کا سمندر کی طرف راستہ کر دیا، جب سمندر میں مدّ و جزر ہوتا اور پانی چڑھتا تو وہ ان حوضوں تک پہنچ جاتا،

(۱) کذلک: میں معانقہ ہے دونوں طرف سے اس کا تعلق ہے (۲) اللہ مهلكهم: جملہ قوما کی صفت ہے (۳) أو معذبهم: أو: مانعۃ الخلو کا ہے۔ (۴) معذرة: فعل محذوف کا مفعول لہ ہے أي للمعذرة (۵) اس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۶۵) میں گذرا ہے (ہدایت القرآن ۱:۹۹)

ساتھ ہی مچھلیاں بھی پہنچ جاتیں، پھر جب پانی اترتا تو مچھلیاں وہاں رہ جاتیں، مچھیرے ان کو اتوار کے دن پکڑ لیتے، یہ انھوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کا حیلہ کیا۔

جب ان لوگوں نے یہ مکاری شروع کی تو بستی کے لوگ (بنی اسرائیل) تین حصوں میں بٹ گئے:

اول: جنھوں نے یہ حیلہ کیا، اور سبت (سنیچر) کی حرمت کو پامال کیا۔

دوم: جنھوں نے پہلی قسم کے لوگوں کو سمجھایا کہ ایسا مت کرو: سنیچر میں مچھلیاں پکڑنا اور حیلہ کر کے اتوار میں پکڑنا یکساں ہے، جیسے سود لینا اور دینا یکساں ہے، اور راست سود لینا اور فارموں کا حیلہ کرنا یکساں ہے، حیلہ سازی اللہ کے آگے پیش نہیں جاتی۔

سوم: وہ لوگ تھے جو مچھیروں کی حرکت کو دل سے برا سمجھتے تھے، مگر وہ ان کی اصلاح سے مایوس تھے، اور اس درجہ مایوس تھے کہ انھوں نے سمجھانے والوں کو سمجھایا کہ تم اُن لوگوں کے پیچھے کیوں دماغ پچّی کر رہے ہو، ان کو اللہ تعالیٰ برباد کریں گے یا سخت سزا دیں گے! یہ لوگ ماننے والے کہاں ہیں؟

سمجھانے والوں نے جواب دیا کہ ہم ان پر اس لئے محنت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کر سکیں کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کیا، مگر وہ باز نہیں آئے تو ہم کیا کرتے! اور یہ بھی احتمال ہے — اگرچہ درجۂ صفر میں ہے — کہ وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں، ہم ان کی اصلاح سے مایوس نہیں!

پھر جب ان مکاروں نے شریعت موسوی کا حکم بھلا دیا، اور اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا تکوینی حکم پہنچا، اور وہ ذلیل بندر بن گئے، کہتے ہیں: اور تین دن میں مر گئے، مسخ شدہ لوگوں کی نسل نہیں چلتی۔

اور قوم کے دوسرے حضرات جو برابر ان کو حیلہ سازی سے روکتے تھے: ان کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا، اور تیسری قسم کے لوگوں کا معاملہ کیا رہا؟ اس سے قرآنِ کریم نے سکوت اختیار کیا، البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے آیات سے استنباط کیا کہ وہ بھی عذاب سے بچ گئے، ابن عباسؓ نے ان کے اس استنباط کی تائید کی اور خوش ہو کر ایک جوڑا عنایت فرمایا، اور قرآن نے ان کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ ان کے عمل کو اعتباریت حاصل نہ ہو جائے۔

اور حدیث سے بھی عکرمہ رحمہ اللہ کے فہم کی تائید ہوتی ہے، ایمان کا ادنی درجہ یہ ہے کہ برائی کو دل سے برا جانے، پس جب وہ ایماندار تھے تو کیوں ہلاک کئے جاتے؟ البتہ ان کا عمل قابل تقلید نہیں، عزیمت یہ ہے کہ آخر تک اصلاح کی کوشش جاری رکھی جائے۔

فائدہ(۱): حیلہ ساز صورتیں مسخ کرکے واقعی بندر بنادیئے گئے تھے، اس میں کسی تاویل یا تحریف کی ضرورت نہیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی قطعی دلیل کے بغیر کہے کہ بندر ترقی کرکے انسان بن گیا تو اسے ایک دنیا مان لیتی ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کلام قطعی میں فرمائیں کہ انسان تنزل کرکے بندر بن گیا تو دانشور تاویل کرنے لگتے ہیں (از آسان ترجمہ)

فائدہ(۲): بنی اسرائیل کے اچھے برے احوال: قرآنِ کریم میں مسلمانوں کی عبرت کے لئے بیان کئے جاتے ہیں، تاکہ یہ امت ان کے اچھے احوال کی پیروی کرے اور برے احوال سے بچے، چونکہ بنی اسرائیل (یہود ونصاری) کا عربوں کے ساتھ اختلاط تھا اس لئے عرب ان کے احوال سے واقف تھے، اور بات مثال کے ساتھ بیان کی جائے تو وہ اوقع فی النفس ہوتی ہے، اس کا سمجھنا آسان ہوتا ہے، اور طبقۂ صحابہ میں مثالیں نہیں تھیں، وہ دودھ کے دھلے تھے، اس لئے قرآن باہر سے مثالیں لے کر احوال بیان کرتا ہے، قرآن میں بنی اسرائیل کے بکثرت تذکرہ کی وجہ یہی ہے۔

فائدہ(۳): حیلہ سازی کے تعلق سے امت کا حال بھی یہود جیسا ہوتا جارہا ہے، بعض مدارس میں حیلۂ تملیک کا ڈھونگ ہوتا ہے، مسلم فنڈوں میں فارموں کا حیلہ ہوتا ہے، اہل بدعت کے یہاں حیلۂ اسقاط ہوتا ہے (نماز روزہ معاف کرانے کا حیلہ) اور اسلامی بینکنگ میں مرابحہ کا حیلہ کیا جاتا ہے: یہ سب یہود کے مذکورہ حیلہ کی طرح ہیں۔

ایک واقعہ: ایک جبّہ قبّہ والا مہتمم کسی مالدار کی دکان پر چندہ لینے گیا، دکاندار نے جو دینا تھا دیا، پھر اس نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بینک کے سود کے دو لاکھ روپے ہیں: ان کو کہاں خرچ کروں؟ مہتمم نے کہا: مجھے دیدو! سیٹھ نے کہا: وہ سود کی رقم ہے، حرام مال ہے، آپ اس کو کیا کریں گے؟ مہتمم نے کہا: ہم اس کو پاک کرلیں گے، سیٹھ نے پوچھا: کیسے پاک کروگے؟ مہتمم نے حیلۂ تملیک بتایا کہ ہم وہ رقم کسی غریب طالب عالم کو دیں گے، وہ مالک ہوکر مدرسہ کو دیدے گا تو وہ حلال وطیب ہوجائے گی، سیٹھ نے کہا: اگر اس طرح کرنے سے وہ رقم پاک ہوسکتی ہے تو میری دکان میں بھی غریب ملازم ہیں، میں ان کے ساتھ ہیر پھیر کرلوں گا! مہتمم کو وہاں سے اٹھنا بھاری پڑ گیا۔

سوچو! اگر حیلۂ تملیک درست ہو تو بڑے مالدار زکات کیوں نکالیں گے، وہ اپنے غریب ملازم کو پکڑا کر واپس لے لیں گے، اور اسلام کا سارا نظام زکات معطل ہوجائے گا۔

فائدہ(۴): حیلہ کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حیلہ بتایا ہے کہ سینکوں کا مٹھا لے کر بیوی کو ماریں، سو ڈنڈے مارنے کی قسم پوری ہوجائے گی: ﴿ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ﴾: اور آپ اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لیں، اور اس سے ماریں اور قسم نہ توڑیں، اور جو شخص حد کا تحمل

نہیں کرسکتا: اس کے لئے حدیث میں حیلہ بتایا کہ کھجور کا ایک بڑا خوشہ لیا جائے جس میں سو چھوٹی شاخیں ہوں: اس سے ایک مرتبہ ماردیا جائے (مشکوۃ حدیث ۳۵۷۴ رحمۃ اللہ ۵: ۳۱۰)

مگر حیلہ قانون نہیں ہوتا، اس کو اسکیم بنا کر چلانا درست نہیں، حیلہ قانون کی لچک کا نام ہے، قانون اگر لوہے کا ڈنڈا ہوگا تو مجبور اس کو توڑنے پر مجبور ہوگا، اور اس میں لچک ہوگی تو مضطر اس کو موڑ کر نکل جائے گا، غرض حیلہ ایمرجنسی حالات ہی کے لئے ہے، لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

ایک واقعہ: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے صرف ایک مہتمم کو حیلۂ تملیک کی اجازت دی ہے، اس کا مدرسہ بڑے قرضہ میں آگیا تھا، اور مہتمم کی عزت کا سوال پیدا ہوگیا تھا، پس مفتی صاحب نے فتوی دیا کہ حیلہ کرکے قرض ادا کردے، یہ ایمرجنسی کی مثال ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور آپ (اپنے زمانہ کے یہود سے) اس بستی والوں کا حال پوچھیں جو سمندر کے کنارے پر آباد تھی، جبکہ وہ سنیچر کے دن میں حدِ شرعی سے آگے بڑھے؟ (یاد کرو:) جب ان کے پاس ان کی مچھلیاں قریب آتی تھیں ان کے سنیچر کے دن میں، اور جس دن سنیچر نہ ہوتا نہیں آتی تھیں، اس طرح ہم ان کو آزمارہے تھے بایں سبب کہ وہ بے حکمی کررہے تھے۔ اور (یاد کرو:) جب ان کی ایک جماعت نے (سمجھانے والوں سے) کہا: تم ان لوگوں کو کیوں سمجھاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ یا تو ہلاک کرنے والے ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں؟ سمجھانے والوں نے جواب دیا: ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرنے کے لئے سمجھا رہے ہیں، اور شاید وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں! — پس جب انھوں نے اس بات کو بھلا دیا جس کے ذریعہ وہ نصیحت کئے گئے تھے، تو ہم نے ان کو جو برے کام سے روکتے تھے بچالیا، اور ہم نے ان کو جنھوں نے گناہ کیا سخت سزا میں دھر لیا، بایں وجہ کہ وہ بے حکمی کرتے تھے، پس جب وہ اس سے بڑھے جس سے وہ روکے گئے تھے — یہ تمہید لوٹائی ہے، دوسری بات کہنے کے لئے — تو ہم نے ان سے کہا: تم ذلیل بندر ہوجاؤ!

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۶۷ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۶۸

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	الْعَذَابِ	عذاب	مِنْهُمُ	ان میں بعضے
تَاَذَّنَ[1]	دھمکی آمیز اعلان کیا	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کا پروردگار	الصّٰلِحُوْنَ	نیک لوگ ہیں
رَبُّكَ	آپ کے رب نے	لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ	جلد سزا دینے والا ہے	وَمِنْهُمْ	اور ان میں سے بعضے
لَيَبْعَثَنَّ	(کہ) ضرور بھیجیں گے وہ	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	دُوْنَ ذٰلِكَ	اس سے کم تر ہیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	لَغَفُوْرٌ	البتہ بڑا بخشنے والا	وَبَلَوْنٰهُمْ	اور آزمایا ہم نے ان کو
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک	رَّحِيْمٌ	بڑا مہربان ہے	بِالْحَسَنٰتِ	اچھے احوال سے
		وَقَطَّعْنٰهُمْ	اور متفرق کردیا ہم نے انکو	وَالسَّيِّاٰتِ	اور برے احوال سے
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ[2]	اس کو جو چکھائے ان کو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
سُوْٓءَ	برا	اُمَمًا	گروہ گروہ	يَرْجِعُوْنَ	واپس لوٹیں

۲- یہود قیامت تک محکوم رہیں گے

جس طرح حق کی مخالفت میں جب انسان آخری مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی ایمان کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتے ہیں، کان اور آنکھ پر پردہ ڈال دیتے ہیں: اسی طرح قومی زندگی میں جب یہی مرحلہ آتا ہے، کوئی قوم شرارت پر اتر آتی ہے اور آخری پوائنٹ کو چھو لیتی ہے تو اس پر محکومی اور ذلت کا ٹھپہ لگ جاتا ہے، پھر وہ قوم ہمیشہ غلام رہتی ہے۔

یہود بھی جب شرارتیں کرتے رہے تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ابنیائے بنی اسرائیل کے ذریعہ یہ دھمکی آمیز اعلان کیا گیا کہ وہ قیامت تک غلامی کی زندگی بسر کریں گے، ان پر ایسے لوگ مسلط ہونگے جو ان کو بدترین سزا چکھائیں گے، یہود کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان پر کوئی نہ کوئی جابر مسلط ہوتا رہا، جس نے ان کو محکوم بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں دیں —— بدترین سزا سے یہی محکومانہ زندگی مراد ہے —— اور آج فلسطین میں یہود کی حکومت عیسائیوں کی مرہونِ منت ہے، پس وہ عزت کی بات نہیں، بلکہ وہ بھی ایک طرح کی محکومیت اور ذلت ہے، اگر برطانیہ اور امریکہ یہود کے سر سے شفقت کا ہاتھ ہٹالیں تو مسلمان ان کا بھرتا بنادیں!

﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب آپ کے پروردگار نے دھمکی آمیز اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک ایسے

---

(۱) تَأَذَّنَ في الناس: منادی کرنا، دھمکی کا اعلان کرنا (۲) سَامَ الإنسانُ ذُلًّا: ذلت وحقارت کا برتاؤ کرنا۔

لوگوں کو ضرور مسلط کرتے رہیں گے جوان کو بدترین سزا چکھائیں!

یہود کے لئے بھی عزت حاصل کرنے کا موقع ہے

فرد یا قوم: حق کی مخالفت میں یا احکام کی خلاف ورزی میں جب آخری حد کو چھولے، اور اس کے دل پر مہر ہو جائے اور اس قوم پر ذلت کا ٹھپہ لگ جائے: تب بھی اس فرد کی ہدایت کا اور اس قوم کی عزت کا امکان باقی رہتا ہے، اس لئے کہ مہر اور ٹھپہ عارض کی وجہ سے لگتا ہے، اور امتناع بالغیر کے ساتھ امکان ذاتی جمع ہوتا ہے، آیت کے آخر میں یہی مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد آخرت میں یہود کو سزا دینے والے ہیں اگر وہ اپنی ضد اور شرارت پر برقرار رہیں، لیکن اگر وہ آخری نبی ﷺ پر ایمان لے آئیں اور مخالفت چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں، وہ ان کو عزت ورفعت سے نوازیں گے

﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک آپ کے پروردگار جلد سزا دینے والے ہیں، اور بے شک وہ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

۳- یہود میں افتراق وانتشار

یہود کے بارے میں دوسری پیشین گوئی یہ ہے کہ ان میں ہمیشہ افتراق وانتشار رہے گا، ان کی آبادیاں منتشر رہیں گی، انہیں ایک جگہ اکٹھا ہو کر رہنا نصیب نہ ہوگا اور ان میں مذہبی گروہ بندیاں ہونگی اور باہم سر پھٹول ہوتا رہے گا، یہ برا حال ہے، اچھا حال اس کے برعکس ہے، قوم کو اجتماعی قوت وشوکت حاصل ہو اور وہ ایک اور نیک ہو کر رہیں۔

اور اس افتراق وانتشار کے زمانہ میں یہود میں کچھ افراد نیک ہونگے اور کچھ ان سے کم تر ہونگے، یعنی فاسق وکافر ہونگے، ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ انابت کے مواقع فراہم کریں گے، کبھی ان کو عیش وآرام میں رکھیں گے، کبھی سختی اور تکلیف سے دوچار کریں گے، تاکہ وہ احسان مان کر یا تکالیف سے ڈر کر توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوں۔

فائدہ: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی تاریخ میں ایک وقت ایسا آئے گا: جب یہودی: فلسطین میں جمع ہو جائیں گے، اور انہیں قوت وشوکت حاصل ہوگی، اسی حالت میں دجال کا ظہور ہوگا، اور وہ پوری دنیا کو پامال کرے گا، آخر میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور یہود کا نام ونشان مٹا دیں گے، پس ممکن ہے موجودہ اسرائیلی حکومت تاریخ یہود کا یہی وقفہ ہو، واللہ اعلم (از آسان تفسیر)

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ

وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ: اور ہم نے ان کو زمین میں گروہ گروہ کر کے بانٹ دیا، ان میں بعض نیک ہیں، اور ان میں بعض اس سے کم تر ہیں، اور ہم نے ان کو خوش حالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا، شاید وہ باز آجائیں!

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

فَخَلَفَ	پس آئے	لَنَا	ہمارے لئے	اَنْ لَّا	کہ نہ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	وَاِنْ يَّاْتِهِمْ	اور اگر آئے ان کے	يَقُوْلُوْا	کہیں وہ
خَلْفٌ	ناخلف		پاس	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
وَّرِثُوا	وارث ہوئے وہ	عَرَضٌ	مال سامان	اِلَّا الْحَقَّ	مگر سچی بات
الْكِتٰبَ	اللہ کی کتاب کے	مِّثْلُهٗ	ویسا ہی	وَدَرَسُوْا	اور انھوں نے پڑھا
يَاْخُذُوْنَ	لیتے ہیں وہ	يَاْخُذُوْهُ	لے لیں وہ اس کو	مَا فِيْهِ	جو اس میں ہے
عَرَضَ	مال سامان	اَلَمْ يُؤْخَذْ	کیا نہیں لیا گیا	وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ	اور آخرت کا گھر
هٰذَا الْاَدْنٰى	اس اقرب دنیا کا	عَلَيْهِمْ	ان سے	خَيْرٌ	بہتر ہے
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	مِّيْثَاقُ(۱)	پیمان	لِّلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے جو
سَيُغْفَرُ	اب معاف کیا جائے گا	الْكِتٰبِ	اللہ کی کتاب میں	يَتَّقُوْنَ	بچتے ہیں

(۱) اضافت بمعنی فی ہے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا تو سمجھتے نہیں وہ؟	الْمُصْلِحِيْنَ	سنوارنے والوں کا	وَاقِعٌۢ	گرنے والا ہے
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	بِهِمْ	ان پر
يُمَسِّكُوْنَ (۱)	تھامتے ہیں	نَتَقْنَا (۳)	اکھاڑا ہم نے	خُذُوْا	(کہا ہم نے:) لو تم
بِالْكِتٰبِ (۲)	اللہ کی کتاب	الْجَبَلَ	پہاڑ	مَآ اٰتَيْنٰكُمْ	جو دیا ہم نے تم کو
وَاَقَامُوا	اور اہتمام کیا انھوں نے	فَوْقَهُمْ	ان کے اوپر	بِقُوَّةٍ	مضبوطی سے
الصَّلٰوةَ	نماز کا	كَاَنَّهٗ	گویا وہ (پہاڑ)	وَّاذْكُرُوْا	اور یاد کرو
اِنَّا	بے شک ہم	ظُلَّةٌ	سائبان ہے	مَا فِيْهِ	جو اس میں ہے
لَا نُضِيْعُ	نہیں ضائع کرتے	وَّظَنُّوْٓا	اور گمان کیا انھوں نے	لَعَلَّكُمْ	تا کہ تم
اَجْرَ	بدلہ	اَنَّهٗ	کہ وہ (پہاڑ)	تَتَّقُوْنَ	پرہیزگار بنو

۴- یہود میں رِشوت ستانی کی گرم بازاری!

جب اگلے یہود کا زمانہ بیت گیا تو پیچھے ناخلف آئے، وہ تورات کے حامل بنے اور رشوتیں لے کر تورات کے خلاف فیصلے اور فتوے دینے لگے، اور بے باکی سے کہتے تھے: ''ہم کو معاف ہو جائے گا!'' اس لئے کہ ہم اللہ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں، اور اسی اعتقاد سے وہ آج بھی رشوت لینے کے لئے تیار ہیں ـــــ یہ ان کا بہت برا حال ہے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا تورات میں ان سے عہد نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ کی طرف سچ کے سوا کوئی بات منسوب نہ کریں؟ ـــــ لیا گیا ہے! پھر بھی وہ تورات میں تحریف کر کے غلط فیصلے اور فتوے دیتے ہیں، اور اس کو اللہ کا حکم بتاتے ہیں، درانحالیکہ وہ تورات پڑھتے ہیں، اور اس عہد و پیمان سے واقف ہیں! کاش وہ آخرت کو پیش نظر رکھتے اور رشوت ستانی سے بچتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا، پس کیا وہ یہ موٹی بات نہیں سمجھتے!

البتہ جو لوگ تورات کی پیش گوئی کو پیش نظر رکھ کر آخری نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، اور وہ قرآنِ کریم کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں، اور نماز وغیرہ عبادات ٹھیک سے ادا کرتے ہیں، اور لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرتےہیں: اللہ تعالیٰ ان کی محنت ضائع نہیں کریں گے، ان کو اجر جزیل عطا فرمائیں گے۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ

(۱) تمسیک (باب تفعیل): پکڑنا، پابند ہونا (۲) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ نے کتاب سے قرآنِ کریم مراد لیا ہے (روح)
(۳) نتقنا کے لئے دیکھیں (ہدایت القرآن ۱:۹۸)

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾

ترجمہ: پس ان کے بعد برے جانشین آئے، وہ اللہ کی کتاب (تورات) کے وارث بنے، وہ اس دنیائے دَنی کا مال سامان (رشوت) لیتے ہیں، اور کہتے ہیں: ''ہم کو معاف ہو جائے گا!'' اور اگر ایسا ہی مال سامان (آج بھی) ان کے سامنے آئے تو وہ اس کو لے لیں ـــــ یعنی موجودہ یہود ان نالائقوں کے نقشِ قدم پر ہیں۔

کیا ان سے اللہ کی کتاب (تورات) میں عہد و پیمان نہیں لیا گیا کہ وہ اللہ کے تعلق سے سچی بات کے سوا کچھ نہ کہیں؟ درانحالیکہ پڑھا ہے انھوں نے جو اس کتاب میں ہے ـــــ یعنی وہ تورات کے اس بیان سے واقف ہیں۔

اور آخرت کا گھر (جنت) بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (رشوت ستانی سے) بچتے ہیں، کیا پس وہ سمجھتے نہیں! اور جو لوگ کتاب الٰہی (قرآن) کو مضبوطی سے تھامتے ہیں، اور انھوں نے نماز (وغیرہ) کا اہتمام کیا تو ہم احوال سنوارنے والوں کا بدلہ رائیگاں نہیں کریں گے!

۵-بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ بڑھایا تب انھوں نے تورات کو قبول کیا

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ان کے لئے اللہ کی کتاب لائیں، تا کہ وہ اس پر عمل کریں! موسیٰ علیہ السلام تختیوں پر لکھ کر تورات شریف لائے، بنی اسرائیل نے اس کو اللہ کی کتاب ماننے سے انکار کر دیا، موسیٰ علیہ السلام ستر سرداروں کو طور پر لے گئے، وہاں انھوں نے اللہ کا کلام سنا، مگر اس میں پخ (بے کار کی علت) نکالی کہ کون بولا وہ ہم نے نہیں دیکھا، اللہ پاک ہمارے روبرو آ کر فرمائیں تو ہم جانیں اور مانیں، اس گستاخی پر پہاڑ کپکپایا اور اوپر سے کڑا کا گرا اور سب کھیت رہے، پھر وہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ کئے گئے اور واپس آ کر بنی اسرائیل کے سامنے گواہی دی، مگر اپنی طرف سے یہ بھی بڑھا دیا کہ تورات کے سب احکام پر عمل ضروری نہیں، جس قدر ہو سکے عمل کرنا، بس پھر کیا تھا؟ ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا! بنی اسرائیل کو پھر بہانہ مل گیا اور انھوں نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کا ایک حصہ ان پر بڑھایا، جیسے سائبان ہوتا ہے۔ سائبان چھوٹی چھت کو کہتے ہیں، جو دیوار سے جڑی اور آگے بڑھی ہوئی ہوتی ہے، جب اس طرح پہاڑ ان پر بڑھا، اور انھوں نے خیال کیا کہ اب وہ ان پر گرے گا: اس وقت ان سے کہا گیا کہ جو کتاب تم کو اللہ نے دی ہے اس کو مضبوطی سے لو، اور اس کے احکام پر عمل کرو، اس میں تمہارا فائدہ ہے، تم پرہیزگار بندے بن جاؤ گے!

پس مرتے کیا نہ کرتے، خواہی نخواہی تورات کو قبول کیا، مگر مرغ کی ایک ٹانگ رہی، کمینی دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر غلط فیصلے کرتے رہے اور فتوے دیتے رہے —— یہ بھی ان کا نہایت برا حال ہے۔

فائدہ: ماضی کے واقعات اور آگے کے احوال 'غیب' ہیں، ان میں سے جتنی باتیں قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں وہ 'شہادت' ہیں، لوگ ان کو جان لیتے ہیں، باقی تفصیلات غیب ہی رہتی ہیں، ان کو جاننے کی کوئی صورت نہیں ہوتی، پس پہاڑ بنی اسرائیل پر کیسے بڑھا؟ اس کو کوئی مفسر نہیں سمجھا سکتا۔

(یہاں یہود کے برے احوال کا بیان پورا ہوا، آگے عام انسانی احوال کا بیان ہے اور وہ بھی یہود ہی کو سنائے گئے ہیں)

﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ہم نے ان پر پہاڑ اٹھایا، گویا وہ سائبان ہے، اور انھوں نے خیال کہ وہ ان پر گرنے والا ہے (اور کہا:) قوت سے لو جو ہم نے تم کو دیا ہے، اور یاد کرو جو اس میں ہے، تاکہ تم پرہیزگار بنو!

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ۙ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	ذُرِّيَّتَهُمْ	ان کی اولاد کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے
اَخَذَ	لیا	وَاَشْهَدَهُمْ	اور گواہ بنایا ان کو	بَلٰي	کیوں نہیں!
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار نے	عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ	ان کی ذاتوں پر	شَهِدْنَا (۲)	ہم نے اقرار کیا
مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ	اولاد آدم سے	اَلَسْتُ	کیا نہیں ہوں میں	اَنْ تَقُوْلُوْا (۳)	کہیں تم کہو
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ (۱)	ان کی پیٹھوں سے	بِرَبِّكُمْ	تمہارا پروردگار؟	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن

(۱) من ظهورهم: من بنی آدم سے بدل اشتمال ہے (۲) شہادت میں قسم کے ساتھ اقرار کا مفہوم ہوتا ہے (۳) أن سے پہلے لام اور بعد میں لا مقدر مانا جاتا ہے، أی لئلا، اور بغیر تقدیر کے: کہیں، کبھی، ترجمہ کرتے ہیں۔

اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	مِنْ قَبْلُ	ہم سے پہلے	فَعَلَ	کیا
عَنْ هٰذَا	اس سے	وَكُنَّا	اور تھے ہم	الْمُبْطِلُوْنَ	باطل پرستوں نے؟
غٰفِلِيْنَ	بے خبر	ذُرِّيَّةً	اولاد	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح
اَوْ تَقُوْلُوْٓا	یا تم کہو	مِّنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد	نُفَصِّلُ	کھول کر بیان کرتے ہیں ہم
اِنَّمَآ	اس کے سوانہیں کہ	اَفَتُهْلِكُنَا	کیا پس ہلاک کرتے ہیں	الْاٰيٰتِ	اپنی باتیں
اَشْرَكَ	شرک کیا		آپ ہم کو	وَلَعَلَّهُمْ	اور شاید وہ
اٰبَآؤُنَا	ہمارے اسلاف نے	بِمَا	اس شرک کی وجہ سے جو	يَرْجِعُوْنَ	(شرک سے) لوٹ جائیں

عام انسانی احوال (یہ احوال بھی یہود کو سنائے ہیں)

۱- تورات سے پہلے عالم ذَرّ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے اپنے رب ہونے کا اقرار لیا

ربط: میثاقِ خاص کے بعد میثاقِ عام کا ذکر ہے، اور یہ بھی یہود کو سنایا ہے۔ بنی اسرائیل سے بصورت تورات جو عہد و پیمان لیا تھا، جس کا تذکرہ گذشتہ آیات میں آیا، جس کے لئے وہ تیار نہیں تھے، مرغا بنایا تب مانا: وہ میثاقِ خاص تھا، اور میثاقِ عام وہ ہے جو تمام انسانوں سے عہد الست میں لیا گیا ہے۔

عہد الست اور عالَم ذَرّ کا واقعہ: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ان کی پشت سے ان کی صلبی اولاد پیدا کی گئی جیسا کہ حدیث میں تفصیل ہے، پھر اولاد کی پشت در پشت سے ان کی اولاد نکالی، اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنے سامنے پھیلا دیا یعنی ان پر اپنی تجلی فرمائی، اپنا جلوہ دکھایا، اس طرح دیدار کرا کر اپنی معرفت اور پہچان کرائی، پھر ان سے پوچھا: ''کیا میں تمہارا رب نہیں؟'' سب نے کہا! کیوں نہیں! ہم سب گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں۔ یہ مضمون مسند احمد ج۱ ص۲۷۲ اور مستدرک حاکم ج۲ ص۵۴۴ کی روایت میں ہے، جس کی سند صحیح ہے۔

پھر وہ روحیں اصلاب میں واپس نہیں کی گئیں بلکہ عالم ارواح میں ان کو خاص ترتیب سے رکھ دیا گیا، بخاری شریف میں روایت ہے **الأرواحُ جنودٌ مُجَنَّدة:** عالم ارواح میں روحیں خاص ترتیب سے جیسے فوج کی پلٹنیں ہوتی ہیں رکھی ہوئی ہیں پھر شکم مادر میں تیار ہونے والے جسم میں وہیں سے روح لا کر فرشتہ پھونکتا ہے۔

غرض: انسان اس دنیا میں نیا نہیں پیدا ہوتا، اس دنیا میں صرف انسان کا جسم نیا بنتا ہے، کیونکہ یہ عالَم اجساد ہے، اور اس کی روح اس سے بہت پہلے پیدا کی جا چکی ہے، اور وہی درحقیقت انسان ہے، بدن تو روح کی سواری ہے، اور تمام

روحیں عالم اوراح میں موجود ہیں، وہاں سے روح شکم مادر میں بننے والے جسد خاکی میں منتقل کی جاتی ہے، پھر بچہ 'پیدا' ہوتا ہے، پیدا فارسی لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: ظاہر ہونا، انسان چار ماہ پہلے ماں کے پیٹ میں زندہ ہوا ہے، ظاہر اب ہوا۔

پھر دنیا میں انسان زندگی گذار کر مر جاتا ہے، روح نکل کر عالم برزخ میں چلی جاتی ہے، مر گیا میں مَرْ: فعل ماضی ہے، اور 'گیا' اس کا ترجمہ ہے، ملا کر 'مر گیا' استعمال کرتے ہیں، اور جسم یہاں پڑا رہتا ہے، اس کو 'لاش' کہتے ہیں، یہ لاشیئ کا مخفف ہے یعنی یہ کچھ نہیں، انسان گذر گیا، یہی ارواح بروز قیامت دوبارہ بننے والے اجسام میں ریوس آئیں گی اور نئی زندگی شروع ہوگی جوتا ابد چلے گی۔

فائدہ: ذُرّ: چھوٹی بھوری چیونٹی، پیٹھوں سے انسانوں کی روحیں نکالی تھیں، اور روحیں اعراض ہیں، جو قائم بالذات نہیں ہوتیں، قائم بالغیر ہوتی ہیں، اس لئے ان ارواح کو عالم مثال کے اجسام دیئے گئے تھے، جو چیونٹی کی شکل کے تھے، اس لئے عہد الست کو عالم ذُرّ بھی کہتے ہیں، اور یہ بات بھی حدیث میں آئی ہے۔

سوال: عہد الست کا واقعہ کسی کو یاد نہیں، پھر اس کو کیسے مان لیا جائے؟

جواب: یاد ہونا ضروری نہیں، دلیل کا موجود ہونا کافی ہے، ہر شخص زندہ چار ماہ ماں کے پیٹ میں رہا ہے، مگر کسی کو یاد نہیں، دیکھا دیکھی مانتا ہے، بچپن کے زمانہ کی تفریحات کسے یاد ہیں؟ آدمی مدرسہ میں کئی سال پڑھتا ہے، فراغت کے بعد جب عرصہ گذر جاتا ہے تو تفصیلات بھول جاتا ہے، مگر استعداد باقی رہتی ہے جو دلیل ہوتی ہے کہ اس نے پڑھا ہے۔

اسی طرح اللہ کی پہچان فطرت میں موجود ہے، آڑے وقت انسان اللہ ہی کو پکارتا ہے، یہ دلیل ہے کہ اس نے کبھی اللہ کو پہچانا ہے، اب اللہ کے سچے کلام میں اس کی خبر دی گئی اور مخبر صادق ﷺ نے بھی اس کی اطلاع دی، پس اس کو قبول کرنے میں لیت ولعل کیوں؟

﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا، اور ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا: کیوں نہیں! ہم اقرار کرتے ہیں! —— کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں!

فائدہ: ربّ: وہ ہستی ہوتی ہے جو تین کام کرے: (۱) کسی چیز کو موجود کرے، نیست سے ہست کرے (۲) وجود پذیر ہونے والی مخلوق کی بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ آناً فاناً ختم نہ ہوجائے (۳) پھر بتدریج اس مخلوق کو ترقی دے کر منتہائے کمال

تک پہنچائے ـــــ یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں، پس وہی رب ہیں، اور توحید ربوبیت اور توحید الوہیت میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک دوسرے سے جدا نہیں، رب ہی معبود ہوتا ہے، پس انسانوں کا اقرار ربوبیت: اقرار الوہیت بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عہد الست میں تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کیوں لیا؟

جواب: اس لئے لیا کہ انسان اس دنیا میں پیدا ہوکر صرف اللہ کی بندگی کرے، کسی کو ان کے ساتھ بندگی میں شریک نہ کرے، اور کرے تو قیامت کے دن کوئی بہانہ نہ بناسکے، اور ممکن ہے کسی مشرک کو عہد الست یاد آجائے اور وہ توحید کی طرف لوٹ جائے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب ہیں، مخلوقات سے وراء الوراء ہیں، اس دنیا میں ان کا دیدار ممکن نہیں، مگر معبود وہی ہیں، اس لئے کہ خالق و مالک وہی ہیں، چنانچہ ضروری ہوا کہ انسان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی پہچان کرادیں، اپنی معرفت کا بیج اس کے دل میں بودیں، تاکہ جب رسول آئیں اور اس مکنون معرفت کو مہمیز کریں تو وہ صرف اللہ کی بندگی کے لئے تیار ہوجائے، اسی لئے تمام رسول سب سے پہلے لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے ہیں، اور شرک کی قباحت سمجھاتے ہیں۔

پھر بھی جو لوگ دل کی آواز نہ سنیں، اور رسولوں کی یاددہانی پر کان نہ دھریں اور شرک کے دلدل میں پھنسے رہیں: وہ کل قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں اللہ کی معرفت حاصل نہیں تھی، ہم ان ہی کی عبادت کیسے کرتے؟ اور نہ ان کے لئے یہ کہنے کا موقع رہے کہ مورتیوں کی پرستش تو اوپر سے چلی آرہی تھی، ہم بعد کے لوگ اگلوں کی روش پر چلتے رہے، پس مجرم اگلے ہیں، ہم نہیں! اب مشرکین یہ عذر نہیں کرسکتے، اس لئے کہ ہر ایک کے نہاخانۂ دل میں اللہ کی معرفت موجود ہے، پھر وہ اپنے اسلاف کی روش پر کیوں چلے؟ دل کی آواز اور انبیاء کی بات کیوں قبول نہیں کی؟ مشرکین قیامت میں یہ دو بہانے نہ بناسکیں، اس لئے عہد الست میں ارواح پر اللہ تعالیٰ نے تجلی فرمائی، اپنی پہچان کرائی اور اپنی ربوبیت کا اقرار لیا، پھر اس دنیا میں بھیجا۔

اہل فترت اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہنے والوں کا حکم

اہل فترت اور اہل جاہلیت: دو نبیوں کے درمیان کے لوگوں کو کہتے ہیں، جب ایک نبی کی دعوت ختم ہوجائے یعنی اس کا لایا ہوا دین دنیا میں باقی نہ رہے اور اگلا نبی ابھی نہ آیا ہو تو اس درمیانی وقفہ کے لوگوں کو اصحاب فترت اور اہل جاہلیت کہتے ہیں۔

اور سکّان شواہق جبال: پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسنے والے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن تک نبی کی دعوت نہیں پہنچی یعنی وہ کسی ایسے دور دراز خطے میں بستے ہیں کہ اللہ کے دین کے داعی وہاں تک نہیں پہنچ سکے، نہ کسی اور ذریعہ سے اللہ کے دین کی بات ان کے کان میں پڑی۔

مذکورہ دونوں قسم کے لوگوں کا اخروی انجام کیا ہوگا؟ ناجی ہوں گے یا ناری؟ یہ کانٹوں بھرا مسئلہ ہے، کیونکہ ان کے بارے میں دلائل متعارض ہیں:

(۱) سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۵ ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہ معذب نہ ہوں گے، ناجی ہوں گے، حالانکہ اس آیت میں دنیوی عذاب (سزا) کا ذکر ہے جو حق و باطل کی کشمکش کے آخر میں، عملی فیصلہ کرنے کے لئے نازل ہوتا ہے، آخرت کے عذاب سے اس آیت کا کوئی تعلق نہیں۔

(۲) اور ابن ماجہ میں سند صحیح سے حدیث (نمبر ۱۵۷۳) ہے کہ ایک دیہاتی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میرے ابا صلہ رحمی کرتے تھے اور فلاں فلاں اعمال صالحہ کرتے تھے، اب مرنے کے بعد وہ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے — اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو یہ بھی حکم دیا کہ (حَيْثُمَا مَرَرْتَ بقبر مشرک فَبَشِّرْهُ بالنار) (تم جس مشرک کی قبر پر گزرو، اس کو جہنم کی خوش خبری دو) اس سائل کا باپ اصحاب فترت میں سے تھا اور وہ اصحاب قبور بھی اہل فترت میں سے تھے پس اس روایت سے ان کا معذب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

الغرض یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس مسئلہ میں درج ذیل آراء پائی جاتی ہیں۔

(۱) شیخ محیی الدین ابن عربی (۵۶۰-۶۳۸ھ) جو ساتویں صدی کے مشہور بزرگ اور صوفی ہیں، فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف میدان محشر میں نبی مبعوث کئے جائیں گے، جو لوگ ان کی اتباع کریں گے وہ ناجی ہوں گے اور جو ان کا انکار کریں گے وہ ناری ہوں گے — مگر یہ بات بے دلیل ہے اور یوم قیامت دار عمل نہیں، بلکہ دار جزاء ہے۔

(۲) حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ) جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے تقریباً ایک صدی پہلے گزرے ہیں، مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۵۹ میں فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ان کے برے اعمال کی جو سزا دینی ہے وہ میدان محشر میں دیدی جائے گی، پھر ان کو دیگر حیوانات کی طرح مٹی بنا دیا جائے گا اور مجدد صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے یہ رائے تمام انبیاء کی محفل میں پیش کی، تو سب نے میری رائے پسند کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔

یہ کوئی مکاشفہ ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی کا بھی کشف حجت شرعیہ نہیں، وہ محض ظن پیدا کرتا ہے، حکم شرعی ثابت

کرنے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

(۳) مفسرین کی ایک رائے یہ ہے کہ وہ لوگ اعراف میں رہیں گے، جو جنت اور جہنم کے بیچ میں ایک مقام ہے۔ مگر یہ رائے بھی درست نہیں، کیونکہ اعراف ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، تمام اہل اعراف آخر میں جنت میں منتقل کردئے جائیں گے۔

(۴) اصولیوں کی عام رائے یہ ہے کہ اعمال کا حسن وقبح من وجہٍ عقلی ہے یعنی اعمال کی وضع ہی میں خوبیاں اور خرابیاں رکھی گئی ہیں مگر یہ فطری حسن وقبح انسان سمجھ نہیں سکتا اس لئے نزول شرع ضروری ہے۔ البتہ اللہ کی معرفت کا حسن اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی برائی انسان نزول شرع کے بغیر بھی اپنی خداداد عقل سے سمجھ سکتا ہے، باقی اعمال کے حسن وقبح کا عقل ادراک نہیں کرسکتی، شریعت نازل ہوکر جب احکام دیتی ہے، تبھی اعمال کا حسن وقبح معلوم ہوتا ہے۔

پس وہ اعمال جن کا حسن وقبح انسان عقل سے نہیں سمجھ سکتا ان پر نزول شرع سے پہلے مؤاخذہ نہ ہوگا اور توحید وشرک پر جزاؤسزا مرتب ہوگی، علامہ محبّ اللہ بہاری رحمہ اللہ نے مسلم الثبوت (ص ۱۶) میں امام اعظم رحمہ اللہ سے یہی روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے: **رُوِی عن أبی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: لاعُذْر لأحدٍ فی الجھل بخالقہ لما یری من الدلائل** پھر علامہ نے اس روایت میں ایک قید بڑھائی ہے اور مذکورہ مسئلہ اس روایت پر متفرع کیا ہے، لکھتے ہیں:

أقول: لعل المرادَ بعد مُضِیِّ مدۃ التأمل، فإنہ بمنزلِۃ دعوۃِ الرسل فی تنبیہ القلب بذلک؛ وتلک المدۃ مختلفۃ، فإن العقول متفاوتۃ، وبما حرَّرنا من المذاھب یتفرع علیہ مسألۃُ البالغ فی شاھق الجبل الخ

اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور احسان مندی کا حسن اور شرک اور احسان فراموشی کی برائی عقل سے اس لئے سمجھی جاسکتی ہے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ نے پچھلی زندگی میں سمجھا کر انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ **کلُّ مولد یولد علی الفطرۃ**: ہر بچہ فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

﴿ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْۢ بَعْدِھِمْ ۚ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾ ﴾

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے زمانۂ الست میں اپنی ربوبیت والوہیت کا اقرار اس لئے لیا) تاکہ تم قیامت کے دن نہ کہو کہ ہم اس سے —— اللہ کی الوہیت سے —— بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ شرک ہم سے پہلے ہمارے اسلاف نے کیا، اور ہم تو ان کے بعد آنے والی نسل تھے —— اور انسان ریت رواج کی پیروی پر مجبور ہوتا ہے —— پس کیا آپ ہمیں ان باطل

پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں —— یعنی دوزخ میں ڈالتے ہیں! —— تم یوں بات دوسروں پر نہ ڈال سکو؛ اس لئے پہچان کرا کر پیمان لیا ہے —— اور اس طرح ہم وضاحت کے ساتھ اپنی باتیں بیان کرتے ہیں —— تا کہ لوگ ان کو سمجھیں اور شرک کی کیچڑ میں نہ پھنسیں —— اور اس لئے بھی کہ وہ (توحید کی طرف) واپس آجائیں —— یعنی اگر کوئی شرک میں مبتلا ہو جائے تو وہ قرآن کا یہ بیان سن کر توبہ کرے اور گھر لوٹ آئے، صبح کا بھولا شام کو آجائے تو لوگ اسے بھولا نہیں کہتے!

یہ بات بھی یہود کو سنائی ہے کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ سَاۗءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٧٨﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ڮ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٧٩﴾

وَاتْلُ	اور آپ پڑھیں	اٰتَيْنٰهُ	دی ہم نے اس کو	فَاَتْبَعَهُ	پس پیچھے لگا اس کے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	اٰيٰتِنَا	ہماری آیتیں	الشَّيْطٰنُ	شیطان
نَبَاَ	خبر	فَانْسَلَخَ [(۱)]	پس چھوڑ نکلا وہ	فَكَانَ	پس ہو گیا وہ
الَّذِيْٓ	اس کی جو کہ	مِنْهَا	اُن آیتوں سے	مِنَ الْغٰوِيْنَ [(۲)]	گمراہوں میں سے

(۱) اِنْسَلَخَ انسلاخا (انفعال): کھال سے نکل جانا، جیسے سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے (۲) الغاوی: کج رو، مراد بتوں کا پجاری۔

وَلَوْ شِئْنَا	اور اگر چاہتے ہم	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ
لَرَفَعْنٰهُ	تو ضرور بلند کرتے اس کو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	هُمُ الْخٰسِرُوْنَ	ہی گھاٹے میں رہنے
بِهَا	ان آیات کی بدولت	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو		والے ہیں
وَلٰكِنَّهٗ	لیکن وہ	فَاقْصُصِ	پس بیان کریں آپ	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے
اَخْلَدَ (۱)	مائل ہوا	الْقَصَصَ	احوال (یہود سے)	ذَرَاْنَا (۵)	پیدا کئے ہم نے
اِلَى الْاَرْضِ	زمین کی طرف	لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ	لِجَهَنَّمَ	دوزخ کے لئے
وَاتَّبَعَ	اور پیروی کی اس نے	يَتَفَكَّرُوْنَ	سوچیں	كَثِيْرًا	بہت سوں کو
هَوٰىهُ (۲)	اپنی خواہش کی	سَآءَ	بری ہے	مِّنَ الْجِنِّ	جنات میں سے
فَمَثَلُهٗ	پس اس کا حال	مَثَلًا	مثال	وَالْاِنْسِ	اور انسانوں میں سے
كَمَثَلِ	جیسے حال	الْقَوْمُ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	لَهُمْ قُلُوْبٌ	ان کے لئے دل ہیں
الْكَلْبِ	کتے کا	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	لَّا يَفْقَهُوْنَ	نہیں سمجھتے وہ
اِنْ تَحْمِلْ (۳)	اگر بھگائیں آپ	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	بِهَا	ان سے
عَلَيْهِ	اس کو	وَاَنْفُسَهُمْ	اور وہ اپنا ہی	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے
يَلْهَثْ (۴)	(تو) ہانپے	كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ	نقصان کر رہے تھے	اَعْيُنٌ	آنکھیں ہیں
اَوْ تَتْرُكْهُ	یا چھوڑیں اس کو	مَنْ يَّهْدِ	جسے راہ دکھائیں	لَّا يُبْصِرُوْنَ	نہیں دیکھتے وہ
يَلْهَثْ	(تو) ہانپے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِهَا	ان سے
ذٰلِكَ	یہ	فَهُوَ	تو وہ	وَلَهُمْ اٰذَانٌ	اور ان کے لئے کان ہیں
مَثَلُ	مثال ہے	الْمُهْتَدِيْ	راہ پانے والا ہے	لَّا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سنتے وہ
الْقَوْمِ	ان لوگوں کی	وَمَنْ يُّضْلِلْ	اور جسے گمراہ کریں وہ	بِهَا	ان سے

(۱) أخلد إخلادًا: ہمیشہ رہنا، اور جب إلی صلہ آئے تو معنی ہوتے ہیں: مائل ہونا، جھکنا، راغب ہونا (۲) یہاں فَوَضَعْنَاهُ: محذوف ہے، یعنی ہم نے اس کا مرتبہ گرادیا، یہ حاصل کلام ہے (۳) حَمَلَ الكلبَ وعليه حَمْلاً: دھتکارنا، بھگانا، اور مصدر میں حاء کے کسرہ کے ساتھ حِملاً کے معنی ہیں: لادنا بوجھ اٹھانا، یہاں یہ معنی نہیں، کتے پر بوجھ نہیں لادا جاتا۔ (۴) لَهَثَ (ف) لهثًا: زبان باہر نکال دینا (۵) ذَرَأَ (ف) ذَرْءًا: پیدا کرنا، ظاہر کرنا اور پھیلانا۔

وہ لوگ	اُولٰٓئِكَ	بلکہ وہ	بَلْ هُمْ	وہ لوگ	اُولٰٓئِكَ
ہی (دین سے) غافل ہیں	هُمُ الْغٰفِلُوْنَ	زیادہ بے راہ ہیں	اَضَلُّ	چوپایوں کی طرح ہیں	كَالْاَنْعَامِ

۲-ان لوگوں کی مثال جواللہ کے عہد کی پروانہیں کرتے

اب بنی اسرائیل کوان کے ایک بزرگ کا واقعہ سناتے ہیں، اس کا نام بلعم بن باعورا تھا، اس کی زبان سینہ تک لٹک آئی تھی، کسی معاملہ میں اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کی تھی، اس لئے بطور سزا اس کی زبان نکل آئی تھی، حدیث میں ہے: **من عادی ولیًا لی فقد آذنتُه بالحرب**: جوشخص اللہ کے دوست کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے نمٹ لیتے ہیں، اگر کوئی شخص ہدایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے بعد مرتد ہوجائے تو اس کو دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے، جیسے بلعم کو ملی، اور اگر وہ اپنے علمی مقام کی حفاظت کرے تو اسے بلند سے بلند درجہ حاصل ہوسکتا ہے، اور دنیائے دَنی کی طرف راغب ہوجائے تو اس پر رال ٹپکاتا رہے گا، اس لئے آدمی کو ہمیشہ فکر مند رہنا چاہئے، کبھی اپنے بارے میں مطمئن نہیں ہونا چاہئے، معلوم نہیں کب وہ ہدایت سے محروم ہوجائے، سورۃ آلِ عمران (آیت ۸) میں ایک دعا سکھلائی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کریں، اس کے بعد کہ آپ نے ہمیں ہدایت سے نوازا، اور ہمیں خاص اپنے پاس سے مہربانی سے نوازیں، بے شک آپ ہی بڑے بخشنے والے ہیں (آمین)

اور چونکہ بلعم کی زبان باہر نکل آئی تھی اس لئے اس کو کتّے سے تشبیہ دی، ہر حیوان بے تکلف اور بے مشقت ناک سے سانس لیتا ہے، اور اندر کی ہوا باہر نکالتا ہے، مگر کتا ناک سے یہ کام نہیں کر پاتا، اس لئے زبان باہر نکال کر بہ مشقت یہ کام کرتا ہے، اسی کو ہانپنا کہتے ہیں، اگر آپ کے پاس کتا بیٹھا ہو اور آپ اسے بھگائیں تو وہ ہانپتا ہوا جائے گا، اور بیٹھا رہنے دیں تو بھی بیٹھا ہوا ہانپتا رہے گا، اسی طرح دنیا کے طالب کو دنیا ملے تو مزید کا طلب گار ہوگا، اور نہ ملے تو بھی اس کے لئے ہانپتا رہے گا۔ یہ بری مثال ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی باتوں کی تکذیب کرتے ہیں، یعنی مرتد ہوجاتے ہیں، وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتے، اور جو لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے۔

آیاتِ پاک: اور آپؐ اُن (یہود) کے سامنے اس شخص کا واقعہ پڑھیں جسے ہم نے اپنے دین کا علم دیا تھا، پس وہ اس کو چھوڑ نکلا —— اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرنے لگا —— پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، چنانچہ وہ گمراہوں میں سے ہوگیا —— یعنی مرتد ہوگیا —— اور اگر ہم چاہتے تو اس کا اس علم کی بدولت درجہ بلند کرتے —— یعنی اگر وہ دینی علم کے تقاضے پورے کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو امامت کا مرتبہ عطا فرماتے —— لیکن وہ پستی کی طرف مائل

ہوا، اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ــــ تو اللہ نے اس کا مرتبہ گرادیا اور سزادی۔

پس اس کا حال جیسے کتے کا حال: اگر آپ اس کو (اپنے پاس سے) بھگائیں تو ہانپتا ہوا جائے، اور اس کو اپنے پاس (بیٹھا) رہنے دیں تو بھی ہانپتا رہے ــــ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری باتوں کی تکذیب کی، پس آپ (یہود سے) ان کے حالات بیان کریں، تاکہ وہ سوچیں! ــــ اور عبرت پکڑیں!

بری مثال ہے ان لوگوں کی جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ــــ یعنی یہ مثال خاص بلعم ہی کے لئے نہیں، بلکہ عام ہے ــــ اور وہ اپنا ہی نقصان کررہے ہیں ــــ یعنی جو اللہ کے دین کو چھوڑتا ہے وہ اپنا ہی بیڑا غرق کرتا ہے ــــ جسے اللہ راہ دکھائیں وہی راہ پانے والا ہے ــــ یہ دوسری بات کہنے کے لئے الفاظ بدل کر تمہید لوٹائی ہے ــــ اور جسے وہ گمراہ کریں تو وہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں ــــ یہ دوسری بات ہے، پہلی تھی: اپنا نقصان کرنا۔

فائدہ: انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے، روح ربانی اور بدن ارضی کا، اور نسمہ درمیانی کڑی ہے، اگر آدمی روح ربانی کو سنوارنے کی طرف متوجہ ہوجائے، جو عالَم بالا کی چیز ہے، تو کرّوبی (مقرب فرشتے) اس کا دامن دھوکر پئیں گے، اور اگر وہ أرض (پستی) کی طرف یعنی بدن کے تقاضوں کی طرف متوجہ ہوجائے تو وہ أسفل السافلین میں پہنچ جائے گا ــــ یہ آیت کریمہ کے مضمون کا خلاصہ ہے۔

۳- بہت لوگ جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار کھڑے ہیں!

کچھ بلعم بن باعورا کی تخصیص نہیں، بے شمار لوگ جہنم کا ایندھن بننے کے لئے تیار ہیں، وہ پستی (دنیا) کی طرف مائل ہیں، ان کے پاس دل ہیں، مگر بے کار! آنکھیں ہیں مگر اندھی! کان ہیں مگر بہرے! اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل وفہم دی ہے، مگر انھوں نے اس کا کھوپرا کھایا ہے، انھوں نے اسبابِ علم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، کائنات میں پھیلی ہوئی توحید کی نشانیاں نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے! وہ لوگ جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر! جانور تو اپنا کچھ نفع نقصان سوچتا بھی ہے، کوئی گھاس چرتا ہے کوئی چھوڑ دیتا ہے، مگر یہ لوگ مطلق اپنی فکر نہیں کرتے!

فائدہ: دو چیزیں الگ الگ ہیں: تکوین اور تشریع۔ تکوین کے معنی ہیں: تخلیق، پیدا کرنا، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، بندوں کا اس میں کوئی دخل نہیں، اور تشریع کے معنی ہیں: شریعت سازی، احکام دینا اور اس پر عمل کرنا، اس کا تعلق بندوں سے ہے، اور اسی کے لئے بندوں کو جزوی اختیار دیا ہے، اس لئے اس پر جزاؤسزا مرتب ہوتی ہے، اور جزوی اختیار کا مطلب ہے: ایک حد تک اختیار۔

اور آیت کریمہ کے شروع حصہ میں (ذرأنا میں) تکوین کا ذکر ہے، اور آخری حصہ میں (﴿ لَهُمْ قُلُوْبٌ ﴾ میں) تشریع کا، اور اس آیت کے شروع کے مضمون میں اور سورۃ الذاریات کی آیت: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ میں تعارض نہیں، یہاں تکوین کا ذکر ہے، اور سورۃ الذاریات میں تشریع کا، اور تعارض کے لئے وحدتِ موضوع شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

﴿ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ أُولٰٓئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۭ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (۱۷۹) ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے دوزخ کے لئے جنات اور انسانوں کی کثیر تعداد پیدا کی ہے، جن کے پاس دل ہیں، مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں! اور ان کے پاس آنکھیں ہیں، مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں! اور ان کے پاس کان ہیں، مگر وہ ان سے سنتے نہیں! وہ لوگ جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ! یہی لوگ (اپنے دین سے) غافل ہیں!

﴿ یہاں تک عام انسانوں کے احوال کا بیان پورا ہوا، آگے توحید، رسالت، آخرت، ردِّ اشراک، پھر رسالت کے مضامین ہیں ﴾

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ أَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۱۸۰) وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ أُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۱۸۱) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۸۲) وَأُمْلِيْ لَهُمْ ۭ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (۱۸۳)

ع ۲۲ / ۱۲

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	فَادْعُوْهُ	پس تم پکارو ان کو	الَّذِيْنَ	ان کو جو
الْأَسْمَآءُ	نام ہیں	بِهَا	ان (ناموں) سے	يُلْحِدُوْنَ (۲)	کج روی اختیار کرتے ہیں
الْحُسْنٰى (۱)	اچھے	وَذَرُوا	اور تم چھوڑو	فِيْٓ أَسْمَآئِهٖ	ان کے ناموں میں

(۱) الحُسنی: بروزن فُعلیٰ: از حُسْنٌ: اسم تفضیل، واحد مؤنث: سب سے عمدہ، سب سے اچھا (۲) یُلحدون (افعال) أَلْحَد فلان: حق سے منحرف ہو کر اس میں بے بنیاد باتیں داخل کرنا، ملحد ہونا۔

سَيُجْزَوْنَ	عنقریب بدلہ دیئے	بِالْحَقِّ	دین حق کے مطابق	مِّنْ حَيْثُ	ایسی جگہ سے
	جائیں گے وہ	وَبِهٖ	اوراس کے موافق	لَا يَعْلَمُوْنَ	کہ نہیں جانتے وہ
مَا كَانُوْا	ان کاموں کا جو تھے وہ	يَعْدِلُوْنَ	انصاف کرتے ہیں	وَاُمْلِيْ	اور ڈھیل دے رہا
يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے		ہوں میں
وَمِمَّنْ	اوران میں سے جن کو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	لَهُمْ	ان کو
خَلَقْنَآ	پیدا کیا ہم نے	بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	اِنَّ	بے شک
اُمَّةٌ	ایک جماعت ہے	سَنَسْتَدْرِجُهُمْ	آہستہ آہستہ پکڑ رہے	كَيْدِيْ	میری خفیہ تدبیر
يَّهْدُوْنَ	جو راہ دکھلاتی ہے		ہیں ہم ان کو	مَتِيْنٌ	بڑی مضبوط ہے

توحید کا بیان

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، اور نام چند ہونے سے شخص چند نہیں ہوتا

ربط: گذشتہ آیت کا آخر تھا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ یعنی جو لوگ اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کام نہیں لیتے، اور اللہ تعالیٰ اور ان کے دین سے غافل ہیں وہ جانوروں جیسے ہیں، بلکہ ان سے زیادہ گمراہ، کیونکہ جانور تو اپنا کچھ مفاد سوچتے بھی ہیں، یہ لوگ مطلق نہیں سوچتے، آخرت سے بالکل غافل ہیں —— اب ان کے بالمقابل ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں اور مضبوطی سے اللہ کے دین کی پیروی کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں، اسماء وصفات: کمالات کی ترجمانی کرتے ہیں، کسی میں متعدد خوبیاں ہوں اور سب پر دلالت کرنے والا کوئی جامع لفظ نہ ہو تو متعدد الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جیسے مفتی، قاری، قاضی، حاجی وغیرہ، اور اللہ تعالیٰ کے کمالات بے حساب ہیں، اور کوئی ایک لفظ ان سب کمالات کو بیان نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفات اور نام متعدد ہیں، اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے موسوم کیا جائے، اور ان ناموں میں سے کسی بھی نام سے ان کو یاد کیا جائے: غفلت دور ہوگی اور دل کو چین نصیب ہوگا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾: سنو! دل کا سکون چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کو ان کے کسی بھی نام سے یاد کرو۔

اور صفات متعدد ہونے سے ذات متعدد نہیں ہوتی، کیونکہ ذات کا وجود ہی صفات کا وجود ہوتا ہے، البتہ صفات کا مفہوم الگ ہوتا ہے، جیسے زید: مفتی بھی ہے قاضی بھی، قاری بھی ہے اور حاجی بھی، پس زید چند نہیں ایک ہی ہے، البتہ اس میں

کمالات (خوبیاں) چند ہیں، اس لئے نام (لقب) چند ہیں۔

اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سو — ایک کم — نام ہیں، جو ان کا احاطہ کرے جنت میں جائے گا، اور وہ نام ترمذی شریف کی روایت میں آئے ہیں اور مشہور ہیں، چھپتے رہتے ہیں، اور ان کے احاطہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو حفظ کیا جائے، مطلب سمجھا جائے اور جو نام عام ہیں، جیسے مہربانی کرنا: وہ خوبی اپنے اندر پیدا کی جائے۔

﴿ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اچھے اچھے نام ہیں، پس تم ان ناموں سے اللہ تعالیٰ کو موسوم کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں ٹیڑھی چال چلنے والوں سے کنارے پر رہا جائے

صفت: وہ کمال ہے جو باکمال میں پایا جاتا ہے، اور جس سے وہ باکمال پہچانا جاتا ہے، جیسے کسی کا قاضی، قاری، مفتی اور حاجی وغیرہ ہونا۔ پھر صفات کی دو قسمیں ہیں: اچھی اور بری، اچھی صفات کو صفاتِ حسنہ کہتے ہیں، وہ اس کی خوبیاں ہوتی ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ضروری ہے، اور دوسری قسم کو صفاتِ قبیحہ کہتے ہیں، وہ عیوب ونقائص ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ سے نفی ضروری ہے۔ اول کو صفاتِ ثبوتیہ اور ثانی کو صفاتِ سلبیہ بھی کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا علیم وخبیر اور قادر وکامل ہونا ثبوتی صفات ہیں، اور بزدل وبخیل نہ ہونا سلبی صفات ہیں۔

اور کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی ثبوتی اور سلبی صفات میں غلط روش اختیار کرتے ہیں، مثلاً:

۱- معتزلہ — ایک اسلامی فرقہ — کہتا ہے: اللہ کی صفات بعینہٖ ان کی ذات ہے، ان کا مفہوم بھی الگ نہیں، یہ صفات کا انکار ہے، اور ان کا وسوسہ یہ ہے کہ صفات کو اگر الگ مانا جائے گا — اگرچہ صرف مفہوم کی حد تک ہو — تو تعدّد آلہہ لازم آئے گا، خدا چند ہو جائیں گے، اور توحید گاؤ خورد ہو جائے گی، حالانکہ صفات کا وجود الگ نہیں، پھر چند خدا کیسے ہونگے؟ — معتزلہ کا یہ خیال اللہ کے ناموں میں ٹیڑھی چال چلنا ہے۔

۲- معطلہ [1] — دوسرا اسلامی فرقہ — اللہ تعالیٰ کے لئے صفات نہیں مانتا، وہ اللہ تعالیٰ کو ذاتِ بحت (مجرد) مانتا ہے، یہ بھی صفات میں کج روی ہے، جب اللہ تعالیٰ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اور وہ ہر عیب سے پاک ہیں تو ان پر دلالت کرنے والے الفاظ ضروری ہیں، وہی اللہ کے اسماء صفات ہیں، یہ اللہ کی صفات سے تعطیل (چھٹی کرنا) بھی الحاد (کج روی) ہے۔

(۱) مُعَطِّلَة: تعطیل (باب تفعیل) سے اسم فاعل، واحد مؤنث، تعطیل کے معنی ہیں: چھٹی کرنا یعنی اللہ کے لئے صفات نہ ماننا۔

۳-مُشَبِّهَة، مُجَسِّمَة[1] ـــــ تیسرا اسلامی فرقہ ـــــ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق جیسی صفات مانتے ہیں، کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے لئے ہمارے جیسے کان اور آنکھیں ہیں، ہمارے جیسے پیر اور ہاتھ ہیں، جن سے وہ سنتے دیکھتے، چلتے پھرتے اور پکڑتے ہیں، یہ بھی صفات میں ٹیڑھی چال ہے، جب سب مخلوقات کے کان، آنکھیں اور ہاتھ پیر ایک جیسے نہیں، تو خالق اور مخلوق کی صفات ایک جیسی کیسے ہوسکتی ہیں، ہم مخلوقات کی صفات کو تو جانتے ہیں، اس لئے کہ وہ ہمارے سامنے ہیں، مگر خالق کی صفات کو جاننے کی کوئی صورت نہیں؟ اس لئے وہ غیب ہیں، لہٰذا ان کی کیفیت ونوعیت سمجھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرنا چاہئے۔

۴-عیسائی: اللہ تعالیٰ کو باپ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کا بیٹا مانتے ہیں، یہ بھی صفات میں کج روی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی بات ثابت کرنا ہے جو ان میں نہیں، ان کو نہ کسی نے جنا ہے نہ وہ جنے گئے ہیں، نہ ان کی کوئی اولاد ہے نہ ان کے ماں باپ ہیں: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾

ایک واقعہ: جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا، تو انگلینڈ سے حکومت نے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لئے پادریوں کی کھیپ ملک میں اتار دی، یہ پادری نماز کے وقت بڑی مسجد کے دروازے پر پہنچ جاتے، پولس نمازیوں کو زبردستی بٹھاتی، پادری وعظ کہتا، ایک پادری نے ڈرامہ کیا، اس نے چند لوگوں کو کھڑا کرکے اس کا اور اس کے باپ کا نام پوچھا، سب نے بتایا، پس اس نے تقریر شروع کی کہ "او مسلمانو! تم میں سے کوئی بے باپ نہیں، پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کا کیوں کہتے ہو؟ یہ کیسی بھونڈی بات تم کہتے ہو! جاؤ اگلی نماز میں اپنے مولویوں سے پوچھ کر اس کا جواب لانا"

مجمع کے آخر سے ایک پھکڑ مسلمان بولا: ہم اگلی نماز میں اپنے علماء سے پوچھ کر اس کا جواب لائیں گے، مگر میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون ہے؟ پادری نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے باپ ہیں، اس مسلمان نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے بیٹے کتنے ہیں؟ پادری نے کہا: صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام! اس مسلمان نے کہا قادر مطلق (Almighty) کا صرف ایک بیٹا! مجھ ضعیف کے دس بیٹے ہیں، آپ اس کا جواب لائیں، پادری اگلی نماز میں غائب تھا!

اس مسلمان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اگر بیٹا ہونا کمال ہے تو قادر مطلق کے ان گنت بیٹے ہونے چاہئیں، اور اگر بیٹا ہونا عیب ہے تو ایک بیٹا ہونا بھی عیب ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں۔

۵-مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور بیٹیاں مانتے تھے، ان احمقوں نے اللہ تعالیٰ کا جنات سے دامادی کا رشتہ

(۲) مشبهة: تشبیہ (باب تفعیل) سے اسم فاعل، واحد مؤنث: مشابہ قرار دینا اور مجسمة: تجسیم (باب تفعیل) سے اسم فاعل، واحد مؤنث: جسم ماننا۔

قائم کیا تھا، اور وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے: ﴿ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ﴾: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں کج روی ہے۔

۶- یہود کے نزدیک اللہ تعالیٰ ملول (رنجیدہ) ہوتا ہے، کتاب پیدائش (باب ۶) میں ہے: ''اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی، اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں، تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے 'ملول' ہوا اور دل میں غم کیا'' —— یہ بھی اللہ کی صفات میں الحاد ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ اللہ کی صفات کا درپردہ انکار کرنا، من مانی تاویل کرنا اور ایسی صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں: صفات میں کج روی اختیار کرنا ہے، اور ایسے لوگوں سے بے تعلق رہنے کا حکم ہے۔ اور آیت کے آخر میں اعلان ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کی حرکت کی سزا آخرت میں ضرور ملے گی۔

جو لوگ عرش کو اللہ تعالیٰ کے لئے 'مکان' مانتے ہیں وہ کج رَو ہیں، ان سے بے تعلق رہنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ لا زمان و لا مکان ہیں!

نوٹ: الحاد کی دیگر صورتوں کا بیان ہدایت القرآن (۲۴۶:۷) میں ہے، اس کو ضرور دیکھیں۔

﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں سے تعلق مت رکھو جو اللہ کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملے گی!

امت میں اہل حق بھی ہیں، اور کج روی اختیار کرنے والوں کی ڈھیل استدراج ہے

اس امت میں ایک جماعت (اہل السنہ والجماعہ) افراط وتفریط سے دور ہے، سچائی اور انصاف کی راہ پر گامزن ہے، اور اسی کی دوسروں کو دعوت دیتی ہے —— اور جو لوگ اللہ کی باتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اللہ کی صفات میں کج روی اختیار کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتے، ان کا عیش ان کی حقانیت کی دلیل نہیں، وہ استدراج (اللہ کی ڈھیل) ہے، ان پر اللہ تعالیٰ نے عیش وعشرت اور رزق میں فراخی کے دروازے کھول رکھے ہیں، بیل کی رسّی ڈھیلی چھوڑی ہے، جب وقت آئے گا ایسا زور کا جھٹکا دیں گے کہ ناک سوج جائے گی —— کید کے معنی ہیں: داؤ کرنا، اور داؤ اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، اس کا زیادہ استعمال مذموم داؤ کے لئے ہوتا ہے، اور یہاں محمود داؤ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾﴾

ترجمہ: اور ہماری مخلوقات (جن وانس) میں ایک جماعت ایسی ہے جو دین حق کے موافق لوگوں کی راہ نمائی کرتی ہے، اور اسی کے موافق انصاف بھی کرتی ہے ـــــ یعنی کورٹ میں فیصلے بھی کرتی ہے، یہ اہل السنہ والجماعہ ہیں۔ابن جریرؒ نے یہ حدیث روایت کی ہے: نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں میری امت کا ذکر ہے، وہ اپنے سب جھگڑوں کے فیصلے حق وانصاف یعنی قانونِ الٰہی کے مطابق کریں گے، اور لینے دینے کے تمام معاملات میں حق وانصاف کو سامنے رکھیں گے (معارف القرآن شفیعی)

اور جو لوگ ہماری باتوں کو جھٹلاتے ہیں، ہم ان کو آہستہ آہستہ اس طور پر جہنم کی طرف لے جارہے ہیں کہ انہیں احساس تک نہیں، اور میں ان کو (دنیا میں) ڈھیل دے رہا ہوں، بے شک میرا داؤ بڑا مضبوط ہے ـــــ وہ میری پکڑ سے بچ نہیں سکتے!

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓي اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۂ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ٻ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ڔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ / ۱۲

اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	يَتَفَكَّرُوْا	سوچا انھوں نے	مَا بِصَاحِبِهِمْ	نہیں ہے ان کے ساتھی کو

مِّنْ جِنَّةٍ (۱)	کچھ جنون	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں گے وہ؟	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
اِنْ هُوَ	نہیں ہیں وہ	مَنْ يُّضْلِلِ	جسے بے راہ کریں	ثَقُلَتْ	بہت بھاری ہے وہ
اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
مُّبِيْنٌ	صاف صاف	فَلَا هَادِيَ	تو نہیں کوئی راہ پر لانے والا	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
اَوَلَمْ	کیا اور نہیں	لَهٗ	اس کو	لَا تَاْتِيْكُمْ	نہیں آئے گی وہ تمہارے
يَنْظُرُوْا	غور کیا انھوں نے	وَيَذَرُهُمْ	اور چھوڑتے ہیں وہ ان کو		پاس
فِيْ مَلَكُوْتِ	عظیم حکومت میں	فِيْ طُغْيَانِهِمْ	ان کی سرکشی میں	اِلَّا بَغْتَةً	مگر اچانک
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	يَعْمَهُوْنَ (۳)	ٹامک ٹوئیاں مارتے	يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں
وَالْاَرْضِ	اور زمین کی	يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	كَاَنَّكَ	گویا آپ
وَمَا خَلَقَ (۲)	اور (اس میں) جو پیدا کیا	عَنِ السَّاعَةِ	قیامت کے بارے میں	حَفِيٌّ (۵)	تحقیق کئے ہوئے ہیں
اللّٰهُ	اللہ نے	اَيَّانَ	کب ہے	عَنْهَا	اس کی
مِنْ شَيْءٍ	کسی بھی چیز سے	مُرْسٰىهَا (۴)	اس کا لنگر انداز ہونا؟	قُلْ	بتادو
وَّاَنْ عَسٰى (۲)	اور (اس میں) کہ شاید	قُلْ	بتادیں آپ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
اَنْ يَّكُوْنَ	کہ ہو	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عِلْمُهَا	اس کا علم
قَدِ اقْتَرَبَ	قریب آچکی	عِلْمُهَا	اس کا علم	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہے
اَجَلُهُمْ	ان کی مقررہ مدت	عِنْدَ رَبِّيْ	میرے رب کے پاس ہے	وَلٰكِنَّ	لیکن
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ	پس کس بات پر	لَا يُجَلِّيْهَا (۶)	نہیں کھولیں گے اس کو	اَكْثَرَ النَّاسِ	بیشتر لوگ
بَعْدَهٗ	اس کے بعد	لِوَقْتِهَآ (۷)	اس کے وقت میں	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں

(۱) جِنَّة: دیوانگی، جَنٌّ سے بنا ہے، دیوانگی عقل کو چھپا دیتی ہے، اس لئے اسے جِنَّة کہتے ہیں (۲) ما خلق اللہ اور أن عسی کا ملکوت پر عطف ہے، پس فی یہاں بھی آئے گا (۳) عَمِهَ (ف، س) عَمَهًا: سرگرداں پھرنا، حیران و متردد ہونا (۴) مُرْسٰی: مصدر میمی: ٹھیرانا، جمانا، کشتی کا لنگر ڈال دینا، رَسَا یَرْسُو (ن) رَسْوًا: ٹھہرنا، جگہ پر جم جانا (۵) جَلّٰی تَجْلِیَةً: کھولنا، نمودار کرنا (۶) لوقتها: لام بمعنی فی ہے (۷) حَفِیٌّ بروزن فعیل: صفت مشبہ کا وزن: متلاشی، ریسرچ کرنے والا، پورے طور پر باخبر، علمی تحقیق کیا ہوا، اِسْتَحْفٰی عن الشیئ: زبردست کھوج لگانا، کھود کرید کرنا، حد سے زیادہ پوچھ تاچھ کرنا۔

قُلْ	کہہ دو	وَلَوْ كُنْتُ	اور اگر ہوتا میں	مَسَّنِيَ	چھوتی مجھے
لَآ اَمْلِكُ	نہیں مالک ہوں میں	اَعْلَمُ	جانتا	السُّوْٓءُ	برائی
لِنَفْسِيْ	اپنی ذات کے لئے	الْغَيْبَ	غیب کو	اِنْ اَنَا	نہیں ہوں میں
نَفْعًا	کسی نفع کا	لَاسْتَكْثَرْتُ	(تو) بہت کچھ حاصل	اِلَّا نَذِيْرٌ	مگر ڈرانے والا
وَّلَا ضَرًّا	اور نہ کسی ضرر کا		کر لیتا میں	وَّبَشِيْرٌ	اور خوشخبری دینے والا
اِلَّا مَا	مگر جو	مِنَ الْخَيْرِ	بھلائی سے	لِّقَوْمٍ	لوگوں کو
شَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ	وَمَا	اور نہ	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان لاتے ہیں

رسالت کا بیان

مشرکین مکہ لوگوں کو نبی ﷺ سے دور رکھنے کے لئے آپ پر 'پاگل' کی پھبتی کستے تھے، جنون ایک بیماری ہے، لوگوں کا اس پر یقین کرنا آسان تھا، اور قرآنِ کریم کو دیوانے کی بڑ قرار دیتے تھے، اللہ پاک اس کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو، بھلا جس کو سو بڑے آدمیوں (The Hundred) کے مصنف نے اول نمبر پر رکھا ہو، اس وجہ سے کہ انھوں نے انسانوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا ہے: کیا وہ دیوانہ ہوسکتا ہے؟ کیا تاریخ انسانیت کوئی ایسا دیوانہ دکھا سکتی ہے جس نے انسانوں کو سب سے زیادہ متأثر کیا ہو؟ اور جس نے قرآنِ کریم جیسا فصیح و بلیغ کلام پیش کیا ہو؟ قرآنِ کریم تو لوگوں کو صاف صاف وارننگ دینے کے لئے ہے کہ ہوش کے ناخن لو! معبود حقیقی کو پہچانو، اس کو چھوڑ کر تم کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟

لوگ تین چیزوں میں غور کیوں نہیں کرتے!

ایک: اللہ تعالیٰ کی عظیم سلطنت میں، جو آسمانوں اور زمین پر مشتمل ہے، دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا مضبوط انتظام کیا ہے، چاند سورج پابندی سے نکلتے چھپتے ہیں، جس کے ساتھ رات دن کا نظام وابستہ ہے، ہوائیں چلتی ہیں، بادل اٹھاتی ہیں، وہ جگہ جگہ برستے ہیں اور زمین اگاتی ہے، اس طرح حیوانات کی معیشت کا انتظام ہوتا ہے، جس ہستی نے انسان کی مادی ضرورت کا انتظام کیا ہے: کیا اس نے انسان کی روحانی ضرورت کا انتظام نہیں کیا ہوگا؟ اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔

دوم: غور کرو! آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے جو بھی مخلوق پیدا کی ہے وہ ناپائدار ہے، کاغذی پیرہن ہے ہر پیکر

تصویر کا! ایک وقت تک وہ موجود ہے پھر وہ پردۂ عدم میں چلی جاتی ہے، موجودہ انسان گذشتہ انسانوں کی جگہ لئے ہوئے ہیں، اور گذشتہ لوگ جن کو اپنے کرّ وفر پر ناز تھا اور وہ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے، اور اللہ کی کتابوں کو جھٹلاتے تھے: وہ آج کہاں ہیں؟ ان کو زمین نگل گئی! ان کے حال سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے!

سوم: موجودہ کفار اپنے احوال میں غور کیوں نہیں کرتے؟ ہوسکتا ہے ان کا پیمانۂ حیات لبریز ہوگیا ہو، ان کی موت کا وقت قریب آگیا ہو، پھر وہ فرصت کے لمحات سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ غفلت کا شکار کیوں ہیں؟ قرآن کریم کی باتوں کے بعد وہ کونسی بات کے منتظر ہیں، قرآن تو اللہ کا کلام ہے، اس سے برتر اور بہتر کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

بات دراصل یہ ہے کہ جس نے اپنے پیروں پر تیشہ زنی کی اس کو کوئی راہ پر نہیں لاسکتا، رسول اپنا فرض ادا کر چکے، قرآنِ کریم ان کو پہنچا چکے، اب بھی وہ گمراہی میں بھٹکتے رہیں تو وہ جانیں، رسول کی کیا ذمہ داری ہے!

﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ ﴾

ترجمہ: کیا اور ان لوگوں نے سوچا نہیں کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو ذرا بھی جنون نہیں، وہ تو (قرآن کے ذریعہ) صرف صاف صاف ڈرانے والے ہیں —— کیا اور ان لوگوں نے غور نہیں کیا: (۱) آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت میں (۲) اور ان دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں (۳) اور اس بات میں کہ ممکن ہے ان کا مقررہ وقت (موت) قریب آگیا ہو —— پھر وہ اس (قرآن) کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟

نبی ﷺ کو تسلی: جسے اللہ تعالیٰ بے راہ کریں! اسے کوئی راہ پر نہیں لاسکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے چھوڑ دیتے ہیں!

آخرت کا بیان

قیامت کا دن امتحان (جانچ) کے لئے ہے، ایمان واعمال سب جانچے جائیں گے، اور جنت وجہنم کے فیصلے ہونگے، اور امتحان تین طرح ہوتا ہے:

۱- طالب علم کو بھنک بھی نہ پڑنے دی جائے کہ امتحان ہوگا، اچانک بگل (نرسنگا) بجادیا جائے کہ آج امتحان ہے، اس صورت میں صحیح جانچ ہوتی ہے کہ طالب علم پڑھتا رہا ہے یا مدرسہ میں 'پڑا' رہا ہے؟

۲- پہلے بتادیا جائے کہ کسی وقت امتحان ہوگا، متعین تاریخ نہ بتائی جائے، پھر کسی دن اچانک امتحان لیا جائے تو بھی صحیح جانچ ہوگی کہ طالب علم پڑھا ہوا یاد کرتا رہا ہے یا نہیں؟ —— قیامت اسی طرح قائم ہوگی، سورۃ طٰہٰ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴾: بے شک قیامت آنے والی ہے، میں قریب تھا کہ اس کو پوشیدہ رکھتا یعنی کسی کو اس کی بھنک بھی نہ پڑنے دیتا، مگر بالاجمال بتادیا؛ تاکہ لوگ اس کی تیاری کریں، تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کیا ہے۔

ایک واقعہ: حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی رحمہ اللہ: حضرت مولانا عبدالحق خیرآبادی رحمہ اللہ کے پاس منطق پڑھنے گئے، مولانا نے فرمایا: ''پڑھاؤں گا، مگر جب چاہوں گا امتحان لوں گا!'' طالب علم نے منظور کیا، سبق شروع ہوا، آٹھ دن پڑھایا، نویں دن پڑھنے گیا تو فرمایا: آج امتحان ہوگا! طالب علم کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اتنا جلدی امتحان ہوگا، اس نے پڑھا ہوا یاد نہیں کیا تھا، اس کو بھگادیا، اس نے ایک مسجد میں چالیس دن اعتکاف کیا، اور دعا کرتا رہا کہ استاذ پڑھانے کے لئے راضی ہوجائیں، پھر نواب ٹونک سے نواب رام پور کے ذریعہ سفارش کرائی، مولانا نے پڑھانا منظور کیا، مگر اسی شرط کے ساتھ کہ جب چاہوں گا امتحان لوں گا، اب وہ طالب علم روزانہ سونے سے پہلے خواندہ پھیر کر سوتا تھا اس خیال سے کہ شاید کل امتحان ہو، مگر پھر مولانا نے کبھی امتحان نہیں لیا، امتحان کا مقصد کتاب یاد کرانا ہے، وہ حاصل ہوگیا۔

۳- پہلے سے طالب علم کو بتادیا جائے یا معمول کے مطابق وہ جانتا ہو کہ پہلا امتحان ربیع الاول میں ہوگا اور آخری امتحان شعبان میں ہوگا: تو یہ کیا خاک امتحان ہوا! طلبہ بھٹکتے رہتے ہیں، پھر جب امتحان میں ایک ماہ رہ جاتا ہے تو کتاب پکڑتے ہیں۔

قیامت کے دن زندگی میں کیا کیا ہے؟ اس کی جانچ ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ نے بات بالکل مبہم نہیں رکھی، صاف صاف بتادیا ہے کہ قیامت آنے والی ہے، مگر کب آئے گی یہ نہیں بتایا، اسرافیل علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مامور ہیں ان کو بھی معین وقت کا پتہ نہیں دیا، کیونکہ ایک کو بتادیا جائے تو بات لیک ہوجاتی ہے۔

مگر مشرکین کو اس کا یقین ہی نہیں، آج بھی عام مسلمانوں کو جو قیامت کو مانتے ہیں: یقین کہاں ہے؟ اس لئے مشرکین ٹھٹھا مذاق کے طور پر نبی ﷺ سے پوچھتے تھے کہ قیامت کی کشتی کب لنگر انداز ہونے والی ہے؟ یعنی ان کو قیامت کا معین وقت بتادیا جائے۔

ان کو جواب دیا جائے کہ اس کا معین وقت صرف اللہ پاک جانتے ہیں، وہی وقت آنے پر اس کو برپا کریں گے، تمہیں تو بس یہ بات جان لینی چاہئے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی تمہارے ہوش اڑ جائیں گے، قیامت بڑا بھاری حادثہ ہے اور

وہ اچانک آپڑے گی!

لوگ نبی ﷺ سے قیامت کی تاریخ اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپؐ اس کا ریسرچ (علمی تحقیق) کر چکے ہیں، اور اللہ کے بھیدوں سے واقف ہیں، حالانکہ رازہائے دروں سے کوئی واقف نہیں، نہ کسی کو واقف کیا ہے، قیامت کی تاریخ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں کہ نبی ﷺ کو اس کی تاریخ کا پتہ نہیں، اور لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ جب نبی ﷺ سرکارِ عالی مقام کے نمائندے ہیں تو ان کو حکومت کی ہر بات معلوم ہونی چاہئے، جبکہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، بڑے سے بڑا رسول بھی غیب نہیں جانتا۔

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۷ ﴾

ترجمہ: لوگ آپؐ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کی کشتی کب لنگر انداز ہونے والی ہے؟ آپ جواب دیں: اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے، وقت پر اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا، وہ تم پر اچانک آپڑے گی، وہ لوگ آپؐ سے اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس کی علمی تحقیق کر چکے ہیں، آپؐ فرمادیں: اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں!

نبی ﷺ اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع وضرر کے مالک نہیں

سورۃ النمل میں ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾: بتادیں! آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا (مثلاً:) کوئی نہیں جانتا کہ لوگ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ —— پھر غیب کی دو قسمیں ہیں: کلی اور جزئی:

غیب کلی: وہ ہے جس کو از ابتدا تا انتہا کوئی نہیں جانتا، مثلاً: جن انبیاء کا تذکرہ قرآنِ کریم میں نہیں کیا گیا: ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾ یا مستقبل میں پیش آنے والے بہت سے معاملات جن کی اطلاع قرآن وحدیث میں نہیں دی گئی، اسی طرح آخرت میں ابد تک جنتیوں اور جہنمیوں کے ساتھ جو معاملات ہونگے: وہ سب غیب کلی ہیں۔

اور غیب جزئی: وہ باتیں ہیں جن کا کچھ حصہ بتایا گیا اور کچھ حصہ نہیں بتایا، جیسے قیامت کے بارے میں بتادیا کہ وہ بالیقین آنے والی ہے، مگر معین وقت نہیں بتایا، پس یہ غیب جزئی ہے۔ حدیث جبرئیل کی بعض روایات میں صراحت ہے:

نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرئیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا'' (فوائد) انھوں نے قیامت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے جواب دیا: ما المسئول عنها بأعلم من السائل: اس بارے میں جتنا آپ جانتے ہیں اتنا ہی میں جانتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ قیامت بالیقین آنے والی ہے: اتنی ہی بات میں بھی جانتا ہوں، اور آپ نہیں جانتے کہ کب آئے گی، اسی لئے پوچھتے ہیں، میں بھی یہ بات نہیں جانتا پس کیا جواب دوں؟

علم غیب کلی کی ایک مثال: انسان کے اپنے ذاتی احوال ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ کیا کھائے گا؟ کہاں رہے گا؟ اور کہاں مرے گا؟ اسی طرح نبی ﷺ بھی اپنے ذاتی احوال سے واقف نہیں تھے کہ آئندہ آپ کے ساتھ کیا احوال پیش آئیں گے؟ چنانچہ آپ کو حکم دیا گیا کہ:

آپؐ لوگوں کو بتادیں کہ میں معمولی غیب کی باتیں بھی نہیں جانتا، میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع وضرر کا مالک نہیں، نہ کوئی نفع حاصل کرسکتا ہوں نہ کوئی ضرر ہٹا سکتا ہوں، اللہ تعالیٰ جن احوال سے مجھے دوچار کرنا چاہیں: کرتے ہیں، اگر میں غیب جانتا تو میں ڈھیر سارے منافع حاصل کر لیتا، اور مجھے کوئی ضرر نہ پہنچتا، جب میں اپنی ذات سے تعلق رکھنے والے احوال سے واقف نہیں ہوں تو کائنات کے رموز کی مجھے کیا خبر؟ اللہ تعالیٰ مجھے جتنا بتاتے ہیں اتنا ہی لوگوں کو بتاتا ہوں، باقی باتیں اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، میرا کام صرف یہ ہے کہ جو میری باتیں مانیں ان کو آخرت کی کامیابی کا مژدہ سناؤں، اور جو نہ مانیں ان کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں، اس سے آگے میری کوئی ذمہ داری نہیں!

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ﴾

ترجمہ: آپؐ کہہ دیں: میں خود اپنی ذات کے لئے کسی نفع ونقصان کا مالک نہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اور اگر میں غیب (پوشیدہ باتیں) جانتا تو ڈھیر سارے منافع حاصل کر لیتا، اور مجھے کوئی مضرت نہ پہنچتی، میں تو صرف ڈرانے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں!

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ

شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٢﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ
صَامِتُوْنَ ﴿١٩٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ
يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ
ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ
الْكِتٰبَ ښ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ
وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾

هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جنھوں نے	حَمَلَتْ	اٹھایا اس نے	لَنَكُوْنَنَّ	(تو) ضرور ہوں گے ہم
خَلَقَكُمْ	پیدا کیا تم کو	حَمْلًا خَفِيْفًا	ہلکا سا اٹھانا	مِنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں میں سے
مِّنْ نَّفْسٍ	ایک نفس (ناطقہ)	فَمَرَّتْ	پس چلتی رہی وہ	فَلَمَّا	پس جب
وَّاحِدَةٍ	سے	بِهٖ	اس کے ساتھ	اٰتٰهُمَا	دی اللہ نے دونوں کو
وَّجَعَلَ	اور بنایا	فَلَمَّآ	پس جب	صَالِحًا	بھلی چنگی (اولاد)
مِنْهَا	اس سے	اَثْقَلَتْ	بوجھل ہوگئی وہ	جَعَلَا	بنائے دونوں نے
زَوْجَهَا[1]	اس کا جوڑا	دَّعَوَا	(تو) پکارا دونوں نے	لَهٗ	اللہ تعالیٰ کے لئے
لِيَسْكُنَ	تاکہ آرام پکڑے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	شُرَكَآءَ	ساجھی
اِلَيْهَا	اس کے پاس	رَبَّهُمَا	جو دونوں کا پروردگار ہے	فِيْمَآ	اس (اولاد) میں جو
فَلَمَّا	پس جب	لَئِنْ اٰتَيْتَنَا	بخدا! اگر دی آپ نے ہمیں	اٰتٰهُمَا	عنایت فرمائی اس نے
تَغَشّٰهَا	ڈھانکا مرد نے اس کو	صَالِحًا	بھلی چنگی (اولاد)		دونوں کو

(۱) زوج کے معنی ہیں: جوڑا، یعنی ایسی دو چیزیں جو مل کر ایک مقصد کی تکمیل کریں، اور بیوی یا شوہر اس کے مصداق ہیں۔

فَتَعٰلَى	پس برتر ہیں	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا	بِهَا	ان سے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عِبَادٌ	(وہ) بندے ہیں	قُلِ	کہو
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	اس سے جس کو شریک	اَمْثَالُكُمْ	تم جیسے	ادْعُوْا	پکارو
	کرتے ہیں وہ	فَادْعُوْهُمْ	پس پکارو ان کو	شُرَكَآءَكُمْ	تمہارے بھاگی داروں کو
اَيُشْرِكُوْنَ	کیا شریک ٹھہراتے ہیں وہ	فَلْيَسْتَجِيْبُوْا	پس چاہئے کہ جواب	ثُمَّ كِيْدُوْنِ	پس چال چلو تم میرے
مَا لَا يَخْلُقُ	اس کو جو پیدا نہیں کرتا		دیں وہ		ساتھ
شَيْئًا	کسی چیز کو	لَكُمْ	تمہیں	فَلَا تُنْظِرُوْنِ	پس نہ ڈھیل دو تم مجھے
وَّهُمْ	اور وہ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِنَّ وَلِيِّ ـَۧ	بے شک میرا کارساز
يُخْلَقُوْنَ	پیدا کئے گئے ہیں	صٰدِقِيْنَ	سچے	اللّٰهُ	اللہ ہے
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	اور نہیں طاقت رکھتے وہ	اَلَهُمْ	کیا ان کے لئے	الَّذِيْ نَزَّلَ	جس نے اتاری
لَهُمْ	ان کے لئے	اَرْجُلٌ	پیر ہیں	الْكِتٰبَ	اپنی کتاب (قرآن)
نَصْرًا	مدد کرنے کی	يَّمْشُوْنَ بِهَآ	جن سے چلتے ہیں وہ	وَهُوَ	اور وہ
وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ	اور نہ اپنی ذاتوں کی	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	يَتَوَلَّى	کارسازی کرتے ہیں
يَنْصُرُوْنَ	وہ مدد کرتے ہیں	اَيْدٍ	ہاتھ ہیں	الصّٰلِحِيْنَ	نیک بندوں کی
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ	اور اگر بلائیں آپ ان کو	يَّبْطِشُوْنَ	پکڑتے ہیں وہ	وَالَّذِيْنَ	اور جن کو تم
اِلَى الْهُدٰى	راہ ہدایت کی طرف	بِهَآ	ان سے	تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو
لَا يَتَّبِعُوْكُمْ	نہ پیروی کریں وہ تمہاری	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	مِنْ دُوْنِهٖ	اللہ کے سوا
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ	یکساں ہے تم پر	اَعْيُنٌ	آنکھیں ہیں	لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	نہیں طاقت رکھتے وہ
اَدَعَوْتُمُوْهُمْ	کیا پکاریں آپ ان کو	يُّبْصِرُوْنَ	دیکھتے ہیں وہ	نَصْرَكُمْ	تمہاری مدد کرنے کی
اَمْ اَنْتُمْ	یا ہوں آپ لوگ	بِهَآ	ان سے	وَلَآ اَنْفُسَهُمْ	اور نہ وہ اپنی
صَامِتُوْنَ	خاموش رہنے والے	اَمْ لَهُمْ	یا ان کے لئے	يَنْصُرُوْنَ	مدد کرتے ہیں
اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جن کو	اٰذَانٌ	کان ہیں	وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ	اور اگر بلاؤ تم ان کو
تَدْعُوْنَ	پکارتے ہو تم	يَّسْمَعُوْنَ	سنتے ہیں وہ	اِلَى الْهُدٰى	راہ ہدایت کی طرف

لَا يَسْمَعُوْا	تو نہ سنیں وہ	يَنْظُرُوْنَ	تک رہے ہیں وہ	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
وَتَرٰىهُمْ	اور دیکھتا ہے تو ان کو	اِلَيْكَ	تیری طرف	لَا يُبْصِرُوْنَ	نہیں دیکھتے

ردّ اشراک کا بیان

ردّ اشراک بھی توحید ہی کا مضمون ہے، پس یہ توحید کی طرف عود (لوٹنا) ہے —— اور ان آیات میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: تمہید ہے، اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کا پہلا جوڑا بنایا، آدم وحواء علیہما السلام کو پیدا کیا، پھر مرد وزن کا جوڑا بنانے کی حکمت بیان کی ہے، پھر اس شرک کا بیان ہے جو جاہل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔

دوسری بات: پھر اس شرک کی پرزور تردید کی ہے جو مشرکین میں پایا جاتا ہے، اور مورتیوں کا بے حیثیت ہونا بیان کیا ہے۔

تیسری بات: پھر یہ بیان ہے کہ مشرکین نبی ﷺ کو بتوں سے ڈراتے ہیں، اس کا جواب دیا ہے کہ مورتیاں اللہ کے رسول کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے کارساز ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا پہلا جوڑا بنایا

حیوانات کی تمام انواع کے پہلے جوڑے (نر مادہ) اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کئے ہیں، پھر ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ قائم کیا ہے، چنانچہ آدم وحواء علیہما السلام کو بھی جو انسان کے نفس ناطقہ کی دو صنفیں ہیں: مٹی سے پیدا کیا ہے، تفصیل سورۃ النساء کے شروع میں گذر چکی ہے، اور اس تمہید کا آگے کے مضمون سے تعلق یہ ہے کہ جب پہلا جوڑا اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے تو آگے کے جوڑے بھی اسی نے پیدا کئے ہیں، پھر ان میں غیر اللہ کو شریک کرنے کا کیا جواز ہے؟

اور انسانوں کا جوڑا بنانے میں حکمت: یہ ہے کہ زوجین کو ایک دوسرے سے سکون ملے، اور ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ میں اصلی مضمون ہے، دوسرا تابع مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے، پوری بات یہ ہے: ''تاکہ مرد کو عورت کے پاس سکون ملے اور عورت کو مرد کے پاس'' جب مرد زندگی کے جھمیلوں سے پریشان ہو کر گھر لوٹتا ہے، اور خوش نصیب بیوی سے دو گھڑی باتیں کرتا ہے تو سارا غم غلط ہو جاتا ہے، اسی طرح بیوی بھی شوہر کی مشتاق رہتی ہے، شوہر کے لوٹنے میں تاخیر ہو جائے تو وہ بے تاب ہو جاتی ہے —— جوڑا بنانے کا یہ بڑا فائدہ ہے۔

اور جوڑے سے نسل پھیلانا چھوٹا فائدہ ہے، اس لئے کہ نسل تو اللہ تعالیٰ جوڑے کے بغیر بھی پھیلاتے ہیں، بے شمار فرشتے اللہ تعالیٰ نے جوڑے کے بغیر پیدا کئے ہیں، اسی طرح بہت سی مخلوقات —— کیڑے وغیرہ —— اللہ تعالیٰ زمین سے راست پیدا کرتے ہیں، اس لئے افزائشِ نسل جوڑے کا ضمنی فائدہ ہے، اصل فائدہ ایک کا دوسرے سے راحت پانا ہے،

اس لئے زوجین میں محبت ومودت پیدا کی ہے، پس یہ فائدہ انسان کے ساتھ خاص ہے، دیگر حیوانات بوقتِ ضرورت ملتے ہیں، اور قرآن میں اس تمہید کے آخر میں وقفِ جائز کی علامت (ج) بنائی ہے یعنی یہ مستقل مضمون ہے، اگلے مضمون میں اس سے استدلال کیا جائے گا۔

اس شرک کا بیان جو جاہل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے

پہلے جوڑے سے انسانوں کی نسل چلی، آگے کا حال یہ ہے کہ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوگئی، شروع میں حمل کا احساس نہیں ہوتا، عورت معمول کے مطابق زندگی گذارتی ہے، مگر جب وقت پر ماہواری نہیں آتی تو عورت کا ماتھا ٹھنکتا ہے، پھر جب پیٹ بڑھ جاتا ہے اور حمل کا یقین ہو جاتا ہے تو میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ''الٰہی! ہمیں بھلی چنگی اولاد عنایت فرما، ہم شکر گذار ہونگے!'' مگر جب ان کی تمنا برآتی ہے، اور گود بھر جاتی ہے تو نظر اللہ سے ہٹ جاتی ہے، اور نبی بخش، ولی بخش، غلام محمد، غلام نبی وغیرہ نام رکھ دیا جاتا ہے اور کوئی تو یہ اعتقاد جما لیتا ہے کہ فلاں زندہ یا مردہ پیر نے یہ اولاد دی ہے، چنانچہ وہ اسی کے نام کی نذر بھرتا ہے یا بچہ کو اس کے آستانہ پر یا مزار پر لے جا کر ماتھا ٹیکتا ہے، یہ کیا ہے؟ محض جہالت! کسی بڑی سے بڑی مخلوق کا اولاد میں کچھ حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہی اولاد عنایت فرماتے ہیں، انسانوں کا پہلا جوڑا بھی انھوں نے ہی پیدا کیا ہے، اس میں کوئی شریک نہیں تھا، اب پیر مرشد یا نبی ولی کہاں سے شریک ہو گئے؟ اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے برتر وبالا ہیں!

فائدہ: عبد الحارث نام رکھنے کی حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ کی جو مرفوع حدیث ترمذی اور حاکم میں ہے وہ متعدد وجوہ سے معلول ہے، ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس پر جرح کی ہے، تفصیل تحفۃ الالمعی (۷:۲۵۰) میں ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے شرک نہیں کیا، بلکہ آیت کا شروع کا حصہ شکر پر مشتمل ہے اور آخری حصہ میں بعد کے لوگوں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے: **ما أشرک آدم، إن أولها شکر، وآخرها مَثَلٌ ضربه لمن بعده** (درمنثور)

آیت کا شروع کا حصہ: ہمارے اکابر نے آیت کے ابتدائی حصہ کو حضرت آدم وحواء سے متعلق کیا ہے، فوائد شبیری میں ہے: ''بیشک ابتداءً: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں بطور تمہید آدم وحواء کا ذکر تھا، مگر اس کے بعد مطلق مرد وعورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے، اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں'' ...... لیکن اگر اس کو شکر کا عام مضمون قرار دیا جائے، جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، تو یہ اور بھی اچھی بات ہوگی، اس صورت میں آیت کے ابتدائی حصہ کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی اس نعمت کو یاد

کرو کہ اس نے تم کو نفسِ انسانی سے پیدا کیا، کسی اور نفسِ حیوانی سے پیدا نہیں کیا، یعنی تمہیں اشرف المخلوقات بنایا...... پھر دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اس کا جوڑا بھی اسی جنس سے بنایا، تاکہ تھکے ماندے مرد کو اہلیہ کے پاس پہنچ کر سکون ملے، اگر جوڑا خلافِ جنس سے بنا دیا جاتا تو یہ راحت وسکون کہاں نصیب ہوتا؟ لیکن ناہنجار انسان نے ان دونوں نعمتوں کا شکر کس طرح ادا کیا؟ اس طرح کہ جب زوجین میں مقاربت ہوئی اور حمل ٹھہرا، تو شروع شروع میں تو حمل کا پتہ ہی نہیں چلا، عورت حسب معمول چلتی پھرتی رہی، مگر جب پیٹ بھاری ہو گیا، اور حمل کا یقین ہو گیا تو لگے دونوں گڑگڑانے کہ پروردگار! اگر آپ ہمیں بھلا چنگا بچہ دیں گے تو ہم شکر گذار ہونگے، مگر جب اللہ تعالیٰ نے اس تیسری نعمت سے بھی بہرہ ور فرما دیا تو دونوں نے اللہ کے لئے ساجھی بنائے اس بچہ میں جو اللہ نے ان کو دیا یعنی اس تیسری نعمت کی اس طرح ناشکری کی کہ کسی نے تو عقیدہ جما لیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ ولی نے ہمیں دی ہے، اور کسی نے غیر اللہ کی نذر و نیاز شروع کر دی، اور کسی نے بچہ کو لے جا کر کسی چوکھٹ کے سامنے اس کی پیشانی ٹیک دی، اور کسی نے بچہ کا نام ایسا رکھ دیا جس سے شرک کی بو آتی ہے، جیسے نبی بخش، غلام رسول، اور غلام جیلانی وغیرہ، غرض مانگا اللہ سے، دیا اللہ نے اور نام لگا دیا غیروں کے!

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾﴾

ترجمہ: وہی (اللہ تعالیٰ) ہیں جنھوں نے تم کو ایک نفس (ناطقہ) سے پیدا کیا، اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ مرد عورت سے سکون پائے —— اور عورت مرد سے چین پائے —— پس جب مرد نے عورت کو ڈھانکا —— مقاربت کی —— تو عورت نے ہلکا سا بوجھ اٹھایا —— یعنی حاملہ ہو گئی —— پس وہ اس کے ساتھ چلتی رہی —— یعنی اس کو حمل کا احساس تک نہ ہوا —— پس جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی —— جو ان دونوں کے پروردگار ہیں! —— "بخدا! اگر آپ نے ہمیں بھلی چنگی اولاد عنایت فرمائی تو ہم ضرور شکر گذار ہونگے!" —— پھر جب اللہ تعالیٰ نے دونوں کو بھلی چنگی اولاد عنایت فرمائی تو لگے دونوں اللہ کے ساجھی بنانے اس اولاد میں جو اللہ نے ان کو عنایت فرمائی، پس اللہ تعالیٰ برتر و بالا ہیں اس سے جس کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں!

اس شرک کی تردید جس میں مورتی پجاری مبتلا ہیں

گذشتہ آیت کا آخر ہے: ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ﴾: اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے بلند و بالا ہیں! یعنی کہاں ذاتِ عالی اور کہاں لوگوں کے تجویز کئے ہوئے شرکاء! کوئی اللہ تعالیٰ کا ہم سر ہو تو بھاگی دار ہو! —— اور لوگ جس شرک

میں مبتلا ہیں اس کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ شرک جو جاہل مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، اس کا بیان ہو چکا، دوسرا: وہ شرک جو صنم پرستوں میں پایا جاتا ہے، اب اس کی تردید فرماتے ہیں، اور پانچ طرح تردید فرمائی ہے، اور تردید میں اوپر سے نیچے اترے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ صنم پرستی کی بنیاد اکابر پرستی ہے، قبر پرستی کی بھی یہی بنیاد ہے، مورتی اور قبر: شبیہ ہے کسی نبی ولی کی، لوگ درحقیقت اس نبی یا ولی کو پوجتے ہیں، لوگ جس کے عقیدت مند ہوتے ہیں اس کا فوٹو یا مورت کھڑی کرتے ہیں، اور اس کے سامنے ڈنڈوت کرتے ہیں اور اس سے استمداد کرتے ہیں، مگر وہ حقیقت میں ذی صورت سے یہ معاملہ کرتے ہیں۔

صنم پرستوں سے پانچ سوال:

۱- مشرکین جن مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں انھوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ —— نہیں! بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ نے پیدا کیا ہے، نبی اور ولی کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے، پس جو خالق نہیں وہ معبود کیسا؟

۲- اچھا بتاؤ! اگر مورتیاں خالق نہیں تو وہ مشرکین کی کچھ مدد کر سکتی ہیں؟ —— مدد تو ایک انسان دوسرے انسان کی بھی کرتا ہے، مدد کرنے کے لئے ناصر کا خالق ہونا ضروری نہیں مگر مورتیاں تو اپنے بچاریوں کی مدد بھی نہیں کر سکتیں، بلکہ اگر کوئی ان پر چڑھ بیٹھے یا ان کو توڑنے پھوڑنے لگے تو وہ اس کو ہٹا بھی نہیں سکتیں، ایسی بے بس شکلوں کو وہ کیا پوجتے ہیں!

۳- اچھا چلو! اگر یہ مورتیں کچھ مدد نہیں کر سکتیں تو وہ اپنے پجاریوں کی پکار ذو شبیہ کو پہنچا سکتی ہیں تا کہ وہی کچھ مدد کریں؟ ٹیلی فون: بے جان آلہ ہے، مگر وہ بات دوسرے تک پہنچاتا ہے اور وہ دوسرا امداد کرتا ہے۔

یہاں یہ صورت بھی نہیں، بھینس کے سامنے بین بجائیں بھینس کھڑی جگالے، بے وقوف سے کچھ کہنا نہ کہنا برابر ہے! لوگ ایسی مورت کی کیا پوجا کرتے ہیں جو ٹیلی فون سے بھی گئی گذری ہے!

۴- اچھا چلو! اگر یہ مورتیاں ذی مورت کو پیغام پہنچا دیں تو جان لو کہ مورتیاں جن کے پیکر ہیں وہ تمہیں جیسے بندے ہیں، وہ تمہیں کوئی جواب نہیں دیں گے، تمہاری آواز صدا بصحراء ثابت ہوگی، اگر تم سچے ہو کہ یہ مورتیاں ان کا پیکر ہیں تو ان ذی صورت کو پکار دیکھو، پھر دیکھو! وہ تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں؟ صدا برنخواست کا معاملہ ہوگا!

۵- اور اگر مشرکین کا خیال ہو کہ مورتیاں جن کی شبیہ ہیں وہ بولیں گے نہیں، البتہ وہ ڈور ہلائیں گے اور پتلیاں ناچیں گی! تو سنو! ان مورتیوں کے پاس چلنے والے پیر، پکڑنے والے ہاتھ، دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان کہاں ہیں؟ وہ تو محض بت بنی کھڑی ہیں، وہ ناچیں بھی تو کیا ناچیں گی؟ جنگل میں مور ناچا، کس نے دیکھا!

خلاصہ: مشرکین کس امید پر ان صورتوں کو پوجتے ہیں، ان سے کسی طرح کی نفع رسانی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کی بندگی

کیوں نہیں کرتے، وہ خالق بھی ہیں ناصر بھی، وہ بندوں کی دعائیں سنتے ہیں، وہ قادر مطلق ہیں اور اسباب کے مالک ہیں، جس کے لئے چاہتے ہیں اسباب موافق کردیتے ہیں اور اس کا کام بن جاتا ہے۔

﴿ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ ﴾

ترجمہ: (۱) کیا وہ (مشرکین) اس کو شریک ٹھہراتے ہیں جس نے کوئی بھی چیز پیدا نہیں کی، اور وہ پیدا کئے گئے ہیں (۲) اور نہ وہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور نہ وہ اپنی ذاتوں کی مدد کرتے ہیں (۳) اور اگر آپ ان کو سیدھے راستے کی طرف بلائیں تو وہ آپ کا فولو (Follow) نہ کریں، ان پر یکساں ہے: خواہ آپ ان کو بلائیں یا آپ خاموش رہنے والے ہوں! (۴) بے شک جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو —— یعنی مورتیں جن کی صورت ہیں —— وہ تمہیں جیسے بندے ہیں —— اور دلیل یہ ہے کہ تم ان کو پکارو —— پس چاہئے کہ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو —— کہ ان مورتیوں کے پیچھے ذی مورت ہیں —— (۵) کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ —— نہیں کچھ بھی نہیں، پھر وہ کیا ناچیں گی؟ اور تمہارے کیا کام آئیں گی؟

مشرکین نبی ﷺ کو مورتیوں سے ڈراتے ہیں

جب مورتیوں کو کنڈم کیا تو مشرکین نے نبی ﷺ سے کہا: ''ہماری مورتیوں سے ڈرو، ان کی برائی مت کرو، وہ تمہارا ستیاناس کردیں گی!'' —— ان کو جواب دو کہ اپنے شرکاء کو بلالاؤ، وہ میرے ساتھ چال چل دیکھیں، اور مجھے لمحہ بھر کی مہلت نہ دیں، وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، میرے کارساز اللہ تعالیٰ ہیں، اور جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآن نازل کیا ہے، یہ میری نیکی کی دلیل ہے، نیک بندوں ہی پر اللہ اپنا پیغام اتارتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی کارسازی فرماتے ہیں۔

اور تمہارے معبود تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیونکہ وہ اپنی ذاتوں کی مدد نہیں کرسکتے، اگر کوئی ان کا گھوڑا

بنائے یا ان کو توڑے پھوڑے تو وہ 'ہوں' تک نہیں کر سکتے، اور وہ جن کی شبیہ ہیں ان کو اطلاع تک نہیں کر سکتے، وہ ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہیں مگر کچھ نہیں دیکھتے، ان سے کیا میں ڈروں؟ وہ اپنا کام کریں، میں اپنا کام کرتا ہوں۔

﴿ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنَّ وَلِيِّ ےَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: تم اپنے شرکاء کو پکارو، پھر تم میرے ساتھ چال چلو، اور مجھے ذرا مہلت نہ دو، بے شک اللہ تعالیٰ میرے رکھوالے ہیں، جنھوں نے (مجھ پر) اپنی کتاب نازل کی ہے —— جو میری نیکی کی دلیل ہے —— اور وہ نیک بندوں کی کارسازی فرماتے ہیں —— پس وہ میری بھی بگڑی بنائیں گے۔

اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو —— یعنی عبادت کرتے ہو —— وہ تمہاری مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، اور نہ وہ اپنی ذاتوں کی مدد کر سکتے ہیں، اور اگر تم ان کو سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنیں گے، اور آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے!

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ۚ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ۧ

ع ۲۴ / ۱۴

خُذِ	اپنائیں آپ	تَذَكَّرُوْا	(تو وہ اللہ کو) یاد کرتے ہیں	اِلَيَّ	میری طرف
الْعَفْوَ [1]	درگذر کو	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ	مِنْ رَّبِّيْ	میرے رب کی طرف سے
وَاْمُرْ	اور حکم دیں	مُّبْصِرُوْنَ	دیکھنے والے ہیں	هٰذَا بَصَآئِرُ	یہ بصیرتیں ہیں
بِالْعُرْفِ [2]	نیکی کا	وَاِخْوَانُهُمْ	اور ان کے برادر	مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی
وَاَعْرِضْ	اور روگردانی کریں	يَمُدُّوْنَهُمْ	گھسیٹتے ہیں ان کو		طرف سے
عَنِ الْجٰهِلِيْنَ	جاہلوں سے	فِي الْغَيِّ	گمراہی میں	وَهُدًى	اور راہ نمائی
وَاِمَّا [3]	اور اگر	ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ	پس وہ باز نہیں آتے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی ہے
يَنْزَغَنَّكَ [4]	کچوکا لگے آپ کو	وَاِذَا	اور جب	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
مِنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان کی طرف سے	لَمْ تَاْتِهِمْ	نہیں لائے آپ ان	يُّؤْمِنُوْنَ	(جو) ایمان لاتے ہیں
نَزْغٌ	کوئی کچوکا		کے پاس	وَاِذَا قُرِئَ	اور جب پڑھا جائے
فَاسْتَعِذْ	تو پناہ مانگ لیں آپ	بِاٰيَةٍ	کوئی نشانی	الْقُرْاٰنُ	قرآن
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	قَالُوْا	(تو) کہتے ہیں	فَاسْتَمِعُوْا	تو کان لگا کر سنو
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ	بے شک وہ سننے والے	لَوْلَا	کیوں نہیں	لَهٗ	اس کو
عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	اجْتَبَيْتَهَا [6]	چن لائے آپ اس	وَاَنْصِتُوْا	اور خاموش رہو
اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے		معجزہ کو؟	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
اتَّقَوْا	تقوی اختیار کیا	قُلْ	کہو	تُرْحَمُوْنَ	مہربانی کئے جاؤ
اِذَا مَسَّهُمْ	جب چھوتا ہے ان کو	اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	وَاذْكُرْ	اور یاد کرو
طٰٓئِفٌ [5]	کوئی خیال (وسوسہ)	اَتَّبِعُ	میں پیروی کرتا ہوں	رَّبَّكَ	اپنے پروردگار کو
مِّنَ الشَّيْطٰنِ	شیطان کی طرف سے	مَا يُوْحٰٓى	(اس کی) جو وحی کیا گیا ہے	فِيْ نَفْسِكَ	اپنے دل میں

(۱) العفو: عفا یعفو کا مصدر ہے، متعلق کے اعتبار سے اس کے معانی مختلف ہوتے ہیں، عَفَا ذنبہ: گناہ معاف کیا، درگذر کیا (۲) العُرف: اسم بمعنی اسم مفعول ہے: ہر پسندیدہ نیک کام (۳) إما: إن شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہوا ہے (۴) نَزَغ فلانا: کسی کے انگلی چبھونا، کچوکا لگانا، مجازی معنی: وسوسہ ڈالنا۔ (۵) طائف: اسم فاعل، طاف یطوف طَوفا وَطَوَافًا: گھومنا، کسی چیز کے گرد چکر کاٹنا، اور بطور استعارہ: وسوسہ، خیال۔ (٦) اجتِبَاء: چھانٹ لینا، چن لینا، پسند کرنا۔

تَضَرُّعًا	گڑگڑاتے	وَلَا تَكُنْ	اور نہ ہو تم	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ نہیں کرتے ہیں
وَّخِيْفَةً (۱)	اور ڈرتے	مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ	بے خبر ہونے والوں	عَنْ عِبَادَتِهٖ	اللہ کی بندگی سے
وَّدُوْنَ الْجَهْرِ	اور آواز بلند کئے بغیر		میں سے	وَيُسَبِّحُوْنَهٗ	اور پاکی بیان کرتے
مِنَ الْقَوْلِ	زبان سے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو فرشتے		ہیں وہ ان کی
بِالْغُدُوِّ	صبح میں	عِنْدَ رَبِّكَ	آپ کے رب کے	وَلَهٗ	اور اس کے لئے
وَالْاٰصَالِ (۲)	اور زوال سے رات تک میں		پاس ہیں	يَسْجُدُوْنَ	سجدہ کرتے ہیں

رسالت کا بیان

ابھی ایک آیت (نمبر ۱۸۴) میں رسالت کا بیان آچکا ہے، مگر وہ بیان مختصر تھا، اب مفصل ہے، پس یہ رسالت کی طرف عود (لوٹنا) ہے، اسی پر سورت ختم ہوگی، اور اگلی سورت اسی مضمون سے شروع ہوگی، اس وجہ سے رسالت کی تفصیل مؤخر کی ہے تاکہ دونوں سورتیں مربوط ہوجائیں۔

نبی ﷺ کے بلند اخلاق

گذشتہ آیات میں بت پرستی کو حماقت بھرا کام کہا ہے، اس لئے ممکن تھا کہ جاہل مشرکین طیش میں آکر نبی ﷺ کی شانِ اقدس میں کوئی نامناسب حرکت کر بیٹھتے یا کوئی نازیبا بات بول دیتے، اور آپ اس کا ترکی بہ ترکی جواب دیتے تو بات بگڑتی اور دعوت کے کام کو نقصان پہنچتا: اس لئے آپ کو تین حکم دیتے ہیں:

۱- نبی ﷺ عفو ودرگذر کو عادت بنالیں، لوگ ناشائستہ حرکت کریں تو ان کو معاف کردیں، چنانچہ بے تمیزی کا برتاؤ کرنے والوں سے درگذر کرنے کے واقعات سے سیرتِ پاک بھری پڑی ہے۔

۲- آپ ﷺ لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیں: مثبت پہلو سے بھی اور منفی پہلو سے بھی، آپ اپنی امت کو بھی مجرم سے درگذر کرنے کا حکم دیں: یہ بھی نیک کام کا حکم دینا ہے۔

۳- آپ ؐ نادانوں کی نادانی کی طرف دھیان نہ دیں، ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر ان سے نہ الجھیں، جو عفو ودرگذر کا

(۱) خيفة: خاف يخاف کا مصدر ہے: ڈر، خوف ...... اور اسی سورت کی (آیت ۵۵) میں خُفْيَة ہے، یہ إخفاء سے ہے، جس کے معنی ہیں: چپکے، پوشیدہ (۲) آصال: أصيل کی جمع: زوال سے رات چھانے تک کا وقت، اردو میں اس کے لئے کوئی لفظ نہیں، شام سے پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا، اس کا ہم معنی العشی ہے، مفردات امام راغب میں ہے: العشي: من زوال الشمس إلى الصباح: سورج ڈھلنے سے صبح تک کا وقت۔

عادی ہو: یہ کام اس کی شان کے خلاف ہے۔

یہ تینوں احکام ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، اور اگر کسی وقت بشریت کے تقاضے سے کسی کی نامعقول حرکت پر غصہ آجائے تو آپ اللہ کی پناہ طلب کریں، کیونکہ جب غصہ کا بھوت چڑھتا ہے تو آدمی آپے سے باہر ہوجاتا ہے، ایسے وقت مشکل کشا کا سہارا لینا ضروری ہے، وہ سب کی سنتے ہیں اور سب کی حالت سے واقف ہیں، وہ شیطانی حرکت (غصہ) کا مداوا کریں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ناشائستہ حرکت کرنے والے سے درگذر کرنا مشکل کام ہے، خاص طور پر جب پارہ چڑھ جائے، چنانچہ برے برتاؤ کے جواب میں اچھا برتاؤ کرنے کا حکم قرآنِ کریم میں تین جگہ آیا ہے: ایک: یہاں، دوسرے: سورۃ المؤمنین (آیت ۹۶) میں، تیسرے: سورۃ حم السجدۃ (آیت ۳۴) میں: تینوں جگہ غصہ دلانے والے سے عفوودرگذر کے حکم کے بعد شیطان سے پناہ مانگنے کی ہدایت ہے۔

جہالت آمیز باتوں سے درگذر کرنے کی ایک مثال:

بخاری شریف (حدیث ۴۶۴۲) میں حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں: عیینۃ بن حصن فزاری (مدینہ) آیا، اور اپنے بھتیجے حرّ بن قیس کا مہمان بنا، اور حرّان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قریب کرتے تھے، اور قراء (علماء) حضرت عمرؓ کے ہم مجلس اور ہم مشورہ ہوتے تھے، خواہ ادھیڑ ہوں یا جوان، پس عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: بھتیجے! تیرا ایک مقام ہے اس امیر کے نزدیک، پس تو میرے لئے اس سے ملنے کی اجازت لے، حرّ نے کہا: میں عنقریب آپ کے لئے ان سے ملنے کی اجازت لونگا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں: پس حرّ نے عیینہ کے لئے اجازت طلب کی، حضرت عمرؓ نے اس کو اجازت دیدی، پس جب وہ ان کے پاس پہنچا تو کہا: ہائے خطاب کے لڑکے! بخدا! تو ہم کو بہت سارا مال نہیں دیتا، اور تو ہمارے درمیان انصاف سے حکومت نہیں کرتا، پس حضرت عمرؓ غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ آپؓ نے اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا، پس ان سے حرّ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ درگذر کی عادت ڈالیں، اور بھلی بات کا حکم دیں اور نادانوں سے روگردانی کریں، اور بے شک یہ شخص نادانوں میں سے ہے! پس بخدا! حضرت عمرؓ اس آیت سے آگے نہیں بڑھے جب حرّ نے وہ آیت آپؓ کے سامنے پڑھی، اور حضرت عمرؓ کتاب اللہ کے پاس بہت زیادہ ٹھہر جانے والے تھے۔

غصہ چڑھے تو أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لے، قابو میں نہ آئے تو درود شریف کا ورد کرے، پھر بھی شیطان نہ بھاگے تو حالت بدل لے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، اب بھی معاملہ قابو میں نہ آئے تو وضوء کرے، ان شاء اللہ کام بن جائے گا

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

ترجمہ: آپؐ درگذر کی عادت بنالیں، اور نیک کاموں کا حکم دیں، اور نادانوں کی طرف دھیان نہ دیں، اور اگر آپؐ کو شیطان کی طرف سے کوئی چھوٹا بڑا کچوکہ لگے تو آپؐ اللہ کی پناہ طلب کریں، بے شک وہ خوب سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں!

متقی بندے نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر ہوتے ہیں

پہلے خطاب خاص نبی ﷺ سے تھا، اگرچہ حکم استعاذہ میں امت بھی شامل تھی، اب عام متقیوں کا حال بیان کرتے ہیں، عام پرہیزگاروں کی طرف شیطان کا گذر ہوسکتا ہے، مستبعد نہیں، اور وہ کوئی چرکا بھی لگا سکتا ہے، مگر وہ اس کے کچوکے سے ممتد غفلت میں نہیں پڑتے، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور چونک پڑتے ہیں، ٹھوکر لگتی ہے مگر سنبھل جاتے ہیں، ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور غفلت کا پردہ ہٹ جاتا ہے، یہی لوگ نبی ﷺ کے پیروکار ہیں!

اور جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں، جن کو شیاطین کا بھائی بند کہنا چاہئے: ان کو شیطان گمراہی میں گھسیٹتے رہتے ہیں، اس لئے وہ گمراہی سے باز نہیں آتے، گمراہی میں پیر پسارتے رہتے ہیں، یا وہ شیطان کوتاہی نہیں کرتے اضلال میں۔ إقصار کے دو معنی ہیں: باز رہنا اور کمی کرنا، حاصل دونوں معنی کا ایک ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ تقوی شعار ہیں: جب ان کو کوئی شیطانی وسوسہ چھولیتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس یکا یک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں —— اور ان (گمراہوں) کے برادران کو گمراہی میں گھسیٹتے ہیں، پس وہ باز نہیں آتے!

نبی ﷺ کا منتخب معجزہ قرآنِ کریم ہے

مشرکین طرح طرح کے معجزات طلب کرتے تھے، جن کا دکھلانا حکمت کا تقاضا نہیں ہوتا تھا، اس لئے وہ کہتے تھے کہ آپ مختلف معجزات دکھلاتے ہیں، ہمارے مطلوبہ معجزات کیوں نہیں دکھلاتے؟ ان کو چھانٹ کر لائیے نہ!

جواب دو: تمہارے مطلوبہ معجزات میرے اختیار میں نہیں، میرا سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے جو میری طرف وحی کیا گیا ہے، میں اسی کی پیروی کرتا ہوں اور اسی کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس میں بصیرت افروز مضامین ہیں، ان

میں غور کیوں نہیں کرتے؟ ایک امی جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا اس کی زبان پر جاری یہ کلام سب سے بڑا علمی، ادبی اور دائمی معجزہ ہے، اس کے بعد کسی دوسرے معجزے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور قرآنِ کریم ایمان لانے والوں کے لئے راہ نما اور رحمت ہے، تم اس کی راہ نمائی اور رحمت سے حصہ کیوں نہیں لیتے؟

﴿ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾ ﴾

ترجمہ: اور جب آپؐ ان (مشرکین) کے پاس کوئی (ان کی مطلوبہ) نشانی نہیں لائے ـــــ یعنی نہیں دکھلاتے ـــــ تو وہ کہتے ہیں: ''آپ ان (مطلوبہ) معجزات کو چھانٹ کر کیوں نہیں لائے؟ ـــــ آپؐ جواب دیں: ''میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے میری طرف وحی کی گئی ہے، یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرتیں ہے، اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں راہ نمائی اور مہربانی ہے!''

قرآنِ کریم سے انتفاع کی شرط: استماع وانصات

قرآنِ کریم نبی ﷺ کا منتخب (چنیدہ) معجزہ ہے، علم وبصیرت کی کھان، راہ نما اور رحمت ہے، مگر اس سے انتفاع کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو پوری توجہ سے کان لگا کر سنا جائے، اس کے مضامین میں غور کیا جائے اور اس کی بصیرت افروز باتوں سے فائدہ اٹھایا جائے، اگر منکرین اسلام قرآن کو اس طرح سنیں تو کیا بعید ہے کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو جائیں، اور پہلے سے مسلمان ہوں تو اللہ کے ولی (دوست) بن جائیں، ورنہ کم از کم اجر وثواب کے حقدار ہو جائیں۔

اور خاموش رہ کر سننا اس لئے ضروری ہے کہ اگر کچھ پڑھ بھی رہا ہے اور سن بھی رہا ہے تو وہ پوری توجہ سے نہیں سن سکتا، نہ سنی ہوئی بات میں غور کر سکتا ہے، سنی ہوئی بات کی طرف کامل توجہ اسی وقت ہو سکتی ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ سنے، نفس ناطقہ بیک وقت دو چیزوں کی طرف کامل متوجہ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: سورۃ المزمل کی آیت: ﴿ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ﴾ کی وجہ سے نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے، اور اس آیت سے جہری نمازوں میں جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہ کر سننا بھی واجب ہے، اور فاتحہ بھی اس میں شامل ہے، پس جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے بوقت قراءت کچھ بھی پڑھنا درست نہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثیں مسلم شریف میں ہیں: وإذا قرأ فأنصتوا: جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، اور امام احمد رحمہ اللہ کا قول ان کے مذہب کی کتاب مغنی (۱:۶۰۲) میں ہے کہ میں نے کسی مسلمان سے یہ بات نہیں سنی کہ اس نے جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ کو واجب کہا ہو!

اور یہی حکم سرّی نمازوں کا ہے، اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں، جو موطا محمدؒ میں مروی ہے، اور جس کی سند اعلیٰ درجہ کی ہے: یہ ارشادِ نبوی ہے: من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة: جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے تو امام کا پڑھنا ہی اس کا پڑھنا ہے، پس جب روٹی ملے یوں تو کھیتی کرے کیوں؟ اور یہ بات سبھی ائمہ مانتے ہیں کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت کہتے ہیں، حالانکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی، مگر اس کے امام نے پڑھ لی ہے، جو مقتدی کے حق میں محسوب ہوگئی۔

مسئلہ: خطبۂ جمعہ میں قرآن پڑھا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، خاموش رہ کر سننا واجب ہے۔

مسئلہ: نماز اور خطبہ کے علاوہ اگر قرآن پڑھا جائے تو اس کا سننا مستحب ہے، اس لئے کہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، پس وہ مصداق اولیں ہیں اور دوسری صورتیں مصداق ثانوی، اس لئے احکام مختلف ہیں۔

مسئلہ: چند آدمی ایک جگہ تلاوت کریں تو سننا ضروری نہیں، ہر ایک اپنا پڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ جو کسی عبادت میں مشغول ہو اس پر دوسری عبادت کے لئے خاموش رہنا ضروری نہیں، مثلاً: کوئی شخص تلاوت کر رہا ہے اور اذان شروع ہوگئی تو جواب دینے کے لئے تلاوت بند کرنا ضروری نہیں۔

فائدہ: اس آیت نے بتادیا کہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت ہو رہی ہو تو اسے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا (آسان ترجمۂ قرآن از مولانا محمد تقی صاحب)

﴿ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ!

ذکر کے مراتب، آداب اور فرض نماز کی تاکید

اب ایک آیت بڑی جامع ہے، اس میں تین باتیں ہیں۔ بڑا ذکر تو قرآنِ کریم ہے، اس کا ادب گذشتہ آیت میں آچکا، اب عام اللہ کے ذکر کے کچھ احکام وآداب بیان فرماتے ہیں، اور فرض نمازوں کی تاکید فرماتے ہیں، نماز کا بھی بڑا مقصد اللہ کا ذکر ہے: ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ یعنی فحشاء اور منکر سے روکنا نماز کا چھوٹا فائدہ ہے، اور اللہ کی یاد اس کا بڑا فائدہ ہے، اس لئے اس کی تاکید فرمائی ہے۔

۱- ذکر ودعا کے مراتب: ذکر ودعا قرین ہیں، دونوں کا ادنیٰ درجہ: دل سے اللہ کو یاد کرنا اور مانگنا ہے، مشائخ مراقبہ دعائیہ بتلاتے ہیں، اس میں زبان نہیں ہلتی، آدمی تصور میں دعا کرتا ہے، اسی طرح تصور میں اللہ کا ذکر بھی ہوتا ہے،

﴿ فِیۡ نَفۡسِكَ ﴾ سے یہ مرتبہ مراد ہے، اسی کو ذکر نفسی (دل میں یاد کرنا) کہتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: **اقرأ بها في نفسك** (ترمذی) یعنی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا تصور کرو، یہی عام ذکر کا ادنی مرتبہ ہے۔

اور اعلی مرتبہ: چلانے سے کم آواز سے ذکر کرنا ہے، جہر مفرط (چلّانا) منع ہے، ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم چلا کر ذکر کر رہے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور نبی ﷺ سے کہا: آپ صحابہ کو ہدایت دیں کہ وہ چلا کر ذکر نہ کریں، چنانچہ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: **اِرْبَعُوْا على أنفسكم، فإنكم لا تدعون أصم ولا غائبا**: اپنی ذاتوں پر شفقت کرو، تم کسی بہرے کو یا غیر حاضر کو نہیں پکارتے!

بعض سالک ایسی ضربیں لگاتے ہیں کہ دیواریں ہل جاتی ہیں، اور سارا محلّہ پریشان ہو جاتا ہے: یہ مکروہ ہے، مگر مشائخ ان کو نہیں روکتے، حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ وہ بستی سے باہر چلا جائے۔

خلاصہ: دل میں اللہ کو یاد کرنا عام ذکر کا ادنی مرتبہ ہے، اور سرّاً ذکر کرنا اس کے بعد کا مرتبہ ہے اور ہلکی آواز سے ذکر کرنا اعلیٰ مرتبہ ہے، اس لئے کہ مسلسل ذکر قلبی سے نشاط باقی نہیں رہتا، اور چلانے سے دوسرے پریشان ہوتے ہیں، اس لئے اعتدال چاہئے، ایک حدیث میں ہے: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تہجد میں سراً قرآن پڑھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زور سے پڑھتے تھے، آپؐ نے دونوں سے وجہ پوچھی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا: میں جس کا ذکر کرتا ہوں اس کو سنا رہا ہوں، اور حضرت عمرؓ نے کہا: میں سونے والوں کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا، دونوں کا جواب معقول تھا، پھر بھی آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: ذرا زور سے پڑھا کرو، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا: ذرا آہستہ پڑھا کرو۔

فائدہ: یہ تو عام ذکر کے مراتب کا بیان ہے، اور نماز میں سرّی اور جہری قراءت کے مراتب اس سے مختلف ہیں: سرّی قراءت کا ادنی درجہ تصحیح حروف ہے، یعنی زبان ہلے، مخرج پر لگے اور حروف ادا ہوں، مگر آواز پیدا نہ ہو، اور اعلی درجہ: خود کو سنانا ہے، دوسرا نہ سنے ـــــ اور جہری قراءت کا ادنی درجہ دوسرے کو سنانا ہے، اور اعلی درجہ: بقدر ضرورت آواز بلند کرنا ہے (فائدہ پورا ہوا)

۲- ذکر کا ادب: ذکر کرتے وقت دل میں رقّت ہونی چاہئے، رغبت و رہبت سے اللہ کو یاد کرے اور مانگے، جیسے خوشامد کرنے والا کسی سے التجا کرتا ہے: وہ انداز ہونا چاہئے، ذاکر کے لہجہ سے تضرع اور خوف محسوس ہونا چاہئے، حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی ﷺ تہجد میں قرآن پڑھتے تھے تو سینہ سے ایک سنسناہٹ نکلتی تھی، جیسے ہانڈی سے نکلتی ہے۔

فرض نمازوں کی تاکید: نمازیں پانچ ہیں، ایک صبح میں اور چار زوال سے رات چھانے تک میں، جو شخص یہ نمازیں پابندی سے بروقت ادا کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ یاد رہتے ہیں، اور جو نہیں ادا کرتا وہ اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اپنے پروردگار کو اپنے دل میں —— یہ ادنی مرتبہ ہے —— عاجزی سے ڈرتے ہوئے —— یہ ذکر کا ادب ہے —— اور چلانے سے کم آواز سے —— یہ ذکر کا اعلی مرتبہ ہے —— (یاد کرو:) صبح میں اور زوال سے رات چھانے تک میں —— اس میں پانچ نمازیں آگئیں —— اور غافل لوگوں میں شامل مت ہوؤ!

ترکیب وتفسیر: ﴿ فِیْ نَفْسِكَ ﴾ کا مفہوم سرًا نہیں، بلکہ دل میں یاد کرنا ہے، اور یہ ذکر کا ادنی مرتبہ ہے...... اور ﴿ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً ﴾ حال ہیں اور یہ درمیان میں ذکر کے ادب کا بیان ہے...... اور ﴿ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ﴾: چلانے سے کم آواز سے، یہ ذکر کے اعلی مرتبہ کا بیان ہے...... اور ﴿ بِالْغُدُوِّ ﴾: ﴿ اذْكُرْ رَّبَّكَ ﴾ سے متعلق ہے، اس میں پانچ نمازوں کی تاکید ہے۔

سوال: ﴿ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً ﴾ جو آداب دعا پر مشتمل ہے اس کو درمیان میں کیوں لائے ہیں؟

جواب: درمیان میں نہیں لائے، بلکہ ادنی مرتبہ سے متصل لائے ہیں، اس لئے کہ ادب کا لحاظ ذکر نفسی اور ذکر سرّی ہی میں ہوسکتا ہے، جہری میں تو ریا وسُمعہ کا احتمال ہے، اور عبادت وہی پسندیدہ ہے جس میں اخلاص ہو، بلکہ جو دل میں یا سرًّا ذکر کر رہا ہے اور ہاتھ میں تسبیح گھما رہا ہے: اس میں ریاء کا احتمال ہوسکتا ہے۔

جو اللہ کا مقرب بندہ بننا چاہے وہ اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے

گذشتہ آیت کا مضمون تھا کہ ادب کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، اور نماز سے غافل مت ہوؤ، یہی اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جو مؤمن اللہ کا مقرب بندہ بننا چاہتا ہے وہ اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے، فرشتے اسی لئے مقرب ہیں کہ وہ اللہ کی بندگی سے گھمنڈ نہیں کرتے، ہر وقت اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (اور تعریف کرتے رہتے ہیں) ایک لحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے، ہمہ وقت نماز میں کھڑے رہتے ہیں: ﴿ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ﴾: ہر مخلوق اپنی نماز اور اپنی تسبیح جانتی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں اللہ تعالی نے دو صفتیں رکھی ہیں: ملکیت اور بہیمیت: ﴿ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴾: اللہ تعالی نے نفس انسانی کو بہترین بنایا، پس اس کو اس کی بدکاری اور اس کی نیکوکاری الہام کی، پھر دونوں صفتوں کو بڑھاوا دینے کے لئے اسباب پیدا کئے، ملکیت کو ترقی دینے کے لئے ملائکہ پیدا کئے، اور بہیمیت کو بڑھانے کے لئے شیاطین پیدا

کئے، پس جو فرشتوں کا مشغلہ اختیار کرے گا وہ فرشتہ صفت بن جائے گا، اور جو شیاطین کے کاموں میں ملوث ہوگا وہ راندۂ درگاہ ہوگا ـــــ اور سجدہ سے مراد نماز ہے، جزء بول کر کل مراد لیا ہے، قرآن میں نماز کے ارکان بول کر نماز مراد لی جاتی ہے، جیسے: ﴿ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ﴾ میں قراءت سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

فائدہ: قرآنِ کریم میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کو عربی میں پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے، ترجمہ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا، یہ ان میں سے پہلی آیت ہے، یہاں سجدہ کرنا چاہئے، اور تلاوت کے بعد معاً سجدہ کرنا مستحب ہے، اور اگر موقع نہ ہو تو بعد میں بھی سجدہ کرنا ضروری ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ❁ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩ ﴾

ترجمہ: بے شک جو فرشتے آپ کے رب کے پاس ہیں ـــــ یعنی مقرب ہیں ـــــ وہ اس کی عبادت سے گھمنڈ نہیں کرتے، اور وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور وہ اسی کو سجدہ کرتے ہیں!

﴿ بحمدہ تعالیٰ ۳ رشعبان ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۹ راپریل ۲۰۱۸ء کو سورۃ الاعراف کی تفسیر مکمل ہوئی ﴾

الٰہی! میری نیّا پار لگادے!
نیّا: ناؤ کی تصغیر: چھوٹی کشتی
﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾
اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے!
﴿ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾
بے شک میرا ربّ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے (میری لغزشوں کو ضرور معاف فرمادے گا!)

وقفۂ مسافرت

سورۃ الاعراف ۳رشعبان ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۹؍اپریل ۲۰۱۸ء کو پوری ہوئی تھی، پھر ایک ماہ بیس روز کا افریقہ کے سات ممالک کا سفر پیش آیا، یہ سفر میرے کرم فرما ابراہیم بھائی میزا زید مجدہٗ نے منظّم کیا تھا جو فی الحال دبئی میں مقیم ہیں، اصل باشندے زامبیا کے ہیں، اور گجرات میں کنتھاریہ کے ہیں، وہ پورے سفر میں ہم سفر رہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائیں، نیز برخوردار جناب مولانا مفتی حسین احمد صاحب پالن پوری سلمہ بھی ہم سفر تھے، یہ میرے پانچویں لڑکے ہیں، اور تحفۃ الالمعی اور تحفۃ القاری کے مرتب ہیں۔

۲۲رشعبان (۸رمئی) کو دیوبند سے بمبئی کے لئے سفر شروع کیا۔

۲۵رشعبان (۱۱رمئی) کو بمبئی سے جوہانسبرگ کا سفر شروع ہوا، پہلا پروگرام آزادول میں ہوا، پھر اسکاٹ لینڈ جانا ہوا، وہاں سے مولانا ابراہیم صالح جی بھی قافلہ میں شریک ہوگئے۔

اور نیوکاسل میں مولانا اسماعیل آکوصاحب کے مدرسہ میں پہنچے، وہاں افتتاح بخاری شریف کا پرورگرام تھا، نیوکاسل سے موزنبیق جانا ہوا، یہ دوسرا ملک ہے، وہاں موپاٹا شہر میں مولانا امتیاز صاحب کے مدرسہ میں چار دن قیام رہا اور شہر میں پروگرام ہوتے رہے، مولانا صاحب ذی علم ہیں، ان سے مل کر جی خوش ہوا۔

پھر ۴ررمضان (۱۹رمئی) کو موزنبیق سے واپس ساؤتھ آفریقہ ورود ہوا، اور ۱۷ررمضان (یکم جون تک جنوبی افریقہ کے مختلف شہروں میں جانا ہوا، یہاں میرے قدیم کرم فرما جناب مولانا احمد لمباڈا صاحب زید مجدہم کے گھر بھی جانا ہوا، یہ میرے انگریزی کے استاذ ہیں اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں میرے شاگرد رہے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے شہر اسپنگو بیچ میں مولانا ابراہیم صالح جی (یہ مذکورہ مولانا ابراہیم صالح جی کے چچازاد بھائی ہیں، اور خوب آدمی ہیں) ان کے مدرسہ میں اور ان کی خانقاہ میں پروگرام ہوا، پھر مولانا یوسف ٹُتلا صاحب (جو میرے دیوبند کی طالب علمی کے ساتھی ہیں) ان کی مسجد

میں پروگرام ہوااوران کی ضیافت سے لطف اٹھایا۔

پھر ۱۷؍رمضان (یکم جون) کو جوہانسبرگ سے لوسا کا جانا ہوا، یہ زامبیا کا دارالسلطنت ہے، وہاں میں بار بار گیا ہوں، حضرت مولانا ذوالفقار صاحب نقش بندی کی خانقاہ بھی اسی شہر میں لگتی تھی۔

وہاں سے چپاٹا ہوتے ہوئے ملاوی جانا ہوا، یہ الگ ملک ہے۔ ۲۶؍رمضان (۱۰؍جون) تک ملاوی میں رہنا ہوا، وہیں عیدالفطر ہوئی، پھر یہ تین دن ملاوی جھیل پر وقت ضائع کیا۔

پھر ملاوی سے زامبیا واپسی ہوئی، ۴؍شوال (۱۸؍جون) کو شہر انڈولا میں ورود ہوا، ایک رات قیام کر کے ۵؍شوال (۱۹؍جون) کو بذریعہ کار کونگو جانا ہوا، یہ دوسرا ملک ہے، وہاں ۸؍شوال (۲۲؍جون) تک قیام رہا، پھر ۸؍شوال بروز جمعہ انڈولا واپسی ہوئی اور ایک رات وہاں قیام رہا، وہاں سے ۹؍شوال (۲۳؍جون) کو زامبیا کے شہر لوسا کا واپسی ہوئی، اور پانچ گھنٹہ قیام کے بعد بذریعہ ہوائی جہاز زمبابوے جانا ہوا، وہاں ہرارے میں دو دن قیام رہا، وہاں محمد بھائی موسیٰ ہول سیلر کے مہمان رہے اور شہر میں پروگرام ہوئے، محمد بھائی کے صاحبزے شریف بھائی موسیٰ نے خوب خدمت کی، اللہ تعالیٰ دونوں باپ بیٹوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

۱۱؍شوال (۲۵؍جون) کو ہرارے سے بمبئی کے لئے واپسی ہوئی، ابراہیم بھائی میزا جو ہم سفر تھے: آدھے راستہ سے دبئی کی طرف چل دیئے اور ہم باپ بیٹے ۱۲؍شوال (۲۶؍جون) بروز منگل دوپہر گیارہ بجے بمبئی اترے اور اسی شام کو فرینٹیر میل سے روانہ ہو کر ۱۳؍شوال بروز بدھ رات گیارہ بجے گھر پہنچے، خیر سے بدھو میاں گھر کو آئے!

پھر لکھنا چاہا، مگر پورے دس دن قلم اینٹھا رہا، مالش کرتا رہا مگر چلنے کا نام نہیں لیتا تھا، آج ۲۳؍شوال (۷؍جولائی) کو ہامی بھری ہے، اللہ تعالیٰ میری نیّا پار لگائیں، اب دو جلدیں لکھنی باقی ہیں (سوم اور چہارم) امسال لکھنے کا ارادہ ہے، پھر ان شاء اللہ تفسیر مکمل ہوجائے گی، پارہ پندرہ سے نظر ثانی کر چکا ہوں۔ دارالعلوم دیوبند میں داخلے جاری ہیں، اس کی مشغولیت ہے، الحمد للہ! تکان بالکل نہیں، تازہ دم ہوں!

سفر نمونۂ سقر ہوتا ہے، مگر پچاس دن میں چھ ملکوں کا سفر کیا، فالحمد للہ علی ذلک: ۱-جنوبی افریقہ، ۲-موزنبیق، ۳-زامبیا ۴-ملاوی، ۵-کونگو، ۶-زمبابوے۔

افریقہ میں سردی کا موسم تھا، روزہ بارہ گھنٹے کا تھا، اس لئے روزے بھی چلتے رہے، لمبے لمبے اسفار بھی ہوتے رہے اور روزانہ دو تین بیانات بھی ہوتے رہے۔

ہے مشقِ سخن جاری اور چکّی کی مشقت بھی
عجب طُرفہ تماشہ ہے حسؔرت کی طبیعت بھی

والسلام! آگے بڑھیں! کام کی بات کریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانفال

نمبر شمار ۸ نزول کا نمبر ۸۸ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۱۰ آیات ۷۵

أنفال: نَفَل (بفتح الفاء) کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: زائد، مزید یعنی مالِ غنیمت، مالِ فیٔ اور عطیہ وغیرہ۔ اور نَفْل (بسکون الفاء) کے معنی ہیں: انعام، جیسے ﴿ نَافِلَةً لَّكَ ﴾: آپؐ کے لئے (تہجد کی نماز) زائد چیز (انعام) ہے (بنی اسرائیل ۷۹) اور جیسے: ﴿ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ﴾: اور یعقوب مزید برآں یعنی پوتا بھی (الانبیاء ۷۲) ـــــ اولاد کی اولاد! اس لئے نافلہ کہلاتی ہے کہ وہ سرمایہ کا سود ہوتی ہے، پھر یہ لفظ عطیہ اور بخشش کے معنی میں حقیقت بن کر مستعمل ہونے لگا۔

اسی طرح جنگ میں حوصلہ افزائی کے لئے انعام کا جو اعلان کیا جاتا ہے اس کو بھی 'نفل' کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ بھی حصۂ غنیمت سے زائد ہوتا ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی پہلی آیت میں 'انفال' سے غنیمت مراد لی ہے، اس لئے کہ وہ بھی جہاد کے اصل مقصد سے زائد ہوتی ہے، جہاد کا اصل مقصد: اللہ کے دین کی سر بلندی اور فتنہ فرو کرنا ہے، مال غنیمت ملے یا نہ ملے: اس سے کیا فرق پڑتا ہے! پس انفال: غنیمت، فیٔ اور انعام سب کو شامل ہے۔ تینوں چیزیں جہاد کے اصل مقصود سے زائد: اللہ کا عطیہ ہیں۔

اور اس سورت کا نزول کا نمبر ۸۸ ہے، پس یہ مدنی سورت ہے، مکی سورتیں ۸۵ ہیں، پس یہ سورت ہجرت کے بعد جلدی نازل ہوئی ہے، جنگِ بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے، بدر کی جنگ دوسری ہجری میں ہوئی ہے، اس لئے اس سورت میں جنگِ بدر کے واقعات کی طرف اشارے ہیں، اور مالِ غنیمت کے مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ جنگِ بدر: اسلام اور کفر کے درمیان پہلی بڑی جنگ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، اور قریش مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔

سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ ایک ہیں یا دو؟ اس میں دورِ صحابہ میں اختلاف رہا ہے، اسی لئے دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مصحف تیار کیا گیا، یعنی تمام سورتوں کو یکجا کتابی شکل دی گئی تو اختلاف ہوا کہ دونوں ایک سورت ہیں یا دو؟ کیونکہ دونوں کا موضوع ایک ہے، دونوں میں جنگی احکامات ہیں اور سورۃ

الانفال ہجرت کے شروع میں نازل ہوئی ہے اور سورۃ التوبہ غزوۂ تبوک کے بعد ہجرت کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اس لئے جمع قرآنی کے وقت دونوں سورتوں کو ایک قرار دے کر درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی، اس طرح یہ دونوں سورتیں سَبعِ طُوَلٰ میں شامل ہیں، اور دونوں کے نام الگ الگ ہیں، اس لئے وہ دو سورتیں بھی شمار کی گئی ہیں۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات یاد دلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ جنگ لڑی تھی اس کی داد دی ہے، اور اس میں جہاد اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے احکام بھی ہیں، اور چونکہ یہ جنگ کفار مکہ کے ظلم وستم کے پسِ منظر میں پیش آئی تھی، اس لئے اس میں ان حالات کا تذکرہ بھی ہے اور ہجرت کا حکم بھی ہے کہ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے ہیں وہ ہجرت کر کے مدینہ آ جائیں، تاکہ وہ اسلام کی سربلندی میں حصہ لے سکیں، اور آزادی کے ساتھ دین پر عمل کر سکیں۔

اور اس سورت کے نزول تک میراث کی تقسیم مواخات (بھائی بندی) کی بنیاد پر ہوتی تھی، پھر جب مہاجرین کے رشتہ دار ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو اس حکم میں تبدیلی آئی اور آخری آیت میں میراث کی تقسیم کی بنیاد رشتہ داری کو قرار دیا۔
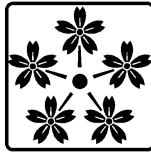
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	وَالرَّسُوْلِ (۲)	اور اس کے رسول کیلئے ہے	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
عَنِ الْاَنْفَالِ (۱)	غنیمت کے بارے میں	فَاتَّقُوا	پس تم ڈرو	اللّٰهَ	اللہ کا
قُلِ	بتادیں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	وَرَسُوْلَهٗٓ	اور اس کے رسول کا
الْاَنْفَالُ	غنیمت	وَاَصْلِحُوْا	اور سنوارو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	ذَاتَ بَيْنِكُمْ	آپسی معاملات	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے

جو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بننا چاہتا ہے وہ معاشرہ کو سنوارے اور فساد ذات البین سے بچے!

ماقبل سے ربط: گذشتہ سورت اس مضمون پر ختم ہوئی تھی کہ جو اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بننا چاہتا ہے وہ اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرے، فرشتے اسی لئے مقرب ہیں کہ وہ اللہ کی بندگی سے گھمنڈ نہیں کرتے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں لگے رہتے ہیں، ایک لحہ بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔ اب اس سورت کی پہلی آیت میں انسانوں کے لئے ایک مزید شرط بڑھاتے ہیں، جس کا تعلق انسانوں سے ہے، وہ بات فرشتوں میں نہیں پائی جاتی، اور وہ ہے اصلاح ذات البین، یعنی معاشرہ کو سنوارنا، رہن سہن میں خرابی پیدا نہ ہونے دینا، یہ بات فرشتوں میں نہیں پائی جاتی، یہ معاملہ انسانوں کے ساتھ خاص ہے، انسانوں کا معاشرہ جب بگڑتا ہے تو بڑی خرابی کا سبب بن جاتا ہے۔

آیت کا پسِ منظر: سن ۲ ہجری میں مکہ والوں کے ساتھ بدر کے میدان میں جنگ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس میں

---

(۱) **انفال:** نَفَلٌ کی جمع ہے، یہ لفظ غنیمت سے عام ہے، جہاد میں جو مال حاصل ہوتا ہے وہ غنیمت کہلاتا ہے، اور دشمن کے ساتھ مصالحت کے ذریعہ جو مال حاصل ہوتا ہے وہ فَیٔ کہلاتا ہے، انفال دونوں کو شامل ہے، پس خاص موقع پر آیت عام لفظ سے نازل ہوئی ہے (۲) **الرسول:** میں الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ ہیں۔

مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، اور مکہ والوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا، اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ میں بڑی غنیمت آئی، جنگ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا، پہلی دو صفیں لڑی تھیں، تیسری صف کھڑی تھی کہ جنگ نمٹ گئی، اس لئے پہلی دو صفوں نے کہا: غنیمت ہمارا حق ہے، ہم لڑے ہیں، تیسری صف والوں نے کہا: ہم بھی پشت پناہ تھے، ضرورت ہوتی تو ہم بھی لڑتے، لہٰذا ہمیں بھی غنیمت ملنی چاہئے۔

علاوہ ازیں: جنگِ بدر کے موقع پر جب دشمن کو شکست ہوگئی تو فوج تین حصوں میں تقسیم ہوگئی:

ایک حصہ: نبی ﷺ کی حفاظت کے لئے آپؐ کے ساتھ رہا۔

دوسرا حصہ: دشمن کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔

تیسرا حصہ: مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا، اس نے کہا: مال ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا وہ ہمارا ہے۔

پہلے دو گروہوں نے کہا: ہم بھی خدمات انجام دے رہے تھے، لہٰذا مال میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہئے، جب یہ نزاع نبی ﷺ کے پاس پہنچا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور لوگوں کو بتایا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلہ کا پورا اختیار اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول ﷺ کا ہے، چنانچہ آپؐ نے اسی سورت کی آیت ۴۱ کے مطابق پانچواں حصہ الگ کیا اور باقی غنیمت فوج میں حسب ضابطہ تقسیم کردی، اور مسلمانوں کو تنبیہ کی کہ باہمی جو زنجش ہوئی وہ دور کرلیں اور باہمی تعلقات درست کرلیں۔

حقیقتِ واحدہ کی دو تعبیریں:

قرآنِ کریم میں ایک حقیقت کی دو تعبیریں ہیں: (۱) جن تعلقات کو وابستہ رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو مت توڑو (۲) آپسی معاملات کو سنوارو۔ یہ حکم ابتدا کے اعتبار سے ہے، یعنی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ آپسی معاملات خراب نہ ہوں، اگر باہمی معاملات خراب ہونگے تو لوگ بڑے گھاٹے میں پڑیں گے، حدیث میں ہے کہ فسادِ ذات البین سے بچو، یہ چیز مونڈنے والی ہے، اور سر کو نہیں مونڈتی، بلکہ دین کو مونڈتی ہے، آدمی بے دین، بلکہ بددین ہوجاتا ہے، جب تعلقات بگڑ جاتے ہیں تو غیبت، برائی، گالی گلوچ اور الزام تراشی شروع ہوجاتی ہے، بلکہ آدمی کبھی کردنی ناکردنی کر گذرتا ہے، اس طرح دین برباد ہوجاتا ہے —— اور فرشتے اس سے بے نیاز ہیں، ان میں یہ بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔

اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک: اللہ سے ڈرنا، یعنی احکام الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنا، یہ منفی پہلو سے ضروری ہے، دوسری: اللہ و رسول اللہ ﷺ کی بات ماننا، یہ مثبت پہلو سے ضروری ہے، چنانچہ ﴿وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾ سے پہلے ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ﴾ فرمایا ہے، اور بعد میں ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ﴾ آیا ہے، ان دونوں باتوں کا لحاظ مؤمن ہی کرے گا، جو اللہ و رسول پر ایمان نہیں رکھتا وہ کیا خاک احکام کی پیروی کرے گا!

اللہ کے نام پاک سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں!

آیتِ پاک: لوگ آپؐ سے غنیمت (زائداموال) کے بارے میں دریافت کرتے ہیں؟ —— کہ وہ تین فریقوں میں سے کس کا حق ہے؟ —— آپؐ بتادیں: مالِ غنیمت اللہ کے لئے اور ان کے رسول کے لئے ہے —— وہ جن کو دیں وہ لے —— پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور آپسی معاملات درست کرو، اور اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اگر تم ایمان والے ہو!

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	زَادَتْهُمْ	(تو) بڑھاتیں ہیں وہ	يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں
الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان والے		آیتیں ان کے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
الَّذِيْنَ	وہ لوگ ہیں جو کہ	اِيْمَانًا (۲)	ایمان کو	هُمُ	ہی
اِذَا ذُكِرَ	جب تذکرہ کیا جاتا ہے	وَّعَلٰى رَبِّهِمْ	اور اپنے پروردگار پر	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایماندار ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ کا	يَتَوَكَّلُوْنَ	وہ بھروسہ کرتے ہیں	حَقًّا	کھرے (پکّے)
وَجِلَتْ (۱)	(تو) سہم جاتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو لوگ	لَهُمْ	ان کے لئے
قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	يُقِيْمُوْنَ	اہتمام کرتے ہیں	دَرَجٰتٌ	مراتب ہیں
وَاِذَا	اور جب	الصَّلٰوةَ	نماز کا	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس
تُلِيَتْ	پڑھی جاتی ہیں	وَمِمَّا	اور کچھ اس میں سے جو	وَمَغْفِرَةٌ	اور بخشش ہے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	رَزَقْنٰهُمْ	بطور روزی دیا ہے ہم	وَّرِزْقٌ	اور روزی ہے
اٰيٰتُهٗ	اللہ کی آیتیں		نے ان کو	كَرِيْمٌ	عزت والی

(۱) وَجِلَ (س) يَوْجَلُ وَجَلاً: ڈرنا، گھبرانا، سہم جانا (۲) ایمانا: مفعول ثانی ہے۔

اصلاح ذات البین میں مددگار پانچ اوصاف

پہلی آیت میں یہ مضمون تھا کہ مجاہدین بدر کے مالِ غنیمت میں نزاع نہ کریں، اس سے باہمی تعلقات بگڑیں گے، وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے سامنے سرفگندہ رہیں، اللہ کے رسول: اللہ کے حکم سے جس طرح غنیمت تقسیم کریں اس کو خوش ہو کر قبول کریں، یہی مؤمنین کے ایمان کا تقاضا ہے۔

اب ان آیات میں یہ مضمون ہے کہ پانچ اوصاف کا تقاضا اطاعت ہے، اور جن مؤمنین میں یہ اوصاف ہونگے وہی کھرے مؤمنین ہیں:

پہلا وصف: جب مؤمن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آئے تو اللہ کی عظمت کے استحضار سے اس کا دل سہم جائے، وہ سوچنے لگے کہ یہ حکم کسی ایسے ویسے کا نہیں، مالکِ کائنات کا ہے، جس کی اطاعت ہی میں سرخ روئی ہے۔

فائدہ: یہاں ﴿ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ہے، یعنی جب مؤمن کو اللہ کا حکم پہنچتا ہے تو اللہ کی عظمت کے تصور سے وہ خوب زدہ ہوجاتا ہے، اور سورۃ الرعد (آیت ۲۸) میں ہے: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾: سمجھ لو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے —— ان دونوں آیتوں کا مصداق الگ الگ ہے، جب مؤمن کسی پریشانی سے دوچار ہو: اگر وہ اللہ کو یاد کرے تو اس کو سکون حاصل ہوگا، افکار سے نجات ملے گی، اس کے دل کو اطمینان نصیب ہوگا، حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی ﷺ کو کوئی پریشانی پیش آتی تو آپ نماز شروع کردیتے: إذا حزَبَهُ أمْرٌ فَزَعَ إلى الصلاة (ابوداؤد) اور نماز اللہ کے ذکر کی بہترین صورت ہے۔

دوسرا وصف: جب مؤمن کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور اس کو اللہ کا حکم سنایا جاتا ہے تو وہ آیتیں اس کے ایمان کو فزوں کردیتی ہیں، اس کا ایمان قوی ہوجاتا ہے اور وہ فوراً تعمیل حکم کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

فائدہ: کامل ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، تمام مؤمنین کا ایمان یکساں نہیں ہوتا، کم وبیش ہوتا ہے، اور نفس ایمان یکساں ہوتا ہے، یعنی جن باتوں پر ایمان لانے سے آدمی مؤمن ہوتا ہے، جن کا تذکرہ ایمانِ مفصل میں ہے، ان باتوں پر ایمان لانا تمام مؤمنین کے لئے ضروری ہے، یہی نفس ایمان ہے، پھر اس سے شاخیں نکلتی ہیں اور برگ وبار پھوٹتے ہیں، یعنی اعمال صادر ہوتے ہیں، ان میں مؤمنین مختلف ہوتے ہیں، یہی قوت وضعف میں مؤمنین کے ایمان کا تفاوت ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: بیج سے پودا نکلتا ہے، پھر اس کے تنے سے چھوٹی بڑی شاخیں نکلتی ہیں، ان میں برگ وبار نمودار ہوتے ہیں، یہی کامل درخت ہے، پہلا تو یعنی صرف تنا تو نام کا درخت ہے، یہ نفس ایمان کی مثال ہے، کام کا درخت تو دوسرا ہے جو اعمال سے قوی ہوا ہے۔ اللہ کی آیتیں مؤمن کے ایمان کو بڑھاتی ہیں: کا یہی مطلب ہے، مؤمن حکم

کی تعمیل کرتا ہے اس سے اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

ملحوظہ: نفس ایمان: نجات کا ضامن ہے، مؤمن کی بہرحال نجات ہوگی، اور کامل ایمان سے نجات اوّلی ہوگی اور اس کو جنت کے بلند درجات حاصل ہونگے۔

تیسرا وصف: مؤمن نتائج سے بےفکر ہوکر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، اس کا تکیہ اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے، اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جدوجہد کا جو نتیجہ ظاہر فرمائیں گے وہی بہتر ہوگا، بندہ کا کام حکم کی تعمیل کرنا ہے۔

فائدہ: اسی کا نام توکل ہے، اسباب اختیار کرکے نتیجہ اللہ کے حوالے کرنا اللہ پر تکیہ کرنا ہے، مثلاً: اسبابِ رزق اختیار کرکے روزی کا معاملہ اللہ کو سپرد کرنا ہی توکل ہے، مجاہد بھی اس کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہے، جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے۔

چوتھا وصف: مؤمن تمام عباداتِ بدنیہ کا پابند ہوتا ہے، عباداتِ بدنیہ میں سب سے اہم نماز ہے، وہ اس کا بڑا اہتمام کرتا ہے، دورانِ جنگ جب نماز کا وقت آتا ہے تو سرِ نیاز خم کردیتا ہے، پس وہ دیگر بدنی عبادات کو بھی ضرور بجالائے گا۔

پانچواں وصف: مؤمن عباداتِ مالیہ بھی انجام دیتا ہے، عباداتِ مالیہ میں سب سے اہم زکات ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو مال دیا ہے: وہ بطور روزینہ (بھتّا) دیا ہے، کام چلانے کے لئے دیا ہے، پوری طرح اس کو مالک نہیں بنایا، اپنا نائب بنا کردیا ہے، سورۃ الحدید (آیت ۷) میں ہے: ﴿وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾: جس مال میں اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا قائم مقام کیا ہے: اس میں سے تھوڑا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو، پس جب مال کا مالک: منیجر کو خرچ کرنے کا حکم دے تو وہ خرچ کرنے میں کیوں دریغ کرے؟ غرض مؤمن تمام عباداتِ مالیہ میں بے دریغ خرچ کرتا ہے، اور جب مؤمنین میں یہ جذبہ ہوگا، دینے کا نہ کہ لینے کا، تو مالِ غنیمت میں نزاع کیوں ہوگا؟ وہ تو چاہے گا کہ دوسرے کو ملے۔

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بس ایمان والے تو وہی لوگ ہیں: (۱) جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو (اللہ کی عظمت کے استحضار سے) ان کے دل سہم جاتے ہیں (۲) اور جب ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں (جن میں جہاد کا حکم ہوتا ہے) تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو فزوں کردیتی ہیں (اور وہ فوراً حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں) (۳) اور وہ لوگ اپنے پروردگار ہی پر تکیہ کرتے ہیں (اور نتائج سے بےفکر ہوجاتے ہیں) (۴) جو لوگ (دورانِ جنگ بھی) نماز کا اہتمام کرتے ہیں (۵) اور اس میں سے جو ہم نے ان کو بطور روزی دیا ہے تھوڑا خرچ کرتے ہیں۔

کھرے مؤمنین کی خوش انجامی

مذکورہ بالا حضرات ہی کھرے مؤمنین ہیں، جن میں مذکورہ اوصاف پائے جاتے ہیں، وہی اعلیٰ درجہ کے مؤمنین ہیں، جنت میں وہ مختلف درجات و مراتب میں ہونگے، حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور ان کے رسول پر ایمان لایا، اور اس نے نماز کا اہتمام کیا، اور اس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ اس کو جنت میں داخل کریں؛ خواہ اس نے راہِ خدا میں جہاد کیا ہو یا اپنی اس سرزمین میں بیٹھا رہا ہو جہاں وہ جنا گیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم یہ خوش خبری لوگوں کو سنادیں؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں، کیونکہ) جنت میں سو درجات ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں، ہر دو درجوں میں آسمان وزمین کا تفاوت ہے۔ یعنی لوگوں کو جہاد کرنے دو، اور یہ درجات حاصل کرنے دو، جہاد کے بغیر جنت کی خوش خبری مت سناؤ۔

(رواہ البخاری، مشکوۃ حدیث ۳۷۸۷)

جہاد میں مجاہدین کے کارنامے مختلف ہوتے ہیں، کوئی شہسوار ہوتا ہے کوئی پیدل، کوئی تیرانداز ہوتا ہے کوئی شمشیرزن، کوئی خشکی میں لڑتا ہے کوئی پانی اور فضا میں، کوئی معمولی دشمن کو مار گراتا ہے کوئی خطرناک آدمی کو، اس لئے مجاہدین کے درجات مختلف ہونگے، البتہ مغفرت اور جنت کی روزی عام ہوگی، وہ سب کو حسب خواہش ملے گی، مغفرت کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت میں ڈھانک لینا، غَفَرَ کے مادّہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، مِغْفَر خود کو کہتے ہیں جو سر کو ڈھانکتا ہے، اللہ تعالیٰ شہید کو اپنی رحمت میں ڈھانک لیتے ہیں، قرض کے علاوہ اس کا ہر گناہ معاف کردیتے ہیں، اور صالح بندہ ہوتا ہے تو بدرجۂ اولیٰ رحمت کا مستحق ہوتا ہے، اور شہید کے لئے چھ باتیں ہیں، ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ شہادت کے ساتھ ہی اس کی بخشش کردی جاتی ہے، اسی طرح عزت والی روزی یعنی جنت کی نعمتیں بھی سب کو حاصل ہوتی ہیں، ان میں درجات و مراتب نہیں۔

﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ﴾

ترجمہ: یہی لوگ کھرے ایمان والے ہیں، ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس مختلف مراتب ہیں، اور (سبھی کے لئے) بخشش اور عزت والی روزی ہے!

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

كَمَا(۱)	جیسے	فَرِيْقًا	ایک جماعت	مَا تَبَيَّنَ(۴)	(اسکے) ظاہر ہونے کے
اَخْرَجَكَ	آپ کو نکالا	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کی	كَاَنَّمَا	گویا
رَبُّكَ	آپ کے ربّ نے	لَكٰرِهُوْنَ	البتہ ناپسند کرتی ہے	يُسَاقُوْنَ	وہ ہانکے جارہے ہیں
مِنْ بَيْتِكَ(۲)	آپ کے گھر سے	يُجَادِلُوْنَكَ	جھگڑتے ہیں وہ آپ سے	اِلَى الْمَوْتِ	موت کی طرف
بِالْحَقِّ(۳)	خاص مقصد کے لئے	فِى الْحَقِّ	اس مقصد میں	وَهُمْ	اور وہ
وَاِنَّ	اور بےشک	بَعْدَ	بعد	يَنْظُرُوْنَ	(اس کو) دیکھ رہے ہیں

اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے ایسے قطعی ہیں جیسے جنگِ بدر کا مقصد قطعی ہے

دو باتیں: (۱) سورۃ الانفال جنگِ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے، جبکہ مالِ غنیمت کے سلسلہ میں نزاع پیش آیا تھا، (۲) جو واقعہ رونما ہوجاتا ہے وہ صدفی صد قطعی ہوتا ہے، اس میں عدم وقوع کا احتمال نہیں ہوتا، اور جو بات آئندہ پیش آنے والی ہے اس میں عدم وقوع کا احتمال رہتا ہے، اگرچہ وہ درجۂ صفر میں ہو، چنانچہ قیامت کے واقعات کو قرآنِ کریم میں صیغہ ماضی سے بیان کیا ہے۔

ربط: گذشتہ آیت میں کھرے مؤمنین (مجاہدین بدر) سے تین وعدے کئے ہیں: ایک: ان کے لئے آخرت میں مختلف درجات (مراتب) ہونگے، اس لئے کہ مجاہدین کے کارنامے یکساں نہیں ہوتے، کوئی شہسوار ہوتا ہے کوئی پیدل، کوئی نڈر ہوتا ہے کوئی کم دل، کوئی جوان ہوتا ہے کوئی بوڑھا، چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۱۶۳۶) میں شہداء کے چار مختلف درجات بیان کئے ہیں۔ دوم: مغفرت (اللہ کی بخشش) اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں ڈھانک لیں گے، حدیث میں بدریوں کے حق میں ہے: اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لکم: جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ سوم: عزت والی روزی، یعنی جنت کی نعمتیں —— یہ آخری دو نعمتیں سب کو یکساں ملیں گی، تفاوت صرف درجات میں ہوگا۔

یہ وعدے آئندہ پورے ہونگے مگر قطعی طور پر پورے ہونگے، اس آیت میں ان کی قطعیت کا بیان ہے۔ اور بات تشبیہ کے ذریعہ سمجھائی ہے، جیسے زیدٌ کالأسد میں زید کی بہادری تشبیہ سے سمجھائی ہے، اسی طرح بدر کی جنگ خاص مقصد سے

---

(۱) کاف: حرفِ تشبیہ ہے اور ما: مصدریہ، اور مشبّہ مقدر ہے أی: هذه المواعيد حق كأخراجک من المدينة بالحق (۲) من بیتک: أی من المدينة إلى البدر، پس مجموعۂ زمان کو شئ واحد قرار دیا ہے (۳) حق: مختلف معانی کے لئے آتا ہے، یہاں اسلام کی سربلندی مراد ہے جو حکمت کے مقتضی کے مطابق ہے، اس کو خاص مقصد کہا ہے (۴) ما: مصدریہ ہے اور تبین: ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور ضمیر ھو پوشیدہ الحق کی طرف راجع ہے۔

وقوع پذیر کی گئی، اور وہ خاص مقصد ہے: اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بالادستی، اس جنگ کے ذریعہ مسلمانوں کا سر اونچا ہوگیا، پس جس طرح یہ مقصد حاصل ہوگیا، اب اس میں عدم وقوع کا احتمال نہیں، اسی طرح مجاہدین کے ساتھ جو وعدے کئے گئے ہیں وہ بھی قطعی طور پر پورے ہونگے۔

جنگِ بدر کا منظر اور پسِ منظر:

ہجرت سے پہلے قریش نے مسلمانوں پر اس قدر ستم ڈھایا تھا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، چند ہی نفوس مکہ میں نبی ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے، کفار دارالندوہ میں جمع ہوئے اور متفقہ قرارداد پاس کی کہ ہر قبیلہ کا ایک جوان آج رات نبی ﷺ کے مکان کو گھیر لے، جب آپؐ صبح نکلیں تو سب یکبارگی حملہ کریں، اور ان کا کام تمام کردیں، اُدھر نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی۔ کفار نے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیا کہ جب آپؐ صبح نکلیں تو وہ یکبارگی حملہ کریں، عربوں کے نزدیک زنانہ مکان میں بے اجازت داخل ہونا عیب تھا، نبی ﷺ رات میں کسی وقت ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے مکہ سے نکل گئے، اور ثور پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں پناہ لی، صبح کفار کو پتہ چلا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا، انھوں نے چاروں طرف دوڑ دھوپ شروع کی، زیادہ تر مدینہ کے راستہ پر تلاش کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی حفاظت کی اور آپؐ بہ سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور قریش کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔ پھر انھوں نے مشرکین کے سردار عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ تم نے ہمارے آدمی کو ٹھکانہ دیا ہے، اور ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم ان سے لڑو یا ان کو اپنے شہر سے نکال دو، ورنہ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ کریں گے، تمہارے جنگجوؤں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو مباح کرلیں گے (ابوداؤد حدیث ۳۰۰۴ کتاب الخراج باب فی خبر بنی النضیر) مگر نبی ﷺ کی فہمائش پر مشرکین مدینہ نے مسلمانوں سے جنگ نہیں کی تو مکہ والوں نے ٹھان لی کہ اب مدینہ والوں کو مزہ چکھانا ہے اور انھوں نے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ تم مطمئن نہ ہوجانا، ہم مدینہ پہنچ کر تمہارا ستیاناس کردیں گے۔

ادھر نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مشرکین اور یہود کے ساتھ معاہدہ کرلیا کہ اگر دشمن باہر سے حملہ آور ہو تو سب مل کر دفاع کریں، اس کی خبر بھی مکہ والوں کو پہنچ گئی، پس انھوں نے بڑے پیمانہ پر جنگی تیاری شروع کی اور ایک بڑا قافلہ ترتیب دیا جس میں مکہ کے ہر باحیثیت آدمی کا سرمایہ لگا ہوا تھا، یہ قافلہ ملک شام سے ہتھیار خرید کر لائے گا، مگر اس پر تجارتی قافلہ (عِیر) کا لیبل لگا ہوا تھا، اور طے پایا کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں یہ قافلہ شام جائے اور ہتھیار لائے [1] نبی ﷺ کو سب

(۱) جاننا چاہئے کہ عرب میں ہتھیار بنتے تھے، مگر ہتھیاروں کا کارخانہ نہیں تھا، ہتھیار شام میں بنتے تھے، اور شام رومی حکومت کے ماتحت تھا، جو اس وقت کا سپر پاور تھا، پس آپس کی جھڑپوں کے لئے تو مکہ والوں کے پاس ہتھیار تھے، مگر باہر نکل کر کسی متحدہ ←

اطلاعات مل رہی تھیں، آپؐ نے مکہ سے شام جانے والے راستہ پر طلائع (۱) متعین کردیئے اور ایک فوجی دستہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ مقام میں متعین کردیا جو مکہ والوں کی نقل وحرکت سے نبی ﷺ کو باخبر رکھتا تھا۔

جب کارواں شام کی طرف روانہ ہوا تو نبی ﷺ فوج کا ایک دستہ لے کر عُشیرۃ مقام میں —— جو ینبوع کے قریب ہے —— جمادی الاولیٰ ۲ ہجری میں ڈیڑھ سو دوسو آدمیوں کے ساتھ پہنچے، تاکہ اس پر قبضہ کریں، مگر جب آپؐ پہنچے تو قافلہ نکل چکا تھا، آپؐ بنومُدلج سے ناجنگ معاہدہ کرکے واپس آگئے۔

پھر جب وہ قافلہ شام سے لوٹا تو آپؐ نے صحابہ کو اطلاع دی، اور اس قافلہ کے تعاقب کے لئے نکلنے کی دعوت دی، اور مختصر جمعیت (کم وبیش تین سو تیرہ صحابہ) لے کر رمضان ۲ ہجری کی بارہ تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، چونکہ کسی مسلح فوج سے لڑنا پیش نظر نہیں تھا، اس لئے جو لوگ بروقت جمع ہوگئے ان کو ساتھ لے لیا، سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے، بیر أبِی عِنَبَۃ پر پہنچ کر (جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے) لشکر کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے ان کو واپس کردیا اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا حاکم بنا کر واپس کیا، پھر جب مقام صفراء کے قریب پہنچے تو بسبس بن عمرو جُہنی اور عدی بن أبی الزُّغباء جہنی رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان کے قافلہ کے تجسس کے لئے آگے روانہ کیا، جب آپؐ مقام صفراء میں پہنچے تو دونوں قاصدوں نے اطلاع دی کہ ابوسفیان کا قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، اور مکہ سے لشکر جرار بڑھتا چلا آرہا ہے، تب آپؐ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا، پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوبصورتی کے ساتھ جاں نثاری کا اظہار کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر کی اس کے بعد حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے فدایانہ تقریر کی جس کو سن کر نبی ﷺ کا چہرہ فرط مسرت سے کھل گیا، مگر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو'' پس صدیق الانصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! شاید روئے سخن انصار کی طرف ہے، آپؐ نے فرمایا: ہاں، اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا وہ یہ تھا کہ اگر باہر سے دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو انصار نبی ﷺ کا ساتھ دیں گے، مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے بارے میں انصار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، اور اب مدینہ سے باہر جنگ کی نوبت آرہی تھی، اس لئے آپؐ انصار سے مشورہ لینا چاہتے تھے، چنانچہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جاں نثارانہ تقریر کی، نبی

← قوم سے ٹکرانے کے لئے بھرپور تیاری کی ضرورت تھی، اس لئے طے پایا کہ ہتھیار شام سے برآمد کئے جائیں، اس لئے شام کی طرف جانے والے قافلوں پر نظر رکھنی ضروری تھی، اسی لئے یمن کی طرف سفر کرنے والے تجارتی قافلوں پر نظر نہیں رکھی گئی، صرف شام اور عراق کی طرف جانے والے قافلوں کا تعاقب کیا گیا، یہ نکتہ ابتدائی مہمات میں پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۱۲

(۱) طلائع: طلیعۃ کی جمع، دشمن کی سپاہ کا اندازہ لگانے اور معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجی جانے والی فوج کی ٹکڑی ۱۲

ﷺ اس سے مسرور ہوئے اور فرمایا: اللہ کے نام پر چلو، اور تم کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ابوجہل اور ابوسفیان کی دو جماعتوں میں سے کسی ایک پر ضرور فتح نصیب ہوگی، اور مجھے کفار قریش کے پچھڑنے کی جگہیں بھی دکھلائی گئی ہیں کہ فلاں شخص فلاں جگہ اور فلاں شخص فلاں جگہ مارا جائے گا، آپؐ کے اس ارشاد کے بعد فوج شاداں فرحاں بدر کی طرف روانہ ہوئی، کیونکہ ابوسفیان کے قافلہ کو وہیں سے گذرنا تھا۔

اُدھر ابوسفیان بھی چوکنا تھا، اسے اطلاع مل چکی تھی کہ جاتے ہوئے اس کا تعاقب کیا گیا تھا اس لئے اس کو خطرہ تھا کہ واپسی میں بھی اس کا تعاقب کیا جائے گا، اس نے آدمی چھوڑ رکھے تھے، جب اس کو یقینی اطلاع مل گئی کہ واپسی میں اس کے قافلہ کا تعاقب کیا جائے گا تو اس نے ضمضم غفاری کو مکہ روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ تمہارا قافلہ معرض خطر میں ہے دوڑو اور جلد اس کی خبر لو، اس خبر کا پہنچنا تھا کہ تمام مکہ میں ہلچل مچ گئی، کیونکہ مکہ کے ہر فرد نے تقریباً اپنی پوری پونجی اس قافلہ میں لگا رکھی تھی، اس لئے اس خبر کے سنتے ہی تمام مکہ میں جوش پیدا ہوگیا اور ایک ہزار آدمی پورے ساز وسامان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے، اس لشکر کا کمانڈر انچیف ابوجہل تھا، لشکر کرّ وفر، سامانِ عیش وطرب کے ساتھ اور گانے بجانے والی عورتوں اور طبلوں کے ساتھ اکڑتا ہوا اور اتراتا ہوا روانہ ہوا، پھر جب ابوسفیان ساحل کے راستہ سے قافلہ کو بچا کر مسلمانوں کی زد سے نکال لے گیا تو اس نے قریش کو پیغام بھیجا کہ تم صرف اس لئے نکلے تھے کہ قافلہ کو، اپنے آدمیوں کو اور اپنے اموال کو بچاؤ، اللہ نے سب کو بچالیا ہے، لہٰذا تم مکہ واپس لوٹ جاؤ، مگر ابوجہل نے کہا: جب تک ہم بدر پہنچ کر تین دن تک کھا پی کر اور گا بجا کر خوب مزے نہیں اڑالیں گے ہرگز واپس نہیں ہونگے، چنانچہ قریش کا لشکر بدر میں پہلے پہنچ گیا اور اس نے پانی کے چشمے پر قبضہ کرلیا اور مناسب جگہوں کو اپنے لئے چھانٹ لیا، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو نہ پانی ملا نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان تھا، جہاں چلنا بھی دشوار تھا، پیر ریت میں دھنس رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت نازل فرمائی، جس سے ریت جم گئی اور مسلمانوں نے چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر پانی جمع کرلیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا اور رمضان کی ۱۷ تاریخ تھی، ایک طرف اہل حق کی جماعت تھی اور دوسری طرف باطل پرستوں کی، صبح کو جنگ شروع ہوئی اور شام کو نمٹ گئی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا۔

آیتِ پاک: ترجمہ وتفسیر: (کھرے مؤمنین (مجاہدین بدر) کے ساتھ کئے گئے مذکورہ تینوں وعدے ایسے سچے پکے اور قطعی ہیں) —— جیسے آپ (ﷺ) کو آپ کے گھر سے (مدینہ منورہ سے) خاص مقصد کے لئے آپؐ کے پروردگار نے نکالا —— نبی ﷺ صحابہ کی ایک جمعیت لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے، ٹارگیٹ (ہدف) ابوسفیان کا تجارتی قافلہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا، ان نہتوں کو مکہ کے لشکر جرار سے بھڑانا تھا، تاکہ حق کا بول بالا ہو —— اور

آپؐ کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا، فرمایا: ''اللہ نے آپؐ کو نکالا'' یہ شریعت کی زبان ہے، بندوں کے اچھے کاموں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں، اور برے کاموں کو شیطان کی طرف یا انسان کے نفس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ـــــ اور وہ خاص مقصد: اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بالادستی تھی، یہ مقصد جنگِ بدر سے حاصل ہوا، چنانچہ بدر کی جنگ کو یوم الفرقان فرمایا، یعنی حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن جنگ۔

درانحالیکہ مؤمنین کی ایک جماعت اس کو بالیقین ناپسند کرتی تھی ـــــ یہ مقام صفراء کا تذکرہ ہے۔ جہاں قاصدوں نے آپؐ کو اطلاع دی کہ ابوسفیان کا قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے، مگر مکہ سے ایک لشکر جرّار بڑھتا چلا آرہا ہے، نیز وحی کے ذریعہ آپؐ کو اطلاع دیدی کہ دو جماعتوں میں سے ایک پر آپؐ کو ضرور غلبہ نصیب ہوگا، پس بات معین ہوگئی، ابوسفیان کا قافلہ تو بچ کر نکل گیا، اب سامنے لشکر جرار ہے، اسی پر غلبہ حاصل ہوگا۔

مقام صفراء میں نبی ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا، ایک جماعت کی رائے مکی لشکر سے مقابلہ کی نہیں تھی، اس لئے کہ وہ تھوڑی تعداد میں ناکافی تیاری کے ساتھ نکلے تھے۔

وہ لوگ آپؐ سے لڑتے ہیں اس خاص مقصد میں اس کے واضح ہوجانے کے بعد ـــــ یعنی وحی سے متعین ہوگیا تھا کہ مکی لشکر کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوگی، پھر بھی ان کا اصرار تھا کہ واپس چلیں ـــــ اور وہ (مکی لشکر کا مقابلہ کرنے سے) ایسا ڈر رہے تھے گویا وہ موت کی طرف ہانکے جارہے ہیں، اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں! ـــــ یعنی مکی لشکر سے مقابلہ میں ان کو یقینی طور پر موت نظر آرہی تھی!

مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کچھ اور تھی، چنانچہ حضرات ابوبکر وعمر ومقداد رضی اللہ عنہم نے فدایانہ تقریریں کیں، پھر صدیق الانصار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ولولہ انگیز تقریر کی تو نبی ﷺ مسرور ہوئے، اور فرمایا: ''اللہ کے نام پر چلو، اور مکی لشکر کا مقابلہ کرو، اس مقابلہ میں تمہیں یقیناً فتح حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ بات وحی سے مجھے بتلادی ہے، اس لئے ڈرنے کی کوئی بات نہیں!''

فوج پُر امید ہوکر بدر کی طرف بڑھی، ابوسفیان کے قافلہ کو وہاں سے گذرنا تھا، اور مکہ والوں کا لشکر بھی قافلہ بچانے کو وہاں پہنچنے والا تھا، بدر: ایک بڑی بستی ہے، اس کے پاس میدان میں جنگ ہوئی تھی، وہاں ریت بہت اوڑھتی ہے، تمام پہاڑ ریت میں دھکے رہتے ہیں۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ

الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	غَيْرَ	سوا	وَيَقْطَعَ	اور کاٹ دیں
يَعِدُكُمُ	وعدہ کررہے ہیں تم سے	ذَاتِ الشَّوْكَةِ (۱)	کانٹے والی کے	دَابِرَ	جڑ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَكُوْنُ	ہو وہ	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی
اِحْدَى	ایک کا	لَكُمْ	تمہارے لئے	لِيُحِقَّ (۳)	تاکہ ثابت ہوجائے
الطَّآئِفَتَيْنِ	دو جماعتوں میں سے	وَيُرِيْدُ	اور چاہتے ہیں	الْحَقَّ	برحق مقصد
اَنَّهَا	کہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَيُبْطِلَ	اور باطل ہوجائے
لَكُمْ	تمہارے لئے ہے	اَنْ يُّحِقَّ	کہ ثابت کریں	الْبَاطِلَ	غلط بات
وَتَوَدُّوْنَ	اور چاہتے ہو تم	الْحَقَّ	خاص مقصد کو	وَلَوْ كَرِهَ	اگرچہ ناپسند کریں
اَنَّ	کہ	بِكَلِمٰتِهٖ (۲)	اپنے فرمودات سے	الْمُجْرِمُوْنَ	بدکار لوگ

غزوۂ بدر کا خاص مقصد احقاقِ حق اور ابطالِ باطل تھا

گذشتہ آیت میں دو باتیں تھیں: ایک: اللہ تعالیٰ خاص مقصد کے لئے نبی ﷺ کو مدینہ سے بدر کی طرف لے چلے ہیں: وہ خاص مقصد کیا تھا؟ دوم: ایک جماعت مکہ کے لشکر سے نبرد آزما ہونے کو ناپسند کرتی تھی، ان لوگوں کی تمنا کیا تھی؟ ان دونوں باتوں کا بیان ان آیات میں ہے۔

مسلمان چاہتے تھے کہ حملہ تجارتی قافلہ پر ہو، تاکہ کانٹا نہ چبھے اور بہت مال مل جائے، اور قافلہ بچ کر نکل گیا ہے تو واپس لوٹا جائے، مکہ کے لشکر سے دو دو ہاتھ نہ کئے جائیں، اس میں ان کو موت نظر آرہی تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو ایک ہزار کے مسلح لشکر سے بھڑایا جائے، اور مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا جائے، تاکہ حق کا بول بالا ہو، اور قریش کے گرو گھنٹالوں کی جڑ کٹ جائے، اور سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ کفار کے علی الرغم آشکارا ہوجائے۔

(۱) الشوکۃ: کانٹا، مجازی معنی: قوت وطاقت (۲) کلمۃ سے مراد فیصلۂ خداوندی ہے جس کی تعبیر کلمۂ کُن ہے (۳) یہ تکرار نہیں، دوسری بات ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾ کہنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، پل بھر میں کفار کے ستر سردار مارے گئے، جن میں اس امت کا فرعون ابوجہل بھی تھا، اور ستر سورما قید میں آئے، جن سے فدیہ میں خطیر رقم حاصل ہوئی، اس طرح کفار کی کمر ٹوٹ گئی اور شرک کی بنیادیں ہل گئیں اور لوگوں کے لئے اسلام میں آنے کا راستہ کھل گیا۔

آیاتِ پاک: اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم سے (مقام صفراء میں) وعدہ کرتے تھے کہ جو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی —— انبیاء سے بھی وعدے مبہم کئے جاتے ہیں، بات کھول کر نہیں بتائی جاتی، جیسے سورۃ الفتح (آیت ۲۷) میں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ بڑھایا ہے، تاکہ صحابہ عمرۃ قضا کے لئے بے خوف ہوکر نہ جائیں، چنانچہ فوج ہتھیار لے کر چلی، اور مکہ سے آٹھ میل وادی یأجج میں وہ ہتھیار رکھ دیئے اور دوسو آدمی ان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیئے اور صرف تلواریں میانوں میں رکھ کر قافلہ مکہ میں داخل ہوا، مگر کوئی بات پیش نہ آئی، امن رہا، مکہ والوں نے وعدہ وفا کیا۔

اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (ابوسفیان کا قافلہ) تمہارے ہاتھ آئے، اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ وہ برحق دین کو اپنے فرمودات سے بالا کردیں، اور منکرین اسلام کی جڑ کاٹ دیں، تاکہ وہ برحق دین کو برحق ثابت کردیں اور باطل دین کو باطل کردیں، چاہے بدکاروں کو کتنا ہی ناگوار گذرے!

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

اِذْ	(یاد کرو) جب	لَكُمْ	تم کو	مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں میں سے
تَسْتَغِيْثُوْنَ (۱)	مدد مانگ رہے تھے تم	اَنِّيْ	کہ میں	مُرْدِفِيْنَ (۴)	پے بہ پے آنے والے
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار سے	مُمِدُّكُمْ (۳)	مدد دینے والا ہوں تم کو	وَمَا	اور نہیں
فَاسْتَجَابَ (۲)	پس جواب دیا اس نے	بِاَلْفٍ	ایک ہزار کے ذریعہ	جَعَلَهُ	بنایا اس (مدد) کو

(۱) غوث: مدد، سین تا طلب کے لئے۔ (۲) استجابہ: جواب دینا (۳) مُمِدّ: اسم فاعل، إمداد: مدد دینا (۴) مُرْدِف: اسم فاعل، إرداف: مصدر، ردیف: سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، یہ ملائکہ کا حال ہے: پے بہ پے آنے والے، لگاتار آنے والے، یکے بعد دیگرے آنے والے، یعنی ہزار کے بعد اور فرشتے بھی آئیں گے۔

اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	قُلُوْبُكُمْ	تمہارے دلوں کو	اللّٰهِ	اللہ کے
اِلَّا بُشْرٰى	مگر خوش خبری	وَمَا النَّصْرُ	اور نہیں ہے مدد	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَلِتَطْمَىِٕنَّ	اور تا کہ اطمینان ہو	اِلَّا	مگر	عَزِيْزٌ	زبردست
بِهٖ	اس (مدد) سے	مِنْ عِنْدِ	پاس سے	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

غزوۂ بدر میں فتح وظفر کے تین اسباب

بدر کی جنگ ایک دن میں نمٹ گئی تھی، سورج چڑھے لڑائی شروع ہوئی اور سورج چھپنے سے پہلے مجاہدین نے پالا مارلیا، قریش کے ستّر سور مالقمۂ اجل بنے اور ستر ہی پابہ زنجیر ہو گئے، یہ تاریخ کا انوکھا واقعہ ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا، بدر کی جنگ میں وہ کیا اسباب جمع ہوئے تھے جو چٹ پٹ کامیابی کا سبب بنے؟

جواب: ان آیات میں اور آئندہ آیات میں کامیابی کے تین اسباب کا تذکرہ ہے: فرشتوں کی کمک، چین کی نینداور رحمت کی بارش، ان تین اسباب کی وجہ سے بدر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی، اور وہ جنگ یوم الفرقان (فیصلہ کن جنگ) ثابت ہوئی۔

پہلا سبب: —— فرشتو کی کمک —— یہ سب سے اہم سبب تھا، اس لئے اس کو پہلے ذکر کیا ہے، اوراس کا تذکرہ سورۃ آلِ عمران (آیات ۱۲۳-۱۲۷) میں بھی آیا ہے۔

بدر کی جنگ: اسلام کی پہلی جنگ تھی، اس وقت تک مسلمانوں کو کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں تھی، مجاہدین کی تعداد بھی بہت کم تھی، سامانِ جنگ بھی کوئی خاص نہیں تھا، بدر میں دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے، جن پر باری باری سوار ہوتے تھے اور مقابلہ میں ایک ہزار کا لشکر جرّار، ساز وسامان کے ساتھ، ہتھیاروں سے لیس تھا، اوراس امت کا فرعون بوجہل کمانڈر انچیف تھا، وہ لشکر کے ساتھ بدر میں پہلے پہنچ چکا تھا، اس نے پانی کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا اور مناسب جگہ لشکر کے لئے چھانٹ لی تھی، جب مسلمان بدر میں پہنچے تو ان کو نہ پانی ملا نہ مناسب جگہ، ریتلا میدان حصہ میں آیا، جہاں چلنا بھی دشوار تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا کہ کافروں کے لشکر کو مسلمانوں کی نظر میں تھوڑا دکھایا، اور مسلمان تھوڑے تو تھے ہی، ان کو کافروں کی نظر میں اور تھوڑا کر کے دکھایا، اس کا تذکرہ ابھی اسی سورت کی (آیت ۴۵) میں آرہا ہے، مقصد یہ تھا کہ دونوں فریق جرأت سے لڑیں، ہر جماعت یہ سوچے کہ ابھی مقابل کو دھار پر دھرلیں گے۔

پھر جب جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پہلے ایک ہزار فرشتے گھوڑوں پر سوار وردی پہنے ہوئے آئے، پھر اور دو ہزار نعرے لگاتے ہوئے آئے، پھر اور دو ہزار اسی طرح آئے، کل پانچ ہزار فرشتے اترے، یہ فرشتے

کفار کو نظر آئے جس سے ان پر دھاک بیٹھی، صحابہ کو یہ فرشتے عام طور پر نظر نہیں آئے، اور پانچ ہزار ایک ساتھ نہیں آئے، کمک اسی طرح آتی ہے، جب وقفہ وقفہ سے کمک نعرہ لگاتی ہوئی آتی ہے تو دشمن کا دل دہل جاتا ہے، اور جنگ کا چٹ پٹ فیصلہ ہوجاتا ہے۔

فرشتے جب امداد کے لئے آتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ باقاعدہ جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا پشت پناہی کرتے ہیں؟

جواب: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں، لڑنا انسانوں کا کام ہے، فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہوسکتا تھا، فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گیند لڑھکائی اس کو سو میٹر تک جانا چاہئے، فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی، فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی، صحابی نے تلوار چلائی، اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہوگیا، یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

فائدہ: دوسرا سبب: چین کی نیند تھی اور تیسرا سبب: رحمت کی بارش تھی، ان کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے۔

آیاتِ کریمہ: (یاد کرو) جب تم اپنے پروردگار سے مدد مانگ رہے تھے —— لوگ رات میں گہری نیند سو رہے تھے، اور نبی ﷺ دعا میں مشغول تھے —— پس اس نے تم کو جواب دیا کہ میں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے مدد کرونگا، جو سلسلہ وار آئیں گے —— اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو خوش خبری ہی بنایا ہے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس امداد سے چین نصیب ہو، اور نصرت تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

إِذْ يُغَشِّيكُمُ (۱) النُّعَاسَ	(یاد کرو) جب ڈھانک رہی تھی تم کو اونگھ	أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ (۲)	تسکین کے طور پر اللہ کی طرف سے اور اتار رہے تھے وہ	عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً	تم پر آسمان سے پانی

(۱) تغشیة (باب تفعیل) متعدی بدو مفعول ...... أمنة: مفعول لہٗ یا حال (۲) وینزل میں واو ترتیب کے لئے ہے، جیسے آیت وضوء میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک واو ترتیب کے لئے ہے یعنی بارش صبح میں ہوئی، رات میں گہری نیند سونے کے بعد۔

وَ يُثَبِّتَ	اور جمائے وہ	رِجْزَ	گندگی	لِّيُطَهِّرَكُمْ	تا کہ پاک کرے وہ تم کو
بِهِ	اس کے ذریعہ	الشَّيْطٰنِ	شیطان کی	بِهٖ	اس کے ذریعہ
الْاَقْدَامَ	پیروں کو	وَلِيَرْبِطَ (۱)	اور تا کہ باندھے وہ	وَيُذْهِبَ	اور دور کرے وہ
۞	۞	عَلٰى قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں پر	عَنْكُمْ	تم سے

بدر میں فتح وظفر کے دوظاہری سبب

بدر میں فتح وظفر کے تین اسباب جمع ہوئے تھے، پہلا سبب جو سب سے اہم تھا اس کا ذکر گذشتہ آیات میں آیا ہے، اور وہ فرشتوں کی کمک تھی، فرشتے تین غزوات میں اترے ہیں: بدر میں، احزاب میں اور حنین میں، جب مجاہدین آخری درجہ لاچار ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان کی مدد کرتے ہیں، فرشتے لڑتے نہیں، لڑنا مجاہدین کا کام ہے، فرشتے ان کے کاموں میں تعاون کرتے ہیں، جیسا کہ اگلی آیات میں آرہا ہے۔

بدر کی جنگ میں فتح وظفر کے دوظاہری سبب:

پہلا سبب: بدر کی لڑائی جمعہ کے دن ہوئی ہے، اس سے پہلے جو رات گذری اس میں مجاہدین گھوڑے بیچ کر سوئے، بے فکری سے سوئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ طاری کردی، اس لئے خوب گہری نیند آئی، اور صبح تازہ دم ہوکر اٹھے، اور کافروں کی فوج بے چین سوئی، وہ فکرِ فردا میں مبتلا تھی، چنانچہ وہ بوجھل بیدار ہوئے، اس کا جنگ پر اثر پڑا۔

فائدہ: غزوۂ احد میں بھی اونگھ چین بن کر اتری تھی اور بے چینی دور ہوئی تھی، وہ میدان جنگ کا واقعہ تھا، وہ اونگھ مجاہدین کی ایک جماعت پر چھائی تھی اور یہاں جس اونگھ کا ذکر ہے وہ سب کو عام تھی، سورۃ آلِ عمران (آیت ۱۵۴) میں ہے: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ تفصیل ہدایت القرآن (۱:۵۰۶) میں ہے۔

دوسرا سبب: پھر صبح جمعہ کے دن رحمت کی بارش ہوئی، اور چھاجوں پانی برسا، عرب میں بارش اسی طرح ہوتی ہے، اس سے چار فائدے حاصل ہوئے:

۱- مسلمان مدینہ منورہ سے کئی دن پہلے نکلے تھے، ان کو نہانے دھونے کا موقعہ نہیں ملا تھا، پھر میدانِ بدر میں گردوغبار سے سابقہ پڑا تھا، اور پانی پر کفار نے قبضہ کرلیا تھا اس لئے وضو غسل کی تکلیف بھی پیش آئی، اس لئے جب بارش شروع

(۱) دل پر گرہ باندھنا یعنی دلوں کو قوی کرنا شیطان کا وسوسہ دور ہونے سے دل قوی ہوگئے۔ اور لام تعلیل کا ہے لیطھر کم کا لام دور گیا تھا اس لئے اس کو مکرر لائے ہیں۔

ہوئی تو صحابہ نے کھڈے کھود کر پانی جمع کر لیا، اور نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے۔

۲- شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہارے ساتھ ہوتی، ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورتِ حال پیش نہ آتی کہ تم پانی سے محروم ہو اور پیر ریت میں دھنس رہے ہیں، بارش ہوتے ہی شیطانی وسوسہ کافور ہو گیا —— یہ بارش کا منفی پہلو سے فائدہ تھا۔

۳- شیطانی خلجان کے دور ہونے سے مجاہدین کے دل قوی ہو گئے اور وہ پُر حوصلہ ہو کر لڑے —— یہ بارش کا مثبت پہلو سے فائدہ تھا۔

۴- کافروں نے اچھی جگہ قبضہ جما لیا تھا، مسلمانوں کی طرف ریت بہت زیادہ تھی، جس سے چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، جب بارش ہوئی تو ریت جم گئی اور چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور کافروں کی طرف مٹی کیچ بن گئی، جس میں پیر پھسلنے لگے۔ پھر جنگ شروع ہوئی، اور مجاہدین نے پل بھر میں پالا مار لیا۔

آیاتِ کریمہ: (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہے تھے، اپنی طرف سے چین کے طور پر —— اونگھ: نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے —— اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہے تھے: (۱) تا کہ اس کے ذریعہ تم کو پاک صاف کریں (۲) اور تم سے شیطانی خلجان دور کریں (۳) اور تا کہ تمہارے دلوں کو قوی کریں (۴) اور تمہارے پاؤں جمائیں۔

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

اِذْ	(یاد کرو) جب	اَنِّیْ مَعَكُمْ	کہ میں تمہارے ساتھ ہوں	فِیْ قُلُوْبِ	دلوں میں
یُوْحِیْ	وحی کر رہے تھے	فَثَبِّتُوا	لہٰذا جماؤ	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	منکرین اسلام کے
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	ان کو جو ایمان لائے	الرُّعْبَ	دہشت (دھاک)
اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ	فرشتوں کی طرف	سَاُلْقِیْ	ابھی ڈالتا ہوں میں	فَاضْرِبُوْا	پس مارو تم

فَوْقَ الْاَعْنَاقِ (۱)	گردنوں کے اوپر	اللّٰهَ	اللہ	شَدِيْدُ	سخت
وَاضْرِبُوْا	اور مارو تم	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں
مِنْهُمْ	ان کی	وَمَنْ	اور جو شخص	ذٰلِكُمْ	یہ (سزائیں)
كُلَّ بَنَانٍ (۲)	ہر پور کو	يُّشَاقِقِ	مخالفت کرتا ہے	فَذُوْقُوْهُ	پس چکھو تم ان کو
ذٰلِكَ	یہ (کمک)	اللّٰهَ	اللہ	وَاَنَّ	اور یہ بات (جان لو کہ)
بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکرینِ اسلام کے لئے
شَآقُّوا	مخالفت کی ہے	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ	عَذَابَ النَّارِ	دوزخ کا عذاب ہے

فرشتوں کی کمک کیوں آئی؟ اور وہ کیا کام انجام دے گی؟

معرکۂ بدر میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سُراقہ بن مالک مُدلجی کی صورت میں ممثّل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا، اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے، ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا (یہ مضمون آگے آیت ۴۸ میں آرہا ہے)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی، پانچ ہزار فرشتے اترے، اس لئے کہ ابلیس شیاطین کا بھاری لشکر لے کر آیا تھا، پھر سارے فرشتے ایک ساتھ نہیں آئے: ﴿مُرْدِفِيْنَ﴾: پے بہ پے آئے، کمک جب اس طرح آتی ہے تو مخالف لشکر پر دھاک بیٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو وحی کے ذریعہ چند باتوں کا حکم دیا۔

۱- میں تمہارے ساتھ ہوں، یہ شیطان کی بات کا جواب ہے یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے۔

۲- شیاطین کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں تو تم کمزور مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔

۳- جب جنگ شروع ہوگی تو میں کفار کے دلوں میں دھاک بٹھاؤں گا، پس تم تلواریں گردنوں کے اوپر چلاؤ، یعنی تلواریں کفار کے سروں کو چھوتی ہوئی گذریں، اور گردنوں پر تلواریں مجاہدین ماریں، اس سے سر جدا ہو جائیں گے۔

---

(۱) فوق اور علی میں تھوڑا فرق ہے، اول میں اتصال ضروری نہیں اور علی میں اتصال ہوتا ہے، جیسے کتاب فوق الکتاب: کتاب کے اوپر کتاب، خواہ متصل ہو یا جدا ہو، اور کتاب علی الکتاب: کتاب پر کتاب یعنی ملی ہوئی۔ جاننا چاہئے کہ ضرب متعدی بنفسہ ہے، اگر گردن پر مارنا ہوتا تو فاضربوا الأعناق ہوتا۔ فوق اس لئے بڑھایا ہے کہ فرشتے گردنوں پر نہیں، بلکہ ان کے اوپر ماریں گے اور ٹھیک گردن پر مجاہد مارے گا (۲) کل بنان: پوریوں پر مارنے سے ہاتھ بیکار ہو جائے گا، اب کافر تلوار نہیں چلا سکے گا اور مجاہد اس کا کام تمام کر دے گا۔

۴-اورتم کفار کے ہاتھوں کی تمام پوریوں پر مارو،اس سے ان کے ہاتھ شل ہوجائیں گے،تلوار چلانے کے قابل نہیں رہیں گے اور مجاہدین ان کا کام تمام کردیں گے۔

فائدہ: فرشتے جب بھی کسی جنگ میں نازل ہوتے ہیں تو لڑتے نہیں ،لڑنا انسانوں کا کام ہے،فرشتے دلوں میں نیک جذبات ابھارتے ہیں، ہمت بندھاتے ہیں اور مجاہدین کے کاموں میں کمک پہنچاتے ہیں، جیسے کسی مجاہد نے بم پھینکا اس کا نشانہ غلط ہوسکتا تھا،فرشتہ اس بم کو صحیح جگہ گراتا ہے، یا مجاہد نے گیند لڑھکائی اس کو سومیٹر تک جانا چاہئے،فرشتہ نے اس میں کمک پہنچائی وہ ہزار میٹر تک چلی گئی،فرشتے جنگ میں اس طرح کا تعاون کرتے ہیں اور بدر کی جنگ میں فرشتوں کے لڑنے کی جو روایات ہیں ان کی صورت بھی یہی ہوئی تھی،صحابی نے تلوار چلائی،اس کی تلوار لگنے سے پہلے ہی دشمن کا سر جدا ہوگیا،یہ فرشتہ کی کمک تھی۔

﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ۝۱۲﴾

ترجمہ: (یادکرو) جب آپؐ کے پروردگار فرشتوں کو وحی کررہے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، پس تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی منکرین اسلام کے دلوں میں دھاک بٹھاتا ہوں، پس تم گردنوں کے اوپر مارو، اور ان کی ہر پور کو مارو۔

بدر میں فرشتوں کے ذریعہ اللہ نے کافروں کو سزادی

(نزول ملائکہ کی ایک اور حکمت)

جب نبرد آزما دشمنانِ اسلام قوی ہوتے ہیں اور مسلمان کمزور ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا بول بالا ہوتو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتارتے ہیں، اور ان کے ذریعہ کفار کو نیچا دکھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی اس سنت کا ذکر سورۃ التوبہ (آیت ۵۲) میں ہے: ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَیَیْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ یُّصِیْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَیْدِیْنَا ۖ٘ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ۝۵۲﴾: آپؐ فرمادیں: تم ہمارے حق میں دو بہتریوں (شہادت یا ظفرمندی) میں سے ایک بہتری ہی کے منتظر رہتے ہو، اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کردیں اپنی طرف سے یعنی فرشتوں کے ذریعہ یا کائنات میں تصرف کے ذریعہ یا ہمارے ہاتھوں سے یعنی ہم تمہیں قتل کریں سو تم بھی انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہیں۔

بدر میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، ساز وسامان بھی کچھ زیادہ نہیں تھا، کفار تین گنا تھے، اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھے، اور یہ اسلام کی کفر کے ساتھ پہلی ٹکر تھی اور اللہ کی مصلحت یہ تھی کہ اسلام کا بول بالا ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی کمک بھیجی اور ان کے ہاتھوں قریش کا منہ کیل دیا!

فرماتے ہیں: قریش نے اسلام کو قبول نہیں کیا اور اللہ ورسول سے برسر پیکار ہوگئے، اور جو یہ کام کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں سخت سزا دیتے ہیں، اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ ان سے دو دو ہاتھ کر سکیں۔ اس لئے اللہ نے فرشتوں کو اتارا اور ان کے ہاتھوں کفار کو سزا دی۔

ان کے ستر سردار مارے گئے اور اتنے ہی پابہ زنجیر ہوگئے اور ان کا مال سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا، یہ سزائیں تو انھوں نے چکھیں، ساتھ ہی یہ بات بھی جان لیں کہ آخرت میں منکرینِ اسلام کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے!

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ ﴾

ترجمہ: یہ (فرشتوں کی کمک) اس وجہ سے آئی کہ انھوں نے (کفار قریش نے) اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو (دنیا میں) سخت سزا دیتے ہیں —— یہ (سزائیں: سرداروں کا قتل ہونا وغیرہ) پس تم اس کو چکھو، اور یہ بات (جان لو کہ) منکرین اسلام کے لئے دوزخ کا عذاب (بھی) ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں سے	الْاَدْبَارَ	اپنی پیٹھوں کو
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	زَحْفًا[1]	آہستہ آہستہ چلتے ہوئے	وَمَنْ	اور جو
اِذَا لَقِيْتُمُ	جب ملاقات کرو تم	فَلَا تُوَلُّوْهُمُ	تو نہ پھیرو تم ان کی طرف	يُّوَلِّهِمْ	پھیرے گا ان کی طرف

(۱) زحفا: لقیتم کے فاعل کا حال ہے زَحَفَ الصبیُّ (ف) زَحْفًا: بچہ کا زمین پر کولہے کے بل سرکنا، رینگنا، آہستہ آہستہ چلنا، پیش قدمی کرنا۔ فوج جب مارچ کرتی ہے تو آہستہ آہستہ دائیں بائیں دیکھ کر بڑھتی ہے۔

يَوْمَئِذٍ	اس دن	اَوْ مُتَحَيِّزًا(۲)	یا سمٹنے والا	وَمَاْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانا
دُبُرَهٗ	اپنی پیٹھ	اِلٰى فِئَةٍ	بڑی جماعت کی طرف	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
اِلَّا مُتَحَرِّفًا(۱)	مگر مستثنیٰ ہے پینترا	فَقَدْ بَآءَ	پس بالیقین لوٹا وہ	وَبِئْسَ	اور برا ہے وہ
	بدلنے والا	بِغَضَبٍ	غصہ کے ساتھ	الْمَصِيْرُ	ٹھکانا
لِّقِتَالٍ	لڑنے کے لئے	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے	۝	۝

فرشتے لڑیں گے نہیں، مجاہدین دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں

جنگ میں پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے سخت وعید

فرشتے: مجاہدین کے کاموں میں مدد کرتے ہیں، وہ لڑتے نہیں، ورنہ ایک فرشتہ سب کو نمٹا سکتا ہے، لڑنا مجاہدین کا کام ہے، پس وہ میدانِ جنگ میں دشمنانِ اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کریں، پیٹھ نہ پھیریں، آگے بڑھیں پس پا نہ ہوں، پیٹھ دکھانے والوں سے اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہیں اور اس کا انجام بھی برا ہے۔

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب: جب قرآنِ کریم کوئی سخت وعید سناتا ہے، اور اس وعید سے کوئی مستثنیٰ ہوتا ہے تو وعید سنانے سے پہلے اس کا استثناء کیا جاتا ہے، جیسے کلمۂ کفر بولنے پر اگر جان لیوا دھمکی دی جائے تو زبانی جمع خرچ کر لینا جائز ہے، دل سے کفر اختیار کرنا جائز نہیں، سورۃ النحل (آیت ۱۰۶) میں ارتداد پر سخت وعید آئی ہے، مگر پہلے مجبور کا استثناء کیا ہے، فرمایا: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾: جو شخص اللہ پر ایمان لائے پیچھے ــــ البتہ وہ شخص مستثنیٰ ہے جس پر زبردستی کی گئی، بشرطے کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو ــــ ہاں جو جی کھول کر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑی سزا ملے گی۔ اس آیت میں ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ کا استثناء وعید سنانے سے پہلے کیا ہے، زیر تفسیر آیت میں بھی پینترا بدلنے والے کا اور مرکز کی طرف سمٹنے والے کا استثناء کر کے وعید سنائی ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وعید پہلے سنائی جائے گی تو جو وعید کا مستحق نہیں: وہ وعید سن کر نیم بسمل (نیم جان) ہو جائے گا،

---

(۱) متحرفا: اسم فاعل، تَحَرُّف (باب تفعل): پھرنے والا، مڑنے والا، دشمن کو فریب دینے کے لئے پیٹھ پھیرنے والا، پینترا بدلنے والا، تاکہ پلٹ کر حملہ کرے، اصل مادہ حَرْف ہے، جس کے معنی ہیں: کنارہ (۲) مُتَحَيِّزًا: اسم فاعل، تَحَيُّز (باب تفعل): سمٹ کر اپنی جماعت کی طرف آنے والا تاکہ ساتھیوں سے مدد لے کر دوبارہ حملہ کرے۔

پھر جان بحال ہوئی تو بھی اثر باقی رہ جائے گا، اس لئے اس کے اطمینان کے لئے پہلے اس کا استثناء کیا جاتا ہے، پھر وعید سنائی جاتی ہے تا کہ اس کا دل گھائل نہ ہو۔

آیت کا مضمون: مجاہدین کو حکم دیتے ہیں کہ جب تم دشمنانِ اسلام کی طرف میدانِ جنگ میں مارچ کرو، یعنی چوکنا ہو کر دھیمی رفتار سے آہستہ آہستہ آگے بڑھو، پھر جب کفار سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ڈٹ کر لڑو، پس پامت ہوؤ، دشمن کو پیٹھ مت دکھاؤ، پیٹھ پھیرنے والوں کے لئے سخت وعید ہے، البتہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:

ایک: فوج پینترا بدلنے کے لئے پس پا ہو، یعنی چال چلنے کے لئے پیچھے ہٹے تا کہ دوسرے رخ سے حملہ کرے تو یہ جائز ہے۔

دوسری: فوج کم ہو، وہ مرکز کی طرف لوٹے، تا کہ کمک لے کر آئے، اور نبرد آزما ہو تو یہ بھی جائز ہے، حدیث میں ایک واقعہ ہے:

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ میں بھیجا، جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو لوگوں کے پیرا کھڑ گئے اور فوج میں بھگدڑ مچ گئی، پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم وہاں چھپ گئے، جب مدینہ قریب آیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہماری شکست کی خبر یقیناً مدینہ پہنچ گئی ہوگی، پس ہم کیا منہ لے کر آنحضور ﷺ کے سامنے جائیں گے؟ اور کس منہ سے گھر والوں کا اور مسلمانوں کا سامنا کریں گے؟ چنانچہ بعض کی رائے ہوئی کہ واپس لوٹنا چاہئے اور دوبارہ مقابلہ کرنا چاہئے خواہ انجام کچھ بھی ہو، اور دوسری رائے یہ سامنے آئی کہ اب جبکہ ہم مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں تو حضور اقدس ﷺ سے ملے بغیر واپس نہیں جانا چاہئے، چنانچہ وہ لوگ رات میں چھپ گئے، اپنے گھر نہیں گئے، سیدھے مسجد نبوی میں جا کر پڑ رہے، جب نبی ﷺ فجر کی نماز کے لئے نکلے تو انھوں نے حجرہ جان لیا، نماز کے بعد اس حجرہ کے باہر دو قطاریں بنا کر کھڑے ہو گئے، جب آپ حجرے میں واپس جانے لگے تو دروازے پر بہت سے لوگوں کو دیکھا، آپؐ نے پوچھا: کون؟ ان لوگوں نے ٹوٹے ہوئے دل سے کہا: یا رسول اللہ! ہم بھگوڑے ہیں! نبی پاک ﷺ کو جنگ کی صورتِ حال معلوم ہو چکی تھی، آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، تم پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو اور میں تمہارا مرکز ہوں''

ان دو صورتوں کے علاوہ جو معرکہ سے بھاگے گا وہ دنیا میں اللہ کا سخت غصہ لے کر لوٹے گا، اور آخرت میں اس کی سزا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

مسئلہ: دوگنا دشمنوں سے مقابلہ ضروری ہے، اگر دشمن کی تعداد اس سے زیادہ ہو اور فوج پسپا ہو تو اس کے لئے یہ وعید نہیں (یہ مسئلہ آگے (آیت ۶۶ میں) آئے گا)

آیتِ پاک: اے ایمان والو! جب تم کافروں سے بھڑو تو اپنی پیٹھیں مت دکھاؤ، اور جو شخص (معرکہ میں) اپنی پیٹھ دکھائے گا ـــــ البتہ لڑنے کے لئے پینترا بدلنے والا یا بڑی جماعت کی طرف سمٹنے والا مستثنیٰ ہے ـــــ وہ بالیقین اللہ تعالیٰ کا سخت غصہ لے کر لوٹے گا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

فَلَمْ	سو نہیں	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	بلکہ اللہ تعالیٰ نے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے
تَقْتُلُوْهُمْ	قتل کر رہے تھے تم ان کو	رَمٰى	پھینکا	عَلِيْمٌ	ہر بات جاننے والے ہیں
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	بلکہ اللہ تعالیٰ نے	وَلِيُبْلِيَ (۱)	اور تاکہ نعمت دے کر جانچے	ذٰلِكُمْ (۳)	یہ بات (تو ہو چکی)
قَتَلَهُمْ	قتل کیا ان کو	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	وَاَنَّ	اور (جان لو) کہ
وَمَا	اور نہیں	مِنْهُ (۲)	اس (نعمت) سے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
رَمَيْتَ	پھینکا آپ نے	بَلَآءً حَسَنًا	خوب جانچنا	مُوْهِنُ (۴)	کمزور کرنے والے ہیں
اِذْ رَمَيْتَ	جب پھینکا آپ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی سازش کو

معرکۂ بدر میں رؤسائے مشرکین کا قتل تم نے نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے کیا

میدانِ بدر میں نہ فرشتوں نے کفار سے لوہا لیا، نہ تم نے ان کا بھرتا کیا، وہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا جو تمہارے ہاتھوں انجام پایا، جیسے جنگ کی شدت کے وقت نبی ﷺ نے مٹھی مٹی پھینکی، جو ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی، وہ بھی نبی ﷺ کا فعل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل تھا، اسی طرح تمہارا ان کو قتل کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا فعل تھا۔

اس کی تھوڑی تفصیل یہ ہے کہ جب گھمسان کا رن پڑا تو نبی ﷺ نے ایک مٹھی مٹی لی، اور تین بار شَاهَتِ الوجوه (چہرے برے ہو جائیں) پڑھ کر کفار کی طرف پھینکی جو ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئی، وہ آنکھیں ملنے لگے اور مسلمانوں نے

(۱) يُبْلِيَ: مضارع، واحد مذکر غائب، مصدر إبلاء (افعال) مادہ: بَلْوٌ: نعمت دے کر جانچنا (۲) منه کی ضمیر کا مرجع إبلاء ہے۔
(۳) ذلکم: مبتدا ہے اور قد مَضٰی یا حقٌّ خبر محذوف ہے اور یہاں وقف مطلق ہونا چاہئے (۴) مُوْهِن: اسم فاعل، أَوْهَنَ فلانا: کمزور کرنا۔

دھاوا بول دیا اور ان کا کام تمام کر دیا۔

پھر آخر آیت میں ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے:

سوال: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ کفار کو زمین میں دھنسا بھی سکتے تھے، بدر میں پہنچنے ہی نہ دیتے، پھر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرانے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: مسلمانوں کو فتح کی نعمت سے سرشار کرنا مقصود تھا، اور ان کی جانچ بھی کرنی مقصود تھی کہ کس کے کیا قلبی جذبات ہیں؟ اور کس نے کیا کارنامہ انجام دیا؟ اس لئے کفار کو مسلمانوں سے بھڑایا، اور ان کے ہاتھوں ان کو کیفر کردار تک پہنچایا، اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں، وہ مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکنیں بھی سن رہے ہیں، اور وہ ہر چیز جاننے والے ہیں وہ مجاہدین کے کارناموں سے واقف ہیں، وہ سب کو حسبِ نیت و عمل صلہ عطا فرمائیں گے، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بدری صحابہ کے بارے میں ہے: **اعملوا ما شئتم فقد غفرتُ لکم**: تم جو چاہو کرو سب بخشے بخشائے ہو۔

آیتِ کریمہ: سو تم نے ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا (مثال:) اور آپ نے مٹھی مٹی نہیں پھینکی، جبکہ آپ نے پھینکی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی (سوالِ مقدر کا جواب:) اور تاکہ اللہ تعالیٰ اس (قتل) سے مؤمنین کو نعمتِ فتح سے ہم کنار کر کے خوب خوب جانچیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہیں!

بدر سے بھاگنے والوں کی سازش کو اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیں گے

پھر ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یعنی یہ باتیں وہ تھیں جو پیش آ چکیں، پس یہاں وقفِ مطلق کی علامت ط چاہئے، اب سوال یہ ہے کہ بدر میں ستر کام آئے، باقی بھاگ کھڑے ہوئے، وہ مکہ پہنچ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پلان بنائیں گے، سازش کریں گے، ان سے کس طرح نمٹا جائے گا؟

جواب: اس سے اللہ تعالیٰ نمٹیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے پلان کو ناکام اور سازشوں کو بودا کر دیں گے، ان کی ایک نہیں چلے گی، کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی، بعد کے حالات نے اس کی تصدیق کی، بدر صغریٰ کے لئے وہ مکہ سے نکلے مگر خشک سالی کا بہانہ کر کے واپس لوٹ گئے، احد کی جنگ میں آخر میں کامیاب ہوئے مگر ان کے ہاتھ کیا لگا؟ اور احزاب میں بادِ صرصر نے ان کو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے پر مجبور کر دیا، پھر ان میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کی ہمت نہ رہی، اور مسلمانوں نے بڑھ کر مکہ مکرمہ فتح کر لیا، اور اسلام کا راستہ صاف ہو گیا۔

﴿ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۸﴾

ترجمہ: یہ باتیں (تو پیش آچکیں) اور یہ (بات جان لو کہ) اللہ تعالیٰ کافروں کی سازش کو بودا کرنے والے ہیں!

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

اِنْ	اگر	خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہے تمہارے لئے	فِئَتُكُمْ	تمہارا جتھا
تَسْتَفْتِحُوْا	تم فیصلہ چاہتے ہو	وَاِنْ تَعُوْدُوْا	اور اگر لوٹو گے تم	شَيْـًٔا	کچھ بھی
فَقَدْ جَآءَكُمُ	تو یقیناً پہنچا تمہیں	نَعُدْ	(تو) ہم (بھی) لوٹیں گے	وَّلَوْ كَثُرَتْ	خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو
الْفَتْحُ[1]	وہ فیصلہ	وَلَنْ	اور ہرگز	وَ اَنَّ	اور یہ کہ
وَاِنْ تَنْتَهُوْا	اور اگر باز آجاؤ تم	تُغْنِيَ	کام نہیں آئے گا	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
فَهُوَ	تو وہ	عَنْكُمْ	تمہارے لئے	مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے ساتھ ہیں

ابوجہل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا مگر حاصل کیا ہوا؟

بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا کی تھی کہ خداوند! دونوں فریق میں سے جو اعلیٰ واکرم ہو اسے فتح دے، اور فساد مچانے والوں کو مغلوب کر (فوائد)

پھر جب جنگ شروع ہوئی تو ابوجہل نے دعا مانگی: "اے اللہ! ہم میں سے جو قرابتوں کو قطع کرنے والا ہے اور غیر معروف امور کا مرتکب ہے اس کو ہلاک کر، اور ہم میں سے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اس کو آج فتح عطا فرما (تحفۃ القاری ۸:۴۴)

یہ فیصلہ بدر میں سامنے آگیا، مگر مشرکین نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا، اگر وہ اب بھی اسلام کی مخالفت سے باز آجائیں تو ان کا بھلا ہوگا، اور اگر کتے کی دم ٹیڑھی رہی تو پھر شکست سے دوچار ہونگے، اور اگر ان کو یہ گھمنڈ ہو کہ ہماری نفری زیادہ ہے، ہمارا مضبوط جتھا ہے، اور مسلمان مٹھی بھر ہیں تو جان لیں کہ ان کی جمعیت خواہ کتنی بھی ہو: ان کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہیں، وہ ان کی مدد کریں گے۔

غزوۂ احزاب میں مشرکین کی تعداد دس ہزار تھی، جو مدینہ کی پوری آبادی سے بھی زیادہ تھی، وہ سب یہ عزم لے کر چلے

(۱) الفتح: میں الف لام عہدی ہے اور مراد بدر کی فتح ہے۔

تھے کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا استیصال کر کے ہی لوٹیں گے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اور مسلمانوں کی مدد کی، اور باد صرصر چلی اور دشمن کوئی خیر حاصل کئے بغیر غیظ وغضب میں بھرے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے! اس لئے کہ اللہ کی مدد مسلمانوں کے ساتھ تھی۔

آیت کریمہ: اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آگیا، اور اگر باز آجاؤ تو وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم پلٹے تو ہم بھی پلٹیں گے، اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی، اگر چہ وہ کتنی بھی زیادہ ہو، اور یہ (بات بھی جان لو) کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	قَالُوْا	کہا	لَا يَعْقِلُوْنَ	سمجھتا نہیں
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	سَمِعْنَا	ہم نے سنا	وَلَوْ عَلِمَ	اور اگر جانتے
اَطِيْعُوا	کہا مانو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهَ	اللہ کا	لَا يَسْمَعُوْنَ	نہیں سن رہے	فِيْهِمْ	ان لوگوں میں
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کا	اِنَّ	بے شک	خَيْرًا	کوئی بہتری
وَلَا تَوَلَّوْا	اور رخ مت پھیرو تم	شَرَّ	بدترین	لَّاَسْمَعَهُمْ	(تو) ضرور سناتے ان کو
عَنْهُ	اس (رسول) سے	الدَّوَآبِّ	جانور	وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ	اور اگر سناتے وہ ان کو
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	لَتَوَلَّوْا	تو وہ ضرور رخ
تَسْمَعُوْنَ	سن رہے ہو	الصُّمُّ	بہرہ		پھیرتے
وَلَا تَكُوْنُوْا	اور مت ہو تم	الْبُكْمُ	گونگا ہے	وَّهُمْ	درانحالیکہ وہ
كَالَّذِيْنَ	ان کی طرح جنھوں نے	الَّذِيْنَ	جو	مُّعْرِضُوْنَ	منھ موڑنے والے ہیں

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ کیوں ہیں؟ کافروں کے ساتھ کیوں نہیں؟

بدر میں کافروں کو ناکامی ہوئی، حالانکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور وہ ہتھیاروں سے بھی لیس تھے، اور مسلمانوں کو سرخ روئی حاصل ہوئی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھے، اللہ تعالیٰ کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟ اطاعت شعاروں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اب ان آیات میں ایمانداروں کو منفی پہلو سے مشخص کرتے ہیں کہ ایمان دار تو اللہ ورسول کی بات مانتے ہیں، اور مکہ والوں کے سامنے اللہ کے رسول نے مسلسل تیرہ سال تک اللہ کی بات رکھی، مگر انھوں نے مان کر نہ دی، کتّے کی دُم ٹیڑھی رہی، پھر اللہ تعالیٰ ان نالائقوں کا ساتھ کیسے دیتے؟ اور وہ کامیاب کیسے ہوتے؟

ان آیات میں کفار مکہ کے تعلق سے تین باتیں فرمائی ہیں اور ادنی سے اعلی حال کی طرف ترقی ہے، پھر آخر میں ایک سوال کا جواب ہے:

پہلا حال: کفار مکہ نے اللہ کے رسول کی بات سنی اَن سنی کردی، گوش ہوش نیوش سے سنی ہی نہیں!

دوسرا حال: کفار دعوی کرتے ہیں کہ وہ سنتے ہیں، حالانکہ وہ بالکل نہیں سنتے، ان کا دعوی جھوٹا ہے، کیونکہ جس سننے پر نتیجہ مرتب نہ ہو یعنی سن کر ایمان نہ لائیں تو وہ سننا کیا خاک سننا ہے!

تیسرا حال: کفار بہرے گونگے اور بے عقل جانوروں جیسے ہیں، جو نام کے جانور ہیں، حقیقت میں وہ روبوٹ (مشین کے بنے ہوئے جانور) ہیں، جو بدترین جانور ہیں۔

فائدہ: جانور سنتے، بولتے اور سمجھتے ہیں، بیل گھوڑا بات سنتے ہیں اور اپنی خواہش ظاہر کرتے ہیں، اور روبوٹ نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے نہ سمجھتا ہے، وہ ایک کَل ہوتی ہے جو اپنی ڈیوٹی بجالاتی ہے۔

سورت الاعراف (آیت ۱۷۹) میں ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾: کفار تو چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گذرے ہیں، یعنی وہ محض روبوٹ ہیں، نہ ان کے پاس سمجھنے والے دل ہیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں اور نہ سننے والے کان!

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ والوں نے رسول کی بات کیوں نہیں سنی اور اللہ نے ان کو بات کیوں نہیں سنائی؟ جواب یہ ہے کہ یہ ان کی سوئے استعداد کا نتیجہ ہے، زمین میں اگانے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو اس میں بیج ڈالنے سے کیا فائدہ؟ بیج ضائع کرنا ہے! اگر ان میں کچھ بھی بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور سناتے، بحالتِ موجودہ ان کو سنانا بے فائدہ ہے، وہ سن کر بھی رخ پھیر لیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مؤمنین ایسے نہیں ہوتے، وہ اللہ ورسول کی بات سنتے ہیں اور مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مدد ایسے ہی لوگوں

کے ساتھ ہوتی ہے، بدر میں تم نے دیکھ لیا کہ مؤمنین کا ہاتھ اوپر رہا اور کفار جنھوں نے بات نہیں سنی خائب وخاسر ہوئے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اور اس (بات) سے روگردانی مت کرو درانحالیکہ تم سن رہے ہو! —— یعنی جانتے بوجھتے رخ کیوں پھیرتے ہو! —— پس ایمان والوں سے بالقوّہ ایمان لانے والے مراد ہیں یا یہ کہئے کہ خطاب مؤمنین سے ہے اور سنایا کفار کو ہے —— اور یہ پہلا حال ہے۔

(دوسرا حال:) اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو دعوی کرتے ہیں کہ ہم نے سنا، حالانکہ وہ سنتے نہیں! —— کیونکہ سننے کا فائدہ ظاہر نہیں ہوا۔

(تیسرا حال:) بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو بہرے گونگے ہیں، جو سمجھتے نہیں —— یعنی مشین کے پُرزے کی طرح ہیں، بس نام کے حیوان ہیں۔

(سوالِ مقدر کا جواب:) اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے تو ان کو ضرور سناتے، اور (بحالتِ موجودہ) ان کو سنائیں تو وہ ضرور رخ پھیریں گے درانحالیکہ وہ بے رخی کرنے والے ہونگے —— یہی وہ حالت ہے جس کو دوسری جگہ مہر کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لِلّٰهِ	اللہ کو	لِمَا	اس کام کے لئے جو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَلِلرَّسُوْلِ	اور اس کے رسول کو	يُحْيِيْكُمْ	زندگی بخشی ہے تمہارے لئے
اسْتَجِيْبُوْا[1]	جواب دو	اِذَا دَعَاكُمْ	جب وہ پکارے تم کو	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو

(۱) استجاب له: لبیک کہنا، کہا ماننا، قبول کرنا۔

اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	مِنْكُمْ	تم میں سے	تَخَافُوْنَ	ڈرتے تھے تم
يَحُوْلُ(۱)	آڑ بن جاتے ہیں	خَآصَّةً	خاص طور پر	اَنْ	کہ
بَيْنَ الْمَرْءِ	آدمی کے درمیان	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	يَّتَخَطَّفَكُمُ	اچک لیں گے تم کو
وَ قَلْبِهٖ	اور اس کے دل کے درمیان	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	النَّاسُ	لوگ
وَاَنَّهٗٓ	اور (جان لو) کہ وہ	شَدِيْدُ	سخت	فَاٰوٰىكُمْ(۲)	پس ٹھکانا دیا تم کو
اِلَيْهِ	اسی کی طرف	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں	وَاَيَّدَكُمْ	اور قوی کیا تم کو
تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	وَاذْكُرُوْٓا	اور یاد کرو	بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے
وَاتَّقُوْا	اور ڈرو	اِذْ اَنْتُمْ	جب تم	وَرَزَقَكُمْ	اور روزی دی تم کو
فِتْنَةً	اس آزمائش سے	قَلِيْلٌ	تھوڑے	مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	ستھری چیزوں سے
لَّا تُصِيْبَنَّ	جو ہرگز نہیں پہنچے گی	مُّسْتَضْعَفُوْنَ	کمزور تھے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	ظالموں کو	فِي الْاَرْضِ	سرزمین (مکہ) میں	تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاؤ

دعوتِ ایمان فوراً قبول کرو، کیا پتہ بعد میں رکاوٹ آجائے اور ایمان سے محروم رہو!

مؤمنین: سے بالقوۃ مؤمنین مراد ہیں، یعنی جو ابھی ایمان نہیں لائے، مگر لاسکتے ہیں، پس روئے سخن مشرکین کی طرف ہے، اللہ کے رسول اللہ کی طرف سے مکہ والوں کو ایمان کی دعوت دے رہے ہیں، ایمان: ان کے لئے حیات بخش ہے، آخرت میں مزے کی زندگی حاصل ہوگی اور کفر آخرت کی موت ہے، پس جب کفار کو ایمان کی دعوت دی جائے تو فوراً ایمان لائیں، آج کل نہ کریں، ہوسکتا ہے بعد میں ایمان کی راہ میں روڑا آجائے اور دل پھر جائے، اگر ایسا ہوا تو ایمان سے محروم رہے گا، اور آخرت میں لوٹ کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے، وہاں وہ اپنے کفر کی سخت سزا پائے گا۔

فائدہ(۱): ﴿ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ﴾: اس کام کے لئے (بلائیں) جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے یعنی دارین کی بھلائی کے کام کی طرف بلائیں تو ایک دم اس کام کے لئے تیار ہو جاؤ، ذرا دیر مت کرو، اگر نیت بندھی ہوئی ہو اس حال میں بھی لبیک کہو، بخاری شریف میں حضرت ابوسعید بن المعلّی انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۴۶۴۷) ہے اور ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے (حدیث ۲۸۸۴) کہ دونوں کو نبی ﷺ نے پکارا اور وہ نماز میں تھے، ان کے

(۱) حَالَ بین الشیئین (ن) حولاً: حائل ہونا، رکاوٹ بننا، دو چیزوں کو الگ الگ کرنا۔ (۲) آوی فلاناً إیواءً: پناہ دینا، اپنے پاس ٹھہرانا۔

عذر پر آپؐ نے ان کو یہ آیت یاد دلائی، معلوم ہوا کہ آیت نماز تک کو عام ہے۔

غرض: آیت کریمہ ایمان اور تمام نیک اعمال کو عام ہے، جب کسی بھی نیک کام کا دل میں جذبہ پیدا ہو تو اس کو کر گذرنا چاہئے، ممکن ہے بعد میں وہ جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے، اور جلد بازی کی جو ممانعت ہے وہ دنیوی کاموں میں ہے، خیر کے کاموں میں تعجیل مطلوب ہے۔

فائدہ(۲): ﴿یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ﴾: اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں: یہ استعارہ[1] ہے اور صفاتِ متشابہات میں سے ہے، ایسی آیتیں اور بھی ہیں، جیسے: ﴿وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ﴾: اور وہ تمہارے ساتھ ہیں جہاں بھی تم ہوؤ (الحدید ۴) اور ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾: اور ہم انسان سے اس قدر قریب ہیں کہ ان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ (قٓ ۱۶) مفسرین کرام ان آیتوں میں بالعلم مقدر مانتے ہیں، یعنی بندوں کے تمام احوال اللہ کے علم میں ہیں، اور زیر تفسیر آیت میں بقدرتہ مقدر ہوگا، یعنی ہر چیز اللہ کی قدرت میں ہے۔ اور اس مضمون کو حدیث میں اس طرح تعبیر کیا ہے کہ بندوں کے دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جس طرح چاہتے ہیں پھیرتے ہیں، پس کبھی ایمان اور عمل خیر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر دوسرے وقت دل اس سے ہٹ جاتا ہے، آڑ بننے کا یہی مطلب ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو، جب وہ تمہیں تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جاتے ہیں آدمی اور اس کے دل کے درمیان، اور یہ (بھی جان لو) کہ تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

گناہ کا وبال صرف گنہگاروں کو نہیں پہنچتا، عام لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں

یہ بات مکہ کے ان کافروں کو سنائی ہے جن کے دلوں میں ایمان کے تعلق سے نرم گوشہ تھا، فرماتے ہیں کہ جو لوگ کفر پر اڑے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں، اس کا وبال ضرور آئے گا، اور صرف بدکار نہیں پکڑے جائیں گے، بلکہ عذاب عام آئے گا۔

(۱) استعارہ: مجاز کی ایک قسم ہے، جس میں لفظ کے حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حرف تشبیہ کے حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

تم دیکھتے نہیں کہ بدر میں صرف کفر کے سرغنے کام نہیں آئے، عام کافر بھی مارے گئے یا قید میں آئے، یہ کفار کے ظلم وستم کا وبال تھا جس میں سب دھر لئے گئے، اسی طرح جب دنیا میں کچھ لوگ فساد مچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو سزا میں پکڑتے ہیں تو خاص فسادیوں ہی کو نہیں پکڑتے، عام لوگ بھی اس وبال میں گرفتار ہوتے ہیں۔

مسلمانوں پر ظلم وستم مکہ کا ہر آدمی نہیں ڈھاتا تھا، گروگھنٹال ہی یہ حرکت کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کے دل میں ایمان کے تعلق سے نرم گوشہ تھا، مگر وہ بھی کفار کے ساتھ بدر میں نکلے تھے، ان کو ڈرنا چاہئے، اللہ کا عذاب سخت ہے وہ آئے گا تو عام ہوگا۔

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵﴾

ترجمہ: اور تم اس وبال سے ڈرو جو ہرگز نہیں پہنچے گا خاص طور پر ان لوگوں کو جو تم میں سے ظلم وستم ڈھاتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں: مدینہ میں ان کو ٹھکانا دیا، بدر میں فرشتوں کے ذریعہ ان کی مدد کی اور بہت مالِ غنیمت ہاتھ لگا

اس آیت کا مضمون بھی مکہ کے ان کافروں کو سنایا ہے جن کے دلوں میں ایمان کے تعلق سے نرم گوشہ تھا، ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی، پھر وہ بے حیثیت بھی تھے، سروسامان بھی ان کے پاس کچھ نہیں تھا، اور کمزور اس قدر تھے کہ ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کافر ان کو ہضم کر جائیں گے۔

پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانا دیا، انصار دل وجان سے ان کے مددگار بن گئے، اس طرح ان کی تعداد دوگنی بلکہ تین گنی ہوگئی، پھر معرکۂ بدر میں کیسی کھلی ہوئی فرشتوں کی مدد آئی کہ اس نے کافروں کی جڑ کاٹ دی اور ان کو فتح نصیب ہوئی اور ڈھیر سارا مال ومنال اور فدیہ کی صورت میں زر کثیر ہاتھ آیا، تاکہ وہ شکر گذار بندے بن کر اللہ کی نعمتیں کھائیں —— کہنا یہ ہے کہ وہ لوگ بھی اگر ایمان لاتے تو وہ بھی ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے۔

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب تم سرزمین مکہ میں تھوڑے کمزور تھے، تمہیں ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں اچک لیں گے، پس اللہ نے تم کو (مدینہ میں) ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد سے (فرشتوں کی کمک سے) تم کو قوی کیا، اور ستھری چیزیں تم کو کھانے کو

دیں ـــــ یعنی مالِ غنیمت تمہارے لئے حلال کیا ـــــ تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اَمٰنٰتِكُمْ	اپنی قابل حفاظت	اَمْوَالُكُمْ	تمہارے اموال
اٰمَنُوْا	ایمان لائے		چیزوں میں	وَاَوْلَادُكُمْ	اورتمہاری اولاد
لَا تَخُوْنُوا	خیانت مت کرو	وَ اَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	فِتْنَةٌ	آزمائش ہے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کے ساتھ	تَعْلَمُوْنَ	جانتے ہو	وَّ اَنَّ اللّٰهَ (۲)	اور (یہ بات) کہ اللہ
وَالرَّسُوْلَ	اور اللہ کے رسول کے ساتھ	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو	عِنْدَهٗٓ	ان کے پاس
وَ تَخُوْنُوْٓا (۱)	اور خیانت (مت) کرو	اَنَّمَآ	اس کے سوانہیں کہ	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب ہے

ایمان میں اخلاص چاہئے

آیات کا ماسبق سے ربط: یہ بات بھی مسلمانوں کو مخاطب بنا کر مشرکینِ مکہ سے کہی گئی ہے، گفتہ آید در حدیث دیگراں! گذشتہ باتیں سن کر شاید مشرکینِ مکہ سوچیں کہ چلو زبانی جمع خرچ کر لیتے ہیں، مسلمان ہو جاتے ہیں، تاکہ اسلام کے فوائد حاصل کر لیں، اس لئے ان آیات میں ان سے کہا جا رہا ہے کہ ایسا مخالص ایمان معتبر نہیں، ایمان میں اخلاص ضروری ہے، منافقانہ اسلام: اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دھوکہ بازی ہے، ایسے ایمان پر ثمرات مرتب نہیں ہوتے۔

آیات کا شانِ نزول: بعض آیات کے اشارات کو سمجھنے کے لئے شانِ نزول کی ضرورت ہوتی ہے، ان آیات کا شانِ نزول حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کے بال بچے اور اموال بنو قریظہ میں تھے، بنو قریظہ نے غزوۂ احزاب میں نقضِ عہد کیا تھا، اور مشرکین کے ساتھ جنگ میں شریک ہو گئے تھے، احزاب کے چلے ہو جانے کے بعد اسلامی لشکر نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا، جب وہ حصار سے تنگ آگئے اور ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کیا تو ابولبابہؓ کو مشورے کے لئے بلایا، انھوں نے اس موقعہ پر اشارہ کیا کہ سب قتل کئے جاؤ گے، مگر فوراً ہی ان کو احساس ہوا کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے

(۱) تخونوا کا عطف لاتخونوا کے مجزوم پر ہے، اس لئے لا یہاں بھی آئے گا، اور خیانت: امانت کی ضد ہے (۲) أن الله کا عطف أنما پر ہے، پس یہ بھی اعلموا کے تحت ہے۔

ساتھ خیانت کی اور راز فاش کردیا، وہ سیدھے مدینہ گئے اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے خود کو باندھ دیا، جب ان کی توبہ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے بدستِ مبارک ان کو کھول دیا۔

آیات کی تفسیر: آیات میں خطاب اگر چہ مؤمنین سے ہے مگر بات عام ہے، سبھی لوگ مخاطب ہیں کہ ایمان میں بے وفائی کو راہ مت دو، ایمان ایک قیمتی پونجی ہے، مؤمن کی یہی بہترین متاع ہے، دارین کی خوبی کا اس پر مدار ہے، اس لئے اس کو شوائب (کھوٹ) سے بچانا ضروری ہے۔ اعتقادی نفاق تو بے ایمانی ہے، ہی عملی نفاق بھی ایمان کے منافی ہے۔

اور جب اپنی باہمی قابل حفاظت چیزوں میں امانت داری ضروری ہے، جانتے بوجھتے چوری جائز نہیں، بھول کا حکم دوسرا ہے، پس ایمان میں جو اللہ کی مؤمن کے پاس امانت ہے: فریب اور دغل فصل کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے؟

اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا تھا کہ اگر نبی ﷺ کے فیصلے پر ہتھیار ڈالو گے تو قتل کئے جاؤ گے یہ ایمان میں کھوٹ کی ایک مثال ہے، اور یہ راز انھوں نے اس لئے فاش کیا تھا کہ ان کے اموال اور بیوی بچے بنو قریظہ میں تھے، ان کی محبت میں یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔

مال و دولت اور اہل وعیال دو دھاری تلوار ہیں، اس کو اگر احتیاط سے چلایا جائے تو دشمن کا سر پھوڑے گی، اور بے احتیاطی کی جائے تو اپنے ہی سر کو زخمی کرے گی، فتنہ اور آزمائش ہونے کا یہی مطلب ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مال دنیا کے لئے خرچ کیا جائے اور اولاد کو دنیا کے قابل بنایا جائے یا آخرت کے لئے خرچ کیا جائے اور اولاد کو آخرت کے قابل بنایا جائے؟ اس کا جواب آخر آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے، لہٰذا مال آخرت کے لئے خرچ کیا جائے اور اولاد کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ آخرت میں بھی کام آئے، ان کی دنیا کے اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہیں، ماں باپ کو چاہئے کہ ان کو دین کے بھی قابل بنائیں، حدیث میں ہے کہ تین چیزیں: موت کے بعد بھی ان کا ثواب ملتا رہتا ہے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور نیک اولاد جو ماں باپ کو دعائے خیر میں یاد رکھے، اور حدیث میں ہے: ما نَحَلَ والد ولداً خير من أدب حسن: کسی باپ نے اپنی اولاد کو بہترین تربیت سے اچھی گفٹ نہیں دی، اس لئے مال اولاد کی دینی تعلیم و تربیت پر خرچ کرنا چاہئے۔

آیاتِ پاک: اے ایمان والو! تم اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ بے وفائی مت کرو، اور جانتے بوجھتے اپنی قابل حفاظت چیزوں میں خیانت مت کرو، اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی ہیں اور یہ بات (بھی جان لو) کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝٢٩ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝٣٠

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے وہ	لِيُثْبِتُوْكَ (۲)	تا کہ قید کریں وہ آپ کو
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے!	لَكُمْ	تمہارے لئے	اَوْ يَقْتُلُوْكَ	یا قتل کریں وہ آپ کو
اِنْ تَتَّقُوا	اگر ڈرتے رہے تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	اَوْ يُخْرِجُوْكَ	یا نکال باہر کریں وہ آپ کو
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	ذُو الْفَضْلِ	مہربانی والے ہیں	وَيَمْكُرُوْنَ	اور داؤ چل رہے تھے
يَجْعَلْ	بنائیں گے وہ	الْعَظِيْمِ	بڑی		وہ لوگ
لَّكُمْ	تمہارے لئے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	وَيَمْكُرُ	اور داؤ چل رہے تھے
فُرْقَانًا (۱)	فیصلہ	يَمْكُرُ	چال چل رہے تھے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَّيُكَفِّرْ	اور مٹائیں گے	بِكَ	آپؐ کے بارے میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
عَنْكُمْ	تم سے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	خَيْرُ	بہترین
سَيِّاٰتِكُمْ	تمہاری برائیاں	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	الْمٰكِرِيْنَ	داؤ چلنے والے ہیں

ایمان میں وفادار بدری صحابہ کے لئے تین بشارتیں

بدری مجاہدین مخلص مسلمان تھے، ان کے ایمان میں ذرا کھوٹ نہیں تھا، وہ وفاداری کے اعلیٰ معیار پر تھے، اگر وہ اپنے اس حال پر برقرار رہے تو ان کے لئے تین خوش خبریاں ہیں: اور یہ بات بھی مشرکین مکہ کو سنائی ہے کہ تم کیسی نعمتوں سے محروم رہ گئے!

۱- وقتاً فوقتاً ایسی باتیں پیش آتی رہیں گے جو فیصلہ کن ہونگی اور وہ صحابہ کے برحق ہونے کی دلیل ہونگی۔

۲- اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں پر قلم عفو پھیر دیا ہے، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب انھوں نے حضرت حاطبؓ کے قتل کی اجازت مانگی: فرمایا تھا: کیا وہ بدری صحابی نہیں؟

(۱) فرقان: مصدر: دو چیزوں کو الگ الگ کرنا، فَرَق بين الخصوم: لڑنے والوں کا فیصلہ کرنا (۲) أثبت فلانا: قید کرنا، باندھنا۔

پھر فرمایا: ''شاید اللہ تعالیٰ بدریوں کے احوال سے واقف ہو گئے جو فرمایا: تم جو چاہو کرو یقیناً تمہارے لئے جنت ثابت ہو گئی یا فرمایا: یقیناً میں نے تمہاری بخشش کر دی!'' (بخاری حدیث ۳۹۸۳) —— یہ بات اسی آیت سے مستفاد تھی —— اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے زمانہ میں جلاّد کا کام کرتے تھے، اس لئے انھوں نے قتل کی اجازت مانگی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کا عرف ''عمر سیّاف'' پڑ گیا تھا، بعض مسلمان اپنے بچوں کا یہ نام بھی رکھتے ہیں۔

۳- آخرت میں اللہ تعالیٰ بدری مجاہدین کو اپنی بڑی مہربانی میں ڈھانک لیں گے، وہ بڑے فضل والے ہیں!

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے —— یعنی ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے —— تو وہ تمہارے لئے فیصلہ گردانیں گے —— یعنی ایسے واقعات پیش آئیں گے جو تمہارے برحق ہونے کی دلیل ہونگے —— اور تم سے تمہاری برائیاں مٹائیں گے اور تمہاری بخشش فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑی مہربانی والے ہیں!

مکہ سے مدینہ کی طرف نبی ﷺ کی ہجرت: ایک فیصلہ کن واقعہ

گذشتہ آیت میں بدری صحابہ کو جو تین بشارتیں سنائی ہیں ان میں پہلی بشارت ''فرقان'' ہے، یعنی ایسے واقعات پیش آئیں گے جو اسلام کے برحق ہونے کی دلیل ہونگے، اب اس کی تین مثالیں دیتے ہیں، پھر مشرکین کے خلجانات کے جوابات ہیں —— قاتلوں کے نرغہ سے نکال کر بسلامت نبی ﷺ کو مدینہ منورہ پہنچانا اسلام کی حقانیت اور آپؐ کی صداقت کا ایک فیصلہ کن واقعہ ہے، دیکھو جو دیدۂ عبرت پذیر ہو!

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں دعوت کے لئے ماحول کچھ زیادہ سازگار نہیں رہا تھا، بہت سے مسلمان نبی ﷺ کے حکم سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، خود نبی ﷺ حج کے موقع پر مختلف قبائل کے سامنے خود کو پیش کرتے تھے کہ وہ آپؐ کو ٹھکانہ دیں، تاکہ آپؐ ان کی پناہ میں دعوت کا کام جاری رکھ سکیں، مگر کسی طرف سے خاطر خواہ جواب نہیں ملا، یہاں تک کہ مدینہ کے حضرات نے بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ کی، تو امید کی ایک کرن نظر آئی، پھر نبی ﷺ کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھلائی گئی، جگہ کا نام نہیں بتلایا گیا، صرف اتنا دکھلایا کہ آپؐ ایک نخلستان (کھجوروں والی سرزمین) کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں، آپؐ کا خیال یمامہ کی طرف اور بحرین کے ہجر مقام کی طرف گیا، پھر وحی کے ذریعہ مدینہ منورہ کی تعیین کی گئی تو آپؐ نے صحابہ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، چنانچہ صحابہ نے اُرسالاً و اجتماعاً ہجرت شروع کر دی اور مکہ میں صرف پھنسے ہوئے صحابہ باقی رہ گئے، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ میں سوائے ابوبکر صدیق اور

حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کوئی باقی نہ رہا۔

قریش نے جب دیکھا کہ صحابہ رفتہ رفتہ ہجرت کر کے مدینہ جا رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی آج کل میں جانے والے ہیں، تو سردارانِ قریش مشورہ کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ ابلیس بھی ایک شیخ جلیل کی صورت میں عبا پہنے اس مجلس میں شریک ہوا، اس مجلس میں رائیں پیش ہونے لگیں: ابوالاسود نے یہ تجویز پیش کی کہ محمد (ﷺ) کو شہر بدر کر دیا جائے، پھر ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ رہے گا اور ہمارا معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ شیخ نجدی (ابلیس) نے اس کی تردید کی، پس ابوالبختری نے کہا: اسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دو اور دروازہ باہر سے بند کر دو، پھر اس کے انجام (موت) کا انتظار کرو، شیخ نجدی نے یہ تجویز بھی پسند نہ کی، اس نے کہا: محمد کے پیرو کار ہلّہ بول دیں گے اور اس کو قید سے نکال دیں گے، تب ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ ہر قبیلہ سے ایک جوان منتخب کیا جائے جو یکبارگی وار کرے اور اس کو قتل کر دیں، پس بنو عبد مناف سب قبائل سے جنگ نہ کر سکیں گے اور معاملہ دیت پر ٹھہرے گا جو ادا کر دی جائے گی، شیخ نجدی نے اس تجویز کو سراہا اس نے کہا: یہ ہے تجویز! نہ بانس رہے نہ بانسری! پس یہ تجویز پاس ہو گئی، اور یہ بھی طے ہوا کہ آج رات ہی یہ کارروائی ہو جانی چاہئے۔

اُدھر وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اِدھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور نبی ﷺ کو ہجرت کی اجازت دی، نبی ﷺ عین دوپہر کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور فرمایا: مجھ کو ہجرت کی اجازت مل گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میری رفاقت؟ آپؐ نے فرمایا: تم بھی ساتھ چلو گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرطِ مسرت میں رو پڑے، چنانچہ جب رات آئی اور مشرکین نے آپؐ کے گھر کا گھیرا ڈال دیا تو آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی چارپائی پر سلا کر مشرکین کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جبلِ ثور کا راستہ لیا، اور وہاں جا کر ایک غار میں چھپ گئے، تین دن کے بعد غار سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور بسلامت مدینہ پہنچ گئے۔

غور کرو! آپؐ کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب وخاسر رہے، پھر جنھوں نے آپؐ کے قتل کی تجویز پاس کی تھی سب بدر میں کیفر کردار کو پہنچے، کیا یہ واقعہ فرقان (فیصلہ کن واقعہ) نہیں ہے؟

﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰ ﴾

ترجمہ: اور (اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے) جب کافر لوگ آپؐ کی نسبت تدبیریں سوچ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید

کردیں، یا آپؐ کو قتل کردیں، یا آپؐ کو شہر بدر کردیں، اور وہ اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کررہے تھے، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں! —— پس انہیں کی تدبیر کامیاب رہی!

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

وَاِذَا	اور جب	اِنْ هٰذَآ	نہیں ہیں یہ	مِنْ عِنْدِكَ	آپ کے پاس سے
تُتْلٰى	پڑھی جاتی ہیں	اِلَّآ	مگر	فَاَمْطِرْ	پس برسائیں آپ
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	اَسَاطِيْرُ	مذہبی جھوٹی داستانیں	عَلَيْنَا	ہم پر
اٰيٰتُنَا	ہماری آیتیں	الْاَوَّلِيْنَ	گذشتہ لوگوں کی	حِجَارَةً	پتھر
قَالُوْا	(تو) کہا انھوں نے	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے
قَدْ سَمِعْنَا	تحقیق سنا ہم نے	قَالُوا	کہا انھوں نے	اَوِ ائْتِنَا	یا آئیں آپ ہمارے
لَوْ نَشَآءُ	اگر چاہیں ہم	اللّٰهُمَّ	اے اللہ		پاس
لَقُلْنَا	(تو) ضرور کہیں ہم	اِنْ كَانَ	اگر ہے	بِعَذَابٍ	عذاب کے ساتھ
مِثْلَ	مانند	هٰذَا	یہ (دین)	اَلِيْمٍ	دردناک
هٰذَآ	اس (قرآن) کے	هُوَ الْحَقَّ	وہی برحق	❁	❁

قرآنِ کریم فیصلہ کُن کتاب ہے (دوسری مثال)

قرآنِ کریم فرقان (فیصلہ کن کتاب) ہے، اس کا نزول حق وباطل کا فیصلہ کرنے کے لئے ہوا ہے، وہ نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے، مشرکین مکہ کو بار بار چیلنج دیا گیا کہ سب مل کر اس جیسا ایک ٹکڑا بنالاؤ، نضر بن الحارث نے اس کا جواب دیا: ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں، اس میں گذشتہ قوموں کی مذہبی جھوٹی داستانوں کے سوا ہے کیا! —— پھر انھوں نے چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا: میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں امریکہ پہنچ سکتا ہے، مگر چلتا نہیں! اور چلے گا بھی نہیں! حالانکہ سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی ایک بات پر موقوف تھا، مگر ان سے یہ چیلنج اٹھ نہ سکا!

فائدہ: قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ اللہ کی کتابیں تھیں، کلام نہیں تھیں،

کتاب کے معنی ہیں: خط، اور خط دوسرے سے بھی لکھواسکتے ہیں، گذشتہ کتابیں فرشتہ کا کلام تھیں یا پیغمبروں کا، جیسے احادیث شریفہ وحی ہیں، مگر کلام نبی ﷺ کا ہیں، اسی لئے نماز میں احادیث پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، نماز اللہ کی عبادت ہے، اس لئے اس میں اللہ ہی کا کلام پڑھنا ضروری ہے، اور کلامُ الملوک ملوک الکلام: شاہوں کا کلام کلاموں کا شاہ ہوتا ہے، اس لئے اللہ کا کلام معجز ہے، اس کے مانند کوئی نہیں بنا سکتا، پس وہ فرقانِ حمید ہے!

نوٹ: یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ نے براہین قاسمیہ صفحہ ۱۱۵ میں فرمائی ہے، اور وہاں سے تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری کی نویں جلد کے شروع میں نقل کی ہے۔

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱ ﴾

ترجمہ: اور جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام بنا سکتے ہیں، یہ تو گذشتہ قوموں کی جھوٹی داستانیں ہی ہیں!

کفار کا مانگا ہوا فیصلہ بدر میں سامنے آگیا (تیسری مثال)

مشرکینِ مکہ بطور عناد (مخالفت) کہتے تھے: الٰہی! اگر یہ دین واقعی برحق دین ہے، اور آپ نے نازل فرمایا ہے اور ہم شد و مد سے اس کی تکذیب کر رہے ہیں تو ہمیں سخت سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ دیر کیوں ہے! گذشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسایا جاتا؟ یا کسی اور عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ ہمیں جڑ سے اکھاڑ دیں تو ہم سمجھیں کہ یہی دین برحق ہے!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے مانگا تھا اس کو اپنی آنکھوں سے بدر میں دیکھ لیا، پس بدر کا دن بھی یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) ہے، بدر میں کفار کے ستّر سردار مارے گئے اور ستر سردار ناک رگڑ کر قید میں آئے، اس طرح وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوئے، پس یہ واقعہ فیصلہ کن ہے، عقل ہو تو عبرت حاصل کرو!

﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲ ﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب انھوں نے کہا: اے اللہ! اگر یہ دین ہی برحق دین ہے! آپ کے پاس سے (آیا ہے) تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائیں، یا ہمیں دردناک عذاب سے دوچار کریں! ـــــ ان کی یہی دعا بدر میں پوری ہوئی!

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۚ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

وَمَا	اور نہیں	يُعَذِّبَهُمْ	سزادیں ان کو	وَلٰكِنَّ	لیکن
كَانَ اللّٰهُ	تھے اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر
لِيُعَذِّبَهُمْ	کہ سزادیتے ان کو	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	لَا يَعْلَمُوْنَ	جانتے نہیں
وَاَنْتَ	درانحالیکہ آپ	يَصُدُّوْنَ	روکتے ہیں	وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے
فِيهِمْ	ان میں ہیں	عَنِ الْمَسْجِدِ	نماز کی جگہ سے	صَلَاتُهُمْ	ان کی نماز
وَمَا	اور نہیں	الْحَرَامِ	محترم	عِنْدَ الْبَيْتِ	اللہ کے گھر کے پاس
كَانَ اللّٰهُ	تھے اللہ تعالیٰ	وَمَا كَانُوْٓا	اور نہیں ہیں وہ لوگ	اِلَّا مُكَآءً (۲)	مگر سیٹیاں
مُعَذِّبَهُمْ	سزادینے والے ان کو	اَوْلِيَآءَهٗ (۱)	اس کے متولی	وَّتَصْدِيَةً (۳)	اور تالیاں
وَهُمْ	درانحالیکہ وہ	اِنْ	نہیں (ہیں)	فَذُوْقُوا	پس چکھو
يَسْتَغْفِرُوْنَ	معافی مانگ رہے ہوں	اَوْلِيَآؤُهٗٓ	اس کے متولی	الْعَذَابَ	سزا
وَمَا لَهُمْ	اور کیا (مانع) ہے ان کیلئے	اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ	مگر پرہیزگار (شرک	بِمَا كُنْتُمْ	بایں وجہ کہ ہو تم
اَلَّا	کہ نہ		سے بچنے والے)	تَكْفُرُوْنَ	اسلام کا انکار کرتے

کفارِ قریش کا بدر میں لا کر بھرتا کیوں کیا؟

سوال: ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کفار مکہ کو مکہ مکرمہ میں سزا کیوں نہیں دی، بدر میں لا کر ان کو سزا کیوں دی؟

(۱) أولیاء: ولی کی جمع ہے، یہاں اس کے معنی ہیں: کارساز، مختار اور متولی۔ (۲) مُكاءً: مصدر باب نصر: مَكَا يَمْكُوْ مُكَاءً: منہ سے سیٹی بجانا، دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی جالی بنا کر منہ سے اس میں پھونکنا تا کہ آواز پیدا ہو (۳) تصدية: مصدر باب تفعیل: صَدّٰی بيدَيه تصدية: دونوں ہاتھوں سے تالی بجانا۔

جواب: کفر واسلام کی کش مکش کے نتیجہ میں جو عذاب آتا ہے: اس کے لئے سنتِ الٰہی یہ ہے کہ جب رسول وہاں سے نکل جاتے ہیں اور مؤمنین بھی کفار سے علاحدہ ہوجاتے ہیں: تب عذاب آتا ہے، جیسے لوط علیہ السلام جب عیال کے ساتھ رات کے پچھلے پہر بستی سے نکل گئے تب فرشتوں نے زمین تلپٹ کردی، اسی طرح نبی ﷺ جب کسی بستی پر چڑھائی کرتے تھے تو رات میں وہاں پہنچ جاتے تھے، اور فجر میں اذان کی آواز سنتے تھے، اگر آواز نہ آتی تو نماز کے بعد حملہ کرتے، اور اذان کی آواز آتی تو مسلمانوں کو کفار سے علاحدہ ہوجانے کا موقع دیتے پھر حملہ کرتے۔

اس سنت کے مطابق جب تک نبی ﷺ مکہ میں تھے، ہجرت نہیں فرمائی تھی، عذاب نہیں آیا، پھر آپؐ کی ہجرت کے بعد کمزور مسلمان مکہ میں پھنسے ہوئے تھے، جو اللہ تعالیٰ سے شرک کی معافی طلب کرتے رہتے تھے، وہ کافروں سے الگ نہیں ہوئے تھے: اس لئے کفار کو مکہ میں سزا نہیں دی، ان کو مسلمانوں سے جدا کرکے بدر میں نکال لائے، پھر وہاں ان کو سزا دی۔

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳ ﴾

ترجمہ: اور نہیں تھے اللہ تعالیٰ کہ ان کو سزا دیتے درانحالیکہ آپؐ ان میں ہوں، اور نہیں تھے اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے والے درانحالیکہ وہ (شرک کی) معافی مانگ رہے ہوں! —— عذاب آتا ہے تو سبھی پر آتا ہے، کمزور مسلمان بھی پس جائیں گے، اس لئے جب تک ان مسلمانوں کو الگ نہ کیا جائے عذاب نہیں آتا۔

مکہ میں بھی سببِ عذاب متحقق تھا، مگر مذکورہ مصلحت سے وہاں ان کو سزا نہیں دی

مکہ مکرمہ میں عذاب کا نہ آنا، ان دو سبب سے تھا جو اوپر مذکور ہوئے، اگر وہ دو باتیں نہ ہوتیں تو فوراً عذاب آجاتا۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ مکہ کے مسلمانوں کو کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، وہ بیچارے دارارقم میں نماز پڑھتے تھے، اور اگر کوئی اکا دکا کعبہ کے پاس نماز پڑھتا تو اس کی سخت پٹائی کرتے، حضرت عمر اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما کو مار مار کر نیم جان کردیا تھا، انھوں نے نبی ﷺ کو بھی نہیں بخشا، بخاری شریف میں روایت (نمبر ۲۴۰) ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی ﷺ بیت اللہ شریف کے قریب نماز پڑھ رہے تھے، اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے تھے، اچانک ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلہ کی اونٹنی کا میل لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدے میں جائیں تو اس کو ان کی پیٹھ پر رکھ دے؟ پس ان میں سے نہایت بدبخت (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور میل لے آیا، اور انتظار میں رہا، یہاں تک کہ جب آپؐ نے سجدہ فرمایا تو اس میل کو آپؐ کی پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دیا (ابن مسعودؓ کہتے ہیں) اور میں یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا، مگر میں کچھ نہیں کرسکتا تھا کاش مجھے قوت حاصل ہوتی! ابن مسعودؓ کہتے ہیں: پس وہ سب ہنسنے لگے، اور ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ اور آپ سجدے میں پڑے رہے،

آپؐ نے سر نہیں اٹھایا، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپؐ کی پیٹھ سے میل کو الگ کیا (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیٹی اور بچی تھیں وہ بد بخت ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے، اور حضرت ابن مسعودؓ کی پٹائی کر دیتے اس لئے وہ کچھ نہ کر سکے) پھر آپؐ نے سر اٹھایا اور بددعا فرمائی: اے اللہ! قریش کو پکڑ لے اور یہ بددعا تین مرتبہ فرمائی۔ یہ بددعا ان پر بہت بھاری ہوئی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: وہ جانتے تھے کہ بیت اللہ کے قریب دعا قبول کی جاتی ہے پھر آپؐ نے نام بنام بددعا فرمائی، اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، اور عتبہ بن ربیعہ کو، شیبہ بن ربیعہ کو، ولید بن عتبہ کو، امیہ بن خلف کو اور عقبہ بن ابی مُعیط کو۔ ابواسحاق کہتے ہیں: عمرو بن میمون نے ساتویں کا نام لیا مگر ہمیں وہ یاد نہ رہا (وہ عمارۃ بن الولید تھا) ابن مسعودؓ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے ان سب کو جن کے نام نبی ﷺ نے لئے تھے، بدر کے کنویں میں پچھڑے ہوئے دیکھا۔

اور ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ اس ظلم وستم کے جواز کے لئے دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہم حرم شریف کے بااختیار متولی ہیں، جسے چاہیں آنے دیں، جسے چاہیں روک دیں، یہ ہمارا حق ہے، حالانکہ اول تو متولی کو بھی یہ حق نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز اور عبادت سے روکے، دوسرے: ان کو حق تولیت پہنچتا بھی نہیں تھا، وہ مشرک اور کافر تھے، متولی غیر مسلم نہیں ہوسکتا، اور وہ جو متولی بنے بیٹھے تھے وہ تغلُّب (زبردستی) تھا، متولی تو پرہیزگار مسلمان ہی کو ہونا چاہئے، اور وہی آگے ہونگے، مگر وہ اپنی جہالت سے آئندہ کے احوال جانتے نہیں۔

﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ ﴾

ترجمہ: اور ان کے لئے کیا مانع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو (مکہ میں) سزا نہ دیں؟ حالانکہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں! اور وہ اس کے متولی نہیں (جو ان کو روکنے کا حق ہو) اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں، لیکن ان کے اکثر (یہ بات) سمجھتے نہیں!

مشرکین مکہ کو کعبہ کی تولیت پر گھمنڈ تھا

کعبہ شریف کی تولیت ایک بڑا دینی اعزاز تھا، تمام عربوں پر اس کی چھاپ تھی، عرب اسی کو برحق سمجھتے تھے جس کا کعبہ پر قبضہ ہو، قریش خود کو مسجدِ حرام کا خود مختار متولی سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مشرکین مکہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہم خانۂ کعبہ کے متولی ہیں؟ ذرا وہ اپنی نماز کا حال دیکھیں! وہ نماز میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں، اصلی نمازیوں کو تو مسجد حرام سے روکتے ہیں، اور خود نماز کا تماشہ بناتے ہیں، اس لئے اب بدر میں اپنے کفر کا مزہ چکھیں —— اور نماز میں کس طرح سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے؟ یہ بات مروی نہیں، جیسے بدعتی قوالی میں کودتے ہیں اور ہندو مندر میں گھنٹہ بجاتے ہیں: ایسی

کوئی صورت ہوگی۔

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ ﴾

ترجمہ: اور ان کی نماز خانۂ کعبہ کے پاس صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہے، پس اپنے کفر کے سبب سے عذاب کا مزہ چکھو!

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

ع ۱۸ ۹

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جن لوگوں نے	ثُمَّ تَكُونُ	پھر ہوگا	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ
كَفَرُوا	اسلام کا انکار کیا	عَلَيْهِمْ	ان پر	الْخَبِيثَ	ناپاک کو
يُنْفِقُونَ	خرچ کرتے ہیں وہ	حَسْرَةً	پچھتاوا	مِنَ الطَّيِّبِ	پاک سے
أَمْوَالَهُمْ	اپنے اموال	ثُمَّ يُغْلَبُونَ	پھر ہاریں گے وہ	وَيَجْعَلَ	اور کریں وہ
لِيَصُدُّوا	تاکہ روکیں وہ	وَالَّذِينَ	اور جن لوگوں نے	الْخَبِيثَ	ناپاک کو
عَنْ سَبِيلِ	راہ سے	كَفَرُوا	اسلام کو قبول نہیں کیا	بَعْضَهُ	اس کے ایک کو
اللَّهِ	اللہ کی	إِلَىٰ جَهَنَّمَ	دوزخ کی طرف	عَلَىٰ بَعْضٍ	دوسرے پر
فَسَيُنْفِقُونَهَا	پس اب خرچ کریں گے وہ ان کو	يُحْشَرُونَ	جمع کئے جائیں گے	فَيَرْكُمَهُ (۱)	پھر تہہ بہ تہہ کردیں اس کو
		لِيَمِيزَ	تاکہ جدا کریں		

(۱) رَكَمَ يَرْكُمُ رَكْمًا (ن) تہہ بہ تہہ کرنا، بنڈل بنانا، جیسے: سحاب مرکوم: تہہ بہ تہہ بادل، اور حَشْر کا حاصل پاس پاس کرنا ہے اور رَکْم کا حاصل بالکل ملا دینا ہے۔

جَمِيعًا	اکٹھا (ایک ساتھ)	فِي جَهَنَّمَ	دوزخ میں	الْخَسِرُونَ	گھاٹا پانے والے
فَيَجْعَلَهُ	پس کردیں وہ اس کو	أُولَٰئِكَ هُمُ	یہی لوگ		ہیں

قریش کو اپنی دولت پر بھی گھمنڈ تھا

قریش کو تولیتِ کعبہ کی طرح قومی دولت پر بھی ناز تھا، تولیت ان کا دینی اعزاز تھا اور قوم کا سرمایہ ان کا فخر تھا۔ نبی ﷺ کے ساتھ جو چند حضرات تھے وہ کنگلے تھے، ان کی کوئی مالی حیثیت نہیں تھی، اور قریش ایک بڑی قوم تھی، ان کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی، پھر ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بڑی دولت کے ساتھ لوٹا تھا، اس میں ایک ہزار اونٹ تھے، جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دوسو ساڑھے باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا سامان بار کیا ہوا تھا، وہ سارا سرمایہ ارباب اموال نے بدر میں جو سردار مارے گئے تھے ان کا بدلہ لینے کے لئے روک لیا تھا، اور اسی سے تیاری کر کے اُحد میں مدینہ پر چڑھ آئے تھے، انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اپنی دولت کے ذریعہ لوگوں کو اسلام سے روک دیں گے —— ان آیات میں اس سلسلہ میں گفتگو ہے۔

پہلے ایک عام بات بیان فرمائی ہے کہ اسلام کے مخالف لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے بے دریغ اپنا مال خرچ کرتے ہیں، یہود و نصاریٰ وغیرہ بے حساب دولت خرچ کرتے ہیں کہ لوگ اسلام کو قبول نہ کریں، وہ جاہل قلاش مسلمانوں کو مال کا لالچ دے کر اسلام سے پھیر دیتے ہیں۔

پھر قریش کا حال بیان کیا ہے کہ وہ بھی اپنی دولت اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے خرچ کریں گے، مگر اس کا انجام صفر ہوگا، وہ آخر میں کفِ افسوس ملیں گے، اور اس کے بعد ان کی قسمت میں مغلوبیت (ہار) ہے، غزوۂ احد اور احزاب میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی، وہ پاؤں جھاڑتے ہاتھ ملتے خائب و خاسر لوٹ گئے، پھر فتح مکہ پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

یہ تو ان کا دنیا میں حال ہوگا، اور آخرت میں وہ دوزخ کے پاس جمع کئے جائیں گے، پھر ان کے بنڈل بتائے جائیں گے، پھر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، یہ انھوں نے دنیا کی طرح آخرت میں بھی گھاٹا پایا۔

آخرت میں اسلام قبول کرنے والے پاک لوگوں کو اسلام قبول نہ کرنے والے گندے لوگوں سے جدا جدا کر دیا جائے گا، اہل اسلام جنت میں پہنچائے جائیں اور اہل کفر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

اس دنیا میں تو انسانوں کا رَل گڈا ہے، مؤمن و کافر ملے جلے ہیں، اور حق پر پردہ پڑا ہوا ہے، مگر آنے والی دنیا میں یہ صورت نہیں ہوگی، دانہ اور بھوس الگ کر دیا جائے گا، دانہ کوٹھی میں جائے گا جس کو انسان کھائیں گے اور بھوس باڑے میں ڈالا جائے گا، جس کو جانور کھائیں گے، اگرچہ کھیت میں سب ملا جلا ہوتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: بلاشبہ کافر لوگ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے روکیں —— یہ عام بات ہے

—— پس عنقریب وہ —— یعنی مکہ کے کافر —— اپنے مالوں کو خرچ کریں گے، پھر وہ (اموال خرچ کرنا) ان کے حق میں پچھتاوا ہوگا، پھر وہ ہاریں گے!

اور کفار کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا، تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے جدا کردیں، اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا کر متصل کردیں، پھر ان کو جہنم میں ٹھونس دیں، یہی لوگ (دارین میں) خسارے میں رہنے والے ہیں!

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

قُلْ	کہہ دو	سُنَّتُ	برتاؤ	بِمَا	ان کو جو
لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جنھوں نے	الْاَوَّلِيْنَ	اگلوں کے ساتھ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کریں گے
كَفَرُوْٓا	اسلام کو قبول نہیں کیا	وَقَاتِلُوْهُمْ	اور لڑو تم ان سے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہیں
اِنْ يَّنْتَهُوْا	اگر وہ باز آجائیں	حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَاِنْ	اور اگر
يُغْفَرْ	(تو) معاف کردیا جائے گا	لَا تَكُوْنَ	نہ رہے	تَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
لَهُمْ	ان کے لئے	فِتْنَةٌ	فساد (دنگا)	فَاعْلَمُوْٓا	تو جان لو
مَّا	جو	وَّيَكُوْنَ	اور ہوجائے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
قَدْ	تحقیق	الدِّيْنُ	دین	مَوْلٰىكُمْ	تمہارے حمایتی ہیں
سَلَفَ	پہلے گذر چکا	كُلُّهٗ	سارا	نِعْمَ	کیا خوب ہیں وہ
وَاِنْ يَّعُوْدُوْا	اور اگر لوٹیں وہ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	الْمَوْلٰى	حمایتی!
فَقَدْ	تو تحقیق	فَاِنِ انْتَهَوْا	پس اگر باز آجائیں وہ	وَنِعْمَ	اور کیا خوب ہیں وہ
مَضَتْ	ہو چکا ہے	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	النَّصِيْرُ	مددگار!

قریش کو اسلام کی دعوت، اور بصورت انکار تباہی کی وارننگ

ان آیات پر کفار مکہ سے گفتگو مکمل ہورہی ہے، آخر میں ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر اب بھی یعنی بدر میں برسرپیکار ہونے کے بعد بھی تم کفروعناد اور عداوتِ اسلام سے باز آجاؤ، اور دین اسلام کو قبول کرلو تو اب تک تم نے اسلام کے خلاف جو حرکتیں کی ہیں، اور سب سے بڑی حرکت یہ کی ہے کہ بدر میں اسلام کے خلاف برسرپیکار ہوئے: وہ سب معاف کردیا جائے گا، اور اگر نہیں تو سن لو جس طرح گذشتہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے تباہ وبرباد ہوئے ہیں تم بھی صفحۂ ہستی سے مٹادیئے جاؤ گے۔

﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸ ﴾

ترجمہ: آپ ان لوگوں سے جنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا کہہ دیں: اگر وہ باز آجائیں (اور اسلام کو قبول کرلیں) تو ان کے لئے ان کی گذشتہ حرکتیں معاف کردی جائیں گی، اور اگر وہ دوبارہ حرکت کریں گے تو اگلوں کے ساتھ برتاؤ ہوچکا ہے —— وہی برتاؤ ان کے ساتھ بھی ہوگا۔

جہاد فساد روکنے کے لئے ہے، جب فساد برپا ہو تو جہاد ضروری ہے

جہاد کا اولیں مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مطمئن ہوکر اللہ کی زمین میں اللہ کی عبادت کریں، اور جہاد اقدامی بھی ہوتا ہے، دفاعی بھی اور اتفاقی بھی، بدر کی جنگ اتفاقی تھی، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں جنگ کی دو بنیادیں بیان کی ہیں:

① دفاع کے لئے: جب درندہ صفت لوگ حملے کرتے ہیں، لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، ان کے اہل وعیال کو قید کرکے لے جاتے ہیں، ان کی عزت کی دھجیاں اڑاتے ہیں اور لوگوں کا ناک میں دم کردیتے ہیں تو خلیفہ کے لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ لوگوں سے ضرر ہٹانے کے لئے تلوار اٹھائے اور دشمنوں کا منہ کیل دے، ہاتھ توڑ دے اور پاؤں اکھاڑ دے۔ بنی اسرائیل جب اس قسم کے حالات سے دوچار ہوئے تھے تو انھوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردیجئے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۶)

② اقدامی طور پر: جب خواہش پرست اور درندہ صفت لوگ بدراہی اختیار کرتے ہیں، زمین میں اُدھم مچاتے ہیں اور اللہ کی زمین کو فتنہ سے بھر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے توسط سے یا براہ راست خلیفہ کو الہام فرماتے ہیں کہ وہ ان شر

پسندوں کی شوکت کو توڑ دے اور ان لوگوں کو تہ تیغ کر دے جن کی اصلاح کی قطعاً کوئی امید نہیں ہے، جو انسانوں میں سڑا لگے ہوئے عضو کی طرح ہیں، جس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی مصلحت ہے۔

ان آیاتِ پاک میں مؤمنین سے خطاب ہے کہ تم مخالفین اسلام سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ وفساد باقی نہ رہے، اور دین سارا اللہ کے لئے ہو جائے، یعنی مسلمان جہاں بھی ہوں صرف اللہ کی عبادت کر سکیں، پھر جب کفار: اسلام دشمنی سے باز آجائیں اور مسلمانوں کو پریشان کرنا چھوڑ دیں تو ہاتھ روک لو، اور دیکھتے رہو کہ آئندہ کفار کا طرزِ عمل کیا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ تو ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں۔

پھر اگر وہ سلامت روی چھوڑ دیں، اور دوبارہ دنگا فساد مچائیں تو تم پھر ان کی سرکوبی کے لئے ہتھیار اٹھا لو، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو، ان سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے حمایتی ہیں، اور وہ بہترین کارساز اور مددگار ہیں۔

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم ان سے یہاں تک لڑو کہ فساد باقی نہ رہے، اور دین سارا اللہ کے لئے ہو جائے —— یہاں دین سے مراد عبادت ہے، مسلمان ہر جگہ اطمینان سے اللہ کی عبادت کر سکیں —— پھر اگر وہ (فساد سے) رک جائیں —— تو تم بھی جہاد سے رک جاؤ، اور آگے ان کا طرزِ عمل کیسا رہے گا؟ اس کو دیکھتے رہو —— پس بے شک اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں ان کاموں سے جو وہ (آگے) کریں گے۔

اور اگر وہ روگردانی کریں —— اور پھر دنگا فساد شروع کر دیں —— تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حامی ہیں —— یعنی تم جہاد شروع کرو —— وہ کیا خوب حامی ہیں؟ اور کیا خوب مددگار! —— یعنی ان کی مدد سے تم پالا مار لو گے!
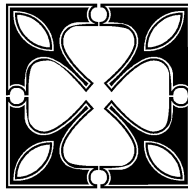
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱

وَاعْلَمُوْٓا (۱)	اور جان لو	وَالْيَتٰمٰى	اور یتیموں	يَوْمَ	دن
اَنَّمَا	تحقیق جو	وَالْمَسٰكِيْنِ	اور غریبوں	الْفُرْقَانِ	فیصلہ کے
غَنِمْتُمْ	لڑکر حاصل کیا تم نے	وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور مسافروں کے لئے	يَوْمَ (۴)	جس دن
مِّنْ شَيْءٍ	کوئی بھی چیز	اِنْ كُنْتُمْ (۲)	اگر ہو تم	الْتَقَى	مقابل ہوئے
فَاَنَّ	پس تحقیق	اٰمَنْتُمْ	ایمان رکھتے	الْجَمْعٰنِ	دو لشکر
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	بِاللّٰهِ	اللہ پر (تو یہ بات جان لو)	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
خُمُسَهٗ	اس کا پانچواں	وَمَآ (۳)	اور اس پر جو	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
وَلِلرَّسُوْلِ	اور رسول کے لئے	اَنْزَلْنَا	اتارا ہم نے	قَدِيْرٌ	قادر ہیں
وَلِذِي الْقُرْبٰى	اور رشتہ داروں کے لئے	عَلٰى عَبْدِنَا	ہمارے بندے پر	۞	۞

ربط: سورت کے شروع میں انفال کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ اللہ کا اور اللہ کے رسول کا ہے، مؤمنین کے درمیان اس کے سلسلہ میں نزاع واقع نہ ہو، پھر مؤمنین کے اوصاف بیان ہوئے تھے، پھر دوسری باتیں شروع ہوگئی تھیں، اور بہت سی باتیں مؤمنین کو مخاطب بنا کر کافروں کو سنائی تھیں، وہ سلسلۂ بیان پورا ہوا، اب پھر شروع سورت کی طرف لوٹتے ہیں، اور مالِ غنیمت کے خمس کے مصارف بیان کرتے ہیں، باقی چار اخماس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں نہیں ہے، احادیث میں

(۱) ترکیب: اعلموا: فعل بافعل...... أنما: دو حرف ہیں، أنَّ: حرف تحقیق (حرف مشبّہ بالفعل) اور ما: موصولہ، إمام (مصحف عثمانی) میں دونوں کو ساتھ لکھا گیا ہے، اور بعض مصاحف میں علاحدہ علاحدہ لکھا گیا ہے (جمل) ...... اور ما موصولہ کا عائد محذوف ہے أی ما غنمتم به......اور من شیئ: ما کا بیان ہے......پھر جملہ اعلموا کا مفعول بہ ہے......أن للّٰه: مبتدا محذوف کی خبر ہے، أی فحکمه أن اور للّٰه خبر مقدم ہے اور خُمُسَه: اسم مؤخر ہے......اور للرسول اور لذی القربی: للّٰه پر معطوف ہیں باعادۂ حرفِ جر اور باقی تین کا بھی اسی پر عطف ہے، حرفِ جر لوٹائے بغیر، اس لئے کہ پہلے تین مصارف ساقط ہونے والے تھے اور بعد کے تین باقی رہنے والے تھے۔ (۲) إن کنتم آمنتم کی جزاء پوشیدہ ہے، أی فاعلموا ذلک (جلالین) (۳) ما کا عطف اللہ پر ہے أی وبما (۴) یوم التقی: پہلے یوم سے بدل ہے۔

ہے، وہ مجاہدین کا حق ہیں، وہ نبی ﷺ نے فوج میں تقسیم فرمادیئے، پیدل کو ایک حصہ اور گھوڑ سوار کو دو تین حصے عنایت فرمائے، اس لئے کہ اس زمانہ میں حکومت کے پاس فوج نہیں تھی، ہر شخص لڑنا جانتا تھا اور اس کے پاس ہتھیار بھی تھے، اس لئے چونکہ ان کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی تھی، رضا کارانہ لڑتے تھے اس لئے غنیمت کے چار اخماس ان کا حق قرار دیئے گئے ہیں۔

غنیمت اور فئ: غَنِمَ الشیئَ (س) غَنْمًا: غازی کا مالِ غنیمت حاصل کرنا، جنگ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال۔ اور فئ: بلا جنگ حاصل ہونے والا مال، اس میں مجاہدین کا حصہ نہیں ہوتا، صرف غنیمت کے چار اخماس ان کا حق ہیں، اور مالِ غنیمت کے خمس اور مالِ فئ کے مصارف ایک ہیں، خمس کے مصارف کا بیان یہاں ہے، اور فئ کے مصارف کا بیان سورۃ الحشر (آیت ۷) میں ہے، تفصیل ہدایت القرآن (۸: ۲۲۳) میں ہے۔

غنیمت اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے

گذشتہ امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی، صرف اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے اور اس کی حکمت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے علاوہ تمام انبیاء کی بعثت مخصوص علاقہ اور مخصوص قوم کے لئے تھی، اس لئے ان کا جہاد وقتی تھا، اور نبی ﷺ کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے آپؐ کی امت میں ہمیشہ جہاد جاری رہے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی ضرورت کے پیش نظر غنیمت کو حلال کیا ہے۔

بہ الفاظ دیگر: غنیمت میں اصل حلال نہ ہونا ہے تا کہ جو جہاد کرے اخلاص کے ساتھ کرے، اگر غنیمت حلال ہوگی تو غنیمت کے لالچ میں لوگ جہاد کریں گے، مگر امت محمدیہ کے لئے ایک مجبوری تھی، اس وجہ سے ان کے لئے غنیمت حلال کی گئی۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ گذشتہ امتوں کا جہاد معینہ مدت، معین قوم اور معین علاقہ تک محدود تھا کیونکہ ان انبیاء کی بعثت مخصوص قوم اور مخصوص علاقہ کے لئے تھی، اس لئے ان کا جہاد وقتی تھا، اور مجاہدین کے پاس کمانے کھانے کا وقت رہتا تھا، اس لئے غنیمت کو حلال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر اس امت کی صورت حال دوسری ہے، ان کا جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اور قیامت تک جاری رہے گا، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی بعثت ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے، اس وجہ سے اس امت کے لئے غنیمت حلال کی گئی تا کہ سال بھر اور ہمیشہ جہاد جاری رہ سکے اور مجاہدین کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔

مالِ غنیمت کے پانچویں حصہ کے مصارف

خمس اور فئ کے مصارف ایک ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ تبرکاً باقی مصارف کی دلداری کے لئے ہے، تا کہ وہ اس

مال کو بھیک کا لقمہ نہ سمجھیں۔

دوسرا مصرف: اللہ کے رسول ﷺ ہیں، آپؐ اس میں سے اپنی ازواج کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے، اور باقی مال مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے، پس آپؐ قاسم (بانٹنے والے) بھی تھے، یہ اموال آپؐ کی تحویل میں تھے، آپؐ ان کے مالک نہیں تھے، آپؐ کی وفات پر یہ مصرف ختم ہو گیا، اب یہ مال حکومت کے کنٹرول میں ہوگا۔

تیسرا مصرف: نبی ﷺ کے رشتہ دار تھے، آپؐ اس میں سے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیتے تھے، اوران کا اس مال میں حق نصرت کی وجہ سے تھا، جاہلیت اور اسلام میں وہ نبی ﷺ کے مددگار تھے، پس اب جب آپ ﷺ نہ رہے تو نصرت بھی نہ رہی، اس لئے یہ مصرف بھی ختم ہو گیا، اور بنو ہاشم اور بنو المطلب میں جو یتیم، مسکین اور مسافر ہیں وہ اگلے مصارف میں شامل ہیں۔

پس احناف اور امام بخاری رحمہما اللہ کے نزدیک خمس اور مالِ فئ کے تین مصارف باقی رہے: یتامی، مساکین اور وہ مسافر جو دورانِ سفر حاجت مند ہو گئے ہوں۔ البتہ ان تین مصارف میں حصر نہیں، اس لئے کہ حنین کی غنیمت کے خمس میں سے نبی ﷺ نے مولفۃ القلوب کو بھی دیا ہے، اور بنونضیر کے مال فئ میں سے مہاجرین کو بھی دیا ہے، البتہ یہ اموال زکات وعشر کی طرح حکومت چلانے کے لئے نہیں ہیں۔

آیتِ کریمہ: اور یہ بات جان لو کہ جو کچھ بھی تم نے (دشمن سے) پایا ہے (اس کا حکم یہ ہے کہ) اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے، اور اللہ کے رسول کے لئے ہے، اور رسول کے رشتہ داروں کے لئے ہے، اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے، اگر تمہارا اللہ پر یقین ہے (تو یہ بات جان لو) اور اس پر (بھی یقین ہے) جو ہم نے اتارا ہے ہمارے بندے پر فیصلہ کن دن میں یعنی جس دن دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تفسیر: ﴿مِّنْ شَيْءٍ﴾ سے تعمیم کی ہے کہ غنیمت میں جو کچھ ملے وہ حسب قاعدہ تقسیم ہوگا، چوری اور کوئی چیز چھپانے کی کسی کو اجازت نہیں، البتہ کھانے پینے کی چیزیں اور گھاس چارہ تقسیم سے پہلے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

''جو ہم نے ہمارے بندے پر اتارا'' اس میں نازل ہونے والی وحی، کامیابی کی خوش خبری اور ملائکہ کی کمک سب شامل ہے۔

بدر کی جنگ کو یوم الفرقان (فیصلہ کن معرکہ) کہا، پھر اس سے بدل آیا: جس دن دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے: اس بدل سے یہ سمجھایا ہے کہ اس دن نہتے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی، اور اس کی وجہ آیت کے فاصلہ میں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، پس وہ کمزور فریق کو کامیاب کر سکتے ہیں اور کیا۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾

ع ۵

اِذْ اَنْتُمْ (۱)	جب تم	تَوَاعَدْتُّمْ (۳)	تم ایک دوسرے سے	عَنْۢ بَيِّنَةٍ	واضح دلیل سے		
بِالْعُدْوَةِ (۲)	وادی کے کنارے پر (تھے)		وعدہ کرتے	وَّيَحْيٰى	اور زندہ رہے		
الدُّنْيَا	اِس طرف کے	لَاخْتَلَفْتُمْ	توضرور تم پیچھے رہتے	مَنْ حَيَّ	جو زندہ رہا		
وَهُمْ	اور وہ لوگ	فِي الْمِيْعٰدِ	وقت معین میں	عَنْۢ بَيِّنَةٍ	واضح دلیل سے		
بِالْعُدْوَةِ	وادی کے کنارے پر (تھے)	وَلٰكِنْ	لیکن	وَاِنَّ اللّٰهَ	اور بے شک اللہ تعالیٰ		
الْقُصْوٰى	اُس طرف کے	لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ	تاکہ کرگذریں اللہ تعالیٰ	لَسَمِيْعٌ	البتہ خوب سننے والے		
وَالرَّكْبُ	اور تجارتی قافلہ	اَمْرًا	اس کام کو	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں		
اَسْفَلَ	نیچے (تھا)	كَانَ مَفْعُوْلًا	جو ہونے والا تھا	اِذْ	(یاد کرو) جب		
مِنْكُمْ	تم سے	لِّيَهْلِكَ	تاکہ ہلاک ہو	يُرِيْكَهُمُ (۴)	دکھلائے آپ کو ان کو		
وَلَوْ	اور اگر	مَنْ هَلَكَ	جو ہلاک ہوا	اللّٰهُ	اللہ نے		

(۱) إذ (پہلے) یومَ سے بدل ہے (جلالین) أذکر محذوف کا ظرف نہیں (۲) العدوۃ: وادی (پہاڑوں کے میدان) کا کنارہ، جمع عُدًی اور عِدَاءٌ ...... الدنیا: الأدنی کا مؤنث: الأقرب من المدینة ...... القُصوی: الأقصی کا مؤنث: دور افتادہ ...... الرکب: کارواں، دس یا زیادہ سواروں کا قافلہ (۳) تواعدتم: ماضی، جمع مذکر حاضر، تَوَاعُدٌ (تفاعل): آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کرنا...... المیعاد: اسم ظرف: وقتِ وعدہ (۴) یریکھم: مضارع، واحد مذکر غائب، إراءۃ مصدر کَ: مفعولِ اول، ھم: مفعولِ دوم: اور قلیلاً: مفعول دوم کا حال: وہ کم دکھارہا تھا تجھے ان کو۔

فِيْ مَنَامِكَ	آپ ؐ کے خواب میں	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ نے	قَلِيْلًا	تھوڑے
قَلِيْلًا	تھوڑے	سَلَّمَ	محفوظ رکھا	وَّيُقَلِّلُكُمْ	اور تھوڑا کیا اس نے تم کو
وَلَوْ	اور اگر	اِنَّهٗ	بے شک وہ	فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ	ان کی نگاہوں میں
اَرٰىكَهُمْ	دکھلاتا وہ تم کو ان کو	عَلِيْمٌۢ	خوب جاننے والے ہیں	لِيَقْضِيَ اللّٰهُ	تاکہ گذریں اللہ تعالیٰ
كَثِيْرًا	بہت زیادہ	بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کی باتوں کو	اَمْرًا	اس کام کو
لَّفَشِلْتُمْ	تو ہمت ہار جاتے تم	وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	كَانَ مَفْعُوْلًا	جو ہونے والا تھا
وَلَتَنَازَعْتُمْ	اور ضرور جھگڑتے تم	يُرِيْكُمُوْهُمْ (۱)	دکھلائے تم کو ان کو	وَاِلَى اللّٰهِ	اور اللہ کی طرف
فِي الْاَمْرِ	معاملہ میں	اِذِ الْتَقَيْتُمْ	جب آمنے سامنے ہوئے تم	تُرْجَعُ	لوٹتے ہیں
وَلٰكِنَّ	لیکن	فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ	ان کی نگاہوں میں	الْاُمُوْرُ	سب کام

غزوۂ بدر کو یوم الفرقان کس طرح بنایا؟ اور کیوں بنایا؟

گذشتہ آیت میں غزوۂ بدر کو یوم الفرقان (حق و باطل کے درمیان فیصلہ کُن معرکہ) فرمایا تھا، اب ان آیات میں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ کو فیصلہ کن معرکہ کس طرح بنایا؟ اور کیوں بنایا؟

جواب: چیونٹی کو ہاتھی کے مقابل کیا، اور سابقہ پروگرام کے بغیر کیا، پھر کمزوروں کی مدد کی انھوں نے ہاتھی کو پچھاڑ دیا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حق غالب آیا، اور باطل نے منہ کی کھائی، اب جو کفر پر جمع رہنا چاہتا ہے جما رہے، اور جائے جہنم میں! اور جس کی قسمت یاوری کرے وہ یوم الفرقان سے سبق لے اور ایمان لے آئے اس کا دارین میں بھلا ہوگا۔

بدر میں فریقین اتفاقاً جمع ہوگئے تھے، پہلے سے جنگ کا کوئی پروگرام نہیں تھا، اگر میعاد متعین ہوتی تو مسلمان پیچھے رہ جاتے، کیونکہ ان کی کل تعداد پانچ سو سات سو تھی، اور مکہ والے ہزار نہیں ہزاروں امنڈ آتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ راستہ بدل کر سمندر کے راستے نکل گیا تھا، وہ بدر سے گذرا ہی نہیں تھا، پھر اس نے مکی لشکر کو اطلاع کردی تھی کہ قافلہ بچ گیا ہے، تم لوٹ جاؤ، مگر ابوجہل نے کہا: ہم بدر تک جائیں گے، وہاں رنگ رلیاں منائیں گے، پھر لوٹیں گے۔

اِدھر نبی ﷺ کو مقام صفراء میں اطلاع مل چکی تھی کہ قافلہ بچ کر نکل گیا ہے، اور مکہ سے ایک ہزار کا لشکر جرار بدر تک

---

(۱) یریکموھم: مضارع، واحد مذکر غائب، مصدر إراءة: کُمو: مفعول اول، ھم: مفعول ثانی، کُم اور کُمو ایک ہیں، صرف لکھنے کا فرق ہے: وہ دکھار ہا تھا تمہاری نظروں میں ان کو۔

پہنچ چکا ہے، آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد طے پایا کہ بدر تک جانا چاہئے، اور نبی ﷺ نے وحی سے اطلاع دی کہ عیر اور نفیر میں سے ایک پر قابو ملے گا، کفار بدر میں پہلے پہنچے تھے اور اچھی جگہ اور پانی پر قبضہ کرلیا تھا، مسلمان بعد میں پہنچے، ان کے حصہ میں ریتلا میدان آیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں کو علی غیر میعاد جمع کردیا اور جنگ ہوئی اور جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا اس کی تکمیل ہوگئی۔

بدر میں دو واقعے پیش آئے جنھوں نے جنگ کو مہمیز کیا

پہلا واقعہ: معرکہ سے پہلے جو رات گذری، جس میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو گہری نیند سلادیا، جس کا ذکر اسی سورت کی (آیت ۱۱) میں گذرا ہے، اس رات میں نبی ﷺ نے خواب دیکھا، خواب میں آپ کو مشرکین تعداد بہت کم دکھائی، صبح آپؐ نے خواب صحابہ کو سنایا، نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، اس سے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھا، انھوں نے سوچا: ابھی ان سے نمٹ لیتے ہیں، خواب میں صرف وہی کفار دکھائے گئے تھے جو کفر پر مرنے والے تھے اور جو دیر سویر ایمان لانے والے تھے وہ نہیں دکھائے گئے، کیونکہ وہ انجام کے اعتبار سے کافر نہیں تھے۔

دوسرا واقعہ: جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے قریب ہوئیں تو ہر ایک کو مقابل کم نظر آئے، یہاں بھی جو کفر پر مرنے والے تھے وہی نظر آئے اور مسلمان تو تھے ہی کم! اس سے بھی فریقین میں جوش پیدا ہوا اور گھمسان کا رن پڑا، تا کہ جو بات اللہ کو منظور تھی اس کی تکمیل ہوجائے۔

آیاتِ پاک: جب تم میدان کے اِدھر والے کنارے پر تھے، اور وہ میدان کے اُدھر والے کنارے پر تھے، اور تجارتی قافلہ تم سے نیچے (جارہا) تھا، اور اگر تم اور وہ کوئی وقت مقرر کرتے تو تم ضرور اس مقررہ وقت میں پیچھے رہتے، یعنی جو بات اللہ تعالیٰ کو کرنا منظور تھی ان کی تکمیل کردیں، تا کہ جس کو برباد ہونا ہو —— یعنی جس کو کفر پر جمارہنا ہو —— واضح دلیل (فیصلہ کن دلیل) کے بعد برباد ہو، اور جس کو زندہ رہنا ہو —— یعنی ایمان لانا ہو —— وہ بھی واضح دلیل کے بعد زندہ رہے، اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔

اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خواب میں ان کی تعداد کم دکھلائی (تا کہ فوج کے دل سے ہول نکل جائے) اور اگر آپؐ کو ان کی تعداد زیادہ دکھلاتے تو تم پست ہمت ہوجاتے، اور جنگ کے معاملہ میں تم میں باہم اختلاف ہوجاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچالیا، بے شک وہ دلوں کے رازوں کو خوب جانتے ہیں۔

اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تم کو ان کی نظر میں کم دکھلا رہے تھے، جب تم ان کے بالمقابل ہوئے اور ان کی نظر میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے (تا کہ دونوں فریق پر جوش ہوجائیں) تا کہ جو بات اللہ کو منظور ہے اس کی تکمیل ہوجائے اور

سارے امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں ـــــ یعنی فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اللّٰهَ	اللہ کی	خَرَجُوْا	نکلے
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے ہو!	وَ رَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کی	مِنْ دِيَارِهِمْ	اپنے گھروں سے
اِذَا	جب	وَلَا تَنَازَعُوْا	اور نہ جھگڑو باہم	بَطَرًا [1]	اتراتے ہوئے (نازاں)
لَقِيْتُمْ	تمہارا مقابلہ ہو	فَتَفْشَلُوْا	پس کم ہمت ہو جاؤ تم	وَّرِئَآءَ	اور دکھلاتے ہوئے
فِئَةً	کسی جماعت سے	وَ تَذْهَبَ	اور نکل جائے	النَّاسِ	لوگوں کو
فَاثْبُتُوْا	تو جم جاؤ	رِيْحُكُمْ	تمہاری ہوا	وَيَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہیں وہ
وَاذْكُرُوا	اور یاد رکھو	وَاصْبِرُوْا	اور ثابت قدم رہو	عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	اللّٰهِ	اللہ کی
كَثِيْرًا	بہت	مَعَ الصّٰبِرِيْنَ	صبر کرنے والوں کے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَّعَلَّكُمْ	تاکہ تم		ساتھ ہیں	بِمَا	ان کاموں کو جو
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	وَلَا تَكُوْنُوْا	اور نہ ہوؤ تم	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں
وَ اَطِيْعُوا	اور بات مانو	كَالَّذِيْنَ	ان لوگوں جیسے جو	مُحِيْطٌ	گھیرنے والے ہیں

کامیابی کے لئے ثابت قدمی اور اللہ کی یاد ضروری ہے

بدر کا معاملہ تو خاص نوعیت کا معاملہ تھا، سابقہ پروگرام کے بغیر اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو بدر میں جمع کر دیا تھا، پھر نہتوں کی فرشتوں کے ذریعہ مدد کی اور چٹ پٹ معاملہ نمٹا دیا۔

(۱) بطراً اور رئاء: مصدر بمعنی اسم فاعل ہیں، اور خرجوا کے فاعل کے احوال ہیں۔

مگر عام احوال میں جہاد میں کامیابی کے لئے مثبت پہلو سے دو باتیں ضروری ہیں: ثابت قدمی سے لڑنا اور اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرنا، جو لوگ میدان میں ڈٹ کر لڑتے ہیں، پسپائی اختیار نہیں کرتے اور دشمن کو پیٹھ نہیں دکھاتے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے لڑتے ہیں اور زبان پر بھی اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے تو کامیابی بڑھ کر ان کے قدم چومتی ہے، جنگ کے دوران نمازوں کے اوقات آتے ہیں، پس نمازوں کا اور دعاؤں کا اہتمام بھی ذکر اللہ میں شامل ہے، ذکر اللہ کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور پر سکون ہوتا ہے، جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے (فوائد)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہاری (کافروں کی) کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہو تو جم کر لڑو، اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی ملے۔

کامیابی کے لئے اطاعت اور نتائج کا انتظار ضروری ہے

جہاد میں کامیابی کے لئے اللہ رسول کی اطاعت اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت اور فرمان برداری اور باہمی اتحاد و اتفاق بھی ضروری ہے۔ اگر مجاہدین کمانڈر کی بات نہیں مانیں گے یا باہم اختلاف ہوگا تو اندرونی خرابی کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوگی، فوجی چھوڑ دے گی اور جوش و ولولہ کافور ہو جائے گا، اور خارجی خرابی یعنی دشمن کی نظر میں ہوا خیزی ہوگی، بھرم کھل جائے گا، جب دو فریق باہم لڑتے ہیں تو دشمن خوش ہوتا ہے، اور امیر کی اطاعت تو باہمی اتحاد و اتفاق سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

ایک واقعہ: دوسری عالمی جنگ میں — جو ۱۹۴۲ء-۱۹۴۸ء میں ہوئی ہے — ہٹلر نے اتحادیوں کے کچھ کمانڈر گرفتار کئے، انھوں نے ہٹلر سے پوچھا: آپ کی فوج کم ہے، ہماری زیادہ، پھر بھی آپ بڑھتے چلے جارہے ہیں: وجہ کیا ہے؟ ہٹلر نے اتحادیوں کے سو فوجی آزاد کئے اور ان کے لئے وردی مہیا کی اور اپنے بھی سو فوجی بلائے، پھر جرنیلوں کو حکم دیا کہ اپنے فوجیوں کو پریڈ کراؤ، اور اس نے خود اپنے فوجیوں کو پریڈ کرائی، پھر ایک ایسے راستہ سے گذارا جس میں گھڑا کھود دیا تھا، اتحادی کمانڈر لیفٹ رائٹ کراتا ہوا فوج کو لے چلا، جب کھڈا آیا تو فوج رک گئی اور کھڑی کھڑی لیفٹ رائٹ کرتی رہی، پھر ہٹلر اپنے فوجیوں کو لے کر چلا، جب کھڈا آیا تو سارے فوجی اس میں گر پڑے، ایک کے بھی قدم نہیں رکے، تب ہٹلر نے کہا: میری کامیابی کی وجہ اطاعت ہے اور تمہاری ناکامی کی وجہ عدم اطاعت ہے، تمہارے فوجی اپنا مفاد سوچتے ہیں اور میرے فوجی کمانڈر کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

کامیابی کے لئے دوسری چیز صبر ضروری ہے، صبر کے لغوی معنی ہیں: روکنا، خواہ طاعات پر نفس کو روکے یا معاصی سے

روکے، اور جہاد میں صبر کے لغوی معنی ہیں: نتائج کا انتظار کرنا، جنگ کنویں کا ڈول ہوتی ہے، ہر جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی ضروری نہیں، بخاری شریف میں ابوسفیان اور ہرقل کے واقعہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کا بھی امتحان کرتے ہیں، ہر جنگ میں ان کی کامیابی ضروری نہیں، پس اگر کسی معرکہ میں ناکامی ہو تو فوج دل نہ چھوڑے، ہمت نہ ہارے، جدوجہد مسلسل جاری رکھے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں وہ ایک دن کامیاب ہونگے۔

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭاِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور تم اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا مانو، اور باہم پھوٹ مت ڈالو، ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

تفسیر: اللہ کے رسول: اللہ کے تابع دار ہوتے ہیں، اور کمانڈر: رسول کے قائم مقام ہوتا ہے، اور ﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا ﴾ کا عطف واو سے ہے، جس میں من وجہٍ اتحاد اور من وجہٍ مغائرت ہوتی ہے، پس امیر کی اطاعت اتحاد کا پہلو ہے اور باہم اختلاف مغائرت کا پہلو ہے اور دونوں مراد ہیں، اور ﴿ فَتَفْشَلُوْا ﴾ میں داخلی خرابی کا بیان ہے، اور ﴿ وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾ میں شماتتِ اعداء کا بیان ہے، اور ﴿ وَاصْبِرُوْا ﴾ میں جہاد میں کامیابی کے لئے دوسری ضروری چیز کا بیان ہے۔

جہاد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہوتا ہے

جہاد کا ایک ہی مقصد ہے: فتنہ وفساد مٹانا اور اللہ کے دین کا بول بالا کرنا، ملک گیری کے لئے، بہادری کا جوہر دکھانے کے لئے قومی عصبیت کے لئے جو لڑائیاں لڑی جاتی ہیں وہ جہاد نہیں، یہ بات حدیث میں آئی ہے۔

آیت کا پس منظر: ابوجہل لشکر لے کر مکہ سے بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ اتراتا ہوا نکلا تھا، راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ خطرہ سے باہر ہو گیا ہے: اب تم مکہ لوٹ جاؤ: ابوجہل نے نہایت غرور سے کہا: ہم بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب ونشاط جمائیں گے، گانے والیاں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں گی، تین دن مزے اڑائیں گے اور اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی دعوت کریں گے تاکہ تمام عربوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے اور وہ اسلام کے قریب نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کی یہ سب حرکتیں اور ان کا مطمحِ نظر اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی میں ہے، انہیں کیا خبر کہ ان کے منصوبے پورے ہونگے یا انہیں پر الٹ دیئے جائیں گے؟ ہوا وہ جو دنیا نے دیکھا، ان کو جام شراب کی جگہ موت کا پیالہ پینا پڑا، عیش ونشاط کی جگہ بدر سے مکہ تک صفِ ماتم بچھ گئی اور بدر کے میدان میں توحید کا پتھر نصب ہو گیا اور سمجھداروں کے لئے حق کو پہچاننا آسان ہو گیا۔

اب ایک آیت میں مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے کہ جہاد محض ہنگامۂ کشت وخون کا نام نہیں، اس سے لوگوں کے لئے اسلام

کی اور اللہ کی عبادت کی راہ کھلتی ہے، اس لئے وہ عظیم الشان عبادت ہے، اور عبادت پر اترانا یا دکھاوا کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، مجاہدین کو چاہئے کہ وہ فخر وغرور اور نمود ونمائش میں کفار کی چال نہ چلیں۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہوؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے نکلے، اور وہ (اس مقابلہ کے ذریعہ) لوگوں کو اللہ کی راستے سے روکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جو وہ کرتے ہیں گھیرنے والے ہیں!

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾

وَاِذْ[1]	اور (یاد کرو) جب	وَاِنِّیْ	اور بے شک میں	بَرِیْٓءٌ	بیزار (بے تعلق) ہوں
زَیَّنَ	خوش نما بنایا	جَارٌ	پڑوسی ہوں	مِّنْكُمْ	تم سے
لَهُمْ	ان (کافروں) کیلئے	لَّكُمْ	تمہارا	اِنِّیْٓ اَرٰی	بیشک میں دیکھتا ہوں
الشَّیْطٰنُ	شیطان نے	فَلَمَّا	پس جب	مَا لَا	جو نہیں
اَعْمَالَهُمْ	ان کے کاموں کو	تَرَآءَتِ[3]	ایک دوسرے کو دیکھا	تَرَوْنَ	دیکھتے تم
وَقَالَ	اور کہا اس نے	الْفِئَتٰنِ	دونوں جماعتوں نے	اِنِّیْٓ اَخَافُ	بے شک میں ڈرتا ہوں
لَا غَالِبَ[2]	نہیں ہے کوئی جیتنے والا	نَكَصَ[4]	ہٹا وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
لَكُمُ	تم سے	عَلٰی عَقِبَیْهِ	اپنی ایڑیوں پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
الْیَوْمَ	آج کے دن	وَقَالَ	اور کہا اس نے	شَدِیْدُ	سخت
مِنَ النَّاسِ	لوگوں میں سے	اِنِّیْ	بے شک میں	الْعِقَابِ	سزا والے ہیں

(۱) واذ کا عطف لاتکونوا پر ہے اور خطاب مؤمنین سے ہے (۲) لا: نفی جنس کا ہے، غالب: اس کا اسم ہے، لکم بمعنی علیکم خبر ہے اور الیوم: خبر کا ظرف ہے (۳) تَرَاءِیْ سے ماضی واحد مؤنث غائب، تَرَاءَیْ القومُ: لوگوں کا ایک دوسرے کو دیکھنا (۴) نکص (ن،ض) نکصا علی عَقِبَیْهِ: الٹے پاؤں پھرنا، کسی کام کا ارادہ کرنے کے بعد اسے چھوڑ کر دوسری طرف پھرنا۔

مجاہدین شیطانی حرکتوں سے گھبرائیں نہیں

جب ابوسفیان کا ایلچی مکہ پہنچا، اور اس نے خبر دی کہ تجارتی قافلہ خطرہ میں ہے، اس کو بچانے کے لئے آؤ، تو مکہ والوں میں ایک جوش پیدا ہوگیا، شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، اور ان کے دھرم (شرک) کو ان کے لئے مزین کیا کہ تمہارا مذہب ہی برحق ہے اور اس نے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال بھی پیدا کیا کہ تم سے کون ٹکر لے سکتا ہے؟ اور عرب کے دوسرے کفار بھی تمہارے حمایتی ہیں وہ تمہاری مدد کریں گے، کیونکہ وہ بھی اسلام کے مخالف ہیں، تم اور وہ ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو، لہٰذا چلو اور بڑھو، چنانچہ قریش کے سرداروں کا جم غفیر ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکل پڑا۔

پھر کیا ہوا؟ جب بدر میں فریقین کی صفیں درست ہوئیں اور اتنے قریب ہوگئے کہ ایک نے دوسرے کو دیکھ لیا تو شیطان کی وسوسہ اندازی کافور ہوگئی، وہ اپنی ایڑیوں پر پلٹ گیا، اور کافروں کو فرشتوں کی کمک نظر آنے لگی، وہ شیطان کو بھی نظر آئی تو اس نے اپنی بے تعلقی کا اظہار کیا اور کہا: مجھے وہ لوگ نظر آرہے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آرہے، وہ مجھے سخت سزا دے سکتے ہیں، اور اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے!

یہ آیت تمثیل (پیرایۂ بیان) ہے یا بیانِ واقعہ ہے؟ روح المعانی میں پہلی تفسیر یہ ہے کہ یہ تمثیل ہے اور اس تفسیر کو حسن بصری وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے، پھر دوسری تفسیر کی ہے کہ یہ بیان واقعہ ہے، ہمارے بزرگوں نے بیان القرآن اور فوائد عثمانی میں اسی کو اختیار کیا ہے، فوائد عثمانی میں ہے:

قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہ کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستہ میں آڑے نہ آجائیں، فوراً شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لئے کنانہ کے سردارِ اعظم سُراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری مدد وحمایت پر ہیں، کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رَن پڑا اور شیطان کو جبرئیل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا: سُراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو؟ کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا، مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے، اس خدائی فوج کے ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے، اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں، کسی کی سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔

اور ایسا اختلاف علماء میں ہوتا ہے، بخاری شریف کی حدیث ہے: **إذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوة فإن شدة الحر من فيح جهنم**: جب گرمی سخت ہوجائے تو نماز ٹھنڈی کرو یعنی وقت ٹھنڈا ہونے کے بعد نماز پڑھو، اس لئے کہ گرمی

کی زیادتی جہنم کے پھیلاؤ سے ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد حقیقت ہے یا مجاز؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا رجحان یہ ہے کہ یہ مجاز ہے یعنی یہ پیرایۂ بیان ہے، اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ گرمی کی شدت تکلیف دہ ہے، ظاہر ہے جب جہنم بذاتِ خود تکلیف دہ ہے تو اس کے اثرات بھی تکلیف دہ ہونگے، مگر جہنم اپنی جگہ ہے نہ وہ خود پھیلتی ہے اور نہ اس کے اثرات پھیلتے ہیں، بلکہ سخت گرمی تکلیف دہ ہے: یہ بات سمجھانا مقصود ہے، اور جب یہ تمثیل ہے تو وقت میں کوئی خرابی نہیں، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک گرمیوں میں بھی عورتوں کے لئے ظہر اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، کیونکہ ان کو گھر میں نماز پڑھنی ہے اسی طرح وہ نمازی جن کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنی ہے اور انہیں زیادہ دور سے نہیں آنا ان کے لئے بھی اول وقت میں ظہر پڑھ لینا مستحب ہے، ہاں اگر مسجد دور ہو، اور نمازیوں کی تعداد بہت ہو تو تاخیر کرنے میں کچھ حرج نہیں۔

اور احناف، حنابلہ اور امام بخاریؒ کے نزدیک حدیث میں حقیقت کا بیان ہے، یعنی گرمی کی شدت واقعی جہنم کے اثر کے پھیلاؤ سے ہے، اور چونکہ جہنم اللہ کی صفت غضب کا مظہر ہے جس طرح جنت اللہ کی صفت رحمت کا مظہر ہے پس جہنم کے اثرات بھی صفتِ غضب کا مظہر ہونگے اور وہ اثرات گرمیوں میں ظہر کے اول وقت میں پھیلتے ہیں اس لئے اول وقت میں خرابی ہوئی، اس لئے گرمیوں میں ظہر تاخیر کر کے پڑھنا مستحب ہے خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں اور خواہ سفر میں پڑھے یا حضر میں۔

فائدہ: قرآن وحدیث میں تمثیلات بھی ہیں اور بیان حقیقت بھی۔ اور دونوں کے درمیان امتیاز اس طرح ہوتا ہے کہ اگر گفتگو مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ تمثیل ہے اور اگر مثال ہی پر کلام ختم ہو جائے تو وہ حقیقت ہے، جیسے سورۃ النور (آیت ۳۹) ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔـا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝؀﴾: قیامت کے دن کفار کے اعمال سراب کی طرح ہونگے، سراب چمکتی ریت کو کہتے ہیں جس کو انسان پانی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ریت ہوتی ہے پھر جب کفار اپنے اعمال کا صلہ پانے کے لئے پہنچیں گے تو وہاں کچھ نہ پائیں گے بلکہ وہاں اللہ ہونگے یعنی ان کو حساب کا سامنا کرنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان کا پورا حساب چکائیں گے، یہاں کلام مثال سے ممثل لہ کی طرف منتقل ہو گیا ہے، اس لئے یہ تمثیل ہے —— اور حدیث مذکورہ میں بیان حقیقت ہے کیونکہ وہاں مثال ہی پر بات پوری ہوگئی ہے، اور فإن شدة الحر پہلے جملہ کی تعلیل ہے۔

تفسیر: یہاں آیت میں ﴿جَارٌ لَّكُمْ﴾ تک مثال ہے، اور ﴿فَلَمَّا﴾ سے کلام ممثل لہ کی طرف منتقل ہوا ہے، اس

لئے میں نے پہلی تفسیر اختیار کی ہے۔

مسلمانوں کے لئے سبق: مسلمان شیطانی وسوسہ کا شکار نہ ہوں، جنگ حنین میں اس کی نوبت آئی تھی، سورۃ التوبہ (آیت ۲۵) میں ہے: ﴿ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ ﴾: جب تمہیں اپنے مجمع کی کثرت پر غرّہ ہوگیا تھا، مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار تھا اور کافر چار ہزار، بعض مسلمان اپنا مجمع دیکھ کر ایسے طور پر کہ اس سے پندار مترشح ہوتا تھا: کہنے لگے: ''ہم آج کسی طرح مغلوب نہیں ہوسکتے!'' مگر جب جنگ شروع ہوئی تو مجاہدین میں بھگدڑ مچ گئی! یہ تو اللہ کے رسول کی پامردی تھی کہ پانسہ پلٹا، ورنہ فوج نے تو لٹیا ڈبودی تھی، پس تعداد کی کثرت اور اسلام کی حقانیت پر غرّہ نہیں ہونا چاہئے، یہ تو کافروں کا شیوہ ہے، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

آیتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب شیطان نے کافروں کے لئے ان کے اعمال (شرک وکفر) مزین کرکے دکھلائے اور اس نے کہا کہ لوگوں میں سے ـــــ یعنی مسلمانوں میں سے ـــــ آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور میں تمہارا حامی ہوں ـــــ پھر جب جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو وہ اپنی ایڑیوں پر پلٹا، اور اس نے کہا: میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں! میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں، بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔

سوال: شیطان کو قیامت تک مہلت ملی ہوئی ہے، پھر وہ اللہ کے عذاب سے کیوں ڈرتا ہے؟

اس کا جواب: بچند وجوہ ہے:

۱- شیطان کو مہلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت سے پہلے نہیں مرے گا، نہ وہ ہلاک کیا جائے گا، مگر عذاب اس سے کم درجہ کا بھی ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا قیامت سے پہلے مرغا بنایا جائے، کان پکڑوائے جائیں، اس سزا سے ڈرنا مراد ہے۔

۲- مہلت دینے کے ساتھ سزا دہی کا امکانِ عقلی باقی ہے، اس لئے کہ وعدو وعید کی اضداد پر بھی اللہ تعالیٰ قادر ہیں اور اسی کا نام عموم قدرت ہے، اس لئے وہ عذاب سے ڈر رہا ہے۔

۳- میں نے جو تفسیر اختیار کی ہے اس میں یہ تمثیل (پیرایۂ بیان) ہے، اور کلام ممثل لہٗ کی طرف منتقل ہوا ہے، پس یہاں عذاب سے عذاب آخرت مراد ہے، وہ اس کے لئے ثابت ہے۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

اِذْ	(یاد کرو) جب	يَّتَوَكَّلْ	بھروسہ کرتا ہے	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا
يَقُوْلُ	کہتے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	الْمَلٰٓئِكَةُ (۱)	فرشتے
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافقین	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بیشک اللہ تعالیٰ	يَضْرِبُوْنَ	درانحالیکہ مارتے ہیں
وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ	عَزِيْزٌ	زبردست	وُجُوْهَهُمْ	ان کے چہروں پر
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	جن کے دلوں میں	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	وَاَدْبَارَهُمْ	اور ان کی پیٹھوں پر
مَّرَضٌ	بیماری ہے	وَلَوْ	اور اگر	وَذُوْقُوْا	اور (کہتے جاتے ہیں:)
غَرَّ	دھوکہ دیا	تَرٰٓى	دیکھتے آپ		چکھو
هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں کو	اِذْ	جب	عَذَابَ	سزا
دِيْنُهُمْ	ان کے مذہب نے	يَتَوَفَّى	جان وصول کرتے ہیں	الْحَرِيْقِ	جلنے کی
وَمَنْ	اور جو شخص	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے	ذٰلِكَ	یہ (سزا)

(۱) الملائکۃ: یتوفی کا فاعل ہے اور جملہ یضربون حال ہے۔

بِمَا	پاداش ہے ان کی جو	قَوِيٌّ	طاقتور	كَدَاْبِ	جیسے دستور
قَدَّمَتْ	آگے بھیجے ہیں	شَدِيْدُ	سخت	اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کا
اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں نے	الْعِقَابِ	سزاوالے ہیں	وَ الَّذِيْنَ	اوران کا جو
وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	ذٰلِكَ(۳)	یہ (سخت سزا)	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
لَيْسَ	نہیں ہیں	بِاَنَّ	اس وجہ سے ہے کہ	كَذَّبُوْا(۶)	جھٹلایا انھوں نے
بِظَلَّامٍ(۱)	ذرا سا بھی ظلم کرنے والے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	بِاٰيٰتِ	آیتوں (باتوں) کو
لِّلْعَبِيْدِ	بندوں پر	لَمْ يَكُ(۴)	نہیں ہیں وہ	رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی
كَدَاْبِ(۲)	جیسے دستور	مُغَيِّرًا(۵)	بدلنے والے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ	پس برباد کردیا ہم نے
اٰلِ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کا	نِّعْمَةً	کسی احسان کو		ان کو
وَالَّذِيْنَ	اوران کا جو	اَنْعَمَهَا	جو کیا انھوں نے	بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے
مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	عَلٰى قَوْمٍ	کسی قوم پر	وَاَغْرَقْنَآ	اورغرقاب کردیا ہم نے
كَفَرُوْا	انکار کیا انھوں نے	حَتّٰى	تا آنکہ	اٰلَ فِرْعَوْنَ	فرعون والوں کو
بِاٰيٰتِ	آیتوں (باتوں) کا	يُغَيِّرُوْا	بدل دیں وہ	وَ كُلٌّ	اور سب (فرعون والے)
اللّٰهِ	اللہ کی	مَا	اس حالت کو جو	كَانُوْا	تھے وہ
فَاَخَذَهُمُ	پس پکڑا ان کو	بِاَنْفُسِهِمْ	ان کی اپنی ہے	ظٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	اِنَّ شَرَّ	بے شک بدترین
بِذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کی وجہ سے	سَمِيْعٌ	خوب سننے والے	الدَّوَآبِّ(۷)	جانوروں میں
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	عَلِيْمٌ	ہر چیز جاننے والے ہیں	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک

(۱) ظلّام: صیغۂ مبالغہ ہے اور مبالغہ کمیت کے اعتبار سے ہے، یعنی ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا (۲) دَأْبٌ: اصل میں دَأَب یَدْأَب کا مصدر ہے، اس عادتِ مستمرہ کا نام ہے جو ہمیشہ ایک حالت پر رہے، اس کا ترجمہ: عادت، دستور اور طور طریقہ ہے (۳) ذلک: مبتدا، بأن: خبر ہے (۴) لم یک کا نون تخفیفاً حذف کیا گیا ہے، اصل لم یکن ہے اور بحذفِ نون مجزوم ہے اور ضمیر محذوف اس کا اسم ہے۔ (۵) مغیراً (اسم فاعل) کان کی خبر ہے اور نعمةً اس کا مفعول بہ ہے اور جملہ أنعمها: مفعول بہ کی صفت ہے۔ (۶) کفروا اور کذبوا: ہم معنی ہیں اور یہ تفنن ہے، اور دو باتیں بیان کرنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، تکرار نہیں (۷) دواب: دابة کی جمع ہے، جس کے لغوی معنی ہیں: زمین پر چلنے والا جانور، مگر محاورات میں خاص چوپایے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ	جنھوں نے	الَّذِيْنَ	جولوگ	عَهْدَهُمْ	اپنے معاہدہ کو
كَفَرُوْا	اللہ کے دین کو قبول نہیں کیا	عٰهَدْتَّ	معاہدہ کیا آپ نے	فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ	ہر مرتبہ میں
فَهُمْ	پس وہ	مِنْهُمْ	ان سے	وَّهُمْ	اور وہ
لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائے	ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ	پھر وہ توڑتے ہیں	لَا يَتَّقُوْنَ	ڈرتے نہیں

منافقوں اور دل کے مریضوں کا طعنہ اور اس کا جواب

منافق: ریاکار، بظاہر مسلمان مگر دل سے کافر اور دل کا روگی: ایمان کے معاملہ میں شک میں مبتلا۔

مقام صفراء میں جب مہاجرین وانصار سے مشورہ ہوگیا تو نبی ﷺ نے فوج کو بدر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے عیر اور نفیر میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے کہ وہ تم کو ملے گا، پس اب عیر تو ہاتھ سے نکل گیا ہے لہٰذا نفیر ہی ملے گا، چنانچہ فوج پُر امید ہوکر بدر کی طرف روانہ ہوئی، اس وقت منافقوں اور دل کے مریضوں نے جملہ چست کیا: یہ 'مذہبی جنون' ہے، دیکھو! چیونٹی ہاتھی سے ٹکرانے چلی ہے، نہتّے لشکر جرار سے لوہا لیں گے، یہ مسلمان خود کو موت کے منہ میں دھکیل رہے ہیں! یہ ایک چرکا تھا!

اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ دھوکہ خوردگی نہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہے، اور جس کو زبردست قوت والے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور یقین ہو کہ اُدھر سے جو کچھ ہوگا مبنی بر حکمت ہوگا، ایسا شخص حق کے معاملہ میں بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب منافقین اور دل کے روگی کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین (دھرم) نے دھوکے میں ڈالا ہے —— (جواب) اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بلاشبہ زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

مکہ کے کافروں کی موت کے وقت پٹائی اور دوزخ کی خوش خبری

میدانِ بدر میں کفار کے ستر سردار کام آئے تھے، جب فرشتے ان کی جانیں نکال رہے تھے تو ان کے چہروں اور پیٹھوں کو پیٹ رہے تھے، اور کہتے جارہے تھے کہ یہ سزا چکھو، اور ابھی کیا ہے؟ آگے دوزخ کا عذاب ہے! وہ سزا اس سے بھی بھیانک ہے۔ یہ آیت بدر میں مقتول کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، مگر الفاظ عام ہیں، پس یہ معاملہ سبھی کافروں کے ساتھ پیش آتا ہے، مشکوٰۃ شریف میں حدیث (نمبر ۱۶۳۰) ہے کہ کافر کے پاس جو فرشتے روح وصول کرنے کے لئے آتے ہیں ان کے چہرے بہت کالے ہوتے ہیں، ایسے کہ دیکھ کر ہی دَم نکل جائے، ان کے پاس موٹا ٹاٹ ہوتا ہے، وہ

آ کر مرنے والے سے فاصلہ پر بیٹھ جاتے ہیں (اور مکّے دکھاتے ہیں کہ نکل تیری خبر لیتے ہیں!) اتنے میں موت کا فرشتہ آتا ہے، اور سر پڑ کھڑے ہو کر بڑی سختی سے کہتا ہے: اے خبیث روح! نکل آ، اللہ کے غضب کی طرف چل، یہ سنتے ہی روح باہر نکلنے کے بجائے بدن کے ہر حصہ سے چمٹ جاتی ہے، موت کا فرشتہ اس کو زبردستی نکالتا ہے، جیسے بھیگی ہوئی روئی سے ٹیڑھے پھل والا آنکڑا نکالا جاتا ہے۔

﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ وہ منظر دیکھتے (تو حیرت زدہ رہ جاتے) جب فرشتے (بدر میں مقتول) کافروں کی جانیں وصول کر رہے تھے، اور ان کے مونہوں اور ان کی پیٹھوں پر مار رہے تھے (اور کہہ رہے تھے کہ ابھی کیا ہے؟ آگے) چکھو گے آگ کا عذاب!

بدر میں کفار مکہ کو ان کی بداعمالیوں کی سزا ملی

بدر کے میدان میں کفار کا جو قتل ہوا وہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر رتّی بھر ظلم نہیں کیا، ان کی بارگاہ میں ظلم کا گذر نہیں، وہ صفاتِ کمالیہ کے حامل ہیں اور صفاتِ ناقصہ سے بری ہیں۔

مکہ والوں کی بداعمالیاں: جب نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور کمزور لوگ ایمان لائے تو مکہ کے رؤساء نے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، ابوجہل نے حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کو بری طرح برچھی مار کر شہید کر دیا، خاندانِ نبوت کا آب ودانہ بند کرنے کا عہد نامہ لکھا، بائیکاٹ کیا اور آپؐ کو تین سال تک ایک گھاٹی میں محصور رہنا پڑا، مسلمانوں کو کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں تھی، اور صورتِ حال یہاں تک پہنچی کہ پہلے مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، پھر گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ کی طرف نکل گئے، مگر وہاں بھی ان کو چین نہیں لینے دیا، مشرکین اور یہود کو دھمکی آمیز خطوط لکھے اور مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ پر چڑھائی کر کے تمہارا ستیاناس کر دیں گے، اور حملہ کی تیاری کے لئے تجارتی قافلہ شام روانہ کیا جو وہاں سے ہتھیار خرید کر لائے گا، اس قسم کی بے شمار بداعمالیوں کی ان کو بدر میں سزا ملی، اللہ تعالیٰ نے ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا۔

سوال: اللہ تعالیٰ بندوں پر رتّی بھر ظلم نہیں کرتے، پھر ظَلَّام (صیغۂ مبالغہ) سے ظلم کی نفی کیوں کی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ تھوڑا ظلم روا ہے؟

اس کا جواب: یہ ہے کہ اگر اللہ کی شان میں رتّی بھر ظلم روا ہوگا تو وہ اپنی عظمتِ شان کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام

(بڑے ظالم) ٹھہریں گے، کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہوتی ہے (ماخوذ از فوائد شبیری)

﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾

ترجمہ: اور (بدر میں کفار کو) یہ سزا ان اعمال کی وجہ سے ملی ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں، اور یہ بات (ثابت) ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتے!

مکہ والوں کی طرح گذشتہ کافروں کو بھی سزا ملتی رہی ہے

بدر میں کفار مکہ کو قتل کی سزا ملی وہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی، گذشتہ کافروں کو بھی اسی طرح سزا ملتی رہی ہے، جیسے فرعون اور اس کی قوم کو اور عاد و ثمود اور قوم نوح کو اللہ تعالیٰ کی باتیں نہ ماننے کی وجہ سے تباہ کیا گیا، یہی معاملہ کفار مکہ کے ساتھ پیش آیا، انھوں نے بھی اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا، اللہ تعالیٰ زور آور سخت سزا دینے والے ہیں، سزا دیتے وقت کوئی ان کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا!

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾

ترجمہ: (مکہ والوں کی حالت) جیسے فرعون والوں کی حالت اور ان لوگوں کی حالت جو ان سے پہلے گذرے، انھوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش (بدلہ) میں پکڑ لیا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں۔

حالات بدلتے ہیں تو حالات آتے ہیں

دنیا میں سزا دہی کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ جب انسان اپنی غلط کاری سے اپنی اچھی حالت کو بری حالت سے یا بری حالت کو بہت بری حالت سے بدل دیتا ہے تب وہ حالات سے دوچار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنی نعمت چھین لیتے ہیں یا اس کی بہت بری حالت پر اس کو سزا دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تمام باتوں کو خوب سنتے ہیں اور ان کے تمام احوال کو خوب جانتے ہیں، کوئی چیز ان سے پردہ میں نہیں، پس جس کے ساتھ جو معاملہ کریں ٹھیک اور برمحل ہوگا۔

آسان مثالیں: (۱) ایک شخص ہمیشہ چھت کے نیچے سوتا ہے، پھر جب موسم بدلتا ہے اور چار دن وہ کھلی جگہ میں سوتا ہے تو نزلہ زکام ہوسکتا ہے (۲) ایک شخص اعتدال کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، پھر وہ مسلسل چند دنوں تک پُرخوری کرتا رہا تو اس کے ہضم کا نظام خراب ہوسکتا ہے، چنانچہ سورۃ الاعراف (آیت ۳۱) میں فرمایا: ﴿ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ﴾: کھاؤ

پیو اور حد سے مت نکلو یعنی پُر خوری فساد معدہ کا سبب ہے۔

حقیقی مثال: قریش مکہ اگرچہ مشرک اور بدعمل تھے، مگر اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال: صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت اور بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دین و دنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے، ان کی تجارتوں کو فروغ دیا، ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گذر سکتا تھا: قریش کے تجارتی قافلے ملک شام و یمن میں جاتے اور کامیاب آتے —— اور دین کے اعتبار سے وہ عظیم نعمت عطا فرمائی جو کسی کو نہیں ملی، تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ان میں مبعوث ہوئے اور اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید ان کی زبان میں نازل فرمائی۔

مگر ان لوگوں نے ان انعامات کی شکر گذاری اس طرح کی کہ صلہ رحمی کے بجائے ایمان لانے والے اپنے بھائیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، مہمان نوازی کے بجائے نبی ﷺ اور آپؐ کے خاندان کا آب و دانہ بند کر دیا، حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کا حرم میں داخلہ بند کر دیا، پھر مسلمان مکہ چھوڑ کر اللہ کی زمین میں نکل گئے تو وہاں بھی ان کو چین سے نہیں رہنے دیا، بدر میں ان نہتوں سے نبرد آزما ہو گئے، یہ وہ حالات تھے جو کفار قریش نے بدل دیئے، پس اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں کو نقمتوں سے بدل دیا، اور وہ میدانِ بدر میں کھیت رہے!

فائدہ: آیت کریمہ میں اعطائے نعمت کا ضابطہ بیان نہیں کیا، اس کے لئے کوئی قید و شرط نہیں، ہمارا اپنا وجود ہمیں بلا استحقاق ملا ہے، اور بعثتِ نبوی کے ذریعہ عربوں کی کایا پلٹ دی، حالانکہ انھوں نے اپنے حالات کو سنوارنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا، اور کسی شاعر نے جو مضمون باندھا ہے کہ:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ❁ نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ آیت کا مفہوم مخالف ہے جو حجت نہیں، آیت کا منطوق وہ ہے جو اوپر بیان کیا، یعنی اللہ تعالیٰ نعمت دے کر اسی وقت لے لیتے ہیں جب انسان اپنے حالات بگاڑ لیتا ہے۔

اور یہ مضمون سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی ہے، اور وہاں یہ اضافہ ہے: ﴿ وَإِذَآ أَرَادَ اللهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ﴾: اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر مصیبت ڈلنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں! یہ قدرتِ خداوندی کا بیان ہے، یعنی وہ مذکورہ ضابطہ کے پابند نہیں، بوڑھاپا آتا ہے تو بدن مضمل ہونے لگتا ہے!

﴿ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۙ وَ أَنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴾

ترجمہ: یہ بات (کفار مکہ کی سزا) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جوانھوں نے کسی قوم کوعطا فرمائی: نہیں بدلتے جب تک وہ لوگ اپنے ذاتی احوال بدل نہ دیں، اور یہ بات (ثابت ہے) کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے بڑے جاننے والے ہیں!

ہمیشہ ظلم پیشہ کفار دنیوی عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں (فرعون والوں کی مثال)

قریش نے اپنے حالات بگاڑ لئے تو ان کو بدر میں سزا ملی، ماضی میں بھی ظلم پیشہ کفار کو سزا ملتی رہی ہے، قبطیوں نے اپنے خالق و مالک کی باتوں کی تکذیب کی اور سبطیوں پر مظالم کئے، اس طرح عاد وثمود اور قوم نوح نے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے برباد کردیا، دیکھو! فرعون کو اس کے سارے لشکر کے ساتھ سمندر کی موجوں کے حوالے کردیا، وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے، سب نے بنی اسرائیل پر ظلم ڈھایا، کسی نے کم کسی نے زیادہ، اس لئے سب ڈوب مرے!

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: (مکہ والوں کی حالت) جیسے فرعون والوں کی حالت، اور ان لوگوں کی حالت جو ان سے پہلے گذرے، انھوں نے اپنے پروردگار (خالق و مالک) کی باتوں کو جھٹلایا، پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب برباد کردیا، اور ہم نے فرعون والوں کو (قبطیوں کو) غرقاب کردیا، اور وہ (فرعون والے) سب ظلم پیشہ تھے! —— اور عاد پر ہوا کا جھکڑ بھیج دیا، اور ثمود کو چیخ نے پکڑ لیا، اور قوم نوح کو سیلاب بہا لے گیا، اور سارے تباہ ہوگئے وہ بھی سب ظلم پیشہ تھے۔

یہود بھی اپنی بدعہدی کے سبب کیفر کردار کو پہنچے (زمانۂ حال کی مثال)

مدینہ منورہ اور اس کے گرد ونواح میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے: بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع، جو الگ الگ قلعہ نما بستیوں میں آباد تھے، نبی ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ منورہ کی تمام قوموں (مسلمان، مشرکین اور یہود) کے درمیان ایک معاہدہ کیا تھا، اس کی دو دفعات یہ ہیں:

۱- مدینہ میں مار دھاڑ، دنگا فساد کرنا معاہدہ کرنے والی قوموں پر حرام ہے۔

۲- مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے خلاف کسی بھی دشمن کو چھپ کر یا کھلے بندوں کسی طرح کی کوئی مدد نہیں دیں گے۔

یہود اس معاہدہ پر دستخط کر کے امنِ عام کا پیمان باندھ چکے تھے، لیکن ان کی فطری شرارتیں زیادہ دنوں تک چھپی نہ رہ

سکیں، ان کے ہر قبیلہ نے ﴿ كُلِّ مَرَّةٍ ﴾ نقض عہد کیا، اور اس کی سزا پائی۔

بنوقینقاع کا نقض عہد: مسلمان جب بدر کی طرف نکلے ان دنوں میں ایک مسلمان عورت دودھ بیچنے کے لئے ان کے محلّہ میں گئی، ایک شریر یہودی نے اس کو سر بازار ننگا کر دیا، عورت نے چیخ وپکار کی، ایک مسلمان اس کی مدد کے لئے موقع پر جا پہنچا اور فساد انگیز یہودی کو موت کی گھاٹ اتار دیا، اتنے میں اور یہودی جمع ہو گئے اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اور مدینہ میں ایک بلوہ ہو گیا۔

جب نبی ﷺ بدر سے واپس تشریف لائے تو ان یہودیوں کو معاملہ کی تحقیق کے لئے طلب کیا، انھوں نے معاہدۂ امن کا کاغذ واپس کر دیا، اور جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے، چنانچہ ان کے ساتھ فوجی کاروائی کی گئی اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔

بنونضیر کا نقضِ عہد: نبی ﷺ ایک مقتول کی دیت کے چندے کے سلسلہ میں بنونضیر کے محلّہ میں تشریف لے گئے، انھوں نے آپؐ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھایا اور ابن حجاش نامی یہودی کو تیار کیا کہ وہ دیوار کے اوپر سے ایک بھاری پتھر آپؐ پر گرادے، فوراً وحی نازل ہوئی، اور آپؐ وہاں سے کسی بہانے کھڑے ہو گئے اور مدینہ روانہ ہو گئے اور ان کی ناپاک سازش سے بال بال بچ گئے۔

قتل کا یہ منصوبہ بنونضیر کے سردار کعب بن اشرف نے بنایا تھا، چنانچہ اس کو اسی طرح کا منصوبہ بنا کر قتل کیا گیا، اور بنو نضیر پر فوج کشی کی گئی اور ان کو بھی جلاوطن کیا گیا۔

بنوقریظہ کا نقضِ عہد: سنہ ۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر بنوقریظہ نے عہد وپیمان توڑا اور احزاب کا ساتھ دیا، نبی ﷺ نے ان کو عہد وپیمان یاد بھی دلایا، مگر انھوں نے صاف کہہ دیا کہ محمد کون ہوتا ہے کہ ہم اس کی بات مانیں، اس کا ہم سے کوئی عہد وپیمان نہیں! چنانچہ غزوۂ احزاب کے بعد ان پر فوج کشی کی گئی، اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کے مطابق ان کے بالغ مردوں کو — جو چار سو تھے — قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا گیا۔

یہود کے بارے میں پیشین گوئی: پہلے ایک آیت میں یہود کے بارے میں پیشین گوئی کی ہے اور ان کو بدترین خلائق قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ کفار (یہود) اللہ کے نزدیک بدترین جانور ہیں، وہ ایمان لانے والے نہیں۔

یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، ان میں سے چند ایمان لائے، باقی کفر پر جمے رہے، ان کو اسلام سے قریب لانے کے لئے بہت سے جتن کئے گئے مگر کتّے کی دم ٹیڑھی رہی، ان کا قبلہ عارضی طور پر اختیار کیا، ان کے ساتھ دامادی کا رشتہ قائم کیا، مگر سب لاحاصل!

دوسری آیت میں یہ مضمون ہے کہ ان کم بختوں کا یہ بھیانک حشر کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے انعامات

سے نوازا، تورات دی، نبیوں کی اولاد ہونے کا شرف بخشا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت بنایا، مال و دولت سے نوازا، مگر وہ اپنی شرارتوں میں پہلے سے زیادہ تیز ہوگئے، نبی ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کر کے ہر قبیلہ نے ﴿ کُلِّ مَرَّةٍ ﴾ توڑا، اس لئے انھوں نے اپنے اعمال کا مزہ چکھا۔

﴿ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک یہ کافر (یہود) ہیں، پس وہ ایمان نہ لاویں گے —— اور اپنے کفر کی سزا پائیں گے —— جن سے آپ نے کئی بار عہد و پیمان کر چکے ہیں، پھر وہ ہر بار اپنا قول و قرار توڑ دیتے ہیں، اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں! —— یعنی یہ برائی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔

فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝

فَإِمَّا	پس اگر	لَعَلَّهُمْ	تاکہ	إِلَيْهِمْ	ان کی طرف
تَثْقَفَنَّهُمْ (۱)	آپ ان پر قابو پالیں	يَذَّكَّرُوْنَ	نصیحت حاصل کریں	عَلٰى سَوَآءٍ	یکساں طور پر
فِي الْحَرْبِ	جنگ میں	وَإِمَّا	اور اگر	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَشَرِّدْ (۲)	تو منتشر کر دیں	تَخَافَنَّ	آپ ڈریں	لَا يُحِبُّ	نہیں کرتے
بِهِمْ	ان کے ذریعہ	مِنْ قَوْمٍ	کسی قوم کی	الْخَآئِنِيْنَ	خلاف ورزی کرنے
مَّنْ	ان کو جو	خِيَانَةً	خلاف ورزی سے		والوں کو
خَلْفَهُمْ	ان کے پیچھے ہیں	فَانْبِذْ	تو آپ ڈال دیں	وَلَا يَحْسَبَنَّ	اور نہ گمان کریں

(۱) ثَقِفَ (س) ثَقَفًا الشیئَ: کوشش کے بعد پانا، اصل معنی: حذاقت و مہارت سے ادراک کرنا ہیں، پھر صرف پانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اگرچہ حذاقت نہ ہو، تثقفنَّ: مضارع، صیغہ واحد مذکر حاضر، نون ثقیلہ ہے (۲) شَرِّدْ: امر، واحد مذکر حاضر، تشرید: ایسی سزا دینا کہ دوسرے دیکھ کر بھاگ جائیں، منتشر ہو جائیں ...... بھم: باء سببیہ ہے ...... من خلفھم: مفعول بہ ہے اور مراد کفار مکہ ہیں۔

الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	سَبَقُوْا	(کہ) ہاتھ سے نکل	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا		گئے وہ	لَا يُعْجِزُوْنَ	بھاگ نہیں سکتے

قریش کی عبرت کے لئے بنو قریظہ کو سخت سزا دی گئی

قبائل یہود میں سے بنو قینقاع اور بنو نضیر کو تو جلاوطن کیا گیا، مگر یہ واقعات غزوۂ احزاب سے پہلے کے ہیں، اور بنو قریظہ کو غزوۂ احزاب کے بعد سخت سزا دی گئی، ان کے بالغ مردوں کو قتل کیا گیا، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا گیا، ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کے حکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی بنا پر کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی تھا، کیونکہ بنو قریظہ نے خطرناک لمحات میں مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اور اس کی سزا تورات میں یہی تھی، سفر استثناء (باب ۲۰، آیت ۱۰) میں ہے: ''نقض عہد کرنے والے جب تیرے قبضہ میں آجائیں تو تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر، مگر عورتوں، لڑکوں اور مویشی کو، پس جو کچھ اس شہر میں ہے سب اپنے لئے لوٹ لے، وہ تیرے خدا نے تجھے دیا ہے''

چنانچہ فیصلہ کے مطابق بنو قریظہ کے بالغ مرد قتل کئے گئے، جن کی تعداد چار سو تھی، چند حضرات فیصلہ سے پہلے مسلمان ہوگئے ان کی جان اور مال محفوظ رہا، اور بنو نضیر کا سردار حیی بن اخطب اپنے وعدہ کے مطابق بنو قریظہ کے پاس قلعہ میں آگیا تھا اس کی بھی گردن ماردی گئی۔

سوال: بنو قریظہ کو ایسی سخت سزا کیوں دی؟ ان کے دو قبیلوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ ان کے ساتھ کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: ایسا قریش کی عبرت پذیری کے لئے کیا گیا، تا کہ وہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ دُم دبالیں، ورنہ ہمارا بھی یہی حشر ہوگا، چنانچہ غزوۂ احزاب کے بعد ان میں مدینہ پر حملہ کرنے کی سکت نہ رہی۔

اب ایک آیت میں ان بدعہدوں (بنو قریظہ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر آپ کسی جنگ میں ان لوگوں پر (یہود پر) قابو پالیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیں جو دوسروں (قریش) کے لئے عبرت بن جائے، اور ان کے (بنو قریظہ کے) پیچھے جو لوگ ان کے تعاون کی امید پر اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں وہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ چپ سادھ لیں اور دُم دبا کر بیٹھ رہیں!

﴿ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ ﴾

ترجمہ: پس اب اگر آپ کسی جنگ میں ان (یہود) پر قابو پالیں تو ان لوگوں کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کریں کہ اس کی

وجہ سے وہ لوگ منتشر ہو جائیں جو ان کے پیچھے (تیار بیٹھے) ہیں، تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں!

معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی منصفانہ صورت

یہاں ایک بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ جب یہودیوں کے ساتھ عہد و پیمان ہو چکا ہے تو پھر ان کے ساتھ جنگ کیسے ہوگی؟ یہ تو مسلمانوں کی طرف سے پیمان شکنی تصور کی جائے گی؟! اس بارے میں سمجھ لیا جائے کہ جن یہودیوں نے خود ہی پیمان شکنی کی ہے اور عہد کو توڑ دیا ہے اُن سے تو جنگ ہوسکتی ہے البتہ وہ لوگ جنھوں نے ابھی عہد شکنی نہیں کی ہے لیکن آثار اور علامتیں ایسی پائی جارہی ہیں کہ یہ بھی عہد شکنی پر تلے ہوئے ہیں انکے بارے میں آگے جنگ و صلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بتلائی جارہی ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی صورت بتلائی گئی ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے اُن کے خلاف کوئی اقدام کر بیٹھیں بلکہ اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ پہلے انہیں آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدنیتی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے اور تمہارے معاملات مشتبہ نظر آرہے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے تمہیں بھی ہر طرح اختیار ہے۔

اور مناسب طور پر معاہدہ لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ کھلے طور پر ان کو آگاہ کر دیا جائے کہ ہم آئندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے اور یہ اعلان ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں، ایسی صورت نہ ہونی چاہئے کہ اس اعلان سے پہلے ہی ان کے مقابلہ کی تیاری مکمل کر لی جائے اور انہیں خالی الذہن رکھ کر یا مقابلہ کی تیاری سے غافل رکھ کر اچانک عہد و پیمان ختم کر کے ہلّہ بول دیا جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا بھی اسلام کی نظر میں خیانت ہے یہ اسلام کا عدل وانصاف ہے کہ دشمنوں کے حقوق کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو انکے مقابلہ میں اس بات کا پابند کیا جاتا ہے کہ وہ عہد کو واپس کرنے سے پہلے جنگی اقدام نہ کریں۔

یہاں ہم اسلام کی تابناک تاریخ کا ایک سبق آموز واقعہ لکھتے ہیں جس سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ آیت میں بیان فرمودہ حکم پر عمل کس طرح ہونا چاہئے۔

سلیم بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کسی قوم کے ساتھ ایک خاص میعاد تک کے لئے التوائے جنگ کا معاہدہ تھا، جب میعاد ختم ہونے میں چند روز باقی رہ گئے تو حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ معاہدہ کے ایام ہی میں لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب اپنی سرحد پر پہنچا دیا جائے، تا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی دشمن پر ٹوٹ

پڑیں۔اسی خیال سے انھوں نے اپنے لشکر کو تیاری اور سرحد کی طرف کوچ کا حکم صادر فرمادیا۔مگر عین اسی وقت جب لشکر سرحد کی طرف روانہ ہورہا تھا دیکھا گیا کہ لشکر میں ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر بڑے زور سے یہ اعلان کررہے ہیں کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَفَاءٌ لاَ غَدَرًا ــــ ''اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! ہمیں معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے'' ــــ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر کی گئی۔انھوں نے اس اعلان کرنے والے شخص کو طلب فرمایا، جب وہ تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔حضرت معاویہؓ نے ان سے اعلان کی وجہ پوچھی۔انھوں نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''اگر کسی قوم سے صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہوجائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے'' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنتے ہی اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تاکہ خیانت کرنے کے مجرم نہ بنیں۔

﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾

ترجمہ: (جن لوگوں نے ابھی تک علانیہ عہد شکنی نہیں کی ہے، لیکن) اگر آپ کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ کریں تو آپ ان کی جانب مناسب طور پر معاہدہ لوٹا دیں ــــ ایسی صاف اطلاع کے بغیر جنگی اقدام کرنا خیانت ہے ــــ اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

جو لوگ خیانت کرتے ہیں اگر وہ چند روز پنپ بھی جائیں تو بالآخر ان کے نصیب میں رسوائی ہے

اسلامی قانون جنگ وصلح میں کفار کے ساتھ دنیا میں جو رعایت رکھی گئی ہے اور انہیں جو زندہ رہنے کا موقع دیا گیا ہے اور بزور شمشیر ان کو اسلام کی دعوت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کافروں پر اللہ کا بس نہیں چلتا یا انہیں ان کے کفر کی سزا دنیا اور آخرت میں چکھنی نہیں پڑے گی۔

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور کافر یہ ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے، یقیناً وہ تھکا نہیں سکتے ــــ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو سزا دیں گے اور کفر کا دیر سویر مزہ چکھائیں گے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

وَاَعِدُّوْا	اور تیار کرو تم	بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَمَا تُنْفِقُوْا	اور جو کچھ خرچ کروگے تم
لَهُمْ	ان کے لئے	عَدُوَّ اللّٰهِ	اللہ کے دشمنوں پر	مِنْ شَيْءٍ	کوئی بھی چیز
مَّا	جو کچھ	وَعَدُوَّكُمْ	اور اپنے دشمنوں پر	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کی راہ میں
اسْتَطَعْتُمْ	تمہارے بس میں ہو	وَاٰخَرِيْنَ	اور دوسروں پر	يُوَفَّ	پوری پوری ملے گی وہ
مِّنْ قُوَّةٍ (۱)	طاقت سے	مِنْ دُوْنِهِمْ	ان کے سوا	اِلَيْكُمْ	تم کو
وَّمِنْ رِّبَاطِ (۲)	اور پلے ہوئے	لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ	نہیں جانتے تم ان کو	وَاَنْتُمْ	اور تم
الْخَيْلِ	گھوڑوں سے	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَا تُظْلَمُوْنَ	گھاٹے میں نہیں رکھے
تُرْهِبُوْنَ	دھاک بٹھاؤ تم	يَعْلَمُهُمْ	ان کو جانتے ہیں		جاؤ گے

دفاع اور کفار سے مقابلہ کے لئے تیاری کے احکام

آیت شریفہ میں مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیاری کی تعلیم دی گئی ہے اور ایک ایسا بنیادی ضابطہ بتلایا گیا ہے جس کے ساتھ فتح وکامرانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مسلمان جب تک اس ضابطہ پر عمل پیرا رہے ہمیشہ کامیابی اور فتح مندی نے بڑھ کر ان کے قدم چومے اس آیت میں دفاع اور کفار سے مقابلہ کے لئے تیاری کے احکام ہیں، ارشاد ہے —— کفار کے لئے جس قدر تم سے ہوسکے سامان جنگ تیار کرو —— اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو، اپنی پوری طاقت تیاری میں خرچ کردو، خدا پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی ضروری اسباب کئے بغیر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہے ضروری سامان فراہم کرنے کا حکم خود شریعت نے دیا ہے اور اسکے بعد نتیجہ ظاہر ہونے کے سلسلہ میں اللہ پر بھروسہ کرنا توکل ہے۔

اس کے بعد سامان جنگ کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں —— یعنی مقابلہ کی قوت جمع کرو —— ان جامع اور مختصر الفاظ میں سب کچھ آ گیا، جنگی سامان، اسلحہ، ایٹمی قوت، ٹینک، لڑاکا طیارے، آب دوز کشتیاں، بندوق، توپ، ہوائی جہاز آہن پوش کروزر وغیرہ سب اس لفظ کے تحت آ گئے، حتی کہ بدن کی ورزش، فنون جنگ کا سیکھنا، سب ہی کچھ ان جامع الفاظ میں آ گیا۔

قرآن پاک نے یہاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج ہتھیاروں کا تذکرہ نہیں فرمایا، بلکہ ایک عام لفظ ''قوت'' استعمال کیا ہے اور قوت ہر زمانہ اور ہر ملک ومقام کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے۔ حضور پاک ﷺ کے زمانہ کے اسلحہ تیر، تلوار اور نیزے تھے اب اور مختلف قسم کے اسلحہ پیدا ہوگئے ہیں، یہ سب اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ان جدید

(۱) من: بیانیہ، ما موصولہ کا بیان ہے (۲) حرف جر کے اعادہ کے ساتھ عطف ہے اور ربط (ن، ض) رَبْطًا: باندھنا، مراد پالنا ہے۔

اسلحہ بنانے اور استعمال کرنے کے لئے جس علم وفن کو سیکھنا ضروری ہو وہ سب اگر اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں سے دفاع اور کفار سے مقابلہ کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے۔

جہاں تک قدرت ہو سامانِ جہاد فراہم کرنا مسلمانوں پر فرض ہے

اب رہا یہ سوال کہ جنگی سامان جمع کیسے ہو۔ اس کے لئے تو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اور بعض اوقات اسلامی مملکت کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی تیاری کر سکے اس لئے آخر آیت میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے — اور تم راہ خدا میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا ملے گا اور تمہیں گھاٹے میں نہیں رکھا جائے گا — دنیا میں امن وامان کا راج ملے گا اگر جنگ ہوگئی تو غنیمت سے نوازے جاؤ گے اور آخرت میں کئی گنا ثواب الگ رہا — آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ جب اسلامی مملکت تہی داماں ہو، اس کے پاس سرمایہ نہ ہو تو عام مسلمانوں سے مدد لی جائے گی۔ لیکن قانون، زبردستی، ٹیکس وغیرہ لگا کر نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے فضائل بتلا کر، ترغیب دلا کر خوشی خوشی چندہ لے کر اس سے فوجی قوت فراہم کی جائے گی۔

نوٹ: آیتِ کریمہ کا ترجمہ اوپر آ گیا۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾

وَإِنْ جَنَحُوا (۱)	اور اگر وہ جھکیں	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ کریں	الْعَلِيمُ	خوب جاننے والا ہے
لِلسَّلْمِ (۲)	صلح کی جانب	عَلَى اللَّهِ	اللہ پر	وَإِنْ يُرِيدُوا	اور اگر وہ چاہیں
فَاجْنَحْ	تو آپ بھی جھک جائیں	إِنَّهُ هُوَ	بلاشبہ وہی	أَنْ يَخْدَعُوكَ	کہ آپ کو دھوکہ دیں
لَهَا	اس کے لئے	السَّمِيعُ	خوب سننے والا	فَإِنَّ	تو بلاشبہ

(۱) جَنَحَ (ف) جَنْحًا وَجُنُوحًا: جھکنا، مائل ہونا، الجَنَاح: بازو، شانہ (۲) السِّلْم (سین کا زبر اور زیر): صلح، مصالحت، اس لفظ میں مذکر ومؤنث برابر ہیں، اس لئے مؤنث ضمیر لوٹی ہے۔

حَسْبَكَ	آپ کے لئے کافی ہیں	بَيْنَ	درمیان	قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں کے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں کے	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	اور لیکن اللہ نے
هُوَ الَّذِيْٓ	وہی ہیں جنھوں نے	لَوْ اَنْفَقْتَ	اگر آپ خرچ کرتے	اَلَّفَ	اتفاق پیدا کر دیا
اَيَّدَكَ	آپ کو قوی کیا	مَا فِي الْاَرْضِ	جو کچھ زمین میں ہے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
بِنَصْرِهٖ	اپنی مدد سے	جَمِيْعًا	سارا	اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ
وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ	اور مسلمانوں سے	مَّآ اَلَّفْتَ	نہ اتفاق پیدا کر سکتے	عَزِيْزٌ	زبردست
وَاَلَّفَ	اور اتفاق پیدا کیا	بَيْنَ	درمیان	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

دشمن مرعوب ہو کر صلح وآشتی چاہیں تو مسلمان بھی ہاتھ بڑھائیں

مسلمانوں کی تیاری اور فوجی قوت دیکھ کر اگر دشمن مرعوب ہو جائیں اور صلح وآشتی کے خواستگار ہوں تو مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ حسب مصلحت وہ بھی صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ ارشاد ہے —— اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف جھک جائیں —— کیونکہ مسلمانوں کی تیاری کا مقصد خونریزی ہرگز نہیں بلکہ مقصد دفع فتنہ اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے اگر جنگ وخونریزی کے بغیر یہ مقصد حاصل ہو رہا ہو تو پھر خون بہانے کی کیا حاجت ہے؟ ہاں اس کا احتمال ہے کہ دشمن کی طرف سے صلح کی خواہش مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور غفلت میں ڈالنے کے لئے ہو اور وہ صلح کے پردے میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی چال چلنا چاہتے ہوں اس لئے آگے ارشاد ہے —— اور اللہ پر بھروسہ کیجئے —— ایسے بے دلیل احتمال کی کچھ پرواہ نہ کیجئے، نہ ایسے بے دلیل احتمالات پر اپنے کاموں کی بنیاد رکھئے اور ایسے خطرات کو اللہ کے حوالہ کر دیجئے —— بلاشبہ وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے —— وہ دشمن کی نیتوں کو جانتا ہے، انکے خانگی مشوروں سے بھی خوب واقف ہے وہ مسلمانوں کی مدد کے لئے کافی ہے۔

آگے یہ مضمون اور زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے —— اور اگر وہ آپ کو دغا دینا چاہیں تو بلاشبہ اللہ پاک آپ کے لئے کافی ہیں —— یعنی اگر صلح کرنے میں دشمن کی نیت صاف نہ ہو اور وہ صلح کے پردے میں مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہو تب بھی کوئی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔ اللہ پاک مسلمانوں کی مدد کیلئے کافی ہیں پہلے بھی اللہ پاک ہی کی امداد سے مسلمانوں کا کام چلا ہے اور وہی آج بھی مسلمانوں کی مدد کیلئے کافی ہے۔ وہ دشمن کے سب فریب برباد کر دے گا۔

آگے اس مضمون کی وضاحت ایک مثال کے ذریعہ کی جارہی ہے کہ اے پیغمبر (ﷺ) آپ بدر کا دن یاد کیجئے، اس دن آپ کے پاس نہ ساز وسامان تھا، نہ فوج تھی نہ ہتھیار تھے فقط چند نہتے مسلمان ساتھ تھے لیکن اللہ پاک نے فتح

وکامرانی کا سہرا آپ کے سر باندھا ارشاد ہے ـــــ وہی اللہ ہے جس نے اپنی امداد سے آپ کو (بدر کے معرکہ میں) قوت بخشی ـــــ وہی ہر موقعہ پر آپ کی دستگیری فرماتا رہے گا ـــــ اور (ظاہری طور پر جاں نثار وسرفروش) مسلمانوں سے (آپ کی تائید کی اور آپ کا بازو مضبوط کیا) ـــــ اور فتح وکامیابی کے یہ دونوں سبب، ایک حقیقی یعنی نصرت خداوندی اور دوسرا ظاہری یعنی مسلمانوں کی جمعیت یہ دونوں سبب ہمہ وقت موجود ہیں لہٰذا مسلمانوں کو صلح کرنے میں کسی خطرہ کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے۔

فوج میں جس قدر اتحاد واتفاق ہوگا اسی قدر اس کا وزن ہوگا

آگے یہ بیان ہے کہ مسلمانوں کی یہ معمولی جمعیت جو بدر کے معرکہ میں آنحضور ﷺ کے ہمراہ تھی یعنی تین سو تیرہ نہتے نفوس کی معمولی تعداد وہ فتح وکامیابی کا ظاہری سبب کیسے بنی؟ مزید برآں وہ اسباب جنگ سے تہی داماں بھی تھی اور مقابل دشمن کئی گنا زائد تھا اور ہر طرح کے سامان سے لیس تھا اللہ پاک اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ معمولی تعداد ''صد قالب یک جان'' تھی ان کے اسی اتحاد واتفاق کی برکت سے معرکہ میں سرخروئی حاصل ہوئی۔ قوم میں جس قدر اتحاد واتفاق ہوتا ہے اسی قدر اس کی قوت اور وزن ہوتا ہے، باہمی اتحاد ویگانگت کے رشتے قوی اور مضبوط ہوں تو پوری جماعت قوی ہے اور اگر یہ رشتے ڈھیلے پڑجائیں تو پوری جماعت ڈھیلی اور کمزور ہے۔ اور یہ اتفاق بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا تھا ارشاد ہے ـــــ اور اسی نے مسلمانوں کے دلوں میں اتفاق پیدا فرمایا اگر آپ تمام وہ چیزیں خرچ کرڈالتے جو زمین میں ہیں پھر بھی ان کے دلوں میں اتفاق پیدا نہیں کرسکتے تھے لیکن اللہ پاک نے ان کے دلوں میں اتفاق پیدا فرمادیا، بلاشبہ وہ زبردست حکمت والے ہیں ـــــ اُس نے مسلمانوں کے دلوں میں مکمل وحدت والفت پیدا کردی اور ان کی مختصر سی جمعیت کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنادیا حالانکہ اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے اور اسلام کی دولت ولذت سے سرشار ہونے سے پیشتر مدینہ کے باشندے، جو دو قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے ایک اُوس اور دوسرا خزرج کہلاتا تھا باہمی شدید جنگیں لڑچکے تھے جن کے جھگڑے ایک صدی پرانے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کی برکت سے اور اسلام کے فیض سے اللہ پاک نے ان جانی دشمنوں کو باہم شیر وشکر اور بھائی بھائی بنادیا، ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں دو طرح کے لوگ دوش بدوش رہتے تھے، ایک مہاجرین کی جماعت تھی جن کا اصلی وطن یا تو مکہ شریف تھا یا عرب کے قبائل تھے وہ اسلام کی نصرت کے لئے مدینہ میں آبسے تھے دوسرے مدینہ کے مقامی باشندے تھے جن کا انصار (اسلام کے معاون) نام رکھا گیا تھا اور جن کا مدینہ اصلی وطن تھا ـــــ اور انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ اغیار کا وجود کبھی برداشت نہیں کرسکتا ـــــ پاکستان کے مہاجرین کا مسئلہ اس کی منہ بولتی تصویر ہے لیکن زبردست

اور حکمت والی مبارک ہستی نے مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنادیا، انصار نے اپنے تمام مال ومنال میں اپنے مہاجر بھائیوں کو برابر کا شریک کرلینا خوشی خوشی منظور کرلیا ـــــ اللہ پاک ارشاد فرمارہے ہیں کہ مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کران میں الفت ومحبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس کا کام نہیں، صرف اسی ذات کا کام ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی خرچ کرڈالے تا کہ باہم منافرت رکھنے والے لوگوں کے دلوں میں الفت پیدا کردے تو وہ کبھی اس میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

پائیدار اتفاق شریعت کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے

آیت پاک سے خاص سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ دلوں کا پورا اور پائیدار اتفاق ظاہری تدبیروں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور شریعت کی پابندی سے حاصل ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ اگر سب مل کر اللہ کی رسی (شریعت) مضبوط تھام لیں تو سب آپس میں خود بخود متفق ہوجائیں گے اور باہمی تفرقے ختم ہوجائیں گے آج اتفاق اتفاق سب پکارتے ہیں، مگر ''اتفاق'' کے معنی ہر شخص کے نزدیک یہ ہوتے ہیں کہ لوگ میری بات مان لیں تو اتفاق ہوجائے اور دوسرے بھی اتفاق کے لئے اسی فکر میں رہتے ہیں کہ وہ ہماری بات مان لیں تو اتفاق ہوجائے حالانکہ رایوں کا اختلاف ناگزیر اور ضروری ہے لہٰذا اس طرح تو قیامت تک آپس میں اتفاق نہیں ہوسکتا ـــــ اتفاق کی صحیح اور فطری صورت صرف یہ ہے کہ دونوں مل کر کسی تیسرے کی بات مان لیں اور تیسرا وہی ہونا چاہئے جس کے فیصلے میں غلطی کا امکان نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ایسی ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے اگر سب مل کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام لیں تو آپس کے جھگڑے ختم ہوکر کامل اتفاق پیدا ہوجائے گا۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ یعنی جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ اُن میں آپس میں محبت ومودّت پیدا فرمادیتے ہیں اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ حقیقی محبت ومودّت پیدا ہونے کا اصلی راستہ ایمان اور عمل صالح کی پابندی ہے۔ اس کے بغیر اگر کہیں کوئی اتفاق واتحاد مصنوعی اور بناوٹی طور پر قائم کر بھی لیا جاوے تو وہ بودا اور کمزور ہوگا۔ ذرا سی ٹھیس سے چکنا چور ہوجائے گا ـــــ یہ تو حقیقی سبب تھا البتہ ظاہری اسباب کی رعایت بھی ضروری تھی اس لئے جب آنحضور ﷺ ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مہاجرین اور مقامی باشندوں کے قلوب میں محبت ومودت پیدا کرنے کے لئے آپ ﷺ نے ظاہری صورت یہ اختیار فرمائی کہ ایک مہاجری اور ایک انصاری کو نامزد کرکے بھائی بھائی قرار دیا۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا یہ روشن باب ''مواخات'' کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اس باہمی بھائی چارگی نے مہاجرین وانصار کے قلوب میں الفت

ومودّت پیدا کرنے میں کتنا اہم رول ادا کیا ہے اس سے تاریخ کا کوئی طالب علم ناآشنا نہیں ہے آج بھی مسلمان ایمان وعمل صالح کی پابندی اختیار فرمالیں اور اللہ کی رسی (قرآن پاک) کو مضبوطی سے تھام لیں تو اسلام کی اجڑی ہوئی تاریخ میں پھر بہار آسکتی ہے۔

بہار آئیگی پھر اسلام کے اجڑے گلستاں میں ❁ اسی شاخِ کہن پر پھر ہمارا آشیاں ہوگا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسۡبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿٦٤﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى ٱلۡقِتَالِۚ إِن يَكُن مِّنكُمۡ عِشۡرُونَ صَٰبِرُونَ يَغۡلِبُواْ مِاْئَتَيۡنِۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٞ يَغۡلِبُوٓاْ أَلۡفٗا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٞ لَّا يَفۡقَهُونَ ﴿٦٥﴾ ٱلۡـَٰٔنَ خَفَّفَ ٱللَّهُ عَنكُمۡ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمۡ ضَعۡفٗاۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٞ صَابِرَةٞ يَغۡلِبُواْ مِاْئَتَيۡنِۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمۡ أَلۡفٞ يَغۡلِبُوٓاْ أَلۡفَيۡنِ بِإِذۡنِ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٦٦﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ	اے پیغمبر	إِن يَكُن	اگر ہوں گے	أَلۡفٗا	ہزار پر
حَسۡبُكَ	کافی ہیں آپ کو	مِّنكُمۡ	تم میں سے	مِّنَ	(ان لوگوں میں) سے
ٱللَّهُ	اللہ تعالیٰ	عِشۡرُونَ	بیس	ٱلَّذِينَ	جنھوں نے
وَمَنِ	اور جو لوگ	صَٰبِرُونَ	ثابت قدم رہنے والے	كَفَرُواْ	کفر کیا
ٱتَّبَعَكَ	آپ کے ساتھ ہیں	يَغۡلِبُواْ	غالب ہوں گے وہ	بِأَنَّهُمۡ	اس لئے کہ وہ
مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ	مؤمنین میں سے	مِاْئَتَيۡنِ	دوسو پر	قَوۡمٞ	لوگ
يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ	اے پیغمبر	وَإِن يَكُن	اور اگر ہوں گے	لَّا يَفۡقَهُونَ	سمجھ نہیں رکھتے
حَرِّضِ	ترغیب دیں	مِّنكُم	تم میں سے	ٱلۡـَٰٔنَ	اب
ٱلۡمُؤۡمِنِينَ	مسلمانوں کو	مِّاْئَةٞ	سو	خَفَّفَ	بوجھ ہلکا کر دیا
عَلَى ٱلۡقِتَالِ	لڑائی (جہاد) کی	يَغۡلِبُوٓاْ	غالب ہوں گے وہ	ٱللَّهُ	اللہ تعالیٰ نے

عَنۡكُمۡ	تم سے	صَابِرَةٌ	ثابت قدم رہنے والے	اَلۡفَيۡنِ	دو ہزار پر
وَعَلِمَ	اور جانا	يَّغۡلِبُوۡا	غالب ہوں گے	بِاِذۡنِ	حکم سے
اَنَّ فِيۡكُمۡ	کہ تم میں	مِائَتَيۡنِ	دوسو پر	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے
ضَعۡفًا	کمزوری ہے	وَاِنۡ يَّكُنۡ	اور اگر ہوں گے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَاِنۡ يَّكُنۡ	پس اگر ہوں گے	مِّنۡكُمۡ	تم میں سے	مَعَ	ساتھ ہیں
مِّنۡكُمۡ	تم میں سے	اَلۡفٌ	ہزار	الصّٰبِرِيۡنَ	ثابت قدم رہنے
مِّائَةٌ	سو	يَّغۡلِبُوۡۤا	(تو) غالب ہوں گے		والوں کے

جہاد کی ترغیب دی جائے، پُر جوش مجاہدین دس گنا دشمن کے لئے کافی ہیں اور کم ہمت دو گنے کے لئے

ان آیات میں ایک جنگی قانون کا تذکرہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے کس حد تک اپنے حریف کے مقابلہ میں جمنا فرض ہے اور بھاگنا گناہ ہے؟ ارشاد ہے —— اے پیغمبر! آپ کے لئے (حقیقت کے اعتبار سے تو) اللہ کافی ہے —— اسی کی نصرت وتائید سے آپ کا بیڑا پار ہوتا ہے اور کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں —— اور (ظاہری اسباب کے اعتبار سے) مؤمنوں کی جماعت آپ کے لئے کافی ہے جنھوں نے آپ کی پیروی کی ہے —— مؤمنین اللہ کے دین کے بہادر سپاہی اور محافظ ہیں، یہ شیر کبھی زیر نہیں ہو سکتے لہٰذا کسی بڑے سے بڑے دشمن کی تعداد یا سامان سے خوف زدہ نہ ہوں روایات میں ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے میدان میں جنگ شروع ہونے سے پہلے نازل ہوئی تھی تاکہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت جو بے سروسامانی کی حالت میں تھی اپنے مقابل کی بھاری تعداد اور سامان جنگ کی کثرت سے مرعوب اور خوف زدہ نہ ہو جائے لیکن ضروری ہے کہ یہ خدائی فوج جہاد کے نشہ میں سرشار ہو، انہیں شہادت کا شوق دامن گیر ہو، میدان جنگ میں جنت کی خوشبوئیں ان کے مشام جان کو معطر کر رہی ہوں، اس لئے ارشاد ہے کہ —— اے پیغمبر! آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے —— انہیں اس عمل خیر کے فضائل سنائیے اور ان کے ساتھ آخرت کے اجر کے وعدے فرمائیے اور انہیں بتلائیے کہ —— اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے بیس اشخاص ہوئے تو وہ دوسو کفار پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہونگے تو وہ ہزار کفار پر غالب رہیں گے —— یعنی اگر وہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں، خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آجائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد مسلمانوں کے ساتھ ہوگی جس کی وجہ سے یہ تھوڑے بھی بہت سوں پر غالب آئیں گے۔

آخر آیت میں ایک نفسیاتی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ —— ایسا اس لئے ہوگا کہ وہ کفار سمجھ بوجھ نہیں رکھتے —— اور

مسلمان خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ لڑنا مرنا محض خدا کے لئے ہے۔ انھیں یقین ہے کہ ہماری تمام قربانیوں کا صلہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے۔ ان کا ایمان ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا ہی اصلی زندگی ہے جیتیں یا ہاریں ہر صورت کو وہ اپنے لئے کامیابی مانتے ہیں ان کے دلوں کی اتھاہ گہرائیوں میں یہ بات گھر کئے ہوئے ہے کہ اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے اور اس کے دین کو چمکانے کے لئے ہم جو بھی تکلیف اٹھائیں گے وہ ہمیں دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہمکنار کرے گی مسلمان جب یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے تو تائید ایزدی اس کے ہمرکاب ہوتی ہے۔ اسے موت سے وحشت نہیں رہتی وہ پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے اور کافر چونکہ اس حقیقت سے ناآشنا ہے، مال ومنال ہی اس کی غرض وغایت ہے، دنیوی زندگانی اس کی معراج کمال ہے تائید ایزدی سے بھی وہ تہی داماں ہے اس لئے وہ بے جگری اور پوری دلیری سے کبھی قدم جما کر مقابلہ نہیں کرسکتا اس لئے وعدہ وبشارت کی صورت میں حکم سنایا جارہا ہے کہ مؤمن پر فرض ہے کہ وہ دس گنے دشمنوں سے مقابلہ کرے کیونکہ وہ مؤمن ہے اور:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا ❁ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ حکم کہ دس گنے دشمنوں سے مقابلہ کرنا فرض ہے مؤمنوں کے لئے آسان حکم تھا۔ کفار کی یہ تعداد مؤمنوں کی ہمتوں سے فروتر تھی آنحضور ﷺ کے مبارک دور میں ایک ہزار مسلمان اسی ہزار کفار سے لڑے ہیں ''غزوۂ موتہ'' میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے تھے اور یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے اس قسم کے تابناک واقعات سے اسلامی تاریخ بھری ہوئی ہے۔

لیکن انسانی طبیعت کا خاصہ اور بشری فطرت ہے کہ اگر کوئی سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن اگر وہی کام بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو عمل کا ولولہ کم ہوجاتا ہے اور حسب کثرت جوش وہمت میں کمی آجاتی ہے۔ ہر ایک منتظر رہتا ہے کہ دوسرا کرے، اور سمجھتا ہے کہ میں ہی تنہا اس کا ذمہ دار نہیں ہوں ـــــ اس لئے جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو جو حکم اب تک بہت ہی سہل تھا بھاری معلوم ہونے لگا چنانچہ اللہ پاک نے بدلے ہوئے حالات کے لئے دوسرا حکم نازل فرمایا۔ ارشاد ہے ـــــ اب اللہ نے تم پر آسانی فرمادی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو ہوئے تو اللہ کے حکم سے وہ دو سو کفار پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوئے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے ـــــ یعنی اب حکم آسان کردیا جاتا ہے۔ دس گنے کی جگہ صرف دو گنے سے مقابلہ ضروری ہے کیونکہ اللہ نے تم میں ہمت کی کمی محسوس کی اس لئے بقدر ہمت بلکہ اس سے بھی آسان حکم دیا ـــــ آخر میں عام قانون کی صورت میں فرمایا جارہا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ

ثابت قدم رہنے والوں کا ساتھی ہے ـــــ لہٰذا اگر آج بھی تمہارے اندر سچا ایمان، کامل اطاعت اور ثابت قدمی کا جوہر موجود ہے تو تم نصرت خداوندی اور معیت الٰہیہ کو ہمرکاب پاؤ گے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا ❁ آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾

مَا كَانَ	مناسب نہ تھا	وَاللَّهُ يُرِيدُ	اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں	أَخَذْتُمْ	تم نے اختیار کیا ہے
لِنَبِيٍّ	نبی کے لئے	الْآخِرَةَ	آخرت	عَذَابٌ عَظِيمٌ	کوئی بڑا عذاب
أَنْ يَكُونَ	کہ ہوں	وَاللَّهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَكُلُوا	سو کھاؤ
لَهُ	ان کے لئے	عَزِيزٌ	بڑے زبردست	مِمَّا	اس میں سے جو کچھ
أَسْرَىٰ	قیدی	حَكِيمٌ	بڑے حکمت والے (ہیں)	غَنِمْتُمْ	تم نے غنیمت میں لیا
حَتَّىٰ	یہاں تک کہ	لَوْلَا	اگر نہ ہوتا	حَلَالًا طَيِّبًا	حلال پاکیزہ
يُثْخِنَ (۱)	خوب قتل کرلے	كِتَابٌ	نوشتہ	وَاتَّقُوا	اور ڈرتے رہو
فِي الْأَرْضِ	زمین میں	مِنَ اللَّهِ	اللہ کی طرف سے	اللَّهَ	اللہ تعالیٰ سے
تُرِيدُونَ	تم چاہتے ہو	سَبَقَ	جو پہلے لکھا جا چکا ہے	إِنَّ اللَّهَ	بیشک اللہ تعالیٰ
عَرَضَ	مال ومتاع	لَمَسَّكُمْ	تو ضرور تم کو چھوتا	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
الدُّنْيَا	دنیا کا	فِيمَا	اس امر کے بارہ میں جو	رَحِيمٌ	بڑے رحمت والے ہیں

جب تک دشمن کی اینٹھ (بَل) نہ نکل جائے قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جائے

آیات کا پس منظر: غزوۂ بدر اسلام میں سب سے پہلا وہ جہاد ہے، جو اچانک پیش آیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے

(۱) أَثْخَنَ (باب افعال) فی الأرض: خوب جنگ کرنا، کشتے کے پشتے لگا دینا۔ ثَخُنَ (ک) ثخونۃ: موٹا اور دبیز ہونا، سخت اور کھردرا ہونا، فھو ثَخِین۔

مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی تھی، دشمن کا چھوڑا ہوا مال بھی غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اور کافروں کے بڑے بڑے ستر سردار مسلمانوں نے گرفتار کر لئے تھے لیکن اب تک قرآن پاک میں اس سلسلہ میں احکامات کی وضاحت نہیں فرمائی گئی تھی کہ جہاد میں اگر مال غنیمت ہاتھ آجائے تو اُسے کیا کیا جائے؟ دشمن کے سپاہی اپنے قبضہ میں آجائیں تو ان کو گرفتار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور گرفتار کر لیا جائے تو پھر ان کے ساتھ معاملہ کیا کرنا چاہئے؟ —— پچھلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی مقدس شریعتوں میں یہ قانون تھا کہ مسلمانوں کو مال غنیمت سے فائدہ اٹھانا حلال نہ تھا اس وقت کا حکم یہ تھا کہ مال غنیمت جمع کر کے بیت المقدس میں خاص جگہ رکھ دیا جائے۔ آسمان سے ایک آگ آتی اور اسے جلا کر خاک کر دیتی، اور یہ جہاد کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی لیکن اللہ پاک نے اپنے محبوب ﷺ کی امت کے لئے خصوصی طور پر مال غنیمت حلال فرما دیا۔ صحیحین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئیں“ اُن پانچ میں یہ بھی ہے کہ کفار سے حاصل ہونے والا مال غنیمت امت محمدی کے لئے حلال ہے لیکن اب تک غنیمت کے بارے میں احکامات نازل نہیں فرمائے گئے تھے۔

اس کے علاوہ اللہ پاک اپنے پسندیدہ بندوں کا، اور سید الانبیاء کی امت کا ایک امتحان بھی کرنا چاہتے تھے چنانچہ جب بدر کے قیدیوں کا مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت جبرئیل امین یہ وحی لائے کہ ”آپ ﷺ صحابۂ کرام کو دو چیزوں میں اختیار دیں کہ چاہیں تو قیدیوں کو قتل کر کے دشمن کی شوکت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں اور چاہیں تو کچھ مال لے کر انھیں چھوڑ دیں لیکن اس دوسری صورت میں آئندہ سال اتنے مسلمان شہید ہوں گے جتنے قیدی آج مال لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے“

اس وحی میں اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تھا مگر ساتھ ہی اس میں ایک ہلکا سا اشارہ ضرور موجود تھا کہ دوسری صورت اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے ورنہ ستر مسلمانوں کا خون اس کے نتیجہ میں لازم نہ ہوتا۔

بہر حال اسیران جنگ کے بارے میں آنحضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسجد نبوی میں مشورہ فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ ”قیدیوں میں سے جو جس کا عزیز ہے وہی اس کو قتل کرے“ تا کہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت قرابت داری کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اور اسلام کے سامنے تمام رشتے ہیچ ہیں اور یہ حسن اتفاق ہے کہ کفر کے سرغنہ، سارے قریشی سردار اس وقت ہمارے قابو میں آگئے ہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کا احتمال تو صفر کے درجہ میں ہے غالب گمان یہ ہے کہ یہ لوگ واپس جا کر پہلے سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمی شروع کر دیں گے —— لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ ”فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا

جائے تاکہ مسلمان جنگ کا ساز وسامان درست کرسکیں اور ممکن ہے کہ آئندہ ان قیدیوں میں سے اکثر دین اسلام قبول کرلیں رہا آئندہ سال ستر مسلمانوں کی شہادت کا معاملہ تو وہ مسلمانوں کے لئے سعادت ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے‘‘

رسول کریم ﷺ نے جو رحمۃ للعالمین اور شفقت مجسم تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو رائیں دیکھ کر وہ رائے قبول فرمالی جس میں قیدیوں کے معاملہ میں رحمت وسہولت تھی، چنانچہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا فیصلہ صادر فرمایا لیکن صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مخاطب ہوکر فرمایا﴿ لَوِ اتَّفَقْتُمَا مَاخَالَفْتُكُمَا ﴾(اگر تم دونوں متفق ہوجاتے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرتا) یعنی جب تم دونوں کی دو رائیں ہیں اور اکثریت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے تو مجبوراً میں نے صدیق کی رائے قبول کی ـــــ اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود آنحضور ﷺ کے نزدیک زیادہ مناسب رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضور ﷺ صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کئے بغیر مکان میں تشریف لے گئے، لوگوں میں خوب قیاس آرائیاں ہوئیں، کسی کا خیال تھا کہ آپ صدیق اکبر اور جمہور کی رائے کا احترام کریں گے اور فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا حکم عنایت فرمائیں گے، کوئی کہتا تھا کہ فاروق اعظم کی رائے قبول فرمائیں گے ـــــ ان تمام واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو جمہور کا مشورہ قبول کرنے میں شرح صدر حاصل نہ تھا۔ آپ کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پسندیدہ تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ جمہور کا مشورہ اس کے خلاف تھا اور بڑی بات یہ تھی کہ صدیق اکبر بھی جمہور کے ہم نوا تھے۔ اس لئے بالآخر آپ نے تشریف لاکر فدیہ لینے کا فیصلہ صادر فرمایا جس پر عتاب آمیز وحی نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! تم نے نبی ﷺ کو قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا جو مشورہ دیا وہ مناسب نہ تھا کیونکہ ـــــ کسی بھی نبی کی شایان شان یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح قتل نہ کرلے ـــــ اور دشمن کی شوکت کو خاک میں نہ ملادے کیونکہ جہاد کا مقصد فساد کا خاتمہ کرنا ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کفار کی شوکت ٹوٹ جائے اُس سے پہلے دشمن کے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا مناسب نہیں ـــــ اس آیت سے یہ ضابطہ واضح ہوا کہ جب تک دشمن کی شوکت برباد نہ ہولے نرمی کا برتاؤ جائز نہیں، ورنہ یہ نرم برتاؤ وبال جان اور سوہان روح ثابت ہوسکتا ہے۔

جب دشمن کی شوکت ختم ہوجائے تو پھر نرم برتاؤ کی گنجائش ہے

سورۂ محمد (ﷺ) میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ﴾

ترجمہ: جب جنگ میں تمہارا کافروں سے مقابلہ ہوجائے تو اُن کی گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب اچھی طرح قتل کر کے ان کی قوت وشوکت توڑ چکو تو پھران کو قید کر کے مضبوط باندھو، پھر یا تو اُن پر احسان کر کے بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کردو یا فدیہ (بدلہ) لے کر چھوڑ دو، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کو چار اختیارات دیئے گئے ہیں:

(۱) چاہیں تو سب کو قتل کردیں۔(۲) چاہیں تو غلام بنالیں۔(۳) چاہیں تو فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔(۴) اور چاہیں تو بغیر فدیہ لئے ہی آزاد کردیں۔

ابتدائے جنگ میں فدیہ لینے کی ممانعت کی وجہ

آگے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب ہے جنھوں نے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کی رائے دی تھی —— تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو —— اسی لئے ہمارے رسول کو نامناسب مشورہ دیا —— اور اللہ تعالیٰ آخرت (کی مصلحت) چاہتے ہیں —— کہ دشمن کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے اور مفسد قسم کے دشمنوں کا صفحۂ ہستی پر وجود نہ رہے تا کہ ہدایت اور اسلام کا نور آزادی سے پھیلے اور لوگ بے روک ٹوک بکثرت اسلام کے حلقہ بگوش بنیں اور جہنم کے دائمی عذاب سے چھٹکارہ حاصل کریں —— اور (تمہاری آرزو بہر صورت پوری ہوتی کیونکہ) اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— وہ فتوحات کی کثرت سے تمہیں مالا مال کردیتے۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو صورت اختیار کی گئی وہ سنگین تھی، تاہم زرفدیہ حلال ہے:

آگے یہ واضح کیا جارہا ہے کہ قیدیوں کے سلسلہ میں تم نے جو صورت اختیار کی تھی وہ بڑی سنگین تھی —— اگر اللہ تعالیٰ کا ایک نوشتہ پہلے سے نہ ہوتا تو جوامر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بھاری عذاب واقع ہوجاتا —— اس ''نوشتہ'' سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے بہت سوں کی قسمت میں مسلمان ہونا مقدر تھا۔ چنانچہ وہ کچھ دن کے بعد مسلمان ہوگئے اور اس طرح کوئی فساد رونما نہ ہوا اور معاملہ کی سنگینی ختم ہوگئی —— ورنہ یہ ستر قیدی رہا ہونے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نہ معلوم کیا آفت کھڑی کرتے اور اسلام کے درخت کے لئے جو ابھی تک ایک نونہال تھا معمولی آفت بھی جان لیوا ثابت ہوتی۔ معاملہ کا دوسرا پہلو وہ تھا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مال غنیمت تم سے پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا۔ بدر کے دن جب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے لگے حالانکہ ابھی تک ان کے لئے مال غنیمت حلال

نہیں کیا گیا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ـــــ یعنی مال غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا یہ اقدام ایسا گناہ تھا کہ اس پر عذاب آجانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا جاچکا تھا کہ اس امت کے لئے مال غنیمت حلال کیا جائے گا اس لئے مسلمانوں کی اس خطا پر عذاب نازل کرنے کے بجائے غنیمت کے حلال ہونے کا حکم نازل کیا گیا۔ ارشاد ہے ـــــ سو جو کچھ تم نے غنیمت میں پایا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ ـــــ دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ غنیمت کے حلال ہونے کا حکم تو اب آیا ہے اور یہ مال تو اس سے پہلے بے ضابطہ حاصل کیا گیا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ـــــ کیونکہ مال غنیمت جو حلال کیا گیا ہے وہ خاص اصول وضوابط کے ماتحت حلال کیا گیا ہے اس میں خیانت یا کسی بھی طرح کی بدعنوانی بہت بڑا جرم ہے ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشش فرمانے والے، بڑی مہربانی فرمانے والے ہیں ـــــ اگر کبھی مال غنیمت کے بارے میں غلطی سرزد ہو جائے یا کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی توبہ کرو، وہ ضرور بخش دے گا۔

غنیمت اور مالِ فیٔ کی حلت کی وجہ

پہلی امتوں کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی۔ ہماری شریعت میں حلال کی گئی۔ اور حدیث میں اس کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری دیکھی پس ہمارے لئے مال غنیمت کو حلال کیا۔ متفق علیہ روایت ہے: **ذلک بأنه رأى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لنا**: وہ بات یعنی غنیمت کی حلّت بایں وجہ ہے کہ اللہ نے ہماری کمزوری اور بے طاقتی دیکھی پس اس کو ہمارے لئے طیب کر دیا (مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، باب قسمۃ الغنائم، حدیث نمبر ۳۹۸۵)

دوسری وجہ: یہ ہے کہ غنیمت کی حلّت ہمارے نبی ﷺ کی دیگر انبیاء پر اور آپ کی امت کی دیگر امتوں پر برتری کے قبیل سے ہے مسلم شریف میں روایت ہے: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں چھ باتوں کے ذریعہ دوسرے انبیاء پر برتری دیا گیا ہوں۔ ان میں تیسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ میرے لئے غنیمت کو حلال کیا گیا ہے (مشکوٰۃ، کتاب الفضائل، باب فضائل سید المرسلین حدیث نمبر ۵۷۴۸) اور نبی کی برتری میں امت کی برتری مضمر ہوتی ہے۔

اور دونوں وجہوں کی دلیلیں دو ہیں:

پہلی دلیل: یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء مخصوص اقوام کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے۔ جن کی تعداد محدود ہوتی تھی۔ جن کے ساتھ جہاد سال دو سال میں نمٹ سکتا تھا اور وہ امتیں طاقتور تھیں۔ جہاد اور ذرائع معاش کو ایک ساتھ جمع کر سکتی تھیں۔ اس لئے ان کے لئے مال غنیمت کو حلال کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ ان کا عمل

جہاد کسی دنیوی غرض کے ساتھ ملوّث نہ ہو، تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اجر کے مستحق ہوں —— اور ہمارے نبی ﷺ کی بعثت تمام لوگوں کی طرف ہوئی ہے۔ جن کی تعداد غیر محدود ہے۔ اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کا کوئی وقت بھی متعین نہیں ہے۔ کیونکہ جہاد قیامت تک جاری رہنے والا ہے اور آپ کی امت اپنی کمزوری اور بے طاقتی کی وجہ سے جہاد اور ذرائع معاش کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہے اس لئے ضرورت تھی کہ آپؐ کی امت کے لئے مالِ غنیمت کو حلال کیا جائے۔ چنانچہ اس شریعت میں حلت نازل ہوئی۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ چونکہ آپ ﷺ کی دعوت عام ہے، اس لئے آپؐ کی امت میں کمزور نیت کے لوگ بھی شامل ہیں۔ جن کے بارے میں متفق علیہ روایت میں آیا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ اس دین کو بدکار آدمی کے ذریعہ (بھی) قوی کرتے ہیں“ (بخاری، کتاب الجہاد باب ۱۸۲ حدیث نمبر ۳۰۶۲) —— اور یہ بدعمل لوگ تین وجہ سے جہاد کرتے ہیں:

(الف) کسی دنیوی غرض سے، جیسے عصبیت (جانب داری کے جذبہ) سے، بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے یا مال غنیمت کے لالچ میں۔

(ب) اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ان بدکار مسلمانوں پر فضل فرمائیں جہاد کے ذریعہ ان کے گناہ دھودیں یا ان کی زندگیاں پلٹ دیں یعنی ان میں سے جو شہید ہوں گے۔ حقوق العباد کے علاوہ ان کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ کافر اور اس کا قاتل دوزخ میں کبھی جمع نہیں ہوسکتے (مشکوٰۃ، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۷۹۵) اور مسلم شریف ہی میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ تمام اعمال میں سب سے افضل ہیں۔ ایک صحابی نے کھڑے ہوکر دریافت کیا: یارسول اللہ! بتلائیں: اگر میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں تو میرے گناہ معاف کردیئے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ”ہاں، بشرطیکہ تم راہِ خدا میں مارے جاؤ اور تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی امید رکھنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو، پیٹھ پھیرنے والے نہ ہو“ پھر آپؐ نے فرمایا: ”تم نے کیا پوچھا؟“ انھوں نے وہی سوال دُہرایا تو آپؐ نے وہی جواب دیا مگر قرضہ کو مستثنیٰ کیا اور فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے ابھی یہ بات بتلائی ہے (مشکوٰۃ حدیث نمبر ۳۸۰۵)

اور ان بدکاروں میں سے جو جنگ میں ظفریاب ہوتے ہیں، تجربہ یہ ہے کہ ان کی زندگیاں صحیح رخ پر پڑ جاتی ہیں اور یہ جہاد کی برکت ہے اور اللہ تعالیٰ کا اُن بدعمل مسلمانوں پر فضل خاص ہے۔

(ج) جب اللہ تعالیٰ کا غصہ کافروں پر بھڑکتا ہے تو جہاد جاری ہوتا ہے اور یہ بدکار مسلمان بھی دوسروں کے ساتھ میدان کارزار میں نکل آتے ہیں اور اللہ کے مقصد کی تکمیل میں آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اور کافروں سے اللہ تعالیٰ کی شدید

ناراضگی کا تذکرہ مسلم شریف کی روایت میں آیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا تو ان سے سخت ناراض ہوئے: عربوں سے بھی اور عجمیوں سے بھی بجز چند بچے کھچے اہل کتاب کے'' (جو صحیح دین پر قائم تھے)

(مسلم شریف، کتاب الجنة، باب الصفات التی یعرف إلخ جلد ۱۷ صفحہ ۱۹۷ مصری)

اور اللہ تعالیٰ کی اس ناراضگی کی وجہ سے کفار کے جان و مال کی عصمت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے اور ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے اموال میں تصرف کر کے ان کو غصہ سے آگ بگولہ کر دیا جائے اور اسی مقصد سے آنحضرت ﷺ ابو جہل کا اونٹ جو بدر کے مال غنیمت میں حاصل ہوا تھا اور جس کی ناک میں چاندی کا حلقہ پڑا ہوا تھا حدیبیہ کے سال بطور ہدی لے گئے تھے (رواہ ابو داؤد، مشکوۃ کتاب المناسک، باب الہدی، حدیث نمبر ۲۶۴۰) اور اسی مقصد سے بنو نضیر کے کھجور کے باغات کو کاٹنے کی اجازت دی تھی تا کہ ان کے مالکان غصہ سے بھر جائیں۔ سورۃ الحشر کی آیت ۵ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسی مقصد سے اس امت کے لئے کفار کے اموال بطور غنیمت حلال کئے گئے ہیں۔

آغاز اسلام میں کفار سے لڑنا جائز نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ کوئی لشکر تھا نہ حکومت وجود میں آئی تھی۔ پھر جب آپؐ نے ہجرت فرمائی اور مسلمان ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں جمع ہوئے اور حکومت قائم ہوگئی اور مسلمان اللہ کے دشمنوں سے جنگ کرنے پر قادر ہوگئے تو اللہ پاک کا یہ ارشاد نازل ہوا: ''ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر ضرور قدرت رکھتے ہیں''

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (۷۱)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے پیغمبر (ﷺ)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اُخِذَ	لیا گیا
قُلْ	فرما دیجئے	فِيْ قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں میں	مِنْكُمْ	تم سے
لِّمَنْ	ان لوگوں سے جو	خَيْرًا	کچھ نیکی	وَيَغْفِرْ	اور بخشیں گے
فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھ میں ہیں	يُّؤْتِكُمْ	(تو) عطا فرمائیں گے تم کو	لَكُمْ	تم کو
مِّنَ الْاَسْرٰٓى	قیدیوں میں سے	خَيْرًا	بہتر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اِنْ يَّعْلَمِ	اگر جانیں گے	مِّمَّآ	اس سے جو	غَفُوْرٌ	بڑی مغفرت والے

رَّحِيْمٌ	بڑی رحمت والے ہیں	خَانُوا	دغا کر چکے ہیں وہ	مِنْهُمْ	ان پر
وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا	اور اگر چاہیں گے وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
خِيَانَتَكَ	آپ سے دغا کرنا	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے
فَقَدْ	تو تحقیق	فَاَمْكَنَ	پس قابو دیدیا اللہ نے	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

بدر کے جن قیدیوں سے فدیہ لیا گیا ان سے دو باتیں کہیں:

۱-اگر وہ مسلمان ہیں یا ہونگے تو زرفدیہ کا بہتر عوض ان کو مل جائے گا

۲-اور اگر وہ دھوکہ بازی کریں گے تو پھر گرفتار ہونگے اور سزا پائیں گے

بدر میں جو ستر قیدی ہاتھ آئے تھے انھیں جب فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو اُن میں سے بعض نے اپنے اسلام کا اظہار کیا جن میں آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے ان لوگوں کا معاملہ زیر غور تھا کہ اُن سے فدیہ لیا جائے یا ویسے ہی چھوڑ دیا جائے اس سلسلہ میں فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ فدیہ تو سب سے لیا جائے گا اگر اسلام ظاہر کرنے پر فدیہ معاف کر دیا جائے گا تو احتمال ہے کہ فدیہ سے بچنے کے لئے اسلام کو بہانہ بنالیا جائے گا اس لئے فدیہ تو سب سے وصول کیا جائے گا پھر اگر انہوں نے دل سے اسلام ظاہر کیا ہے اور واقعۃً وہ مسلمان ہیں تو ان سے فرمادیجئے ـــــ اے پیغمبر (ﷺ) آپ ان قیدیوں سے فرمادیجئے جو آپ کے قابو میں ہیں (کہ) اگر اللہ پاک کو تمہارے دلوں میں کچھ (بھی) نیکی کا اندازہ ہوا (تو) جو تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے اس سے بہتر عطا فرمائے گا اور تمہاری بخشش فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت بڑی مہربانی فرمانے والا ہے ـــــ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی خیر پائیں گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دیں گے مزید یہ کہ تمہاری پچھلی خطائیں معاف فرمادیں گے اور اگر اسلام ظاہر کرنے کا مقصد دھوکہ دینا اور فدیہ سے جان بچانا ہے تو انھیں آگاہ فرمادیں ـــــ اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں (تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا خود وہی ذلیل وخوار ہوں گے) تو وہ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ دغا کر چکے ہیں جس پر اللہ نے انہیں گرفتار کرا دیا (اور انھوں نے دھوکہ بازی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پس آئندہ بھی اگر دغا بازی کریں گے تو ایسی ہی سزا پائیں گے) اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں (وہ اللہ سے اپنی نیتوں کو چھپا نہیں سکتے) بڑی حکمت والے ہیں (جیسا مناسب ہوتا ہے معاملہ فرماتے ہیں) ـــــ بہر حال یہ خیانت خود انھیں کے لئے مضر ثابت ہوگی اور وہی انجام کار ذلیل وخوار اور گرفتار عذاب ہوں گے اگر وہ مخالفت کرنے لگے تو اللہ کے قبضہ سے باہر

کہاں چلے جائیں گے؟! وہ پھر ان کو اسی طرح پکڑ لے گا۔

بدکار کی رسی اللہ پاک ڈھیلی کرتے ہیں جسے وہ اپنی کامیابی تصور کرتا ہے پھر جب اُس پر کامیابی کے غرور کا نشہ چڑھ جاتا ہے تو اللہ پاک کی سخت گرفت اُس کا کام تمام کر دیتی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۷۲﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ	بے شک جو لوگ	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	مِّنْ شَیْءٍ	کچھ بھی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	حَتّٰی	یہاں تک کہ
وَهَاجَرُوْا	اور وطن چھوڑا	اَوْلِیَآءُ	دوست ہیں	یُهَاجِرُوْا	وہ ہجرت کریں
وَجٰهَدُوْا	اور لڑے	بَعْضٍ	بعض کے	وَاِنِ	اور اگر
بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے اموال سے	وَالَّذِیْنَ	اور جو لوگ	اسْتَنْصَرُوْكُمْ	وہ تم سے مدد چاہیں
وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فِی الدِّیْنِ	دین کے معاملہ میں
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستے میں	وَلَمْ	اور نہ	فَعَلَیْكُمُ	تو تم پر لازم ہے
وَالَّذِیْنَ	اور جن لوگوں نے	یُهَاجِرُوْا	ہجرت کی انھوں نے	النَّصْرُ	(ان کی) مدد کرنا
اٰوَوْا (۱)	ٹھکانہ دیا	مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	اِلَّا عَلٰی	مگر مقابلہ میں
وَّنَصَرُوْٓا	اور مدد کی	مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ	ان کی دوستی میں سے	قَوْمٍ	(ان) لوگوں کے

(۱) آوَوْا: اِیْوَاءٌ سے ماضی، جمع مذکر غائب: انھوں نے جگہ دی ٹھکانہ دیا، اس کا مجرد: أَوَی (ض) أُوِیًّا فلاناً: پناہ دینا، اپنے پاس ٹھہرانا۔

بَيْنَكُمْ	(کہ) تم میں	مِّيْثَاقٌ	عہد ہے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
وَبَيْنَهُمْ	اوران میں	وَاللّٰهُ بِمَا	اوراللہ تعالیٰ جوکچھ	بَصِيْرٌ	خوب دیکھنے والے ہے

مسلمان قیدیوں کا بھی فدیہ معاف نہیں کیا،اس لئے کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ نہیں آئے

اسلام ظاہر کرنے والے قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کے سلسلہ میں پچھلی آیت میں جو حکم بیان فرمایا گیا ہے اس سے دل میں یہ کھٹک ضرور پیدا ہوسکتی ہے کہ آخر اپنوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں؟ بعض قیدیوں نے تو یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ہم پہلے سے مسلمان ہوچکے ہیں۔ مکہ والے زبردستی ہمیں جنگ میں گھسیٹ لائے ہیں آنحضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہی عرض کیا تھا کہ كُنْتُ مُسْلِمًا وَلٰكِنِ اسْتَكْرَهُوْنِيْ (روح المعانی) میں تو مسلمان تھا لیکن مکہ والے مجھے زبردستی گھسیٹ لائے ہیں —— اس الجھن کا جواب دیا جاتا ہے کہ چونکہ ہجرت (وطن چھوڑ کر مدینہ آجانا) فرض ہے اس لئے جولوگ اس فرض کوادانہیں کررہے ہیں انکے ساتھ مسلمانوں کادوستی کاتعلق نہیں ہے اگر تم پہلے سے مسلمان تھے تو ہجرت کرکے مدینہ کیوں نہیں آگئے؟ اب جبکہ تم برسرپیکار ہوگئے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مسلمانوں کے قبضہ میں کردیا تو اب باتیں بنانے سے کیا فائدہ؟! ارشاد ہے —— جولوگ ایمان لائے اور جنھوں نے وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے (مہاجرین کو) رہنے کے لئے جگہ دی اور مدد کی بیشک یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست اور رفیق) ہیں —— ان کے باہمی تعلقات ہر رشتے ناطے سے زیادہ قوی ہیں، اسی وجہ سے حضور پاک ﷺ نے ان مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ کیا تھا اور اسی بھائی چارہ کی بنیاد پر شروع اسلام میں میراث تقسیم ہوتی تھی، قرابت اور رشتہ داری کی وجہ سے مہاجر اور غیر مہاجر میں میراث جاری نہیں کی جاتی تھی —— اور جولوگ ایمان لائے اور انھوں نے وطن نہ چھوڑا تمہارا ان کے ساتھ ولایت (اور رفاقت) کا کچھ بھی تعلق نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں —— کیونکہ مدنی زندگی کے شروع میں بہت نازک وقت تھا۔ اسلام کی موت وحیات کا مسئلہ درپیش تھا اور مسلمان نصرت واعانت کے محتاج تھے اسی لئے تمام ایمان لانے والوں پر ہجرت فرض کی گئی تھی۔ ایسے کٹھن وقت میں جو حضرات ایمان تو لائے لیکن وطن، گھربار، اعزاء واقرباء کو چھوڑ کر مدینہ نہیں آئے۔ اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کیا ان سے تعلق کیسا؟ ان سے رفاقت اور دوستی کیا معنی رکھتی ہے؟ وہ تو امن وسلامتی سے اپنے گھروں میں اہل وعیال کے ساتھ مزے اڑائیں، مسلمانوں کا پریشانیوں میں کوئی ہاتھ نہ بٹائیں، پھر بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جائے یہ کیسے ممکن ہے؟! لہٰذا اگر تم پہلے سے مسلمان ہوچکے ہو تو بھی فدیہ ادا کرنا ہوگا اس سلسلہ میں تمہارے ساتھ مراعات والا کوئی برتاؤ نہیں کیا جائے گا۔

ہجرت نہ کرنے والے مسلمانوں کی بھی امداد ضروری ہے، مگر معاہد قوم کے مقابلہ میں امداد نہ کی جائے گی

لیکن ان احکام سے کہیں یہ خیال نہ کرلیا جائے کہ فریضۂ ہجرت کو ترک کرنے والے وہ مسلمان کافر ہیں ان کے ساتھ ہر جگہ کافروں والا برتاؤ کرنا چاہئے نہیں! بلکہ وہ مسلمان ہیں اگر وہ ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے نصرت وامداد کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمانوں پر ان کی امداد کرنا ضروری ہے ارشاد ہے —— اور اگر وہ (ہجرت نہ کرنے والے مسلمان) تم (ہجرت کرنے والے مسلمانوں) سے دین (کی حفاظت) کے لئے مدد طلب کریں تو تمہارے ذمہ ان کی امداد کرنا واجب ہے مگر (اس کی وجہ سے اصول عدل وانصاف اور پابندیٔ معاہدہ کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ پس اگر وہ تم سے کسی) ایسی قوم کے مقابلہ میں (امداد طلب کریں) جن سے تمہارا (ناجنگ) معاہدہ ہو چکا ہے —— تو اس قوم کے مقابلہ میں اُن مسلمانوں کی بھی امداد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس قوم سے مسلمانوں کا التواء جنگ کا معاہدہ ہو چکا ہے اور اسلام میں عدل وانصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے۔

یہاں ہم اسلام کی تابناک تاریخ کا ایک دلدوز واقعہ لکھتے ہیں جس سے ہمیں آیت پاک میں بیان ہونے والے حکم کا مقصد سمجھنے میں کافی مدد ملے گی ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں نے مکہ کے کافروں سے صلح کی تھی۔ اس چھ نکاتی صلح نامہ میں ایک دفعہ یہ تھی کہ مکہ سے کوئی کافر یا مسلمان مدینہ آئے تو اُسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں چلا جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

صلح نامہ ابھی تکمیل کے مراحل سے گذر رہا تھا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے کے جرم میں پابند سلاسل کر دیئے گئے تھے اور مکہ میں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کر رہے تھے کسی طرح بھاگ کر پا بہ زنجیر آنحضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ کفار نے کہا: شرائط صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، ابو جندل کو شرط کے مطابق واپس دے دو۔ آنحضور ﷺ نے کافروں کو ہر طرح سمجھایا مگر انھوں نے مان کر نہیں دیا مجبوراً آنحضور ﷺ نے ابو جندل کو کافروں کے حوالہ کر دیا اور ابو جندل کا سنگ دل باپ سہیل وہیں سے انھیں مارتا ہوا مکہ کی طرف لے چلا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے۔ آنحضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ کیا آپ برحق پیغمبر نہیں ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں برحق پیغمبر ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر ہم دین کے معاملہ میں ایسی ذلت کیوں گوارا کریں؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اس

کے حکم کی مخالفت اور بدعہدی نہیں کرسکتا، اللہ میری مدد کرے گا —— غور کا مقام ہے دین کی حفاظت کے لئے ابوجندل مسلمانوں سے مدد چاہتے ہیں، اپنے درد کا دکھڑا سناتے ہیں سب کے دل جوش سے لبریز ہیں اگر آنحضور ﷺ کا اشارہ ہوجاتا تو تلواریں آگ برسانے لگتیں دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہوچکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے بہت کڑا امتحان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد سامنے ہے —— اور اللہ پاک جو کچھ تم کررہے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے —— چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوجندل کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا ”ابوجندل! صبر سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دیگر مظلوموں کے لئے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہوچکی ہے اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کرسکتے!“ (سیرۃ ابن ہشام)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۭ﴿۷۳﴾

وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	بَعْضٍ	بعض کے	فِتْنَةٌ	فتنہ
كَفَرُوْا	کفر کی راہ اختیار کی	اِلَّا	اگر نہ	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	تَفْعَلُوْهُ	کروگے تم یہ	وَفَسَادٌ	اور خرابی
اَوْلِيَآءُ	دوست ہیں	تَكُنْ	(تو) ہوجائے گا	كَبِيْرٌ	بڑی

ہجرت کی فرضیت اور اہمیت کی وجہ

پچھلی آیت میں ہجرت پر جو اس قدر زور دیا گیا ہے اس کی وجہ اس آیت میں سمجھائی جارہی ہے —— اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی (دوست اور رفیق) ہیں —— کافر، کافر کا رفیق اور وارث ہے بلکہ تم سے دشمنی کرنے میں سب کفار ایک آواز ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے لہٰذا اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے، اور تمام مسلمان ہجرت کرکے کسی ایک مرکز میں اکٹھا نہ ہوں گے اور کمزور مسلمان ہجرت کرکے آزاد مسلمانوں کی رفاقت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ بپا ہوگا۔ ارشاد ہے —— اگر تم وہ کام (مدینہ کی طرف ہجرت) نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑی خرابی ہوگی —— کمزور مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان خطرہ میں پڑجائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

ع

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	حَقًّا	سچے پکے	فَاُولٰٓئِكَ	سو وہ لوگ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَهُمْ	ان کے لئے	مِنْكُمْ	تم میں سے (ہیں)
وَهَاجَرُوْا	اور وطن چھوڑا	مَّغْفِرَةٌ	بخشش (ہے)	وَاُولُوا الْاَرْحَامِ	اور قرابت والے
وَجٰهَدُوْا	اور جہاد کیا انھوں نے	وَّرِزْقٌ	اور روزی (ہے)	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کے راستے میں	كَرِيْمٌ	عزت والی	اَوْلٰى	زیادہ حقدار (ہیں)
وَالَّذِيْنَ	اور جن	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اور جو ایمان لائے	بِبَعْضٍ	بعض کے
اٰوَوْا	لوگوں نے جگہ دی	مِنْۢ بَعْدُ	اس کے بعد	فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ	حکم خداوندی میں
وَّنَصَرُوْٓا	اور مدد کی	وَهَاجَرُوْا	اور گھر چھوڑا	اِنَّ اللّٰهَ	تحقیق اللہ تعالیٰ
اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	وَجٰهَدُوْا	اور جہاد کیا	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز سے
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ	ہی ایمان والے (ہیں)	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ ہو کر	عَلِيْمٌ	واقف ہیں

ہجرت میں ڈھیل کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں

ان آیات میں سے پہلی آیت میں ہجرت کرنے والے نیز ان کی امداد کرنے والے مسلمانوں کے فضائل کا بیان ہے اور ہجرت کرنے میں کوتاہی کرنے والے مسلمانوں کی ایک نفسیاتی الجھن کا حل پیش کیا گیا ہے کہ اگر ہم وطن، گھر بار اور کاروبار کو خیر باد کہہ کر کسی اجنبی جگہ جا بسیں گے تو ہماری معیشت کا کیا ہوگا؟ ہم کیا کھائیں گے پئیں گے؟ ان کی اس الجھن کا تشفی بخش حل پیش کیا جارہا ہے۔ آیت پاک کا مقصد ہجرت کرنے میں ڈھیل کرنے والے مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ انھیں مہاجرین کے فضائل ومناقب سنا کر ہجرت کی ترغیب دی جارہی ہے، ارشاد ہے —— اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے گھر بار اور وطن چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے (مہاجرین کو) رہنے کے کے لئے جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی سچے پکے مسلمان ہیں —— لہٰذا جو لوگ مسلمان تو ہو چکے ہیں لیکن کسی وجہ سے اب تک ہجرت نہیں کر سکے ہیں انھیں پہلی فرصت میں ہجرت کر لینا چاہئے تا کہ سچے مسلمانوں کی فہرست میں ان کا نام بھی درج ہو جائے —— ان کے لئے بخشش ومغفرت اور عزت کی روزی ہے —— ہجرت کرنے میں انھوں نے جو ڈھیل

کی ہے، اللہ پاک ان کی یہ خطا بخش دیں گے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

أَلاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ وَالْهِجْرَةُ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا۔

ترجمہ: مسلمان ہو جانا پچھلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اسی طرح ہجرت کرنا پچھلے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔
اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو باعزت روزی ملے گی وہ بھوکے نہیں مریں گے۔ سورۃ النساء آیت (نمبر ۱۰۰) میں ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا اسے وافر زمین اور بہت گنجائش ملے گی۔

تاخیر سے ہجرت کرنے والے مسلمان بھی دنیوی احکام میں مہاجرین اولین کے مانند ہیں اور اب میراث رشتہ داری کی بنیاد پر تقسیم ہوگی

اس کے بعد دوسری آیت میں یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ تاخیر سے ہجرت کرنے والے بھی دنیوی احکام میں مہاجرین اولین کے مانند ہیں اگرچہ اخروی مراتب میں مہاجرین اولین اور آخرین میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور جو لوگ زمانۂ مابعد میں ایمان لائے اور ہجرت (بھی) کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد (بھی) کیا تو وہ لوگ تمہارے ہی شمار میں ہیں —— یعنی یہ مابعد زمانہ میں ایمان لانے والے اور ہجرت کرنے والے بھی تمہارے ہی زمرہ میں شامل ہیں۔ اس لئے وراثت کے احکام میں بھی انکا حکم عام مہاجرین کی طرح ہے۔ ارشاد ہے —— اور (مہاجرین اولین کے) رشتہ دار کتاب اللہ (حکم الٰہی) میں ایک دوسرے (کی میراث) کے (بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے) زیادہ حق دار ہیں —— اور ہجرت کے بعد مدنی زندگی کے آغاز میں میراث کے متعلق جو حکم دیا گیا تھا کہ اس کی تقسیم بھائی چارہ کی بنیاد پر کی جائے وہ ایک وقتی حکم اور خاص حالت کے لئے تھا جبکہ اکثر مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان نہیں ہوئے تھے یا ہجرت کر کے مدینہ شریف نہیں آئے تھے —— اب جبکہ اکثر مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو کر یا ہجرت کر کے مدینہ آگئے ہیں تو اگرچہ وہ فضل ورتبہ میں ہجرت کرنے میں تاخیر کرنے کی وجہ سے مہاجرین سابقین کے ہم پلہ نہیں ہیں، لیکن قرابت داری کی وجہ سے مہاجرین کی میراث کے وہی زیادہ حق دار ہیں اس لئے وہ وقتی حکم ختم کر کے اس کی جگہ اب دوسرا دائمی حکم دیا جاتا ہے کہ اب سے میراث کی تقسیم بھائی چارہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ عزیز داری کی بنیاد پر ہوگی —— بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں —— اس لئے ہر وقت کی مصلحت کے مطابق حکم نازل فرماتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

نمبر شمار ۹ نزول کا نمبر ۱۱۳ نزول کی نوعیت مدنی رکوع ۱۶ آیات ۱۲۹

سورت کے تین ناموں کی وجہ تسمیہ: روح المعانی میں اس سورت کے تیرہ نام لکھے ہیں، ان میں سے مشہور نام تین ہیں:

(۱) سورۂ براءت: وہ سورت جس میں کفار سے بے تعلقی کا بیان ہے، اس نام کی وجہ ظاہر ہے، اس میں کفار سے براءت یعنی بیزاری کا اعلان ہے۔

(۲) سورۃ التوبہ: یہ نام اس لئے ہے کہ اس میں تین مخلص مسلمانوں کی توبہ کی قبولیت کا بیان ہے (آیت ۱۱۸)

(۳) سورۃ الفاضحہ: رسوا کرنے والی سورت۔ یہ نام اس لئے ہے کہ اس میں منافقین کے پول کھولے گئے ہیں، اس سورت نے ان کی دسیسہ کاری کا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

سورت کی اہمیت: یہ سورت قرآن پاک کی بہت ہی اہم سورت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی قلم رو میں ایک گشتی حکم جاری فرمایا تھا کہ "سورۂ براءت سیکھو اور اپنی مستورات کو سورۂ نور سکھاؤ" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ہم اس سورت کی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس سورت کی خاص اہمیت کے پیش نظر ہی حضرت عمرؓ نے اس کے سیکھنے کا خصوصیت سے حکم دیا ہے۔

یہ سورت ایک آئینہ ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صورت دیکھ سکتا ہے اسے اپنی سیرت کے تمام بدنما داغ اس آئینہ میں نظر آئیں گے۔ نیک بخت اور سمجھ دار مسلمان وہ ہے جو اپنی اصلاح کی فکر کرے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس نقطۂ نظر سے ہم اس سورت کو پڑھیں گے اور اگر اپنے اندر کوئی بات اسلامی زندگی کے خلاف محسوس کریں گے تو پہلی فرصت میں اس کی اصلاح کریں گے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی خرابیاں اس آئینہ میں دیکھ لینے کے بعد بھی اپنی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہ اٹھائیں اور موقع ہاتھ سے ضائع کر دیں۔

انفال و براءت کے درمیان بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی، اس کی وجہ ترمذی شریف کی حدیث

میں آئی ہے، جو درج ذیل ہے:

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کس چیز نے آپ حضرات کو ابھارا کہ آپ لوگوں نے انفال کا قصد کیا — درانحالیکہ وہ مثانی میں سے ہے — اور براءت کا قصد کیا — درانحالیکہ وہ مئین میں سے ہے — پس آپ حضرات نے دونوں کو ملایا، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی، اور آپ حضرات نے ان کو لمبی سات سورتوں میں رکھا؟ کس چیز نے آپ حضرات کو ایسا کرنے پر ابھارا؟ پس حضرت عثمانؓ نے فرمایا: نبی ﷺ تھے کہ بیت جاتا تھا آپ پر زمانہ، درانحالیکہ آپؐ پر متعدد سورتیں اتاری جاتی تھیں، یعنی متعدد سورتوں کے نزول کا سلسلہ ایک ساتھ چلتا رہتا تھا، اور عرصہ دراز گذرنے پر وہ سورتیں مکمل ہوتی تھیں۔ پس جب آپؐ پر کوئی چیز اترتی تو آپؐ بعض لکھنے والے صحابہ کو بلاتے، اور فرماتے: ان آیتوں کو اُس سورت میں رکھو جس میں یہ اور یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح جب آپؐ پر ایک آیت اترتی تو بھی فرماتے: اس آیت کو اُس سورت میں رکھو جس میں ایسا اور ایسا مضمون ذکر کیا گیا ہے...... اور سورۃ الانفال اُن ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی تھیں، اور سورۃ البراءت قرآن کی آخری سورتوں میں سے تھی، اور سورۃ البراءت کا مضمون سورۃ الانفال کے مضمون سے ملتا جلتا تھا، اس لئے میں نے گمان کیا کہ براءت: انفال میں سے ہے یعنی سورۃ البراءۃ: سورۃ الانفال کا جزء ہے، پس رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور آپؐ نے ہمارے لئے وضاحت نہیں فرمائی کہ براءت: انفال سے ہے، اس وجہ سے میں نے دونوں کو ملا دیا، اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی، پھر میں نے دونوں کو لمبی سورتوں میں رکھ دیا۔

تشریح:

۱- آیتوں کے کم وبیش ہونے کے اعتبار سے قرآن کی سورتیں چار قسموں میں منقسم ہیں: ۱- سبع طول: سات بڑی سورتیں، جو سورۃ بقرہ سے شروع ہو کر سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہیں۔ ۲- مِئون (حالتِ رفعی میں) اور مِئین (حالتِ نصبی وجری میں) وہ سورتیں جن میں سو یا سو سے کچھ زائد آیتیں ہیں ۳- مَثانی: مَثنیٰ کی جمع: بار بار پھیری جانے والی سورتیں، یعنی وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں۔ ۴- مفصلات: وہ سورتیں جن میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، یہ سورۃ قٓ سے آخر تک ہیں (اور یہ بات اکثری ہے کلی نہیں) اور سورۃ الانفال میں ۷۵ آیتیں ہیں، پس وہ مثانی میں سے ہے، اور سورۃ البراءۃ میں ۱۲۹ آیتیں ہیں، پس وہ مئین میں سے ہے، اور ان دونوں کا مجموعہ ۲۰۴ آیتیں ہیں، اس طرح وہ سبع طول میں شمار کی گئیں۔

۲- اوپر حدیث کا لفظی ترجمہ کیا ہے، اس سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ البتہ حضرت عثمانؓ کا جواب شاید لفظی ترجمہ سے سمجھ میں نہ آئے، ان کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں تھوڑا تھوڑا اترا ہے ایک ہی

سورت کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوتی تھیں۔اور جبرئیل امین جب وحی لے کر آتے تھے تو ساتھ ہی یہ حکم الٰہی بھی لاتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے، اسی کے مطابق رسول اللہ ﷺ وحی لکھنے والوں سے لکھوا دیتے تھے۔

اسی طرح جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی تو بسم اللہ نازل ہوتی تھی، جس سے سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہوگئی، اور اب دوسری سورت شروع ہوئی، قرآنِ پاک کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

لیکن سورۂ توبہ کے شروع میں عام دستور کے مطابق بسم اللہ نازل نہیں ہوئی، نہ رسول اللہ ﷺ نے وحی لکھنے والوں کو یہاں بسم اللہ لکھنے کی ہدایت فرمائی، اس لئے دورِ عثمانی میں جب قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تو یہ دیکھ کر کہ مضامین کے اعتبار سے سورۂ توبہ کی سورہ انفال سے مناسبت ہے اور دورِ نبوی میں یہ دونوں سورتیں قَرِيْنَتَيْن (ملی ہوئی) کہلاتی تھیں، اس لئے دونوں کو ساتھ ملایا گیا، اور نزول کے اعتبار سے سورۂ انفال مدنی زندگی کے آغاز میں غزوۂ بدر کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی، اور سورۂ توبہ مدنی زندگی کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی تھی، اس لئے دونوں کو ایک بھی نہیں کیا، اس طرح حضرت عثمانؓ اور تمام صحابہ کرام نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں سورتوں کو ملا کر شروع کی سات بڑی سورتوں میں شمار کیا جائے، اور پہلے سورۂ انفال رکھی جائے اور اس کے بعد سورۂ توبہ، اور درمیان میں بسم اللہ نہ لکھی جائے، البتہ درمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی جائے تاکہ دونوں سورتوں کو ایک نہ سمجھ لیا جائے۔

سورۃ التوبہ میں بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ

جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا ہوا آرہا ہو اور سورۂ توبہ شروع کرے وہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھے ــــــ لیکن جو شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کرے یا درمیان سے تلاوت شروع کرے اُس کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔عوام کا یہ خیال کہ سورۂ توبہ کی تلاوت میں کسی حال میں بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں یہ غلط خیال ہے اور بعض لوگ بسم اللہ کے بجائے سورۂ توبہ کے شروع میں أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ پڑھتے ہیں اس کا آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

سورۃ التوبہ کا سورۃ الانفال سے ارتباط

سورۃ الانفال کی آیت ۵۸ ہے: ﴿ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ یعنی جن لوگوں نے ابھی تک علانیہ بدعہدی نہیں کی مگر بدعہدی کا اندیشہ ہے تو ان کی

طرف ''مناسب طور پر'' معاہدہ لوٹا دیا جائے، یعنی کھلے طور پر ان کو آگاہ کر دیا جائے کہ ہم آئندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے، اور یہ اطلاع ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق برابر ہوں، اس سورت کے شروع میں اس کی مثال ہے، سنہ ۹ ہجری میں حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل کو اس کی اطلاع کر دی تھی، پس گویا یہ سورت: سورۃ الانفال کا جزء ہے۔

اس کی ضروری تفصیل: یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد سنہ ۶ ہجری میں نبی ﷺ پندرہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے، بیت اللہ ایک عام عبادت گاہ تھی، ہر ایک کو حج اور عمرہ کے لئے آنے کی عام اجازت تھی، مگر مکہ والوں نے دستور کے خلاف مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ سے روک دیا، بالآخر حدیبیہ میں قریش کے ساتھ دس سال کے لئے ناجنگ معاہدہ ہو گیا، جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس معاہدہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ قریش کے علاوہ دیگر قبائل میں سے جس کا جی چاہے قریش کا حلیف بن جائے، اور جس کا جی چاہے رسول اللہ ﷺ کا حلیف بن جائے، چنانچہ خزاعہ آپؐ کے حلیف بن گئے، اور بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے۔ اور معاہدہ کی رو سے یہ بھی لازم تھا کہ کسی جنگ کرنے والے قبیلہ کو کسی جانب سے کوئی امداد نہ دی جائے۔

اس معاہدہ پر ۲۲ ماہ کی مدت گذری تھی کہ ہجرت کے آٹھویں سال شعبان کے مہینہ میں بنوبکر نے بنوخزاعہ پر رات کے سناٹے میں چھاپا مارا، اور قریش نے یہ خیال کر کے کہ رات کا وقت ہے اور رسول اللہ ﷺ دور ہیں: واقعات کی تفصیلات آپؐ تک نہیں پہنچیں گی: بنوبکر کی ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد کی، اس طرح مکہ والوں نے معاہدۂ صلح کی دھجیاں اڑا دیں قبیلہ خزاعہ نے نبی ﷺ سے قریش کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت کی، چنانچہ آپؐ نے خفیہ تیاری شروع کر دی اور ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک میں بھاری جمعیت لے کر مکہ مکرمہ فتح کر لیا۔ اور مکہ اور اطراف مکہ میں بسنے والے سبھی غیر مسلموں کو جان و مال کا امان دے دیا۔

پھر سنہ ۹ ہجری میں حج کرانے کے لئے نبی ﷺ تو تشریف نہیں لے گئے، اس لئے کہ اس سال غیر مسلم بھی حج کے لئے آنے والے تھے، اور قمری تاریخیں بھی اپنی جگہ نہیں رہی تھیں، البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر حج کرانے کے لئے بھیجا، اس میں ان کی خلافت بلافصل کی طرف اشارہ ہے، اس حج میں معاہدوں کے خاتمہ کا اعلان کیا گیا، تاکہ بات سارے عرب میں پہنچ جائے، یہی ﴿ عَلٰى سَوَآءٍ ﴾: مناسب طور پر اعلان کرنا ہے، پس اس سورت کی ابتدا میں سورۃ الانفال کے حکم کی مثال ہے، جس کی تفصیل سورت کے شروع میں ہے۔

سورت کے مضامین: اس سورت میں وہی مضامین ہیں جو سورۃ الانفال میں تھے، یعنی جنگی احوال میں ہدایات کا بیان ہے، اس سورت کا بڑا حصہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے، یہ غزوہ رومن امپائر کے ساتھ پیش آیا تھا، نبی ﷺ

تیس ہزار کی جمعیت لے کر تبوک تک تشریف لے گئے تھے، مگر رومی مقابلہ میں نہیں آئے، اور فوج فتح کا پھریرا اڑاتی ہوئی لوٹی، اس غزوہ میں چونکہ مقابلہ سخت تھا، منافقین بہانے بنا کر پیچھے رہ گئے تھے، اس لئے ان کو سخت لتاڑ پڑی، اور تین مخلص مسلمان سستی کی وجہ سے شریک نہیں ہوئے تھے ان کا پچاس دنوں تک شوسل بائیکاٹ کیا گیا، پھر ان کی توبہ نازل ہوئی (آیت ۱۸۸) اس لئے اس سورت کا نام سورۃ التوبہ رکھا گیا، پس یہ جزء سے کل کا نام رکھا گیا ہے، اور آخر میں ایک آیت میں نبی ﷺ کے محاسن ہیں اور بالکل آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہے۔

غیر مسلموں کے مختلف حالات: مکہ مکرمہ اور اطراف میں بسنے والے غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے:

① کچھ لوگ وہ تھے جن کے ساتھ حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تھا مگر خود انھوں نے اس معاہدہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور ان کی یہی حرکت فتح مکہ کا سبب بنی تھی۔

② کچھ لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ خاص وقت تک کے لئے ہوا تھا اور وہ اپنے معاہدہ پر قائم تھے، یہ بنو ضَمُرَہ اور بنو مُدْلِج تھے جو دونوں بنو کنانہ کی شاخیں ہیں، ان کے ساتھ جو میعادی معاہدہ ہوا تھا، سورۂ براءت کے نزول کے وقت، اس معیاد کے پورا ہونے میں صرف نو مہینے باقی رہ گئے تھے۔

③ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہوا تھا۔

④ اور ایسے لوگ بھی تھے جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔

جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر

تبوک سے واپسی میں نبی ﷺ نے فوج سے فرمایا: **رَجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر:** ہم چھوٹے جہاد (مقابلہ) سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں، غزوۂ تبوک میں رومی سامنے نہیں آئے تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا، اتنا بڑا لشکر فتح مکہ کے وقت بھی نہیں تھا، اس لئے شاید فوج کو خیال ہو کہ رومی ہم سے آنکھ نہیں ملا سکے، اس لئے آپؐ نے فوج کو تنبیہ کی یہ تو چھوٹا معرکہ تھا، آگے رومیوں کے ساتھ بڑے بڑے معرکے پیش آنے ہیں، جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں پیش آئے، پس فوج لوٹ کر خواب خرگوش میں مبتلا نہ ہو جائے، آگے پیش آنے والے بڑے مقابلوں کی تیاری میں لگی رہے

❁ ❁ ❁

(۹) سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۳)

اٰیاتها ۱۲۹ — رکوعاتها ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

بَرَآءَةٌ	بے تعلقی ہے	عٰهَدْتُّمْ (۱)	تم نے قول وقرار کیا ہے	اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	چار مہینے
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	وَّاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
وَرَسُوْلِهٖٓ	اور اس کے رسول کی طرف سے	فَسِيْحُوْا (۲)	پس چلو پھرو تم	اَنَّكُمْ	کہ تم
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جن سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	غَيْرُ	نہیں

(۱) عَاهَدَه معاهَدَة: باہم قول وقرار کرنا، وعدہ کرنا (۲) سِيْحُوا: امر، جمع مذکر حاضر، سَاحَ (ض) سَيْحًا: گھومنا، چلنا، زمین میں سفر کرنا۔

مُعْجِزِي[1]	عاجز کرنے والے	وَاِنْ	اور اگر	اَحَدًا	کسی کی
اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کو	تَوَلَّيْتُمْ	روگردانی کی تم نے	فَاَتِمُّوْٓا	پس پورا کرو
وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ	فَاعْلَمُوْٓا	تو جان لو	اِلَيْهِمْ	ان کے ساتھ
مُخْزِي[2]	رسوا کرنے والے ہیں	اَنَّكُمْ	کہ تم	عَهْدَهُمْ	ان کا قول وقرار
الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	غَيْرُ	نہیں	اِلٰى مُدَّتِهِمْ	ان کی مدت تک
وَ اَذَانٌ	اور اعلان عام ہے	مُعْجِزِي	عاجز کرنے والے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
وَ رَسُوْلِهٖٓ	اور اس کے رسول کی طرف سے	وَ بَشِّرِ	اور خوش خبری سنائیں	الْمُتَّقِيْنَ	احتیاط کرنے والوں کو
اِلَى النَّاسِ	لوگوں کی طرف	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو	فَاِذَا	پس جب
يَوْمَ الْحَجِّ	بڑے حج کے دن میں	كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	انْسَلَخَ[5]	گذر جائیں
الْاَكْبَرِ		بِعَذَابٍ	عذاب کی	الْاَشْهُرُ	مہینے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	اَلِيْمٍ	دردناک	الْحُرُمُ	محترم
بَرِيْٓءٌ	بے تعلق ہیں	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر وہ لوگ جن سے	فَاقْتُلُوا	تو قتل کرو
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والوں سے	عٰهَدْتُّمْ	تم نے قول وقرار کیا ہے	الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین کو
وَرَسُوْلُهٗ[3]	اور اس کے رسول (بھی)	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	حَيْثُ	جہاں
فَاِنْ	پس اگر	ثُمَّ	پھر	وَجَدْتُّمُوْهُمْ	پاؤ ان کو
تُبْتُمْ	توبہ کی تم نے	لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ	انھوں نے نہیں کم کیا تم سے	وَخُذُوْهُمْ	اور پکڑو ان کو
فَهُوَ	تو وہ	شَيْئًا	کچھ بھی	وَاحْصُرُوْهُمْ[6]	اور گھیرو ان کو
خَيْرٌ	بہتر ہے	وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا[4]	اور نہیں مدد کی انھوں نے	وَاقْعُدُوْا	اور بیٹھو
لَّكُمْ	تمہارے لئے	عَلَيْكُمْ	تمہارے خلاف	لَهُمْ	ان کے لئے

(۱) **معجزین**: إعجاز سے اسم فاعل (اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے): عاجز کرنے والے، ہرانے والے (۲) **مُخزِیْ**: إخزاء سے اسم فاعل واحد مذکر، خِزْی: مادہ (ناقص یائی): ذلیل کرنے والا، رسوا کرنے والا (۳) **رسولُه** (مرفوع) مبتدا ہے، اور اس کے بعد خبر بریٔ محذوف ہے (۴) **ظاهر مظاهرة**: مدد کرنا (۵) **انسلخ**: انسلاخا: نکل جانا، گذر جانا (۶) **اُحْصُرُوْا**: حَصَرَ (ن،ض) سے امر، جمع مذکر: روکنا، گھیرنا، قید کرنا تنگ کرنا۔

كُلَّ مَرْصَدٍ[1]	ہر گھات میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	كَلٰمَ اللّٰهِ	اللہ کا کلام
فَاِنْ تَابُوْا	پھر اگر توبہ کریں وہ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	ثُمَّ اَبْلِغْهُ	پھر پہنچا دیں اس کو
وَ اَقَامُوا	اور اہتمام کریں وہ	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم فرمانے والے ہیں	مَاْمَنَهٗ[2]	اس کے ٹھکانے میں
الصَّلٰوةَ	نماز کا	وَ اِنْ اَحَدٌ	اور اگر کوئی	ذٰلِكَ	یہ بات
وَ اٰتَوُا	اور دیں وہ	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے ہے کہ وہ
الزَّكٰوةَ	زکات	اسْتَجَارَكَ	پناہ چاہے آپ سے	قَوْمٌ	لوگ
فَخَلُّوْا	تو چھوڑ دو	فَاَجِرْهُ	تو پناہ دیں آپ اس کو	لَّا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے ہیں
سَبِيْلَهُمْ	ان کی راہ	حَتّٰى يَسْمَعَ	یہاں تک کہ سن لے وہ	❁	❁

غیر مسلموں کی چاروں قسموں کے احکام

سورت کی تمہید میں غیر مسلموں کے چار مختلف حالات بیان کئے ہیں، فتح مکہ کے بعد عربوں کے یہی احوال تھے، اور معاہدہ کے تعلق سے ان کے احکام یہ ہیں:

۱و۲—جن سے مدت کی تعیین کے بغیر معاہدہ ہے ان کو چار ماہ کی مہلت ہے، اسی طرح جن سے کوئی معاہدہ نہیں

پہلی دو آیتوں میں صراحۃً تیسری قسم کا حکم ہے اور ضمناً چوتھی قسم کا، جن کے ساتھ صلح کا معاہدہ مدت کی تعیین کے بغیر ہوا ہے یا جن سے سرے سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا: ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس مدت میں یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیرۃ العرب چھوڑ چھوڑ دیں، مگر اللہ سے بچ کر جائیں گے کہاں؟ پس بہتر پہلی صورت ہے کہ اسلام قبول کرلیں۔

﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور ان کے رسول کی طرف سے بے تعلقی (دست برداری) کا اعلان ہے: ان کافروں کے لئے جن سے تم نے (غیر میعادی) معاہدہ کیا ہے، پس تم سرزمین عرب میں چار ماہ چل پھر لو (پھر جزیرۃ العرب چھوڑ

(۱) مَرْصَد: ظرف مکان، مفرد، جمع مَرَاصِد: گھات کی جگہ، رَصَدَ (ن) رَصْدًا: گھات لگانا، چھپ کر دشمن کا انتظار کرنا۔
(۲) مَاْمَن: ظرف مکان: جائے امن، قوم کی بستی۔

دو) اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور یہ بات (بھی جان لو) کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کریں گے۔

تفسیر: یعنی تمہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ ہم آئندہ معاہدہ باقی رکھنا نہیں چاہتے تمہیں چار مہینوں کی مہلت دی جاتی ہے یا تو اسلام قبول کرلو یا وطن چھوڑ کر ایمان وتوحید کے مرکز کو اپنے ناپاک وجود سے پاک کردو یا پھر مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ ـــــ لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ تم اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ تم کو دنیا اور آخرت میں رسوا کرنے والا ہے، تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

مہلت کا حکم کب سے نافذ ہوگا؟

پھر ایک آیت میں یہ بیان ہے کہ مہلت کا حکم کب سے نافذ ہوگا؟ ـــــ آیت کا حاصل یہ ہے کہ جب سے ان احکام کا اعلان تمام عرب میں ہو جائے گا اُس وقت سے وہ احکام نافذ ہوں گے چنانچہ اس اعلان عام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ ہجرت کے نویں سال حج کے دنوں میں عرفات اور منی کے عام اجتماعات میں اِس کی منادی کرائی گئی۔

﴿ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۟ۙ ﴾

ترجمہ: اور اللہ اور ان کے رسول کی طرف سے تمام لوگوں کے لئے بڑے حج کے دن یہ منادی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول مشرکوں سے بے تعلق (بیزار) ہیں۔ پس اگر تم (شرک وکفر سے) توبہ کرو تو یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے، اور اگر تم روگردانی کرو تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو گے، اور جو لوگ کفر اختیار کریں ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادی جائے!

تفسیر: اس آیت میں تمام کافروں سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے اور ایک بار پھر انھیں سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم شرک وکفر سے توبہ کرلو گے تو تمہاری دنیا وآخرت سنور جائے گی، ورنہ خدا کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا کوئی طاقت اور تدبیر اللہ پاک کو مغلوب نہیں کر سکتی اور تمہیں کفر اور بدعہدی کی سزا مل کر رہے گی۔

بڑا اور چھوٹا حج: عمرہ کو حج اصغر (چھوٹا حج) کہتے ہیں، اس لئے اس سے ممتاز کرنے کے لئے اس آیت میں حج کو حج اکبر کہا گیا ہے۔ پس ہر سال کا حج: حج اکبر ہوتا ہے، اور عوام میں جو مشہور ہے کہ جس سال جمعہ کے روز عرفہ ہو وہ حج اکبری ہوتا ہے، یہ عوامی بات ہے، شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں، البتہ جمعہ کے روز وقوفِ عرفہ ایک فضیلت رکھتا ہے مگر یہاں جو **الحج الأکبر** ہے: اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

۳- جن سے معیادی معاہدہ ہے اور وہ اس پر قائم ہیں ان کا معاہدہ میعاد تک باقی رہے

پھر ایک آیت میں ان کافروں کا حکم ہے جن کے ساتھ خاص میعاد کے لئے نا جنگ معاہدہ ہوا ہے، اور وہ اس پر قائم بھی ہیں، یہ دو قبیلے تھے: بنوضمرۃ اور بنو مدلج، ان کی میعاد میں نو ماہ باقی تھے، ان کو میعاد تک مہلت مل گئی۔

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: البتہ (براءت سے) وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے صلح کا معاہدہ کیا ہے، پھر انھوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی دشمن کی مدد کی تو تم ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو (اور بدعہدی نہ کرو) واقعی اللہ تعالیٰ (بدعہدی سے) بچنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

۴- جنھوں نے شرائط معاہدہ کی خلاف ورزی کی ان کو محرم کے ختم تک مہلت ہے

پھر ایک آیت میں کافروں کی پہلی قسم کا ذکر ہے، جن کے ساتھ حدیبیہ میں دس سال کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ ہوا تھا لیکن خود انھوں نے صلح کے معاہدہ کی دھجیاں اڑا کر فتح مکہ کے لئے راستہ ہموار کیا تھا، فتح مکہ کے وقت لوگوں کی بڑی تعداد مشرف باسلام ہو چکی تھی اور جو کفر پر جمے رہے تھے، رسول کریم ﷺ نے سب کو جان و مال کا امان دے دیا تھا بلکہ ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ (تم سے ظلم وجور کا انتقام لینا یا کوئی سزا دینا تو درکنار، ہم تم کو ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے) کا عام اعلان فرما دیا تھا۔

اور اللہ پاک کا منشأ یہ تھا کہ جزیرہ نمائے عرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا جائے اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ مکہ اور جزیرۃ العرب پر اقتدار حاصل ہوتے ہی اعلان کر دیا جاتا کہ غیر مسلم یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں لیکن اسلام کے اصول عدل وانصاف اور رحیمانہ سلوک اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفقت کے پیش نظر مہلت دیئے بغیر ایسا کرنا مناسب نہ تھا اس لئے دوسری قسم کو نو مہینے کی مہلت دی گئی، اور تیسری اور چوتھی قسموں کو چار مہینے کی لیکن پہلی قسم یعنی عہد شکنی کرنے والوں کے ساتھ چونکہ کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا تھا اس لئے وہ اب کسی مزید مہلت کے مستحق نہیں تھے۔

لیکن چونکہ براءت اور قطع تعلق کا عام اعلان ہجرت کے نویں سال حج کی تاریخوں میں کیا گیا تھا جو ذوالْحِجَّةِ الحرام کی تاریخیں تھیں پھر اس کے بعد متصل محرم الحرام آ رہا تھا اور یہ دونوں مہینے اَشْهُرِ حُرُمٌ میں شمار ہوتے تھے۔ اور ان مہینوں میں جنگ کی حرمت عربوں میں معروف ومسلم چلی آتی تھی اس لئے وہ لوگ ان مہینوں میں دشمن کی طرف سے

بالکل مطمئن رہتے تھے۔اب اگر براءت کے اعلان کے ساتھ ہی ان مہینوں میں ان سے جنگ شروع کردی جاتی تو یہ دشمن کو غافل رکھ کر ہلہ بول دینے کے مرادف سمجھا جاتا،جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اس لئے محرم الحرام کے ختم تک انھیں بھی مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کرلیں ورنہ پھر جنگ سے چارہ نہیں،اور جنگ میں جو کچھ ہوا کرتا ہے یعنی مارنا،پکڑنا،گھیرنا،داؤ لگانا،گھات میں رہنا،وہ سب کچھ ہوگا ـــــ لیکن اگر وہ اسلام قبول کرلیتے ہیں جس کی تین علامتیں ہیں،شرک سے توبہ،نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی،تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کا حق نہیں،رہا باطن کا معاملہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

﴿ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پھر جب قابل احترام مہینے گذر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ مارو،پکڑو،گھیرو،اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھو ـــــ پھر اگر وہ (شرک سے) توبہ کرلیں،اور نماز کا اہتمام کریں اور زکات ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو ـــــ قتل وقید نہ کرو ـــــ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت فرمانے والے،بڑی مہربانی کرنے والے ہیں۔

چاروں قسموں کی مدتِ مہلت

پہلی جماعت کو یعنی مکہ کے عہد شکنی کرنے والے مشرکوں کو محرم سنہ ۱۰ ہجری کے ختم تک مہلت مل گئی اور مشرکوں کی دوسری قسم کو رمضان سنہ ۱۰ ہجری تک اور تیسری،چوتھی قسموں کو ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۰ ہجری تک ـــــ اس مدت میں ان کو حدود حرم سے خارج ہوجانا چاہئے اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ مستحق قتال ہوگا اس طرح اگلے سال کے حج کے زمانہ تک کوئی کافر حدود حرم کے اندر نہ رہنے پائے گا اس سورت کی اٹھائیسویں آیت میں اس بات کا صراحۃً تذکرہ آرہا ہے۔

اسلامی برادری میں شامل ہونے کے لئے تین باتیں ضروری ہیں

اس آیت پاک سے ہر شخص یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ محض کلمہ پڑھ لینا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں،نہ اتنی بات پر جنگ بند کی جائے گی بلکہ کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ایک کفر وشرک کے اعمال،عقائد اور خیالات سے توبہ کرنا۔دوسرے نماز کا اہتمام کرنا،تیسرے زکوٰۃ کی پابندی ادائیگی کرنا۔اگر کسی مسلمان میں یہ تینوں چیزیں نہیں پائی جاتیں تو اس کا اسلام کا دعوی زبانی جمع خرچ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا ـــــ آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمۂ اسلام پڑھے مگر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو اسلامی حکومت ایسے شخص کا راستہ روک سکتی ہے

—— پھر اگر نماز نہ پڑھنے والا توبہ کر کے نماز شروع نہ کرے تو حضرت امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا شخص مرتد ہے اور اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے قتل کر دے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک وہ مرتد تو نہیں ہے تاہم ان حضرات کے نزدیک بھی اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسے بطور سزا قتل کر دے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نہ مرتد ہے نہ اُسے قتل کیا جائے گا بلکہ حکومت اس کی خوب مار پٹائی کرے گی اور قید میں رکھے گی تا آنکہ وہ مرجائے یا توبہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ — بندے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑنا ہے یعنی نماز چھوڑنا بندے کو کفر سے جوڑ دیتا ہے
(رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ)

دوسری حدیث میں ہے:

اَلْعَهْدُ الَّذِىْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ. — ہم میں اور منافقوں میں پیمان نماز ہے لہٰذا جس نے نماز چھوڑی وہ کفر سے جاملا۔

حضرت عبداللہ بن شقیقؒ بڑے تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسی بھی اسلامی عمل کے چھوڑنے کو کفر نہیں سمجھتے تھے علاوہ نماز کے —— حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ جان کر فرض نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جو شخص جان کر فرض نماز چھوڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی (حفاظت کی) ذمہ داری اٹھ جاتی ہے۔

نماز کی طرح زکوٰۃ کی بھی بڑی اہمیت ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اُن سے جہاد کرنے کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت سے استدلال فرما کر صحابہؓ کو مطمئن کیا تھا اور سب نے مل کر ان کے ساتھ جہاد کیا تھا۔

جو غیر مسلم دین اسلام سمجھنا چاہے اس کو موقع دیا جائے

گذشتہ آیات میں کافروں کو جتنی مہلت دی گئی ہے اس کے بعد بھی اگر وہ مسلمان نہ ہوں، نہ جزیرۃ العرب خالی کریں تو جنگ ناگریز ہو جائے گی، اس جنگ کے زمانہ میں اگر کوئی کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو سمجھے تو کیا اسے اس کا موقعہ دیا جائے گا؟ ایک آیت میں اس کا جواب ہے:

﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص آپؐ سے پناہ طلب کرے —— تا کہ آپؐ کے پاس آکر دین اسلام کو

سمجھے ـــــ تو آپ اسے پناہ دیں، تاکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ (وطن) پہنچا دیں ـــــ تاکہ وہ اطمینان سے سوچ کر رائے قائم کر سکے ـــــ یہ (حکم) اس سبب سے ہے کہ وہ (مشرک) ایسے لوگ ہیں جو (دین اسلام کو) جانتے نہیں ـــــ پس ان کو جاننے کا موقع دیا جائے۔

فائدہ: اگر کوئی کافر مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے اسلام یا اسلام کی حقانیت دلیل سے سمجھاؤ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مطالبہ پورا کریں اور جب وہ اس مقصد سے ہمارے پاس آئے تو ہم پر لازم ہے کہ اُس کو اجازت دیں، اُس کی حفاظت کریں اور اس کو کسی قسم کی تکلیف یا نقصان نہ پہنچنے دیں پھر جب دین اُسے سمجھا دیا جائے تو اُسے اس کے وطن میں حفاظت کے ساتھ واپس پہنچا دیا جائے تاکہ وہ پوری آزادی سے کوئی رائے قائم کر سکے کیونکہ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

كَيْفَ (۱)	کیسے	لِلْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں کے لئے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے نزدیک
يَكُوْنُ	ہوگا	عَهْدٌ	عہد و پیمان	وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ	اور اسکے رسول کے نزدیک

(۱) کیف: استفہام انکاری ہے، اس میں نفی کے معنی ہیں، اس لئے آگے استثناء آیا ہے، اور نفی اثبات مل کر حصر ہوا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ	البتہ وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن سے	يُرْضُوْنَكُمْ	راضی کرتے ہیں وہ تمہیں	الْمُعْتَدُوْنَ	زیادتی کرنے والے ہیں
عٰهَدْتُّمْ	عہد کیا تم نے	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونھوں سے	فَاِنْ تَابُوْا	سواگر توبہ کریں وہ
عِنْدَ	پاس	وَتَاْبٰى	اور انکار کرتے ہیں	وَاَقَامُوا	اور قائم کریں وہ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	مسجدِ حرام (کے)	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	الصَّلٰوةَ	نماز کو
فَمَا	سو جب تک	وَاَكْثَرُهُمْ	اور اکثر ان کے	وَاٰتَوُا	اور دیتے رہیں
اسْتَقَامُوْا	سیدھے رہیں وہ	فٰسِقُوْنَ	بدعہد (ہیں)	الزَّكٰوةَ	زکات
لَكُمْ	تمہارے لئے	اِشْتَرَوْا	خرید لیا انھوں نے	فَاِخْوَانُكُمْ	تو تمہارے بھائی (ہیں)
فَاسْتَقِيْمُوْا	تو سیدھے رہو تم	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	احکامِ الٰہی کے بدلے میں	فِي الدِّيْنِ	دین میں
لَهُمْ	ان کے لئے	ثَمَنًا قَلِيْلًا	تھوڑی قیمت کو	وَنُفَصِّلُ	اور کھول کر بیان کرتے ہیں ہم
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	فَصَدُّوْا	پس روکا انھوں نے	الْاٰيٰتِ	حکموں کو
يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں	عَنْ سَبِيْلِهٖ	اس کے رستے سے	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے واسطے
الْمُتَّقِيْنَ	احتیاط کرنے والوں کو	اِنَّهُمْ	تحقیق وہ لوگ	يَّعْلَمُوْنَ	(جو) جانتے ہیں
كَيْفَ	کیسے؟	سَآءَ	برا (ہے)	وَاِنْ نَّكَثُوْٓا (۳)	اور اگر توڑ دیں وہ
وَاِنْ	اور اگر	مَا	جو کچھ	اَيْمَانَهُمْ	اپنی قسمیں
يَّظْهَرُوْا	غالب آجائیں وہ	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کر رہے ہیں وہ!	مِّنْۢ بَعْدِ	پیچھے
عَلَيْكُمْ	تم پر	لَا يَرْقُبُوْنَ	نہیں لحاظ کرتے وہ	عَهْدِهِمْ	اپنے عہد کے
لَا يَرْقُبُوْا (۱)	(تو) نہ لحاظ کریں وہ	فِيْ مُؤْمِنٍ	کسی مسلمان کے حق میں	وَطَعَنُوْا	اور عیب لگائیں
فِيْكُمْ	تمہارے حق میں	اِلًّا	قرابت (کا)	فِيْ دِيْنِكُمْ	تمہارے دین میں
اِلًّا (۲)	قرابت کا	وَّلَا ذِمَّةً	اور نہ عہد (کا)	فَقَاتِلُوْٓا	تو لڑو
وَّلَا ذِمَّةً	اور نہ قول و قرار کا	وَاُولٰٓئِكَ هُمُ	اور یہ لوگ ہی	اَئِمَّةَ	سرداران

(۱) **لایرقبوا**: مضارع منفی مجزوم، جمع مذکر غائب، اصل میں یرقبون تھا، جزم کی وجہ سے نون اعرابی گرا تو واو جمع کے واو کے مشابہ ہوگیا، پس الف بڑھایا، رَقَبَ (ن) رُقوباً: نظر رکھنا، خیال رکھنا، لحاظ کرنا (۲) **اِلًّا**: مصدر ہے أَلَّ يَؤُلُّ کا، اس کے متعدد معانی ہیں: قرابت، حِلف اور عہد اور مشترک معنی ہیں: پاس و لحاظ کرنا اور اِلٌّ: یہاں اسم کی جگہ استعمال ہوا ہے اس لئے قرابت ترجمہ کرتے ہیں۔ (۳) نَكَثَ (ن) **نكثا العهدَ**: عہد و پیمان توڑنا، قول و قرار کی خلاف ورزی کرنا۔

اَلْكُفْرِ	کفر (سے)	لَآ اَيْمَانَ	نہیں قسمیں (ہیں)	لَعَلَّهُمْ	تا کہ
اِنَّهُمْ	بے شک وہ	لَهُمْ	ان کے لئے	يَنْتَهُوْنَ	وہ باز آئیں

مشرکوں سے بیزاری اور بے تعلقی کی وجہ

اور بنوضمرہ اور بنومدلج کا استثناء

ابتدائی پانچ آیتوں میں جس براءت (بیزاری اور قطع تعلق) کا ذکر ہے اس کی حکمت ان آیتوں میں بیان کی جارہی ہے ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں کی طبیعتوں کی خِسّت (کمینہ پن) اور مسلمانوں کے ساتھ بغض وعناد کی شدت، تعلقات باقی رکھنے کے لئے مانع ہے۔ کافروں سے وفاء عہد کی کوئی امید نہیں۔ اس لئے اب تعلقات ختم کئے بغیر چارہ نہیں۔ فرماتے ہیں —— اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کے لئے عہد و پیان کیونکر ہوسکتا ہے؟ —— علاوہ ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس پیان باندھا ہے (یعنی بنوضمرہ اور بنومدلج جن کا تذکرہ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ﴾ الآیۃ میں آچکا ہے) سو جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو (ان کا عہد نہ توڑو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (عہد توڑنے سے) محتاط رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں —— یہ قرآن پاک کا خاص اسلوب ہے کہ اگر کسی جگہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے تو وہ بات اُدھوری چھوڑ کر پہلے غلط فہمی کا اِزالہ کرتا ہے پھر اپنی بات پوری کرتا ہے۔ سورۂ انفال کی آیت ۱۶ اور سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶ میں بھی یہی انداز بیان ہے۔ اور تفصیل پہلی جگہ ہے۔

اللہ پاک نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس عہد و پیان کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مشرکوں کو ایک لاٹھی سے ہانک دیا جائے اور یہ فیصلہ کردیا جائے کہ کوئی بھی غیر مسلم قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ مکہ کے مشرکوں نے معدودے چند کے علاوہ سبھوں نے غداری اور عہد شکنی کی تھی اور ایسے موقعہ پر کہنے والے عام طور پر سبھی کو برا کہہ دیا کرتے ہیں، مگر قرآن کریم کے عدل وانصاف کے پیش نظر سب کے ساتھ یکساں برتاؤ جائز نہیں، اس لئے بات روک کر پہلے استثناء کیا کہ جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی اگرچہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں، مگر انکے بارے میں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ جب تک وہ وفاء عہد پر کمربستہ ہیں تم بھی عہد پر قائم رہو، دوسرے مشرکوں کی غداری اور عہد شکنی سے متاثر ہوکر انکے عہد کو نہ توڑو۔ کیونکہ دشمن کے معاملہ میں بھی سچائی اور انصاف کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے۔

اب پہلی بات، جو نا تمام چھوڑ دی گئی تھی، پوری کی جاتی ہے اور بات از سرنو شروع کی جاتی ہے —— کیونکر (ہوسکتا ہے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کے لئے عہد و پیمان؟! جب کہ ان کا حال یہ ہے:) اور اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے معاملہ میں نہ کسی قرابت کا پاس کریں نہ عہد و پیمان کا! وہ صرف زبانی باتوں سے تمہیں راضی کر رہے ہیں مگر ان کے دل نہیں مانتے —— یعنی اُنھیں تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے، وہ زیر ہو گئے ہیں، اس لئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، ابوسفیان دوڑ دوڑ کر مدینہ آتا ہے تا کہ معاہدۂ صلح کی تجدید کرالے، پچھلی غلطی پر پردہ ڈالے اور مسلمانوں کو ایک بار اور بے وقوف بنائے، لیکن یاد رکھو کہ یہ صرف ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد و پیمان پر راضی نہیں، وہ ہر وقت عہد شکنی کا موقعہ تلاش کرتے رہتے ہیں —— اور ان میں سے بیشتر بدعہد ہیں —— اس لئے اگر کچھ لوگ عہد پورا کرنا چاہتے بھی ہیں اور اس سلسلہ میں کوئی صدا بلند کرتے ہیں تو وہ صدا بصحرا ابن کر رہ جاتی ہے —— اور بدعہدی، غداری اور طبیعت کی کمینگی پر معاملہ ختم نہیں ہے، بلکہ —— انھوں نے احکام الٰہیہ کے عوض (دنیا کی) متاع ناپائدار مول لی ہے —— اللہ کے محبوب ﷺ کے پیش کئے ہوئے دین کو لات مار کر دنیا کی چند کوڑیوں میں جی لگالیا ہے —— پھر انھوں نے (دوسرے لوگوں کو بھی) اللہ کے راستہ سے باز رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی یہ حرکتیں بہت ہی بری حرکتیں ہیں جن کے درپے وہ ہو رہے ہیں —— لیکن اگر وہ اپنی ان تمام اسلام دشمن حرکتوں کے باوجود عہد و پیمان کے معاملہ میں سیدھی طرح چلتے تو پھر بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا جاتا لیکن ان کا تو حال یہ ہے کہ —— کسی بھی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں نہ قول وقرار کا! —— اور بات صرف احتمال و اندیشہ تک نہیں ہے بلکہ انھوں نے اس کا عملی ثبوت بھی فراہم کیا ہے وہ تمہارے ساتھ کئے ہوئے قول وقرار کو پامال کر چکے ہیں —— اور یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں —— اس لئے اب ان کے بارے میں کسی قسم کی رورعایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؟ —— اب اگر وہ لوگ (کفر سے) توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں —— اور ان کی پچھلی ساری فروگذاشتوں پر قلم عفو کھینچ دیا جائے گا ورنہ پھر ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جس کا تذکرہ سورت کے شروع میں آچکا ہے —— اور ہم سمجھ دار لوگوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں —— اللہ تعالیٰ نے صرف احکام دینے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ ساتھ ہی اس کے مضمرات (حکمتوں اور مصلحتوں) سے بھی روشناس کیا ہے۔

ایک سوالِ مقدر کا جواب:

اخیر آیت میں ایک پیش افتادہ اندیشہ کا حکم مذکور ہے اندیشہ یہ ہے کہ محرم الحرام پورا ہونے پر جب کافروں کی پہلی قسم

سے جنگ چھڑے گی تو احتمال ہے کہ باقی تین جماعتیں بھی ان کے ہم دوش ہو جائیں اور اپنے عہد و پیمان اور قول وقرار کو بالائے طاق رکھ کر جنگ میں کود پڑیں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر وہ لوگ (کافروں کی باقی تین قسمیں خاص کر دوسری قسم) عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں (قول وقرار) کو توڑ بیٹھیں اور تمہارے دین کو زد پہنچائیں تو تم (بھی) کفر کے سرغنوں سے لڑو، بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں تا کہ وہ باز آجائیں —— یعنی جب عہد شکنی کا آغاز ان کی طرف سے ہو، تمہیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے پر وہ کمر بستہ ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ کئے ہوئے قول وقرار کا کچھ پاس ولحاظ نہ کرو وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسم کوئی قابل اعتبار قسم نہیں ہے اس لئے ان پیشوایان کفر، سرداران شرک اور فتنہ وفساد کے سرغنوں کی خوب مرمت کرو تا کہ وہ باز آجائیں۔

جہاد کا مقصد دشمن کو ستانا، جوشِ انتقام کو فرو کرنا یا ملک گیری جیسے پست جذبات نہیں ہیں، بلکہ اس کا واحد مقصد دشمنوں کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے اور یہ جذبہ ہے کہ لوگ اپنی غلط رَوِش سے باز آجائیں اور دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوں!

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵

اپنی قسمیں	اَيْمَانَهُمْ	ایسے لوگوں سے	قَوْمًا	کیا نہیں	اَلَا
اور ارادہ کیا انھوں نے	وَ هَمُّوْا	جنھوں نے توڑ دیں	نَّكَثُوْٓا (۱)	لڑتے تم	تُقَاتِلُوْنَ

(۱) نَكَثَ فلانٌ عهدَه: إذا نقضه بعد إحكامه كما يُنكَث خيطُ الصوف بعد إبرامه ومنهُ قوله تعالى: مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (کبیر) نَكَثَ فلانٌ عهدَهٗ: کہتے ہیں: جب کوئی شخص عہد و پیمان مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دے، جیسے اون کا تاگا مضبوط بٹنے کے بعد نوچ ڈالا جائے، اور اسی سے (سورۃ النحل کی آیت ۹۲ میں ہے) ﴿ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ﴾ یعنی مکہ کی اس بے وقوف عورت کی طرح مت ہو جاؤ جس نے اپنا سوت کاتتے پیچھے بوٹی بوٹی کر کے نوچ ڈالا (یہ بات تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے فرمائی ہے)

بِاِخْرَاجِ	نکالنے کا	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے	قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان داروں کے
الرَّسُوْلِ	رسول کو	قَاتِلُوْهُمْ	لڑو ان سے	وَيُذْهِبْ	اور دور کرے گا
وَهُمْ	اور انھوں نے	يُعَذِّبْهُمُ	عذاب دے گا ان کو	غَيْظَ	غصہ
بَدَءُوْكُمْ	(جنگ) کی ابتدا کی تم سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں کا
اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار	بِاَيْدِيْكُمْ	تمہارے ہاتھوں سے	وَيَتُوْبُ	اور متوجہ ہوتا ہے
اَتَخْشَوْنَهُمْ	کیا ڈرتے ہو تم ان سے	وَيُخْزِهِمْ	اور رسوا کرے گا ان کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَاللّٰهُ	پس اللہ تعالیٰ	وَيَنْصُرْكُمْ	اور مدد کرے گا تمہاری	عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ	جس پر چاہتا ہے
اَحَقُّ	بہت حقدار ہیں	عَلَيْهِمْ	ان کے مقابلہ میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اَنْ تَخْشَوْهُ	کہ ڈرو تم اس سے	وَيَشْفِ	اور ٹھنڈا کرے گا	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	صُدُوْرَ	سینے	حَكِيْمٌ	حکمت والے ہیں

عہد شکنی کرنے والے کافروں سے جہاد کی ترغیب اور ضمناً جہاد کی حکمت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں —— تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا —— اور تمہارے حلیف بنوخزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کی —— اور اللہ کے رسول کو جلاوطن کر دینے کا ارادہ کیا —— جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبوت کا تیرہواں سال شروع ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں جمع ہونے لگے، تو قریش کو بڑی فکر دامن گیر ہوئی کہ مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جا رہے ہیں، اور انھیں سر چھپانے کے لئے آسرا مل رہا ہے چنانچہ انھوں نے دَارُالنَّدْوَۃُ میں اجلاس عام کیا اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور اپنے منصوبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا لیکن:

چراغے را کہ ایزد برفروزد ❁ کسے کو تف زند ریشش بسوزد

(ترجمہ) جس چراغ کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا ہو، کوئی شخص بجھانے کے لئے پھونک مارے تو ڈاڑھی جلائے گا۔

آپ ﷺ ان کے سنگین محاصرہ سے بال بال بچ کر ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے مکان سے باہر تشریف لائے اور کعبہ شریف پر آخری نظر ڈالی اور فرمایا ''اے مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے!'' اس لئے ہم تو اب سفر کرتے ہیں! —— یہ ہے مکہ کے کافروں کا اذیت دہ برتاؤ، جس سے مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ مکہ شریف کو خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے۔ پس کیا تم ایسے کافروں کے ساتھ لڑنے میں پس و پیش کر رہے ہو؟

—— اور پہلی بار خود انھوں نے تمہارے ساتھ جنگ کا آغاز کیا ہے —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آنحضور ﷺ مکہ سے صحیح سالم مدینہ میں جلوہ افروز ہوگئے، صحابہؓ بھی مدینہ شریف میں جمع ہوگئے تو قریش کے غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی پہلے تو انھوں نے منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی کو، جو آنحضور ﷺ کے ہجرت فرمانے سے پہلے تمام انصار کا سردار تھا اور انصار نے اُس کی تاج پوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری بھی کرلی تھی، خط لکھا کہ: ”تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کرڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کرکے تمہارے فوجیوں کو فنا کی گھاٹ اتار دیں گے اور تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے“ —— لیکن آنحضور ﷺ کی حسن تدبیر سے مدینہ والوں نے اس خط کا کوئی اثر نہیں لیا تو قریش اپنے آپ کو شکست خوردہ سمجھنے لگے اور اب ان کی تمام کوششیں مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنے پر مرکوز ہوکر رہ گئیں —— چونکہ حرم محترم کی تولیت اور کعبہ کی مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتے تھے اور تمام قبائل ان کے زیر اثر تھے اس لئے انھوں نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنادیا اور مدینہ پر حملہ کرکے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کی ٹھان لی، چنانچہ ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت کرنے لگیں؟ کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آکر غارت گری کرگیا مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز مصارف جنگ کی فراہمی اور پھر ان سے اسلحہ کی خریدتھی، چنانچہ قریش نے شام کی طرف ایک کاروان روانہ کیا۔ اس سروسامان سے کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی مؤرخ ابن سعد نے کارواں کے سردار ابوسفیان کا قول لکھا ہے کہ: ”قسم بخدا! مکہ میں جس قریشی مرد یا عورت کے پاس بیس درہم یا زیادہ رقم تھی اُس نے وہ سارا سرمایہ ہمارے کارواں میں شامل کردیا“ قریش کا یہ کارواں مکہ سے کھجوریں لے کر ملک شام گیا تاکہ فروخت کرکے وہاں سے اسلحۂ جنگ اور دیگر ضروریات خرید لائے یہی کارواں سب سے پہلی فیصلہ کن جنگ غزوۂ بدر کا سبب بنا۔

اس مختصر سی تفصیل سے ثابت ہوا کہ پہلی بار جنگ کا آغاز مکہ کے مشرکین نے کیا۔ حضرت امام زہری رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق سب سے پہلی آیت جو قتال کی اجازت کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾ (سورۃ الحج ۳۰،۲۹)

ترجمہ: ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کو غالب کردینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے، محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر ابن جریر کے بیان کے مطابق قتال کی اجازت کے بارے میں سب سے پہلی آیت یہ نازل ہوئی ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۰)

ترجمہ: اورتم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں۔

ان دونوں آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ کا آغاز مکہ والوں کی طرف سے ہوا تھا پس جنھوں نے پہلے چھیڑ کی، رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں کو بے گھر کیا، قول وقرار کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہ کیا، ان سے لڑنے میں کیا سوچتے ہو؟! ـــــ کیا تم لوگ ان سے خوف کھائے ہوئے ہو (کہ اُن کے پاس جمعیت زیادہ ہے؟) سو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو ـــــ تو تمہیں خوف اور ڈر صرف اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہئے ـــــ تم (نڈر ہوکر) ان سے لڑو (تاکہ) اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دیں اور ان کو رسوا کریں اور تم کو ان پر غالب کریں اور مسلمانوں کے دلوں کو شفا دیں اور ان کے دلوں کی جلن دور کریں اور جن پر منظور ہوگا اللہ پاک توجہ مبذول فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں ـــــ اس آیت پاک سے جہاد کی حکمت واضح ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں گذشتہ قوموں کے جو حالات ذکر کئے گئے ہیں ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر وشرارت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب وعداوت میں حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس پر آسمان سے تباہ کن عذاب نازل کیا جاتا ہے بلاشبہ یہ عذاب بہت سخت ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے عبرت ناک بھی ہوتا ہے لیکن عذاب پانے والے لوگوں کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت ورسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا، نہ آئندہ کے لئے توبہ کا کوئی امکان باقی رہتا ہے۔

البتہ شریروں کو سزا دینے کی ایک دوسری صورت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ عذاب دینے کے بجائے اپنے مخلص وفادار بندوں کے ہاتھوں سزا دیں۔ اس صورت میں مجرموں کی رسوائی کے ساتھ ساتھ مخلصوں کی عزت افزائی بھی ہوگی، اللہ کے وفادار بندوں کا غلبہ سب آنکھیں دیکھیں گی اور مومنوں کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوں گے کہ کل تک جو لوگ انھیں حقیر وناتواں سمجھ کر ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے آج خدا کی تائید ورحمت سے انھیں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ کفر وباطل کی شوکت ونمائش دیکھ کر جن دلوں میں خلش اور چبھن تھی وہ شفایاب ہوں گے مظلوم مسلمانوں کی بے بسی اور ظالم کفار کی چیرہ دستیوں سے جن دلوں میں دکھن تھی وہ دور ہوگی اور آخری فائدہ یہ ہوگا کہ خود مجرموں کے حق میں سزا کا یہ طریقہ نسبتاً زیادہ نافع ہے کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس لئے ممکن ہے حالات سے عبرت حاصل کرکے بہت سے مجرموں کو توبہ کی توفیق نصیب ہوجائے چنانچہ آنحضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں تھوڑی ہی مدت میں سارا عرب سچے دل سے دینِ الٰہی کا گرویدہ بن گیا ـــــ یہ ہے جہاد کی مشروعیت کی اصلی غرض وغایت!

آسمانی عذاب کافروں کا قصہ پاک کردیتا ہے لیکن اسلامی جہاد کی شکل میں دی جانے والی سزا کافروں کی شرارت کو شرافت سے اور کفر و شرک کو ایمان و اخلاص سے بدلنے کا سبب بن جاتی ہے!

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ع ٨

أَمْ	کیا	الَّذِينَ	ان کو جنھوں نے	رَسُولِهِ	اس کے رسول (کے سوا)
حَسِبْتُمْ	تم گمان کرتے ہو	جَاهَدُوا	جہاد کیا	وَلَا	اور نہ
أَنْ	کہ	مِنْكُمْ	تم میں سے	الْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں (کے سوا)
تُتْرَكُوا	چھوڑ دیئے جاؤ گے	وَلَمْ	اور نہیں	وَلِيجَةً (۱)	کوئی بھیدی
وَلَمَّا	حالانکہ اب تک نہیں	يَتَّخِذُوا	بنایا انھوں نے	وَاللَّهُ خَبِيرٌ	اور اللہ باخبر ہیں
يَعْلَمِ	معلوم کیا	مِنْ دُونِ اللَّهِ	اللہ تعالیٰ کے سوا	بِمَا	ان کاموں سے جو
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	وَلَا	اور نہ	تَعْمَلُونَ	تم کر رہے ہو

مشرکین کے ساتھ جہاد و قتال کی ترغیب اور مشروعیتِ جہاد کی ایک اور حکمت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: —— کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟! —— امتحان کی کسوٹی پر کسے نہیں جاؤ گے؟ کھرے کھوٹے کو چھانٹا نہیں جائے گا؟! —— حالانکہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اس حال میں کہ انھوں نے اللہ، رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی کو —— چاہے وہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو —— جگری دوست نہیں بنایا —— عام کافروں سے جہاد و قتال کرنے میں پورا امتحان نہیں ہوتا، جب خاص اعزۂ و اقارب سے مقابلہ ٹھن جاتا ہے تب آدمی کا پورا امتحان ہوتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری اور رشتے ناطے کو؟ —— اس لئے اللہ پاک تمہیں مکہ کے کافروں کے ساتھ جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہیں جہاد و قتال کا حکم دے کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ کتنے مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں جان و مال نثار کرنے کو تیار ہیں۔ اور اللہ،

(۱) وَلِيْجَةً ای بِطَانَةً (وہ کپڑا جو دوسرے کپڑوں کے نیچے پیٹ و بدن سے متصل ہو) وصاحبَ سِرٍّ —— من الولوج وهو الدخول —— وكل شيئ أدخلته في شيئ، وليس منه، فهو وليجة (روح المعانی)

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنا رازدار، بھیدی اور خصوصی دوست نہیں بناتے —— یہ ہے معیار جس پر مؤمنوں کا ایمان پرکھا جاتا ہے —— پھر جو لوگ اس امتحان میں کامیاب ثابت ہوں گے وہ بھلا دوسرے عام کافروں کو اپنا رازدار کیسے بنا سکتے ہیں؟ اور جہاد میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ دشمن کو رازہائے سربستہ کی بھنک تک نہ پڑنے دی جائے —— اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے —— جیسا تمہارا عمل ہوگا ویسا بدلہ دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

مَا كَانَ	نہیں تھا	وَفِي النَّارِ	اور آگ میں	الصَّلٰوةَ	نماز کو
لِلْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں کے لئے	هُمْ	وہ	وَاٰتَى	اور دیتا ہے
اَنْ يَّعْمُرُوْا	کہ آباد کریں وہ	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	الزَّكٰوةَ	زکوۃ
مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدوں کو	اِنَّمَا	بس وہی	وَلَمْ يَخْشَ	اور نہیں ڈرتا وہ
شٰهِدِيْنَ	گواہی دیتے ہوئے	يَعْمُرُ	آباد کرتا ہے	اِلَّا اللّٰهَ	سوائے اللہ کے
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنی جانوں کے خلاف	مَسٰجِدَ اللّٰهِ	اللہ کی مسجدیں	فَعَسٰٓى	پس توقع ہے
بِالْكُفْرِ	کفر کی	مَنْ اٰمَنَ	جو یقین رکھتا ہے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اَنْ يَّكُوْنُوْا	کہ ہوں وہ
حَبِطَتْ	اکارت گئے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت کے دن پر	مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ	ہدایت پانے والوں
اَعْمَالُهُمْ	ان کے عمل	وَاَقَامَ	اور قائم رکھتا ہے		میں سے

مشرکین مکہ کا یہ دعوی غلط ہے کہ وہ حرم محترم کے آباد کار ہیں

مکہ کے مشرکوں نے کعبہ شریف میں سینکڑوں مورتیاں رکھ چھوڑی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ اور مسجد حرام کو ان بتوں سے پاک صاف کیا، لیکن چونکہ حضور ﷺ مکہ والوں کو معافی اور امان دے چکے تھے

اس لئے مشرکین اب بھی بیت اللہ اور حرمِ محترم میں آزادی سے اپنے خود ساختہ طریقوں پر عبادت وطواف کیا کرتے تھے۔اب ضرورت تھی کہ جس طرح مسجد حرام کو بتوں سے پاک صاف کردیا گیا ہے اسی طرح مشرکانہ رسوم ورواج اور تمام خود ساختہ عبادتوں کا اس مقدس سرزمین سے خاتمہ کردیا جائے، کیونکہ مشرکانہ عبادات درحقیقت عبادت اور مسجد کی آبادی نہیں ہے بلکہ ویرانی ہے —— اور اس کی صورت صرف یہ تھی کہ مسجد حرام میں مشرکوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن ایسا فوری اقدام امان کے خلاف تھا، اس لئے کافی مہلت دی گئی، اس کے بعد شرک وکفر کی نجاست سے اس سرزمین کو پاک کرنے کے لئے مکہ والوں سے جہاد وقتال کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ہے —— مشرکوں میں یہ لیاقت نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں اس حال میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اقرار کررہے ہوں —— یعنی مکہ کے مشرکوں کو شرک سے انکار نہیں، وہ خود اپنے کفر وشرک کے گواہ ہیں ایسا نہیں ہے کہ کسی نے شرک کی تہمت ان پر لگادی ہو بلکہ شرک ان کا عقیدہ ہے جسے سوجان سے وہ گلے لگائے ہوئے ہیں پھر اس حالت میں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنے کی ان میں لیاقت کہاں رہی؟! —— اس لئے اٹھو! ان مشرکوں کے ساتھ جہاد کرو اور ان کو وہاں سے بے دخل کرکے مسجد حرام کو آباد کرنے کے ذمہ دار تم خود بنو!

مکہ کے مشرک اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجد حرام کی تعمیر کا نام دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد جب غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر وشرک پر قائم رہنے پر عار دلائی تو انھوں نے جواب دیا کہ تم لوگ ہماری صرف برائیاں دیکھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے، کیا ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کو آباد رکھنے والے، ان کا انتظام کرنے والے، اور حجاج کو پانی پلانے کی خدمات انجام نہیں دیتے؟ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں —— ان لوگوں کے سب اعمال اکارت (ضائع) ہیں —— ان کے جو کام بظاہر اچھے ہیں وہ بھی کفر کی نحوست سے عند اللہ مقبول ومعتبر نہیں، ان کے سب اعمال بے جان اور بے روح ہیں کیونکہ مشرک کو جب اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور پہچان ہی حاصل نہیں تو اس کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لئے کافر ومشرک کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور معتبر نہیں —— اور (جب ایمان کا فقدان ہے اور اعمال جو اسباب نجات ہیں وہ بھی ضائع اور برباد ہوگئے تو) دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے —— اس آیت پاک میں عمارت مسجد کا جو لفظ آیا ہے وہ ایک عام لفظ ہے۔ در ودیوار کی ظاہری تعمیر، مساجد کی حفاظت، صفائی اور ضروریات کا انتظام، نیز عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونے وغیرہ کو شامل ہے مکہ کے مشرک ان تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو بیت اللہ کا معمار اور مسجد حرام کی عمارت کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے اللہ پاک نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکوں میں یہ سب کام کرنے کی لیاقت ہی نہیں

ہے؟ —— اس کے بعد مثبت پہلو بیان کرتے ہیں یعنی یہ بتلاتے ہیں کہ ان کاموں کے کرنے کی لیاقت کن لوگوں میں ہے —— اللہ کی مسجدیں بس وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے —— یعنی مساجد کی تعمیر اور آبادی صرف انہی لوگوں کے ہاتھوں انجام پاسکتی ہے جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے احکامِ الٰہی کے پابند ہوتے ہیں اور جو اللہ کے احکام پر عمل کرنے میں کسی سے نہیں ڈرتے ہیں —— ایسے لوگوں کے بارے میں توقع ہے کہ وہ اپنے مقصود (جنت ونجات) تک پہنچ جائیں —— اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہو، عبادت، ذکر اللہ، علم دین اور قرآن پاک پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہو، وہ مومن ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ یَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوْا لَهُ بِالْإِیْمَانِ. قال تعالی اِنَّمَا یَعْمُرُ الآیة.

ترجمہ: جب تم کسی شخص کو مسجد کی حاضری کا پابند دیکھو تو اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اللہ کی مسجدیں بس وہی لوگ آباد کرتے ہیں الخ۔

مساجد میں بکثرت حاضری اور وہاں جا کر اللہ کی یاد اور اللہ کے دین کی فکر کرنا جہاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْغُدُوُّ وَالرَّوَاحُ اِلَی الْمَسْجِدِ مِنَ الْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ.

ترجمہ: صبح وشام مسجد میں آنا جانا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

مسئلہ (۱): —— کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں۔

مسئلہ (۲): —— مسجد کی ظاہری تعمیر اور شکست وریخت کی مرمت کا کام غیر مسلم سے لیا جاسکتا ہے لیکن دیندار مسلمان سے لینا افضل ہے۔

مسئلہ (۳): —— کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لئے چندہ دے تو اس کو قبول کرنا اس صورت میں جائز ہے کہ اُس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام یا آئندہ اس پر قبضہ کر لینے کا یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو۔

مسئلہ (۴): —— جو شخص شریعت کے احکام کا پابند نہیں اس میں مسجد کا متولی اور منتظم ہونے کی لیاقت نہیں۔

مسئلہ (۵): —— جو شخص امانت دار، سمجھ دار، شریعت کا پابند اور لوگوں کو دین پر لانے کا جذبہ رکھتا ہو اس کو مسجد کا متولی بنانا افضل ہے۔

فائدہ: یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جہاد کے اصل اور اصطلاحی معنی قتال فی سبیل اللہ کے ہیں۔ دوسری

چیزیں: تحصیل علم کے لئے وطن سے نکلنا، مسجد کے اعمال کی پابندی کرنا اور دین کی سربلندی کے لئے دوسری محنتیں کرنا جہاد کے ساتھ ملحق اعمال ہیں، اور یہ الحاق ہی ان کی فضیلت ہے، ان کے علاوہ جہاد کے دیگر فضائل جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں وہ ان اعمال کے لئے ثابت نہیں کئے جائیں گے۔

> جو مسلمان دل، زبان، ہاتھ، پاؤں اور مال و دولت میں اللہ کے فرمانبردار ہیں اُن کا فرض ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر کے جھوٹے دعوے داروں کو نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد کی آبادی نہیں بربادی ہے!

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

اَجَعَلْتُمْ	کیا تم نے کر دیا	اٰمَنَ	یقین رکھتا ہے	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
سِقَايَةَ (۱)	پانی پلانے کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لَا يَهْدِي	ہدایت نہیں دیتے
الْحَآجِّ	حاجیوں کے	وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور پچھلے دن (پر)	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں (کو)
وَعِمَارَةَ	اور آباد کرنے کو	وَجٰهَدَ	اور جہاد کیا اس نے	اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	جو لوگ ایمان لائے
الْمَسْجِدِ	مسجد کے	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا میں	وَ هَاجَرُوْا	اور گھر چھوڑا انھوں نے
الْحَرَامِ	محترم	لَا يَسْتَوٗنَ	نہیں برابر ہیں (دونوں)	وَجٰهَدُوْا	اور جہاد کیا
كَمَنْ	اس شخص جیسا جو	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	خدا کی راہ میں

(۱) السِقَاية وَالْعِمَارة مصدران من سقى وعَمَرَ، كالصِيَانَةِ وَالْوِقَايَةِ (کشاف)

بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے	يُبَشِّرُهُمْ	خوشخبری سناتے ہیں ان کو	نَعِيْمٌ	نعمت (ہے)
وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے	رَبُّهُمْ	ان کے پروردگار	مُّقِيْمٌ	پائیدار
اَعْظَمُ	بڑے ہیں وہ	بِرَحْمَةٍ	مہربانی کی	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
دَرَجَةً	درجے میں	مِّنْهُ	اپنی طرف سے	فِيْهَآ	اُن (باغات) میں
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے نزدیک	وَرِضْوَانٍ	اور رضامندی (کی)	اَبَدًا	دائمی طور پر
وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ	وَّجَنّٰتٍ	اور باغوں (کی)	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
هُمُ	ہی	لَّهُمْ	ان کے واسطے	عِنْدَهٗٓ	ان کے پاس (ہے)
الْفَآئِزُوْنَ	مراد کو پہنچنے والے (ہیں)	فِيْهَا	اُن (باغات) میں	اَجْرٌ عَظِيْمٌ	بڑا ثواب

معمولی کاموں کو لے کر بیٹھ جانا ناسمجھی کی بات ہے

مکہ کے مشرکوں کو اس بات پر فخر وناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں، انھیں پانی پلاتے ہیں، کھانا کپڑا دیتے ہیں، حرم شریف میں چراغ جلاتے ہیں، کعبہ شریف پر غلاف چڑھاتے ہیں، کعبہ اور مسجدِ حرام کی شکست وریخت کی مرمت کرتے ہیں وہ اسی قسم کے کارناموں کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمانوں سے بہتر سمجھتے تھے۔

روایات میں ہے کہ انھوں نے مدینہ کے یہودیوں سے جن کے علم وفضل کے وہ بڑے معتقد تھے پوچھ کر اطمینان بھی کر لیا تھا کہ ہم حاجیوں کے لئے سبیل لگانے والے اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنے والے ہیں تو کیا ہم افضل ہیں یا محمد (ﷺ) اور ان پر ایمان لانے والے؟ یہود نے جواب دیا تھا کہ تم افضل ہو (کشاف) یہود کے اس جواب سے ان کے گمان میں اور بھی پختگی آ گئی تھی۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کی ایک گفتگو ہوئی تھی جو پچھلی آیت کی تفسیر میں نقل کی جا چکی ہے قرآن پاک مکہ کے مشرکوں کی یہ غلط فہمی دور کرتا ہے —— کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنے کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے؟ اللہ کے نزدیک وہ برابر نہیں! —— اور یہ کوئی گہری حقیقت نہیں ہے جس کو سمجھنے کے لئے باریک بینی درکار ہو، بلکہ بالکل واضح حقیقت ہے —— اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیتے —— اس لئے وہ ایسی ظاہری اور کھلی بات کو بھی نہیں سمجھ پاتے —— معصیت ونافرمانی سے انسان کی عقل خراب ہو جاتی ہے، اچھے کو برا اور برے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ موٹے موٹے دینی حقائق بھی اس کی فہم سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ یہی بات کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینا، مسجدِ حرام کا متولی بن جانا، دینی محنت اور جہاد فی سبیل اللہ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا، ان لوگوں کی سمجھ ہی میں

نہیں آرہا تھا اس کے بالمقابل تقوی وطہارت انسان کی عقل کو جلا بخشتے ہیں، سلامتِ فکر نصیب ہوتی ہے اور اچھے برے کی تمیز ہونے لگتی ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (سورۃ الانفال آیت ۲۹)

ترجمہ: اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کی چیز (ہدایت اور نور قلب) عطا فرمائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمہ اللہ سے ذہن کُند ہونے کا شکوہ کیا۔استاذ نے اطاعتِ الٰہی کی تاکید فرمائی اور وجہ بتلائی کہ علمِ دین ایک نور ہے، وہ گنہگار کو کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ ۞ فَاَوْصَانِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهٍ ۞ وَذَا النُّوْرِ لَايُعْطٰى لِلْعَاصِىْ

ترجمہ: میں نے وکیع رحمہ اللہ سے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انھوں نے گناہوں سے بچنے کی تاکید کی۔اور فرمایا کہ علم دین ایک نور الٰہی ہے اور یہ نور گنہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

نافرمانی اور گناہوں سے دین سمجھنے کا ذہن کند ہو جاتا ہے اور اطاعت کی برکات سے تیز ہو جاتا ہے

ایمان لانے والوں اور جہاد کرنے والوں کا اجر وثواب اور رتبہ

ارشاد پاک ہے —— جو لوگ ایمان لائے، اور (دین کی خاطر) گھر بار چھوڑا، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک درجہ (اور رتبہ) میں بہت بڑے ہیں، اور پورے کامیاب یہی لوگ ہیں۔ان کو ان کا پروردگار خوش خبری دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی مہربانی کی، اور بڑی رضامندی کی، اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہے اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔بلاشبہ اللہ کے پاس (ان کے لئے) بڑا ثواب ہے۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان کو تین کاموں کے عوض میں تین چیزیں عنایت فرمائی ہیں: ایمان کے عوض میں رحمت، جہاد کے صلہ میں رضوان (بڑی خوشنودی) اور ہجرت کے بدلے میں جنت کی سدا بہار زندگی کیونکہ رحمت کا استحقاق ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، ایمان نہ ہو تو آخرت میں رحمت ومہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور رضوان جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے کیونکہ مجاہد اپنے تمام نفسانی تقاضے ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان ومال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرتا ہے اس لئے اس کا صلہ بھی بڑے سے بڑا ہے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی —— حدیث شریف میں ہے کہ اللہ پاک جنتیوں سے دریافت فرمائیں گے کہ تم خوش ہو گئے یا نہیں؟ وہ عرض

کریں گے، خدایا ہم کیوں خوش نہ ہوتے آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی اور جنت میں جگہ بخشی! اللہ پاک فرمائیں گے کہ میرے پاس تمہارے لئے اس سے بھی افضل (نعمت) ہے۔ جنتی دریافت کریں گے کہ اس سے افضل کیا چیز ہے؟ اللہ پاک فرمائیں گے کہ میں تمہیں اپنی خوشنودی کا عطیہ بخشتا ہوں۔ آئندہ میں کبھی بھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ رضوان یعنی اللہ کی خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے اور آیتِ پاک سے معلوم ہوا کہ یہ نعمت جہاد فی سبیل اللہ کے صلہ میں ملتی ہے —— اور ہجرت کر کے مہاجر نے چونکہ گھر بار چھوڑا ہے اس لئے اسے خوش خبری دی گئی ہے کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھے ملے گا جس میں تو ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش اور راحت سے رہے گا، جہاں سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پاک پر اور قیامت کے دن پر ایمان اور اللہ کی راہ میں جہاد اور اللہ کے دین کے لئے انتھک محنت، یہ ایسے اعمال ہیں جن کا مقابلہ کوئی دوسرا عمل نہیں کر سکتا —— جہاد کے معنی ہیں دین کے لئے انتھک محنت کرنا، وقت آنے پر خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینا، لڑنا، مرنا اور مارنا اصل مقصود نہیں ہے لہٰذا اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے جو بھی جدوجہد اور محنت کی جائے وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں حدیث درج کی جا چکی ہے کہ صبح و شام مسجد میں آنا جانا بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ جب مسجد والے اعمال زندہ ہوں گے تو مساجد کی پر بہار رونق دیکھ کر بہت سے دل اسلام کی طرف خود بخود مائل ہوں گے —— آیتِ پاک یہ غلط فہمی بھی دور کر رہی ہے کہ دین کے معمولی کاموں کو لے کر بیٹھ جانا اور دعوت اور دین پھیلانے کی محنتوں سے غافل ہو جانا اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہنا کہ ہم ہی سب سے اچھا کام کر رہے ہیں ناسمجھی کی بات ہے جیسے حاجیوں کے لئے سبیل لگانا اور مسجد کا متولی بن جانا اور اسی کو سب کچھ سمجھ لینا اور افضل ترین عمل قرار دے بیٹھنا نادانی ہے۔ یہ اعمال جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کی جانے والی محنتوں کے برابر کبھی نہیں ہو سکتے۔

اللہ کی راہ میں جہاد اور دین کے لئے انتھک محنت کا مقابلہ کوئی دوسرا عمل ہرگز نہیں کر سکتا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو! جو	قُلْ	کہہ دیں آپ	اِلَيْكُمْ	تمہیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِنْ كَانَ	اگر ہوں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ سے
لَا تَتَّخِذُوْٓا	نہ بناؤ تم	اٰبَآؤُكُمْ	تمہارے باپ	وَ رَسُوْلِهٖ	اور اسکے رسول سے
اٰبَآءَكُمْ	اپنے باپوں کو	وَ اَبْنَآؤُكُمْ	اور تمہارے بیٹے	وَجِهَادٍ	اور لڑنے (سے)
وَاِخْوَانَكُمْ	اور اپنے بھائیوں کو	وَاِخْوَانُكُمْ	اور تمہارے بھائی	فِيْ سَبِيْلِهٖ	خدا کی راہ میں
اَوْلِيَآءَ	دوست	وَاَزْوَاجُكُمْ	اور تمہاری عورتیں	فَتَرَبَّصُوْا	تو انتظار کرو
اِنِ اسْتَحَبُّوا	اگر ترجیح دیں وہ	وَعَشِيْرَتُكُمْ	اور تمہاری برادری	حَتّٰى	یہاں تک کہ
الْكُفْرَ	کفر کو	وَ اَمْوَالُ	اور وہ مال	يَاْتِيَ	بھیجے
عَلَى الْاِيْمَانِ	ایمان پر	اقْتَرَفْتُمُوْهَا (۱)	جو تم نے کمایا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَنْ	اور جو	وَتِجَارَةٌ	اور وہ سوداگری	بِاَمْرِهٖ	اپنا حکم
يَّتَوَلَّهُمْ	ان سے دوستی کرتا ہے	تَخْشَوْنَ	ڈرتے ہو تم	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِّنْكُمْ	تم میں سے	كَسَادَهَا	اسکی کساد بازاری سے	لَا	نہیں
فَاُولٰٓئِكَ	سو وہ	وَمَسٰكِنُ	اور وہ حویلیاں	يَهْدِي	راستہ دکھاتے ہیں
هُمُ	ہی	تَرْضَوْنَهَآ	جن کو پسند کرتے ہو تم	الْقَوْمَ	نافرمانوں (کو)
الظّٰلِمُوْنَ	ستم گار (ہیں)	اَحَبَّ	زیادہ پیاری	الْفٰسِقِيْنَ	

جان و مال کی قربانی دینا اور غیروں کو راز دار نہ بنانا کامیابی کی کنجی ہے

یہ آیات سولہویں آیت کا تتمہ ہیں جس میں فرمایا گیا تھا کہ مکہ کے مشرکوں کے ساتھ جو تمہارے اعزہ ہیں جہاد و قتال کا

(۱) ای اکتَسَبْتُمُوْهَا وحَصَلْتُمُوها، من الاقتراف بمعنی الاکتساب واصل الاقتراف. اقتطاع الشیئ من مکانه الی غیره من قَرَفْتُ القرحةَ اذا قشرتها، ووصفت الاموال بذلک ایماءً الی عزتها عندهم. لحصولها بکدّ الیمین وعرق الجبین (روح)

حکم دے کر اللہ پاک تمہیں پرکھنا چاہتے ہیں کہ کون اللہ کی راہ میں جان ومال کی قربانی دیتا ہے اور اللہ، رسول خدا، اور مؤمنوں کے علاوہ کسی کو اپنا بھیدی اور راز دار نہیں بناتا۔ فرماتے ہیں —— اے ایمان والو! تم اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں —— جب انھیں ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے تو مؤمن کے لئے کیسے زیبا ہے کہ انھیں عزیز رکھے۔ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ ان سے رفاقت ودوستی کا دم بھرے۔

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ اُن لوگوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدمقابل ہیں، چاہے وہ ان کے باپ (دادا) یا بیٹے (پوتے) یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو۔

اور تم میں سے جو لوگ ان کے ساتھ دوستی رکھیں گے وہ اپنا ہی نقصان کریں گے —— وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کرنے کا وبال سر لیں گے اور جہاد کی کامیابی سے بھی محروم ہوجائیں گے کیونکہ اعزہ سے محبت کی وجہ سے وہ اپنے راز ان کے سامنے فاش کردیں گے پھر کامیابی کہاں نصیب ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر تمام صحابہ کو راز سربستہ رکھنے کی تاکید فرمائی تھی پھر بھی حضرت حاطب بن ابی بَلْتَعَہ رضی اللہ عنہ نے، جو ایک معزز صحابی تھے اور جنھوں نے بدر کی جنگ میں شرکت فرمائی تھی، قریش مکہ کو خفیہ خط لکھا تھا ان کے عزیز واقارب اب تک مکہ میں تھے اور وہاں ان کا کوئی حامی نہ تھا، اس لئے انھوں نے خط لکھ کر چاہا تھا کہ قریش پر احسان رکھیں تاکہ قریش اس کے صلہ میں ان کے اعزہ کی حفاظت کریں اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دیں —— یہ تو اچھا ہوا کہ وحی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کے بارے میں اطلاع دیدی گئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ سے وہ خط پکڑوالیا ورنہ مکہ شریف کی فتح لوہے کے چنے چبوادیتی!

بہرحال رشتہ داری اور دوستی کے تعلقات سے دین کا تعلق مقدم ہے اس لئے جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی یہی شان تھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان، مال اور ہر رشتہ کو قربان کردیا تھا، حبشہ کے حضرت بلال، روم کے حضرت صہیب، فارس کے حضرت سلمان، مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار رضی اللہ عنہم بھائی بھائی ہوگئے تھے، اور بدر اور احد کے میدانوں میں باپ بیٹے اور بھائی بھائی دست وگریبان ہوگئے تھے یہ جذبۂ توحید اور کامل انقیاد کی کرشمہ سازی تھی:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ❁ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

مطلقاً اعزہ واقارب، مال و دولت اور دنیا کے ساز وسامان میں دل لگا لینے اور دین کی محنت چھوڑ بیٹھنے کی ممانعت

پہلے کافر اعزہ کے ساتھ موالات اور دوستی رکھنے کی ممانعت فرمائی، اب مطلقاً اعزہ واقارب، مال و دولت اور دنیا کے ساز وسامان میں دل لگانے اور دین کی محنت چھوڑنے کی ممانعت فرماتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں —— آپ بتلا دیں کہ اگر تمہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری گاڑھی کمائی کا مال اور کاروبار جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ لگا رہتا ہے اور حویلیاں جو تمہاری دل پسند ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو (پھر) تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ پاک اپنا حکم لے آئیں۔

یعنی اللہ پاک کا حکم اور اس کا دین بہر حال آئے گا چاہے تم اس کی نصرت کرو یا نہ کرو، اس کی سر بلندی اور نشر و اشاعت میں حصہ لو یا نہ لو، اللہ کا دین کسی کا محتاج نہیں، جب اللہ نے اپنے دین کے پھیلانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ بہر حال پھیل کر رہے گا۔

﴿ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُونُوٓا أَمْثَالَكُمْ ﴾ (سورۂ محمد آیت ۳۸)

ترجمہ: اور اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

اگر کوئی دین کی محنت چھوڑ بیٹھتا ہے اور مرغوبات کی محبت میں سرشار اور مست ہو کر رہ جاتا ہے تو نقصان اسی کا ہوگا، اللہ کا دین بہر حال چمکے گا —— اور اللہ تعالیٰ اطاعت سے باہر جانے والوں کو (دین کے لئے محنت کرنے کا اور حقیقی کامیابی کا) راستہ نہیں دکھاتے —— جو لوگ اللہ کی راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں اللہ پاک انھیں کو راہیں سجھاتے ہیں۔

آیتِ پاک کا خاص سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، نیز اللہ کے راستہ میں جہاد اور دین کے لئے محنت کرنے کی لگن اور ولولہ اتنا زیادہ ہونا چاہئے کہ دوسرا کوئی تعلق اور کسی چیز کی محبت اس پر غالب نہ آنے پائے۔

بِاَمْرِہٖ (خدائی فیصلہ) سے مراد دین کے فروغ کا فیصلہ ہے جیسا کہ اسی سورت کی اڑتالیسویں آیت ﴿ وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴾ (اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ ناخوش ہی رہے) میں یہ محاورہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے —— لیکن مفسرین کرام عام طور پر بِاَمْرِہٖ سے 'عذاب کا فیصلہ' مراد لیتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں اَمْرُ اللّٰہ کا محاورہ اس معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے ﴿ أَتٰىٓ أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ﴾ (النحل آیت ۱)

لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں باتیں علاحدہ علاحدہ نہیں کیونکہ جب اللہ کے دین کو فروغ نصیب ہوگا، مسلمان

غالب ومنصور ہوں گے تو حق کے مخالف مغلوب اور ذلیل ہوں گے انھیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں سزا ملے گی اور آخرت میں احکم الحاکمین براہِ راست شرک وکفر کا مزہ چکھائیں گے لیکن اگر مسلمان دین کی جدوجہد چھوڑ بیٹھیں تو باطل کو فروغ ہوگا جس کا لازمی نتیجہ مسلمانوں کی ذلت کی شکل میں نمودار ہوگا جو سب سے بڑا عذاب ہے —— اس صورت میں آیت پاک کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کنبہ برادری سے جدائی کا قلق، گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ ہوجانے کا ڈر، کاروبار کے ٹھپ ہوجانے کا اندیشہ اور آرام دہ مکانوں کی محبت اللہ پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بجاآوری اور جہاد فی سبیل اللہ سے مانع بن جائے تو پھر ذلت، رسوائی اور عذاب الٰہی کا انتظار کرو۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

اِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِيْنَةِ، وَاَخَذْتُمْ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ، وَرَضِيْتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَايَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوْا اِلٰى دِيْنِكُمْ (رواه الإمام أحمد وأبو داؤد عن ابن عمر رضى الله عنهما)

ترجمہ: جب تم بیع عینہ (قرض خواہ کو قرض حسنہ دینے کے بجائے اس کے ہاتھ کوئی چیز گراں قیمت پر اُدھار بیچنا) کرنے لگو (یعنی مجبور کی نصرت کرنے کے بجائے اس کا خون چوسنے لگو) اور بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی (اور کاروبار) پر راضی ہوجاؤ گے اور جہاد اور دین کے لئے محنت چھوڑ بیٹھو تو اللہ پاک تم پر ذلت مسلط کریں گے جسے اس وقت تک نہ ہٹائیں گے جب تک تم پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس نہ آجاؤ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

لَقَدْ	البتہ تحقیق	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	كَثِيْرَةٍ	بہت سے
نَصَرَكُمُ	مدد کی تمہاری	فِيْ مَوَاطِنَ (۱)	موقعوں میں	وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ	اور حنین کی جنگ میں

(۱) المواطن جمع موطن، وهو الموضع الذى يقيم فيه صاحبه ومواطن الحرب مقاماتها ومواقفها والمنع من الصرف لصيغة منتهى الجموع (روح)

اِذْ	جب	مُّدْبِرِيْنَ	پیٹھ دکھاتے ہوئے	كَفَرُوْا	جنھوں نے کفر کیا
اَعْجَبَتْكُمْ	اترائے تم	ثُمَّ اَنْزَلَ	پھر اتاری	وَ ذٰلِكَ	اور یہی
كَثْرَتُكُمْ	اپنی کثرت (پر)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	جَزَآءُ	سزا (ہے)
فَلَمْ تُغْنِ	پھر کام نہ آئی وہ کثرت	سَكِيْنَتَهٗ	اپنی تسکین	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں (کی)
عَنْكُمْ	تمہارے	عَلٰى رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر	ثُمَّ يَتُوْبُ	پھر توجہ مبذول فرمائی
شَيْئًا	کچھ بھی	وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	اور مؤمنوں پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
وَّضَاقَتْ	اور تنگ ہوگئی	وَ اَنْزَلَ	اور اتارا	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
عَلَيْكُمُ	تم پر	جُنُوْدًا	(ایسا) لشکر	ذٰلِكَ	اس کے
الْاَرْضُ	زمین	لَّمْ تَرَوْهَا	کہ نہیں دیکھا تم نے	عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ	جس پر چاہا اس نے
بِمَا رَحُبَتْ (۱)	اپنی کشادگی کے باوجود		اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
ثُمَّ	پھر	وَعَذَّبَ	اور سزا دی	غَفُوْرٌ	بخشنے والا
وَلَّيْتُمْ	پھر گئے تم	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو	رَّحِيْمٌ	مہربان (ہے)

اللہ کا دین پھیل کر رہے گا، کوئی جہاد کرے یا نہ کرے

حنین کا معرکہ یاد کرو، کس نے غالب کیا تھا؟

پچھلی آیت میں دھمکی آمیز خطاب تھا کہ اگر تم لوگ عیش وعشرت کے دلدادہ بن کر رہ گئے اور تمہارے لئے دنیا کی دل لبھانے والی چیزیں، اللہ، رسولؐ اور دین کی محنت سے زیادہ پیاری ہوگئیں تو پھر تم بیٹھے نظارہ دیکھو۔ اللہ پاک بہرحال اپنا دین لاکر رہیں گے کیونکہ اللہ کا دین کسی کے بل بوتے پر نہیں پھیل رہا، بلکہ اللہ کی نصرت وتائید سے قدم جماتا جارہا ہے اور اللہ ہی اسے فروغ دے رہے ہیں، وہی ہر معرکہ میں تمہاری مدد فرماتے ہیں تب جاکر تمہیں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ بدر واُحد کے معرکوں میں جب تم بے سروسامان اور مٹھی بھر تھے تب بھی اللہ نے تمہیں فتح مند کرکے اپنا دین چمکایا تھا اور حنین کے معرکہ میں جب تم اپنی کثرت پر اترا رہے تھے تب بھی ہماری ہی دستگیری سے کام بنا تھا، تمہاری کثرت جس پر تمہیں بڑا ناز تھا، دھری کی دھری رہ گئی تھی، فرماتے ہیں —— واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے معرکوں میں غلبہ دیا اور (خاص) حنین کے معرکہ میں (بھی) —— مکہ شریف سے مشرق جنوب میں تین دن کی مسافت پر حنین

(۱) ما مصدرية، والباء بمعنى مع اى مع رحبها (كشاف) رَحُب (ک) المكانُ رُحْبًا: کشادہ اور فراخ ہونا۔

ایک وادی کا نام ہے اس سے قریب ہی اوطاس وادی ہے اور طائف اس علاقہ کا مرکزی شہر ہے۔ یہاں عرب کا ایک بڑا قبیلہ ہَوازِن سکونت پذیر تھا جس کی بہت سی شاخیں تھیں اور طائف کے مضافات میں پھیلی ہوئی تھیں یہ مشہور، بہادر، جنگجو اور مال دار قبیلہ تھا اور قریش کا حریف اور مدمقابل سمجھا جاتا تھا۔ طائف میں بسنے والے ثقیف بھی اسی قبیلہ کی ایک شاخ تھے۔

اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جارہا تھا ۸ھ کے رمضان المبارک میں مکۃ المکرّمہ بھی فتح ہوگیا۔ عرب دنیا کا خیال تھا کہ اگر محمد (ﷺ) سچے پیغمبر ہیں تو قریش پر غالب آجائیں گے اور مکہ فتح کرلیں گے۔ چنانچہ مکہ کی فتح کے بعد عرب قبائل خود پیش قدمی کرتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں لیکن چونکہ فتح مکہ کی کارروائی ایسی خوش اسلوبی سے انجام پائی تھی کہ خون کا ایک قطرہ بھی بہنے نہیں پایا تھا اس لئے طائف اور اس کے مضافات میں بسنے والے ان بہادر اور جنگجو قبائل نے مکۃ المکرّمہ کی فتح کو اسلام کی حقانیت اور اللہ پاک کی تائید و نصرت کا نتیجہ نہیں سمجھا، بلکہ ان کی خوددار طبیعتوں نے اور غیور ذہنوں نے اسے قریش کی بزدلی کا نتیجہ قرار دیا۔ چنانچہ ان کے کمانڈر انچیف مالک بن عوف نصری نے میدانِ جنگ میں اپنی بہادر فوج سے خطاب کرکے کہا تھا: ''محمد (ﷺ) کو اب تک کسی بہادر، تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کرکے انھیں اپنی طاقت کا زعم ہوگیا ہے اب ان کو پتہ چل جائے گا!'' —— علاوہ ازیں انھیں یہ اندیشہ بھی لگا ہوا تھا کہ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کا رخ ہماری طرف ہوگا اس لئے ہوازن اور ثقیف کے سردار اکھٹے ہوئے اور طے کیا کہ دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ہم خود مسلمانوں پر حملہ کریں تاکہ ان کا بڑھتا ہوا سیلاب رک جائے [1]

قرارداد کے مطابق کارروائی شروع ہوئی، بنوکلاب اور بنوکعب کے علاوہ تمام قبائل کا لشکرِ جرّار تیار ہوگیا۔ لیڈر اور کمانڈر انچیف مالک بن عوف نصری چُنے گئے جو تیس سالہ جوشیلے نوجوان تھے (بعد میں آپ مسلمان ہوگئے تھے اور قادسیہ کی جنگ میں بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ دمشق کے حاکم بھی مقرر ہوئے تھے) دُرَید بن الصِمّہ کو جو ایک سال خوردہ تجربہ کار جرنیل تھا مشیر جنگ مقرر کیا گیا۔

آنحضور ﷺ کو مکہ میں یہ تمام حالات پہنچ رہے تھے۔ آپؐ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو جاسوس بنا کر بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر صحیح حالات سے حضور ﷺ کو مطلع کیا۔ مجبور ہوکر آنحضور ﷺ نے مقابلہ کی تیاریاں شروع فرمائیں۔ رَسَد اور سامان جنگ کے لئے قرض لیا گیا اور شوال ۸ھ (جنوری وفروری سنہ ۶۳۰ء) میں

---

(۱) قالوا واللہ إن محمدًا لاقیٰ قوماً لایحسنون القتالَ، فأجمعوا أمرکم، فسیروا فی الناس، وسیروا الیه قبل ان یسیرالیکم (زرقانی) وکانوا مشفقین من ان یغزوهم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد فتح مکة، وقالوا لامانع له من غزونا، والرأی ان نغزوه قبل ان یغزونا (تاریخ کامل جزری).

اسلامی فوجوں نے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی، حنین کی طرف مارچ شروع کیا یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلامی فوجیں اتنی بڑی تعداد میں کیل کانٹے سے لیس ہوکر دشمن کی طرف بڑھ رہی تھیں اور آنحضور ﷺ کا سچا ارشاد ہے کہ ''بارہ ہزار لشکر، جن کی ایک آواز ہو، ان کی ہار تعداد کی کمی کا نتیجہ ہرگز نہیں ہو سکتی'' یہ ارشاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر تھا چنانچہ فوج کا منظر دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار نکل پڑا (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) ''آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں!''

مردان توحید کی زبان سے نکلے ہوئے یہ جملے بارگاہِ ایزدی میں ناپسند ہوئے۔ وہاں بڑا بول، کسی پیغمبر کی زبان سے بھی کیوں نہ ہو، کبھی گوارہ نہیں کیا جاتا، بارگاہِ احدیت میں تواضع کی قدر اور محنت کی پوچھ ہے اور کامیابی بھی درحقیقت اسی میں مضمر ہے:

کتنی ہی مشکلات ہوں پروا نہ چاہئے ❁ اقدام، راہِ حق میں دلیرانہ چاہئے

لیکن یہ گُر رسائی منزل کا یاد رکھ ❁ کوشش تو خوب چاہئے دعویٰ نہ چاہئے

لشکرِ اسلام تہامہ کی وادیوں سے گزرتا ہوا وادیٔ حنین میں پہونچا۔ دشمنوں نے لشکر اسلام کے قریب پہنچنے کی خبریں پاکر وادیٔ حنین کی دونوں جانب کمین گاہوں میں تیراندازوں کے دستے بٹھادیئے، یہ قبائل تیراندازی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدان جنگ میں ان کا تیر بہت کم خالی جاتا تھا۔

جنگ نور کے تڑکے شروع ہوئی، ابھی اندھیرا ہی تھا، خوب روشنی پھیلنے بھی نہیں پائی تھی۔ جب اسلامی لشکر وادی کی پیچیدہ گزرگاہوں سے ہوکر نشیب کی طرف اترنے لگا تو کمین گاہوں سے تیراندازوں کے دستوں نے نکل کر اچانک تیروں کا مینہ برسا دیا، اس اچانک حملہ سے مسلمان سراسیمہ ہوگئے اور ان کی صفیں پراگندہ ہوگئیں۔ مکہ کے دو ہزار طُلَقاء (نئے مسلمان) جنگ میں شریک تھے، سب سے پہلے ان میں بھگدڑ مچ گئی اور اس وجہ سے تمام لشکر تتر بتر ہوگیا۔

میدانِ جنگ میں صرف آنحضور ﷺ اور مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت رہ گئی۔ باقی مطلع صاف تھا۔ اللہ پاک یہی حالت بیان فرماتے ہیں —— جب تم اپنی (فوج کی) کثرت پر نازاں تھے پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تمہارے لئے تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے —— رسول اللہ ﷺ دُلدل نامی سفید خچر پر سوار تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ لگام تھامے ہوئے تھے۔ حضور پرنور ﷺ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث ہمرکاب تھے۔ اب دشمن کی پوری قوت کا ریلا آپؐ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صحابہؓ کی مٹھی بھر جماعت جو آپؐ کے ساتھ رہ گئی تھی وہ جان پر کھیل گئی اور آنحضور ﷺ شجاعت اور استقامت کا نہ صرف پہاڑ بنے رہے بلکہ پیش قدمی کی

پوری کوشش فرماتے رہے آپ نبوت کے پر جلال لہجے میں فرماتے جارہے تھے:

اَنَا النَّبِیُّ لاَ کَذِبْ ۞ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں پیغمبر ہوں، جھوٹ نہیں ! ۞ میں عبد المطلب کا لڑکا ہوں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت بلند آواز تھے۔آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دیں حضرت عباسؓ نے بیعتِ رضوان کرنے والوں کو پکارا پھر انصار کو ندا دی —— آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ دفعۃً تمام فوج پلٹ گئی۔کشمکش کی وجہ سے جن لوگوں کے اونٹ،گھوڑے مُڑ نہ سکے انھوں نے زِرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے اور سب رسول اللہ ﷺ کی طرف پروانہ وار دوڑ پڑے اسی لمحہ اللہ پاک نے فرشتوں کے پرے کے پرے بھیج دیئے اب جو مسلمانوں نے فرشتوں کے حصار میں حملہ کیا تو پہلے تو گھمسان کا رن پڑا،زبان نبوت سے نکلا: ﴿اَلْآنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ﴾ (اب تنور بھڑکا ہے) پھر آپ ﷺ نے تھوڑی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر ﴿شَاهَتِ الْوُجُوْهُ﴾ (چہرے بد ہوجائیں) فرما کر کفار کے لشکر پر پھینک دیں۔خدا کی قدرت سے وہ ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں میں جا پڑیں،پھر کیا تھا دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔کفار بھاگ کھڑے ہوئے جو رہ گئے تھے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں،مالِ غنیمت کا ڈھیر لگ گیا۔مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور اموال چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا۔کافروں کے ستر سردار معرکہ میں کام آئے۔اللہ پاک اسی حالت کا تذکرہ فرماتے ہیں —— پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل فرمائی اور اللہ نے ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو خوب سزا دی اور یہی کافروں کی سزا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی جو کمک آتی ہے وہ عموماً مسلمانوں کو نظر نہیں آتی۔اکادکا کبھی کسی کو نظر آئے تو وہ اس کے منافی نہیں۔البتہ کافروں کو وہ نظر آتے ہیں۔اسی جنگ میں شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ پیش آیا تھا،اس میں اس کی صراحت موجود ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ شیبہ رضی اللہ عنہ کے باپ بدر کی جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اور چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے،جس کی وجہ سے وہ خار کھائے بیٹھے تھے۔موقعہ کی تلاش میں تھے کہ پناہ بخدا! رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کردیں۔اس جنگ میں وہ اسی ناپاک ارادے سے شامل ہوگئے تھے —— جب لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور جناب رسول اللہ ﷺ میدان میں تنہا رہ گئے تو وہ موقعہ کی تلاش میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔فرشتوں کی کمک جب اترنا شروع ہوئی تو انھوں نے اسے دیکھا اور گھبرا کر عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے چتکبرے گھوڑے نظر آرہے ہیں! آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَا شَيْبَةُ اِنَّهُ لَا يَرَاهَا اِلَّا كَافِرٌ — شیبہ! یہ گھوڑے کافر ہی کو نظر آیا کرتے ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے)

پھر آپؐ نے ان کے سینہ پر زور سے ہاتھ مارا اور فرمایا: اے اللہ! شیبہ کو نورِ ہدایت سے نواز! آنحضور ﷺ نے اسی طرح تین باران کے سینہ پر ہاتھ مار کر دعاء فرمائی —— شیبہؓ خود بیان کرتے ہیں کہ تیسری بار آنحضور ﷺ کے ہاتھ ہٹانے سے پہلے میرے دل میں حضور ﷺ کی محبت دنیا و مافیہا سے زیادہ سما گئی (۱)

اس حدیث شریف میں صراحت ہے کہ فرشتوں کی کمک صرف کافروں کو نظر آتی ہے۔ شیبہ رضی اللہ عنہ چونکہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لئے ان کو فرشتوں کے گھوڑے نظر آئے اور آں حضور ﷺ نے اسی سے سمجھا کہ شیبہؓ نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا۔

جب وادیٔ حنین میں جنگ ختم ہوگئی تو شکست خوردہ فوج منتشر ہو کر کچھ تو دُرَید بن الصِمّہ کے ساتھ اَوْطَاس میں جمع ہوئی اور کچھ مالک بن عوف نصری کے ساتھ طائف میں جا کر پناہ گزین ہوگئی —— اوطاس کی طرف آنحضور ﷺ نے ایک فوجی دستہ حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں روانہ فرمایا، جس نے وہاں کا قضیہ نمٹا دیا۔ لیکن طائف کا معاملہ سنگین تھا۔ وہاں مضبوط شہر پناہ تھی۔ شکست خوردہ فوج نے وہاں پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس لئے اموال غنیمت اور قیدیوں کو جُعِرانہ روانہ فرما کر آنحضور ﷺ خود طائف روانہ ہوئے —— دشمن قلعہ بند ہو گیا تھا، شہر پناہ کی چاروں جانب منجنیقین (گوپھنیں، قدیم طرز کی توپیں) نصب کر لی تھیں۔ جا بجا تیر انداز متعین کر لئے تھے۔ مسلمانوں نے بھی یہاں پہلی بار قلعہ شکن آلات، ٹینک، توپ کا استعمال کیا لیکن جب چمڑے کی بنی ہوئی ٹینکوں کو شہر پناہ کی دیوار سے لگا کر اسلامی فوج نے نقب زنی کی کوشش شروع کی تو دشمن نے اوپر سے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں جس سے ٹینک جل اٹھے اور فوج باہر نکلنے پر مجبور ہوگئی، ساتھ ہی دشمن نے اس شدت کی تیر باری کی کہ کئی صحابہ موقعہ پر ہی شہید ہو گئے، بہت سے زخمی ہو گئے اور حملہ آور پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے —— محاصرہ بیس روز جاری رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ البتہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ نواحی قبائل کے لوگ مسلمان ہو گئے۔

آنحضور ﷺ نے نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا کہ محاصرہ اٹھا لینا چاہئے یا جاری رکھنا چاہئے، حالات کا تقاضا کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں! —— آنحضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ

(۱) رواه البيهقي عن شيبة كذا في التفسير لابن كثير.

یا رسول اللہ! ان کے لئے بددعا فرمائیں! رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعاء فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا وَائْتِ بِهِمْ	الٰہی! ثقیف کو ہدایت سے نواز! اور انھیں میرے پاس حاضر ہونے کی توفیق عطا فرما!

محاصرہ چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ جعرانہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ ﷺ نے اموال غنیمت اور قیدیوں کے بارے میں انتظار فرمایا کہ ان کے اعزہ آئیں اور گفتگو کریں لیکن جب کئی دن گزرنے پر بھی کوئی نہیں آیا تو حسبِ ضابطہ اموال غنیمت اور قیدی تقسیم کردیئے گئے۔

مکۃ المکرّمہ کے اکثر رؤساء کو جنھوں نے ابھی ابھی اسلام قبول کیا تھا اور مذبذب سے تھے خوب دل کھول کر دیا۔ قبائل کے سرداروں کو بھی نہایت فیاضانہ انعامات سے نوازا، ہوازن کی سفارت جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے ان سے مالک بن عوف نصری کا حال پوچھا۔ انھوں نے بتلایا کہ وہ ثقیف کے ساتھ طائف میں ہے۔ آپ ﷺ نے وفد کے ہمراہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوجائے تو اس کے تمام اہل وعیال اور اموال واپس کردیئے جائیں گے اور مزید سو اونٹ بطورِ انعام دیئے جائیں گے —— وہ تو اپنی جان بخشی ہی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کیونکہ جنگ کا بانی مبانی وہی تھا۔ اُسے جب آنحضور ﷺ کا پیغام پہنچا تو فوراً مسلمان ہو کر حاضر ہوگیا۔ آنحضور ﷺ نے حسبِ وعدہ اس کے اہل وعیال اور اموال واپس کئے اور سو اونٹ بطور انعام مرحمت فرمائے اور اس کی قوم پر ان کو حاکم مقرر فرمایا۔

جِعْرَانہ ہی میں ایک معزز سفارت خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی جس نے اسیران جنگ کی رہائی کے لئے درخواست پیش کی، مسلمانوں نے اسے منظور کرلیا اور چھ ہزار قیدی آزاد کردیئے۔

اب چونکہ ان قبائل کے لئے یہ بات صرف شنیدہ نہیں رہی تھی بلکہ چشمِ دید حقیقت بن گئی تھی کہ کامیابی جو ہر معرکہ میں بڑھ کر مسلمانوں کے قدم چومتی ہے وہ ان کی اپنی قوت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ غیبی قوت اور الٰہی تائید ونصرت کا نتیجہ ہے اس لئے تمام قبائل نے پیش قدمی کرکے اسلام کی غلامی قبول کرلی اس طرح عرب دنیا کے لئے اسلام کی حقانیت آشکارہ ہوگئی ارشاد پاک ہے:

﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ (حم السجدۃ ۵۳)

ترجمہ: عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں ان کے گردونواح میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذاتوں میں بھی تاکہ ان کے لئے آشکارہ ہوجائے کہ بلاشبہ یہ (اسلام اور قرآن) حق ہے۔

اللہ پاک جل شانہ جنگ کا یہی نتیجہ بیان فرماتے ہیں —— پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس پر چاہیں گے توجہ مبذول فرمائیں گے اور اللہ پاک بڑے بخشنے والے نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	الْحَرَامَ	حرام کے	يُغْنِيْكُمُ	(کہ) دولت مند کردیں تم کو
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	بَعْدَ	بعد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	عَامِهِمْ هٰذَا	ان کے اس سال کے	مِنْ فَضْلِهٖٓ	اپنے فضل سے
الْمُشْرِكُوْنَ	مشرک	وَاِنْ	اور اگر	اِنْ شَآءَ	اگر چاہیں وہ
نَجَسٌ	پلید (ہیں)	خِفْتُمْ	ڈرتے ہو تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَلَا يَقْرَبُوا	پس نہ نزدیک آویں وہ	عَيْلَةً (۱)	فقر سے	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
الْمَسْجِدَ	مسجد	فَسَوْفَ	تو کچھ بعید نہیں	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

مشرکین کو حرم کے داخلہ کی پابندی سے بھوک مری کے اندیشہ کا جواب

سنہ ۹ ہجری میں، حج کے موقعہ پر، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ چار باتوں کا اعلان کیا گیا:

(۱) ——: جنت میں داخلہ صرف مؤمن کا ہوگا۔

(۲) ——: آئندہ بیت اللہ شریف کا طواف کسی ننگے آدمی کو کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۳): —— رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن لوگوں کا غیر متعینہ مدت کے لئے عہد و پیمان ہے اس کی پابندی چار مہینے تک کی جائے گی۔ اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول ﷺ مشرکوں سے بری ہیں۔

(۴) ——: سالِ رواں (سنہ ۹ ہجری) کے بعد کسی مشرک کو حج (اور عمرہ) کی اجازت نہیں ہوگی۔

جب ان باتوں کی منادی کی گئی تو مکہ والوں کے ذہنوں میں ایک معاشی مسئلہ پیدا ہوا۔ یہ اندیشہ ان کی جان کھانے لگا کہ جب مکہ شریف میں حج اور عمرہ کے لئے مشرکوں کا داخلہ ممنوع ہوگیا اور مکہ شریف میں کچھ بھی پیداوار نہیں ہوتی،

(۱) اَلْعَيْلَةُ: الفقر، يقال: عَالَ الرجلُ يَعِيْلُ عَيْلَةً اذا افتقر (كبير) عَالَ الرجلُ: فقیر ہونا محتاج ہونا، فهو عَائِلٌ۔

ضروریات کا بڑا مدار حج اور عمرہ کے لئے باہر سے آنے والے زائرین کی درآمدات پر ہے تو پھر اہل شہر کا کام کیسے چلے گا؟! مکہ شریف میں بھوک مری پھیل جائے گی۔ اس آیت میں اللہ پاک نے لوگوں کی یہی الجھن دور فرمائی ہے۔

اور آیتوں میں باہمی مناسبت یہ ہے کہ دین کے فروغ کے لئے جو بندے محنت کرتے ہیں انھیں اس کا صلہ نہ صرف یہ کہ آخرت میں ملتا ہے بلکہ اگر اللہ پاک چاہیں تو دنیا میں بھی ملتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف دینی کاموں میں رہتی ہے بلکہ وہ ان کی دنیوی ضرورتیں بھی اپنے فضل و کرم سے پوری فرماتے ہیں ارشاد ہے:——

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہیں —— وہ بہت سی ناپاک اور گندی چیزوں کو پاک بلکہ متبرک سمجھتے ہیں، غسل جنابت کا ان کے یہاں رواج نہیں، اور ان کے دل شرک و کفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ پناہ بخدا! —— اس لئے وہ اس سال کے بعد —— یعنی سنہ ۹ ہجری کے بعد جس سال براءت کا اعلان کیا گیا تھا —— مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں —— آیتِ پاک میں جو اندازِ بیان اختیار کیا گیا ہے وہ صاف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مشرکوں کو نہ صرف مسجدِ حرام سے بلکہ اس کے نزدیک آنے سے بھی روک دیا جائے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے ''نزدیک'' کی تفسیر ''حرمِ محترم'' سے کی ہے جو کئی مربع میل کا رقبہ ہے اور جس کی تعیین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکمِ الٰہی کی تھی تمام فقہاء رحمہم اللہ بھی پورا حرم مراد لیتے ہیں۔ پس حکمِ الٰہی کا حاصل یہ ہے کہ مشرکوں کو حرم کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا جائے —— قرآن پاک میں یہی اندازِ بیان ایک اور جگہ بھی اختیار فرمایا گیا ہے ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴾ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۲)

ترجمہ: اور زنا کے پاس مت پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔

اس آیتِ پاک میں بھی صرف زنا سے نہیں روکا گیا بلکہ اس کے نزدیک جانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے جس کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے اسباب و وسائلِ زنا سے فرمائی ہے کہ ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ اعضاء بھی زنا کرتے ہیں۔ لہٰذا آیتِ پاک میں زنا کی ممانعت کے ساتھ اسبابِ زنا، نظرِ بد، فکرِ بد، ہاتھ، پیر، زبان اور کان وغیرہ کے غلط استعمال کی بھی ممانعت ہے۔

اسی سورت کی ساتویں آیت ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ میں بھی ''مسجدِ حرام'' سے تمام حرم مراد ہے کیونکہ جس صلح کا اس آیت میں ذکر ہے وہ حدیبیہ میں ہوئی تھی جو حدودِ حرم سے متصل واقع ہے —— خود اس آیت کا مقتضیٰ بھی یہ ہے کہ مسجدِ حرام سے پورا حرم مراد ہو کیونکہ تجارت کی منڈی مسجدِ حرام کے اندر نہیں، بلکہ مکہ شریف اور منیٰ میں لگتی تھی، نیز مسجدِ حرام سے اگر خاص مسجد ہی مراد لی جائے گی تو پھر مکہ والوں کے لئے سرے سے کوئی معاشی مشکل پیدا نہیں ہوگی۔ پھر ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ کو مشکل کا حل کیسے قرار دیا جائے گا؟ —— اب آیتِ پاک کا

خلاصہ یہ ہوا کہ سال رواں کے بعد حرم شریف کے حدود میں مشرکوں کا داخلہ ممنوع ہے۔انھیں مشرکانہ طرز پر حج اور عمرہ کرنے کی اجازت نہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صاف اعلان کیا تھا کہ سال رواں کے بعد کسی بھی مشرک کو حج (اور عمرہ) کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا حج اور زیارت کی غرض سے کسی بھی غیر مسلم کو حرم محترم میں آنے نہیں دیا جائے گا، تاکہ وہاں شرک وجاہلیت کے لوٹ آنے کا امکان ختم ہوجائے اور انکے غلبہ واستیلاء کا اندیشہ بھی نہ رہے۔

چند مسائل جن کا تذکرہ مناسب ہے:

یہاں چند مسائل کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے جن کا براہِ راست تو آیتِ پاک سے تعلق نہیں لیکن مفسرین کرامؒ نے یہاں ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔

مسئلہ: حنفیہ کے نزدیک غیر مسلم، عارضی طور پر، مسافرانہ، امام المسلمین کی اجازت سے، حرم شریف کی حدود میں، بلکہ خاص مسجدِ حرام میں آسکتا ہے، بشرطیکہ امام المسلمین اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے لیکن حج، عمرہ اور زیارت وعبادت کی غرض سے وہاں کسی غیر مسلم کو جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کا پاک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

لَايَدْخُلُ مَسْجِدَنَا بَعْدَ عَامِنَا هٰذَا مُشْرِكٌ اِلَّا اَهْلُ الْعَهْدِ وَخَدَمُهُمْ[1] سال رواں کے بعد ہماری مسجد (حرام) میں کوئی کافر نہ آنے پائے مگر ذمی اور ان کے نوکر چاکر آسکتے ہیں۔

خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ "مشرکین پلید ہیں اس لئے وہ سال رواں کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں مگر غلاموں اور ذمیوں کے لئے اجازت ہے[2]" کیونکہ ان کو کسی ضرورت سے عارضی طور پر مسافرانہ آنے دینے سے نہ تو کفر وشرک کے لوٹ آنے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔نہ ان کے غلبہ کا خطرہ ہے اور نہ اس پاک سرزمین کو مشرکانہ رسوم وعبادات سے ملوث کرنا ہے۔

مسئلہ: ظاہری نجاست اور پلیدی کا کسی بھی مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں خواہ مسلمان داخل کرے یا غیر مسلم، معنوی یعنی حکمی نجاست: حیض نفاس اور جنابت کی حالت میں بھی مسجد میں داخل ہونا منع ہے۔خواہ داخل ہونے والا مسلمان ہو یا غیر مسلم۔اور اعتقادی نجاست یعنی کفر وشرک کی گندگی کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک کسی بھی مسجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔فتح مکہ کے بعد جب ثقیف کی سفارت مدینہ شریف میں حاضر ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا حالانکہ وہ لوگ اس وقت کافر تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس آیت کے پیش نظر اشکال بھی ہوا تھا مگر آنحضور ﷺ نے یہ

---

(۱) رواه احمد وتفرد به. (۲) رواه عبد الرزاق.

فرما کر ان کی تشفی کردی تھی کہ ''مسجد کی زمین پر ان کی (اعتقادی) پلیدی کا کوئی اثر نہیں پڑتا''

شوافع کے نزدیک مسجد حرام میں تو کسی غیر مسلم کو آنے کی اجازت نہیں ہے مگر اور مسجدوں کا حکم ان کے نزدیک بھی وہی ہے جو حنفیہؒ کے نزدیک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مسجدیں یکساں ہیں کسی میں بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

احادیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم مسجدوں میں آ سکتے ہیں بلکہ اگر کسی غیر مسلم سے بھلی توقع ہو تو حسن تدبیر سے اسے مسجد میں لا کر مسجد والے اعمال دکھائے بھی جا سکتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے مسجد والے اعمال دکھانے ہی کی غرض سے غیر مسلم سفارتوں کو مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا ہے اور غیر مسلم قیدیوں کو مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھا ہے اور مسجد والے اعمال دیکھ کر ان کی کایا پلٹ بھی گئی ہے کیونکہ ہماری اصل طاقت ہمارے اعمال ہیں ان میں دلوں کو متأثر کرنے کی آج بھی وہی اسپرٹ موجود ہے جو پہلے تھی:

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری ❁ مصلّٰی ہے ہمارا تختِ شاہی

ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ ❁ ہمارا حِصن ہے ترکِ مناہی

حرم محترم میں مشرکوں کی آمد و رفت بند کرنے سے مکہ کے باشندوں کو یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ اس سے تجارت کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ باہر سے آنے والے حاجی جو سامانِ تجارت ساتھ لایا کرتے ہیں جب اس کی آمد بند ہو جائے گی تو مکہ والوں کے لئے بھوک مری کی نوبت آ جائیگی۔ اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ــــ اور اگر تمہیں تنگ دستی کا اندیشہ ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ پاک اگر چاہیں، تو اپنے فضل سے تمہیں محتاج نہ رہنے دیں۔ وہ بڑے حکمت والے اور خوب جاننے والے ہیں ــــ سب کام ان کے چاہنے پر موقوف ہیں۔ تمام مخلوقات کا نظام معاش انہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہیں گے تو تمہیں محتاج نہ رہنے دیں گے ــــ بعد میں یہ پیشین گوئی واقعہ بن گئی، سارا ہی ملک مسلمان ہو گیا اور تجارتی ساز و سامان بدستور آتا رہا۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آنے لگا۔ اللہ رب العزت نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور مختلف طرح سے اسبابِ غنیٰ جمع فرما دیئے اور انھیں محتاج نہ رہنے دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۲۹ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى

الْمَسِيْحُ ابْنُ اللهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

قَاتِلُوا	جنگ کرو	وَلَا يَدِيْنُوْنَ	اور قبول نہیں کرتے	وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ	اور یہود نے کہا
الَّذِيْنَ	(ان لوگوں سے) جو	دِيْنَ الْحَقِّ	سچے دین کو	عُزَيْرُ	عزیر
لَا يُؤْمِنُوْنَ	یقین نہیں رکھتے	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں سے جو	ابْنُ اللهِ	اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں
بِاللهِ	اللہ تعالیٰ پر	اُوْتُوا	دیئے گئے ہیں	وَقَالَتِ	اور کہا
وَلَا بِالْيَوْمِ	اور نہ آخرت کے	الْكِتٰبَ	(آسمانی) کتاب	النَّصٰرٰى	نصاری (نے)
الْاٰخِرِ	دن پر	حَتّٰى [1]	یہاں تک کہ	الْمَسِيْحُ	مسیح
وَلَا يُحَرِّمُوْنَ	اور حرام نہیں سمجھتے	يُعْطُوا	دیں وہ	ابْنُ اللهِ	اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں
مَا	اس چیز کو جسے	الْجِزْيَةَ [2]	جزیہ	ذٰلِكَ	یہ
حَرَّمَ	حرام کیا ہے	عَنْ يَّدٍ [3]	اپنے ہاتھ سے	قَوْلُهُمْ	ان کی باتیں ہیں
اللهُ	اللہ تعالیٰ نے	وَّهُمْ	اور وہ	بِاَفْوَاهِهِمْ	ان کے منہ کی
وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول نے	صٰغِرُوْنَ [4]	ذلیل ہوں	يُضَاهِئُوْنَ	وہ ریس کرتے ہیں

(۱)حتی یعطوا ای یَقْبَلُوْا اَنْ یُعْطُوْا(ابو السعود)(۲) الجزیة: الفِعلة،من جَزٰی فلانٌ فلانًا ماعلیه اذا قَضَاهُ یَجْزِیْهِ والجزیة مِثْل القِعْدَةِ وَالْجِلْسَةِ (فی الدلالة علی الهیئة) ومعنی الکلام حتی یعطوا الخراج عن رقابهم الذی یبذلونه للمسلمین دفعاً عنها(طبری) لانهم یجزون بها من مَنَّ علیهم بالاعفاء عن القتل (ابو السعود) هی لغة: الجزاء لانها جزت عن القتل(درمختار) (۳) تقول العرب لکل مُعْطٍ قاهرًا له شیئًا، طائعا له اوکارها اعطاه عن یده وعن یدٍ(طبری)(۴) صٰغِرُوْنَ اَذِلَّاءَ مَقْهُوْرُوْنَ، یقال للذلیل الحقیر: صاغر (طبری)

قَوْلَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	اِلَّا	مگر	يُّتِمَّ	کمال تک پہنچادیں
كَفَرُوْا	انکار کیا	لِيَعْبُدُوْٓا	یہ کہ بندگی کریں وہ	نُوْرَهٗ	اپنے نور (کو)
مِنْ قَبْلُ	ان سے پہلے	اِلٰهًا وَّاحِدًا	ایک معبود (کی)	وَلَوْ كَرِهَ	اور پڑے برا مانیں
قٰتَلَهُمُ	غارت کریں ان کو	لَآ	نہیں	الْكٰفِرُوْنَ	کافر
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِلٰهَ	عبادت کے لائق	هُوَ	وہ (اللہ)
اَنّٰى	کدھر	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الَّذِيْٓ	(ایسا ہے) جس نے
يُؤْفَكُوْنَ	الٹے جارہے ہیں وہ؟	سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے وہ	اَرْسَلَ	بھیجا
اِتَّخَذُوْٓا	ٹھہرایا ہے انھوں نے	عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	ان کے شرک سے	رَسُوْلَهٗ	اپنے رسول کو
اَحْبَارَهُمْ	اپنے علماء	يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	بِالْهُدٰى	ہدایت دے کر
وَرُهْبَانَهُمْ	اور اپنے مشائخ (کو)	اَنْ يُّطْفِـُٔوْا	کہ بجھادیں	وَدِيْنِ	اور دین
اَرْبَابًا	رب	نُوْرَ اللّٰهِ	اللہ کی روشنی	الْحَقِّ	حق (دے کر)
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کو چھوڑ کر	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے منہ سے	لِيُظْهِرَهٗ	تاکہ اس کو غالب کرے
وَالْمَسِيْحَ	اور مسیح	وَيَاْبَى	حالانکہ مانیں گے نہیں	عَلَى الدِّيْنِ	دینوں پر
ابْنَ مَرْيَمَ	ابن مریم (کو)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كُلِّهٖ	تمام
وَمَآ	حالانکہ نہیں	اِلَّآ	بغیر	وَلَوْ كَرِهَ	اور پڑے برا مانیں
اُمِرُوْٓا	حکم دیئے گئے وہ	اَنْ	(اس کے) کہ	الْمُشْرِكُوْنَ	مشرک

مشرکین سے جہاد کے حکم کے بعد اہل کتاب سے جہاد کا حکم اور جزیہ کی حکمتیں

اب تک مشرکوں سے جنگ کا تذکرہ تھا، اب اہلِ کتاب سے جہاد کا حکم ہے کہ مشرکوں سے فارغ ہوکر ان سے بھی نمٹو، ان کی قوت وشوکت کو توڑو ـــــ اور آیتوں میں باہمی مناسبت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بہت سے تابعین رحمہم اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ پچھلی آیت میں جو فرمایا تھا کہ "اللہ پاک تمہیں محتاج نہ رہنے دیں گے" بلکہ وسیع رزق عنایت فرمائیں گے اور اس کے لئے اسباب ووسائل مہیا فرمائیں گے۔ اسی سلسلہ میں اب بطور مثال "جزیہ" کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ بھی رزق کے وسائل میں سے ایک ذریعہ ہے۔(۱)

(۱) هذاعوض ما تخوفتم من قطع تلك الاسواق، فعوضهم الله مما قطع امر الشرك ما اعطاهم من ←

جنگ کی ہلاکت خیزی زبان زد عام وخاص ہے لیکن ''اسلامی جہاد'' کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے۔ یہ ہمیشہ ہی دونوں فریقوں کے لئے برکات وثمرات کا ذریعہ ثابت ہوا ہے اور چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جہاد خالص دینی جہاد تھا، اس لئے ان کا ہر جہاد خود ان کے لئے اور دشمن کے لئے بھی بڑی خیر وبرکت کا سبب بنتا تھا۔ دشمن کے لئے وہ ایمان کی بہار اور امن کا راج لاتا تھا۔ پس آیتوں میں باہمی مناسبت یہ ہوئی کہ اہل کتاب کے ساتھ جو جہاد وقتال کا حکم دیا جارہا ہے وہ مسلمانوں کو مالا مال کردے گا۔ اس جہاد میں انھیں وسیع رزق ملے گا اور وہ غنی ہوجائیں گے۔ اس صورت میں جزیہ کی خصوصیت نہیں رہے گی بلکہ اہل کتاب سے جہاد ہی مسلمانوں کے لئے اللہ پاک کے فضل وکرم اور رزق میں وسعت کا ذریعہ بنے گا چنانچہ جب اہل کتاب کے ساتھ جہاد شروع ہوا تو مسلمانوں کے وارے نیارے ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ــــــ اُن اہلِ کتاب سے لڑو جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے اور نہ آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور جس چیز کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اسے حرام نہیں مانتے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں (ان سے) یہاں تک (لڑو) کہ وہ ماتحت ہوکر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں ــــــ اس آیت میں اہل کتاب سے جنگ کی بنیاد چار چیزیں بتلائی گئی ہیں: (۱) وہ اللہ پر یقین نہیں رکھتے (۲) وہ آخرت پر بھی یقین نہیں رکھتے (۳) اللہ پاک نے اور اس کے رسولؐ نے جو چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں وہ انھیں حرام نہیں مانتے یعنی اللہ پاک کے رسول نے جو شریعت ان کو سپرد کی ہے اس پر وہ عمل پیرا نہیں، بلکہ اللہ کی شریعت میں من مانی کرتے ہیں (۴) اور وہ اُس سچے دین کو قبول نہیں کرتے جسے لے کر آنحضور ﷺ تشریف لائے ہیں بلکہ مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور لوگوں کو اس سچے دین سے محروم رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اس لئے ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو کہ وہ ماتحت ہوکر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کرلیں اور اسلام کی اشاعت اور ترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔

ظاہر ہے کہ وہ رعیت بننا اور مسلمانوں کے ماتحت رہنا اسی وقت منظور کریں گے جب ان کی شان وشوکت ٹوٹ جائے، ان کا کروفر اور دبدبہ خاک میں مل جائے، وہ جنگ میں تھک ہار کر لاچار ہوجائیں تبھی وہ رعیت بن کر اور ماتحت رہ کر باج گزار بننا منظور کریں گے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے تب جنگ ضروری نہیں بلکہ اس وقت جنگ بند کردینے کا حکم ہے کیونکہ اب جنگ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں ختم ہوگئیں، اب وہ اسلام کی راہ میں کوئی روڑا

← اعناق أهل الكتاب من الجزية وهكذا روى عن ابن عباس ومجاهد وعكرمة وسعيد بن جبير وقتادة والضحاك وغيرهم (ابن کثیر)

اٹکا نہیں سکتے، نہ کسی قسم کا فتنہ برپا کرنے کی ان میں ہمت ہے۔

واضح ہوا کہ جہاد کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے نہیں ہے۔ نہ جہاد بزور شمشیر اسلام کو پھیلانے کے لئے ہے، بلکہ وہ صرف فتنہ فرو کرنے کے لئے ہے، جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو جنگ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ رہا دین کا معاملہ تو اللہ کا دین ہر طرح سے مکمل کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا ہے اب لوگوں کی مرضی ہے قبول کریں یا نہ کریں۔

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۶)

ترجمہ: دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

جزیہ کی مقدار اور اس کے مصارف:

جِزْیَہ کے لفظی معنیٰ ''جزاء'' اور ''بدلہ'' کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے وہ رقم مراد ہوتی ہے جو ذمیوں (غیر مسلم رعایا) سے جان بخشی کے عوض میں، ان کے اموال اور جائدادوں سے تعرض نہ کرنے کے بدلہ میں اور دشمنوں سے ان کے جان و مال کی حفاظت کرنے کے معاوضہ میں لی جاتی ہے۔

جزیہ کی مقدار باہمی مصالحت اور رضامندی سے مقرر کی جاسکتی ہے۔ نجران کے نصاریٰ سے آنحضور ﷺ نے ایسا ہی معاملہ فرمایا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی عرب کے ایک قبیلہ بنوتَغلِب سے، جو عیسائی ہو گیا تھا، اسی قسم کا معاہدہ کیا تھا۔ کسی جگہ آنحضور ﷺ نے فی بالغ ایک دینار بھی مقرر فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سرمایہ دار سے ماہانہ چار درہم، درمیانی حالت والے سے دو درہم اور غریب سے جو تندرست ہو اور محنت مزدوری یا صنعت و حرفت اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ کماتا ہو ایک درہم (تقریباً چار گرام چاندی) لینا طے کیا تھا۔ جس سے بعض فقہاء نے یہ سمجھا ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص شرح شرعاً مقرر نہیں ہے بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر ہے وہ لوگوں کے حالات کا جائزہ لے کر جو مقدار مناسب سمجھے تجویز کرے ـــــ بالکل مفلس، اپاہج، معذور، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہیں لیا جاتا ـــــ یہ معمولی مقدار جو غیر مسلم رعیت سے جزیہ (معاوضہ) کے نام سے لی جاتی ہے اس میں فریقین کے گونا گوں فوائد ہیں۔

① ـــــ جنگ میں بڑے بڑے نقصانات صرف اس امید پر برداشت کیے جاتے ہیں کہ جب کامیابی ہوگی تو تمام نقصانات کی تلافی ہو جائے گی۔ دشمن کے ملک پر قبضہ ہوگا۔ اس کے اموال اور جائدادیں ہاتھ آئیں گی، لیکن اسلامی جہاد کا معاملہ اس سے جداگانہ ہے اس کی بنیاد ملک گیری اور تحصیل منفعت جیسے پست جذبات نہیں ہیں اسی لئے جب جنگ کامیابی کے مراحل میں قدم رکھ دیتی ہے، دشمن لڑ کر عاجز اور لاچار ہو جاتا ہے، اس وقت بھی اگر وہ رعیت بن کر رہنا منظور

کر لے تو اس کی جان بخشی کردی جاتی ہے۔ اور جنگ موقوف کردی جاتی ہے کیونکہ انکی فتنہ انگیزی کا علاج ہو چکا اور ان کا ملک اور زمین مطلوب نہیں اور رہا ایمان کا معاملہ تو اس میں کوئی زبردستی نہیں۔

لیکن جنگی نقصانات، جس کے سبب بھی وہی بنے ہیں اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ضروری ہے اس لئے جزیہ (جنگی نقصانات کا معاوضہ) کے نام سے یہ معمولی رقم وصول کی جاتی ہے اسی وجہ سے یہ رقم صرف ان غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جن میں جنگ کی صلاحیت ہوتی ہے، بچوں سے، عورتوں سے، بوڑھے مردوں سے، معذوروں سے اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے کچھ نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ وہ جنگی نقصانات کا سبب نہیں بنے۔

۲ ــــ مجاہدین (اسلامی فوج) کے کچھ جذبات بھی جنگ کی کامیابی سے وابستہ ہوتے ہیں اور اسلام جذبات کو پامال نہیں کرتا بلکہ ان کو پورا کرنے کی اچھی راہیں تجویز کرتا ہے۔ جزیہ میں ان کے جذبات کی تسکین کا سامان ہے۔

۳ ــــ اسلامی مملکت کے ذمے دو کام ہیں۔ ملک کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے کے لئے ہر طرح کے رفاہی کام کرنا اور رعیت میں جو بدحال ہیں ان کی خبر گیری کرنا۔ مملکت یہ دونوں کام مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر انجام دیتی ہے، غیر مسلم رعیت (ذمیوں) میں جو حاجت مند، بوڑھے، بیوہ عورتیں اور یتیم بچے ہیں اور بے آسرا ہیں ان کی خبر گیری بھی اسلامی مملکت کے فرائض میں داخل ہے۔ مسلمان حاجت مندوں ہی کی طرح ان کی بھی حاجت روائی ضروری ہے۔

ظاہر ہے اس کے لئے مملکت کے پاس کوئی مد چاہئے جس کے ذریعہ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اللہ پاک نے ان کے لئے زکوٰۃ صدقات اور عشر کی مدات رکھی ہیں کہ باحیثیت مسلمانوں سے لے کر بے حیثیت مسلمانوں پر خرچ کیا جائے لیکن غیر مسلم رعیت پر اس مد سے خرچ کرنا جائز نہیں، اس لئے جزیہ کے نام سے غیر مسلم رعیت کے باحیثیت لوگوں سے ایک رقم لی جاتی ہے جس میں سے بے حیثیت لوگوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور اسے رفاہی کاموں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۴ ــــ دشمن جنگ میں عاجز ہو کر ہی جان بچانے کے لئے رعیت بننا اور ماتحت رہنا گوارہ کرتا ہے اس لئے آج تو وہ سچے دل سے رعیت بن گیا ہے لیکن آئندہ اگر خودسری کے جراثیم ان میں جنم لینے لگیں تو مملکت کو اس کا اندازہ کیسے ہوگا؟ اس کے لئے جزیہ رکھا گیا ہے اور طے یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص بذاتِ خود آ کر اپنا جزیہ داخل دفتر کرے، نیز جزیہ سال بہ سال وصول کیا جائے۔ کئی سالوں کا ملا کر ایک ساتھ نہ لیا جائے تا کہ اگر ان کے ذہنوں میں خودسری کے جراثیم جنم لینے لگیں تو مملکت کو بروقت اندازہ ہو سکے اور سر سے پانی گزرنے سے پہلے ہی مملکت مناسب تدبیر اختیار کر سکے۔

۵ ــــ جب اسلامی مملکت نے غیر مسلموں کو اپنی رعیت بنا لیا تو اس کا فریضہ ہے کہ ان کی ہر طرح حفاظت کرے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مسلمان جنگی مصلحت سے مفتوحہ علاقہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے ہیں اس وقت جن لوگوں سے جزیہ وصول کیا گیا تھا اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا گیا کہ چونکہ ہم فی الحال تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے تمہاری خدمت کا جو معاوضہ ہم نے وصول کیا تھا وہ واپس کیا جاتا ہے —— معلوم ہوا کہ جزیہ کی رقم اس لئے لی جاتی ہے کہ اس میں سے غیر مسلم رعایا کی اندرونی اور بیرونی حفاظت پر خرچ کیا جائے —— جزیہ کی یہ چند حکمتیں ہیں، نہ معلوم ان کے علاوہ اور کیا کیا حکمتیں ہوں گی، بیشک اللہ پاک کا کوئی حکم حکمتوں سے خالی نہیں ہوتا۔

جزیہ اطاعت کی علامت ہے:

عربی زبان کے قواعد کی رو سے عَنْ یَّدٍ حال ہے یُعْطُوْا کی ضمیر فاعل سے یعنی جب دشمن آپ ہی مغلوب ہو کر جزیہ دینے کے لئے آمادہ ہو جائے اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے بدستِ خود جزیہ کی پیش کش کرے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پیش کش کو قبول کر لیں اور جنگ موقوف کر دیں —— ایسا نہ ہو کہ مسلمان خود ہی منفعت کوشی کے لئے ان سے جزیہ مانگنے لگیں یا جنگ سے جان چرا کر کسی سیاسی چال سے ان کو جزیہ دینے پر آمادہ کرنے لگیں یا ان کا جزیہ بطور اختیاری چندہ یا خیرات و امداد کے ہو، بلکہ اسلام کی شوکت و قوت کا لوہا مان کر خود ہی پیشکش کریں۔

اور ﴿ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ رعیت بن کر جزیہ ادا کریں، خود مختار رہ کر باج گزار بننے والے نہ ہوں —— اگر وہ خود مختار اور مکمل آزاد رہیں گے تو دوبارہ سر ابھاریں گے، اسلام کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں کریں گے اور انھیں جب بھی موقع ہاتھ آئے گا آمادۂ پیکار ہو جائیں گے۔ اور جزیہ ادا کرنے کو قوت جمع کرنے اور پیر جمانے کا ذریعہ بنالیں گے —— خود مختار رہنے کی صورت میں اسلامی معاشرہ سے ان کو قرب بھی حاصل نہ ہوگا، اس لئے اسلامی تعلیمات کی خوبیوں سے بھی وہ روشناس نہ ہو سکیں گے —— علاوہ ازیں جن مقاصد اور حکمتوں کے پیش نظر جزیہ لیا جاتا ہے ان کا بھی فقدان ہوگا اس لئے جزیہ صرف کفر کا معاوضہ بن کر رہ جائے گا اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ جزیہ اسی صورت میں قبول کیا جائے جبکہ وہ اسلامی مملکت کی رعیت بن کر رہنے کے لئے آمادہ ہوں۔

جنگ کی چار بنیادیں اور جزیہ کا حکم اہل کتاب کے ساتھ خاص نہیں:

جنگ کی بنیاد چار چیزیں ہیں: اللہ کو نہ ماننا، آخرت کا یقین نہ رکھنا، پچھلے پیغمبروں نے جو شریعت ان کے حوالے کی ہے اس کی پیروی نہ کرنا بلکہ اس میں تحریف اور من مانی کرنا اور آنحضور ﷺ کے لائے ہوئے سچے دین کو قبول نہ کرنا، یہ چار بنیادی باتیں جن قوموں میں بھی پائی جائیں گی ان کے ساتھ جنگ کا حکم ہے تا آنکہ وہ رعیت بن کر خود ہی جزیہ دینا

منظور کریں پھر ﴿ الَّذِينَ ﴾ کے بیان کے طور پر ﴿ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ ﴾ لایا گیا ہے یعنی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کا ذکر بطور مثال کیا گیا ہے کہ چونکہ اہل کتاب میں یہ چاروں بنیادیں پائی جاتی ہیں اس لئے ان سے جنگ کرو۔

اور بیان میں ان کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو عرب کے مشرکوں سے نمٹ کر سب سے پہلے انھیں سے سابقہ پڑنے والا تھا یا اس وجہ سے تخصیص کی گئی ہے کہ ممکن ہے مسلمانوں کو ان سے جہاد وقتال کرنے میں اس بناء پر جھجک ہو کہ وہ لوگ کسی درجہ میں ایمان رکھتے ہیں تورات وانجیل اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ان کا ایمان ہے اس لئے ممکن تھا کہ انبیاء اور آسمانی کتابوں کی طرف ان کا منسوب ہونا مسلمانوں کے لئے جہاد سے رکاوٹ کا سبب بن جائے اس لئے خاص طور پر ان کے ساتھ قتال کا ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت پاک میں جہاد وقتال کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام کفار کا یہی حکم ہے، کیونکہ قتال کی بنیادیں سب میں مشترک ہیں اس لئے حکم بھی مشترک ہوگا، جمہور فقہاء کرام کی یہی رائے ہے۔ آنحضور ﷺ کا مجوس سے جزیہ قبول فرمانا ثابت ہے، نیز آپ ﷺ کا مجوس کے بارے میں ارشاد ہے:

سَنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ اَهْلِ الْكِتَابِ. مجوس کے ساتھ اہل کتاب والا برتاؤ کرو۔

یہ ارشاد آیت پاک کی واضح تفسیر ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ تمام کفار کا حکم بھی وہی ہے جو اہل کتاب کا ہے۔

اہل کتاب کا ایمان نام کا ایمان ہے:

یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) تو اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کے بھی قائل ہیں پھر ان کے ایمان کی نفی کیوں کی گئی؟ —— آئندہ آیت میں اسی سوال کا جواب ہے کہ محض ایمان کے الفاظ دُہرانا اور صرف یہ مان لینا کہ ''اللہ ہے'' کافی نہیں جس طرح کا ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب ہے جب اس طرح کا ایمان نہ ہو تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہود ونصاریٰ نے اگرچہ علانیہ طور پر توحید کا انکار نہیں کیا مگر یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر ان کو اللہ پاک کی خدائی میں شریک بنالیا ہے اس لئے ان کا توحید کا اقرار لغو اور ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں —— عیسائیوں کے یہاں تو دین کی بنیاد ہی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ماننے پر ہے مدینہ شریف اور قرب وجوار کے یہودیوں کا حال بھی ایسا ہی تھا ان کے نزدیک حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ماننا دین کی بنیاد تھی اور اسی کا نام ان کے نزدیک صحیح ایمان تھا —— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ مدینہ کے یہودیوں کی ایک جماعت آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں سَلاّم بن مِشْکَمْ، نعمان بن ابی

اَوْفیٰ، شَاس ابن قیس اور مالک بن صَیف وغیرہ تھے۔ انھوں نے آنحضور ﷺ سے کہا:

كَيْفَ نَتَّبِعُكَ وَقَدْ تَرَكْتَ قِبْلَتَنَا، وَاَنْتَ لاَتَزْعَمُ اَنَّ عُزَيْرًا ابْنُ اللّٰهِ؟[1]

ترجمہ:ہم آپ کا اتباع کیسے کریں جبکہ آپ نے ہمارے قبلہ (بیت المقدس) کی طرف نماز میں رخ کرنا چھوڑ دیا ہے اور حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے؟!:

آج اگر یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے تو اس سے قرآن پاک کے بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ جو یہودی قرآن پاک کے پہلے مخاطب تھے وہ ان کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے ـــــ مثلاً قرآن پاک کے بیان کے مطابق انھوں نے کہا تھا کہ:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ ترجمہ: (خاکم بدہن) اللہ یقیناً مفلس ہیں اور ہم مالدار ہیں۔

انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ:

﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ (سورۃ المائدہ آیت ۶۴) ترجمہ: (پناہ بخدا!) اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہوگیا ہے (یعنی وہ بخیل ہوگیا ہے)

اب اگر موجودہ یہودی یہ باتیں نہ کہتے ہوں تب بھی قرآن پاک کے بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ قرآن پاک نے سب سے پہلے جن یہودیوں سے خطاب کیا ہے وہ یہ بکواس کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا۔

فرض کرو قرآن پاک غلط بیانی کرتا یہود نہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہوتے نہ یہ ناپاک جملے ان کے منہ سے نکلے ہوتے تو وہ مسلمانوں کا ناطقہ بند کردیتے اور اسلام اور قرآن پاک کے خلاف پروپیگنڈا کرتے کرتے آسمان سر پر اٹھا لیتے۔

بابل کی اسارت کے زمانہ میں اسرائیلی نسلوں کے پاس نہ تو تورات محفوظ رہی تھی نہ شریعت باقی رہی تھی۔ وہ اپنی روایات اور قومی زبان تک سے ناآشنا ہوگئے تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام اسی زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار سو پچاس سال پہلے ان کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ انھوں نے وحی سے دوبارہ تورات لکھی اور شریعت کی تجدید کی، اس وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ جب تعظیم میں غلو پیدا ہوا تو بعض گروہوں نے ان کو "اللہ کا بیٹا" قرار دے دیا۔ مدینہ شریف کے یہودی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے، جو قرآن پاک کے سب سے پہلے مخاطب تھے۔

---

(۱) أخرجه ابن ابی حاتم، وابو الشیخ، وابن مردویه عن ابن عباس رضی الله عنهما.

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک نے چار امتیازات بخشے تھے۔ وہ بغیر باپ کے اللہ کے کلمہ سے پیدا ہوئے تھے۔ انھیں دشمنوں سے بچانے کے لئے آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ دجال کی آمد کے وقت ان کا دوبارہ تشریف لانا تجویز کیا گیا ہے اور وہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں —— جب عیسائیوں میں گمراہی پھیلی تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو شروع کیا اور انہی چار امتیازات سے چار غلط عقیدے بنالئے۔ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے اللہ کے بیٹے ہونے کا عقیدہ تراشا گیا۔ ان کا آسمان پر اٹھایا جانا چونکہ لوگوں کی فہم سے بالاتر تھا اس لئے ان کے پھانسی دیئے جانے کا عقیدہ بنایا گیا اور یہ انجام چونکہ بظاہر برا تھا اس لئے اس کو حسن کا جامہ پہنانے کے لئے فدیہ اور کفارہ کا عقیدہ گھڑا گیا کہ ''ابن اللہ'' انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بن کر خود ہی سولی پر چڑھ گئے ہیں اور دجال کی آمد پر نزول کی خصوصیت کو ان کی روح کے آنے پر محمول کیا گیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح حواریوں پر گاہ گاہ اترا کرتی تھی اور اسرائیلی پیغمبروں کے خاتم ہونے کی خصوصیت سے آپ کا مطلقاً خاتم النّبیین ہونا اور عیسائیت کا ابدی شریعت ہونا ثابت کیا گیا اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ان کا —— یہ (ابنیت کا عقیدہ) بے حقیقت باتیں ہیں ان کے منہ سے کہی ہوئی —— نہ اس کی کوئی دلیل ہے نہ واقعیت سے اس کا کوئی تعلق ہے بلکہ اس غلط عقیدہ کی بنیاد صرف یہ ہے کہ —— وہ ان لوگوں کی ریس کرتے ہیں جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہو چکے ہیں —— مصر، بابل، ہندوستان اور یونان میں جو قومیں پہلے گمراہ ہو چکی تھیں وہ تین تین خدا ماننے لگی تھیں، یہود و نصاریٰ نے بھی انہی کی ریس شروع کی۔ ان کے فلسفوں اور اوہام وخیالات سے متأثر ہو کر انہی جیسے گمراہ عقیدے گھڑ لیے —— پرانے مصری باپ: اُوزِیرِیس: بیٹا ہورس اور کنواری: ایزیس (اوزیریس کی بیوی) کو خدا مانتے تھے —— ہندوستان والے اگنی، وایو اور سوری (سورج) کو خدا مانتے تھے اور برہما، وشنو اور شیوا کو انہی کا مثنیٰ سمجھتے تھے —— بابل والے اَنُوْ، بَعْل اور ہِیَا کو خدا کہتے تھے اور سِیْن، شمس اور ریمان کو ان کا مثنیٰ قرار دیتے تھے —— یونان کے فلسفی مُبْدَأ عالم (مَبدَاءِ فَیّاض) عقل اول اور باقی عقول کی خدائی کا دم بھرتے تھے —— عیسائیوں نے سوچا کہ ہم ایک خدا پر کیوں قانع رہیں انھوں نے بھی باپ (اللہ تعالیٰ) بیٹا (عیسی علیہ السلام) اور روح القدس (جبرئیل) کو تجویز کرلیا۔ ان میں سے بعض نے روح القدس کے بجائے کنواری (مریم رضی اللہ عنہا) کو یہ مقام دیا —— یہودی بھی انہی کی ریس کرنے لگے چنانچہ وہ بھی باپ اور بیٹے تک پہنچ گئے —— ان پر خدا کی مار ہو کدھر الٹے جارہے ہیں؟! —— اللہ پاک کے پیغمبروں نے انھیں کیا تعلیم دی تھی اور وہ کیا تجویز کررہے ہیں؟!

یہ تو حال تھا اللہ پر ان کے ایمان کا اور توحید کے دعویٰ کا —— آخرت پر ان کے ایمان کا حال بھی کچھ اس سے مختلف نہ تھا۔ جس طرح کا ایمان مطلوب تھا وہ اہل کتاب میں مفقود تھا۔ وہ یہ ضرور مانتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے، مر کر دوبارہ

زندہ ہونا ہے لیکن اس کے بعد کیا ہوگا؟ —— یہود اور نصاریٰ دونوں ہی جنت کو اپنی جاگیر سمجھتے تھے:

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (سورۃ المائدہ آیت ۱۸)

ترجمہ: اور یہود و نصاری دعوی کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے چہیتے ہیں (ہم کچھ بھی کریں اللہ ہم سے ناراض نہیں ہوتے وہ ہمیں جنت ہی دیں گے!)

﴿ وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۱۱)

ترجمہ: اور یہود و نصاری کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہیں یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہیں۔

عیسائیوں نے تو جنت کو اپنی جاگیر ثابت کرنے کے لئے کفارہ اور فدیہ کا عقیدہ بھی گھڑ رکھا تھا وہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے گناہوں کا کفارہ بن کر سولی پر چڑھ گئے ہیں اس لئے جنت ہماری ہے اور ہم ہی جنت میں جائیں گے —— ظاہر ہے کہ آخرت کا اور جزاء وسزا کا یہ تصور نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ نقصان رساں بھی ہے۔ جب جنت جاگیر سمجھ لی گئی تو پھر اچھے کام کرنے کی اور برے کاموں سے بچنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی؟! آخرت کا ماننا تو یہ ہے کہ اس بات کا یقین ہو کہ وہاں نہ کوئی سعی وسفارش کام آئے گی، نہ فدیہ، نہ کسی بزرگ سے انتساب نہ کوئی کسی کو بچا سکے گا نہ کفارہ بن سکے گا۔ اللہ پاک کی عدالت میں بے لاگ انصاف ہوگا اور ایمان وعمل کے علاوہ کسی چیز کا لحاظ نہ کیا جائیگا۔ ایسے عقیدے کے بغیر آخرت کا ماننا نہ ماننا برابر ہے۔

اہل کتاب اکابر پرستی کرتے تھے، پیروی نہیں کرتے تھے:

آئندہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو اللہ پاک کے رسولوں نے جو شریعت سپرد کی تھی وہ اس کی پیروی نہیں کرتے تھے بلکہ اس میں اپنی من مانی کرتے تھے —— انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو، اللہ کے سوا اپنا رب ٹھہرالیا ہے —— یعنی رب اور خدا کے اختیارات اپنے علماء ومشائخ کے سپرد کر رکھے ہیں اور اطاعتِ مطلقہ جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے انھیں دے رکھا ہے وہ جو کہیں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کی شریعت کچھ کہتی رہے انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی کی ایسی اطاعت کرنا اس کو اپنا رب اور معبود بنالینا ہے —— بخاری شریف میں ذکر ہے کہ ایک یہودی مرد وعورت آنحضور ﷺ کی خدمت میں لائے گئے۔ جنھوں نے بدفعلی کا ارتکاب کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تورات میں اس کا کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہمارے علماء نے منہ کالا کرنا اور گدھے پر بٹھا کر تشہیر کرنا تجویز کیا ہے (یعنی تورات میں اس سلسلہ میں کوئی حکم نہیں ہے) حضرت عبداللہ بن سلام رضی

اللہ عنہ نے (جو پہلے یہودی تھے) عرض کیا کہ یارسول اللہ! تورات منگوائیے، چنانچہ وہ لائی گئی۔ جب پڑھنے لگے تو رَجْم (سنگسار) کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس کو چھپالیا اور اس کے آگے پیچھے سے پڑھتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ چونکہ حقیقتِ حال سے واقف تھے اس لئے انھوں نے پڑھنے والے سے کہا کہ ذرا ہاتھ ہٹا کر اس کے نیچے جو مضمون ہے اسے بھی تو پڑھ! جب اسے پڑھا گیا تو چوری پکڑی گئی[1] —— مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ ایک یہودی کا منہ کالا کر کے کوڑے مار کر تشہیر کی جارہی ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ زنا کی سزا تورات میں کیا یہی ہے؟ کہنے لگے ہاں! حضور ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر پوچھا کہ تمہیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی ہے سچ سچ بتاؤ کہ زنا کی یہی سزا تورات میں ہے؟ اس نے کہا نہیں! —— اور اگر آپ قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ بات یہ ہے کہ تورات میں زنا کی سزا رجم تھی لیکن جب یہ وبا ہمارے معزز گھرانوں میں پھیل گئی تو ہم ان کو تو رجم کر نہیں سکتے تھے۔ البتہ جب کوئی معمولی آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اسے ضرور رجم کرتے تھے (اس سے لوگوں میں خلفشار پیدا ہوا) تو ہم نے باہمی مشورہ کیا کہ کوئی ایسی سزا تجویز کی جائے جسے چھوٹے بڑے سب پر یکساں نافذ کی جاسکے۔ اس لئے ہم نے منہ کالا کرنا اور کوڑے مارنا تجویز کیا ہے (اور رجم کو منسوخ کردیا ہے)[2]

یہ حال تو یہود کا تھا عیسائی ان سے بھی کئی قدم آگے تھے جب انھوں نے فدیہ اور کفارہ کا عقیدہ گھڑ لیا تو اب شریعت کی اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنے کی حاجت ہی کیا باقی رہی؟ چنانچہ انھوں نے اجماع اور اتفاقی فیصلہ سے تورات وانجیل کے تمام احکامات منسوخ کردیئے صرف چار حکم باقی رکھے یعنی بت کے ذبیحہ کی، بہنے والے خون کی، گلا گھونٹ کر مارے ہوئے جانور کی، اور زنا کی حرمت باقی رکھی پھر پولوس نے ان کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، اس نے پہلے تین حکموں کو بھی ختم کردیا صرف زنا کی حرمت باقی رکھی اور چونکہ خودساختہ مسیحیت میں زنا پر کوئی سزا نہیں رکھی گئی تھی اس لئے عملاً اس کی حرمت بھی ختم ہوگئی۔

آیتِ پاک کی یہ تفسیر خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے حاتم طائی کے لڑکے حضرت عدی رضی اللہ عنہ جو پہلے عیسائی تھے، جب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے تو انھوں نے منجملہ اور باتوں کے یہ بھی پوچھا تھا کہ ہم اپنے علماء اور مشائخ کو رب نہیں مانتے ہیں، نہ ہم ان کی پوجا کرتے ہیں پھر قرآن پاک کے بیان کی حقیقت کیا ہے؟

---

(۱) رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ عنہما فی باب الرجم بالبلاط ص۱۰۰۷۔ (۲) رواہ مسلم عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ فی باب حد الزنا ج۲ص۷۰۔

آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلَیْسَ یُحَرِّمُوْنَ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ تَعَالٰی فَیُحَرِّمُوْنَہ،وَیُحِلُّوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیَسْتَحِلُّوْنَ؟ فَقُلْتُ بَلٰی ،قَالَ ذٰلِکَ عِبَادَتُھُمْ(۱)

ترجمہ: کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جو کچھ وہ لوگ حرام قرار دیتے تھے اسے حرام مان لیا جاتا ہے اور جو کچھ وہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں اسے حلال مان لیا جاتا ہے؟ حضرت عدیؓ نے عرض کیا کہ ایسا تو وہ ضرور کرتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”بس یہی ان کو خدا بنالینا ہے“!

اہل کتاب کے علماء ومشائخ کسی دلیل کی بنیاد پر ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ تھوڑے سے مال یا دنیوی فائدے کے لئے شریعت کا حکم بدل دیتے تھے اور وہ جو کچھ غلط سلط کہہ دیتے تھے سند اور حجت بن جاتا تھا اس طرح انھوں نے دنیا کی چند کوڑیوں کے بدلے میں پورے دین کو بیچ ڈالا تھا —— اور مریم کے لڑکے مسیح کو —— تو وہ اللہ کا بیٹا مانتے ہی ہیں بلکہ انھیں ایک تہائی خدائی کا مالک بھی بنا رکھا ہے —— حالانکہ انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے —— نہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں نہ خدائی میں شریک اور نہ اللہ پاک نے کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے۔

اسلام کا نور پھیل کر رہے گا: پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا:

آگے چوتھی بات کا ذکر ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کے لائے ہوئے سچے دین کو قبول کرنے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں بلکہ اس کو مٹانے کے درپے ہیں —— وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں —— اللہ کے دین کے دمکتے سورج پر خاک ڈال دیں۔ اپنی جان توڑ کوششوں سے اس کا فروغ روک دیں۔

عرب کے مشرک اہل کتاب کی باتوں کو سند مانتے تھے اس لئے وہ ان سے دریافت کیا کرتے تھے کہ ہم حق پر ہیں یا محمد (ﷺ)؟ اہل کتاب ہمیشہ ان کو یہ بات سمجھاتے تھے کہ تم حق پر ہو۔ حالانکہ وہ آپ ﷺ کا حق پر ہونا روز روشن کی طرح جانتے تھے۔ ﴿ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۶) وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایسا پہچانتے تھے جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

پھر بھی رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو نہ تو خود قبول کرتے تھے نہ دوسروں کی اس کی طرف راہ نمائی کرتے تھے بلکہ الٹے یہ کوشش کرتے تھے کہ کوئی اسے قبول نہ کرے —— حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو کمال تک پہنچائے

(۱) کذا فی روح المعانی ص۸۴ ج۱۰۔

بغیر رکنے والے نہیں اور بڑے برا مانیں کافر! ــــ ان کے بس کی بات نہیں ہے کہ اللہ کے دین کا فروغ روک دیں کیونکہ اس کا پھیلنا اللہ تعالیٰ طے فرما چکے ہیں ــــ اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے اور بڑے برا مانیں مشرک!

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان ایسا نہیں بچے گا جس میں اسلام کی بات پہنچ نہ جائے، جس کے نصیب میں عزت ہوگی اسلام اسے معزز کردے گا اور جس کے نصیب میں ذلت ورسوائی ہوگی اسلام اسے ذلیل وخوار کردے گا۔ معزز کرنا یہ ہے کہ وہ اسلام کو قبول کر کے عزت وعظمت حاصل کرے گا اور ذلیل کرنا یہ ہے کہ اسلام اسے منقاد کردے گا''(۱) ــــ اس پیشین گوئی کا واقعہ بننا تاریخ کا ہر طالبِ علم جانتا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک بار آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شب وروز کا یہ نظام ختم ہو اس سے پہلے لات وعزیٰ کی پرستش شروع ہوجائے گی! صدیقہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﴿هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى ﴾ سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کا دین ہمیشہ غالب رہے گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (ایسا نہیں ہوگا بلکہ) اللہ تعالیٰ جب تک چاہیں گے دین غالب رہے گا۔ پھر اللہ پاک ایک نرم ہوا چلائیں گے جس سے ہر وہ شخص وفات پا جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور ایسے لوگ بچ جائیں گے جن سے خیر کی کوئی توقع نہیں ہوگی چنانچہ لوگ اپنی آبائی گمراہی کی طرف پلٹ جائیں گے۔(۲)

یہ دنیا چونکہ دارالاسباب ہے یہاں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، اس لئے دین کے غلبہ کے لئے بھی مسلمانوں کی محنت درکار ہے۔ جب تک مسلمان دین کے لئے محنت کرتے رہیں گے دین اسلام تمام باطل ادیان کی کمر پر سوار رہے گا لیکن جب مسلمان لذت پرستیوں کا شکار ہوجائیں گے، دین کی محنت سے منہ موڑنے لگیں گے تو نہ صرف یہ کہ باطل سر ابھارے گا بلکہ خود مسلمان لات وعزیٰ کے پجاری بن کر رہ جائیں گے۔

آج مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ دوسروں کو چھوڑیئے خود اپنوں کا حال دیکھئے؟ آج ہم میں سے کتنے لات وعزیٰ کے پجاری ہیں؟ کتنے ہیں جو قبروں پر جبہ سائی کرتے ہیں؟ کتنے ہیں جو غیروں سے مرادیں مانگتے ہیں؟ کتنے بے عملی بلکہ بدعملی کا شکار ہیں؟ اسی نے ہم پر ذلت ورسوائی کی تہیں جمادی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم نے اپنوں میں اور غیروں میں دعوت دین کی محنت چھوڑ دی ہے اگر اب بھی ہمیں زیاں کا احساس ہوجائے اور ہم دنیا کی فانی دلچسپیوں سے ہاتھ اٹھا کر دین کی محنت کے لئے کمربستہ ہوجائیں تو عظمتِ رفتہ واپس لوٹ سکتی ہے:

(۱) اخرجه احمد عن المقداد بن الأسود رضی الله عنه. (۲) اخرجه الإمام مسلم عن عائشة رضی الله عنها فی کتاب الفتن ج۲ص۳۹۴۔

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا ❁ جہان رنگ و بو سے پہلے قطع آرزو کر لے

پھر:

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے ❁ چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

قومیں جب جہالت اور خود غرضی کا شکار ہو جاتی ہیں تو گمراہی کی گھاٹیوں میں جا پہنچتی ہیں!

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِالْبَاطِلِ	ناشروع طریقے پر	وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا	اور نہیں خرچ کرتے اس کو
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے!	وَ يَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہیں وہ	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں
اِنَّ كَثِيْرًا	بے شک بہت سے	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ سے	فَبَشِّرْهُمْ	پس آپ ان کو خوشخبری
مِّنَ الْاَحْبَارِ [1]	علماء	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ		سنا دیں
وَ الرُّهْبَانِ [2]	اور درویش	يَكْنِزُوْنَ [3]	جمع کر کے رکھتے ہیں	بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	دردناک عذاب کی
لَيَاْكُلُوْنَ	البتہ کھاتے ہیں	الذَّهَبَ	سونا	يَّوْمَ	جس دن
اَمْوَالَ النَّاسِ	لوگوں کے مال	وَالْفِضَّةَ	اور چاندی	يُحْمٰى	آگ دہکائی جائے گی

(۱) اَحْبَار، حِبْرٌ کی جمع ہے۔ لفظی معنی ''علم کو مزین کرنے والا'' اصطلاح میں ''نیک عالم'' اور یہودیوں کے یہاں پروہتوں کے سردار کو کہتے ہیں (۲) رُهْبَان رَاهِبٌ کی جمع ہے لفظی معنی ''خوف کھانے والا'' اصطلاح ہیں: ''زاہد و درویش'' اور عیسائیوں کے یہاں ''گرجا میں گوشہ نشین'' کو کہتے ہیں (۳) اصل ''الکنز'' فی کلام العرب ھو الجمع و کل شیئ جُمع بعضہ الی بعض فھو مکنوز، یقال ھذا جسم مکتنز الاجزاء اذا کان مجتمع الاجزاء (کبیر) ومنہ ناقۃ کناز اللحم ای مجتمعہ، ولایشترط فی الکنز الدفن بل یکفی مطلق الجمع والحفظ (روح)

عَلَيۡهَا [1]	ان (اموال) پر	وَ جُنُوۡبُهُمۡ	اوران کی گردنوں	لِاَنۡفُسِكُمۡ	اپنے واسطے
فِيۡ نَارِ جَهَنَّمَ	دوزخ کی بھٹی میں	وَظُهُوۡرُهُمۡ	اوران کی پشتوں (کو)	فَذُوۡقُوۡا	تو (اب) چکھو
فَتُكۡوٰى	پھر داغ دیا جائے گا	هٰذَا	یہ	مَا كُنۡتُمۡ	اس چیز کا (مزہ)
بِهَا [2]	اُس سے	مَا	وہ ہے) جس کو	تَكۡنِزُوۡنَ	جسے تم جمع کیا کرتے
جِبَاهُهُمۡ	اُن کی پیشانیوں	كَنَزۡتُمۡ	تم نے جمع کرکے رکھا ہے		تھے

علمائے سوء، مفاد پرست بزرگ اور بے توفیق مالدار امت کی خرابی کا سبب

ان دو آیتوں میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہود ونصاریٰ کے علماء ومشائخ اور مالداروں کے وہ احوال ذکر کئے گئے ہیں جن کی وجہ سے عوام میں گمراہی پھیلی اور دین ضائع ہو گیا مسلمانوں کو یہ حالات اس لئے سنائے گئے ہیں کہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے سے احتراز کریں کیونکہ اللہ پاک نے مخلوقات کی جتنی انواع پیدا فرمائی ہیں سب کی افتادِ طبع ایک جیسی رکھی ہے۔ ہزاروں سال پہلے بیلوں، بھینسوں، گھوڑوں اور گدھوں کی جو روش تھی وہی آج بھی ہے۔ دریا، پودے، آگ، پانی اور ہواؤں کے جو احوال پہلے تھے وہی آج بھی ہیں۔ بنی نوع انسان کی افتادِ طبع بھی ایک ہی ہے، بگڑنے سنورنے میں ان کا مزاج بھی ایک ہی طرح کا واقع ہوا ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ”تم ضرور اگلے لوگوں کی (غلط) روش پر، قدم بہ قدم چلو گے“ صحابہ نے پوچھا: یہود ونصاریٰ کی؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اور کس کی؟“ —— اس لئے مسلمانوں کو چوکنا کیا جارہا ہے کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کی بے راہ روی اور خرابی ہے ایک امت کے علماء کی دوسرے مشائخ کی تیسرے رؤساء اور اغنیاء کی حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهَلۡ اَفۡسَدَ الدِّيۡنَ اِلَّا الۡمُلُوۡكُ ۞ وَاَحۡبَارُ سُوۡءٍ وَّرُهۡبَانُهَا

(رؤساء، علماء سوء اور بد باطن درویشوں ہی نے ہمیشہ دین کا بیڑا غرق کیا ہے!)

اس لئے ان تین جماعتوں کو سب سے پہلے ان آیات پر غور کرنا چاہئے اور اپنے اعمال واحوال کا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اور یہود ونصاریٰ کی غلط روش پر چلنے سے بچنا چاہئے لیکن اگر خدانخواستہ یہ جماعتیں انھیں کے نقش قدم پر چل پڑیں تو پھر امت کو ان سے ہوشیار رہنا چاہئے اور ان کے دام فریب سے بچنا چاہئے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اے مؤمنو! اکثر علماء اور درویش، بلاشبہ لوگوں کے اموال نامشروع طریقہ پر کھاتے ہیں —— فتوے بیچتے ہیں، رشوتیں لیتے ہیں۔ نذرانے

(۱) ليس المراد أن تلك الاموال تحمى على النار بل المراد النار تحمى على تلك الاموال التى هو الذهب والفضة أى يوقد عليها نارذات حمى وحر شديد (کبیر) (۲) والضمير لكنوز الاموال (روح)

لوٹتے ہیں اور طرح طرح کی مذہبی رسوم ایجاد کرتے ہیں تاکہ لوگوں کا جینا مرنا، خوشی اور غمی کچھ بھی ان کو کھلائے بغیر نہ ہو سکے ـــــ اور (وہ) انھیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ـــــ اور گمراہیوں کے چکر میں پھنسائے رکھتے ہیں۔

دنیادار انسان مال و جاہ کے پیچھے مرتا ہے۔ اسی کے لئے شب و روز دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ اور کردنی ناکردنی سب کچھ کر گذرتا ہے جب ان چیزوں کی ہوس حاملین دین علماء و مشائخ میں پیدا ہوتی ہے تو وہ دین کو کوڑیوں کے عوض بیچ کھاتے ہیں اس کی عظمت و رفعت کا نیلام کر دیتے ہیں:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کے بیچ کھاتا ہے ❁ گلیم بوذرؓ و دلقِ اُویسؒ و چادر زہراؓ

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی یہی دو خرابیاں ذکر کی گئی ہیں کہ وہ مال و دولت کی حرص میں دین فروخت کر رہے ہیں اور نامشروع طریقوں سے لوگوں کے اموال اڑا رہے ہیں اور جاہ و منصب کے لئے لوگوں کو اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں اپنی سیادت و ریاست قائم رکھنے کے لئے مکر و فریب سے عوام کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ سچے دین کو خود قبول نہیں کرتے اور لوگوں کی اس طرف رہنمائی نہیں کرتے بلکہ ان کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اپنے متبعین کو اس دین کے سچے ہونے کا احساس بھی نہ ہونے دیں ـــــ اگرچہ سب ایسے نہیں ہیں کچھ اللہ سے ڈرنے والے اور خدا رسیدہ بندے بھی ہیں لیکن جب اکثریت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنتا ہے؟ ـــــ معلوم ہوا کہ کسی ملت کے بگڑنے کے لئے سب کا بگڑنا ضروری نہیں اکثریت جب بگڑ جاتی ہے تو دین کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

اس کے بعد تیسری جماعت (بے توفیق مالداروں) کا حال بیان کیا جاتا ہے ـــــ اور جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک سزا کی خوش خبری سنا دیجئے جس روز جہنم کی بھٹی میں اس سونے اور چاندی پر آگ دہکائی جائے گی پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ دولت جو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھی تھی، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو" ـــــ مال جمع کرنا برا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں مال کو ﴿ قِيَامًا لِّلنَّاسِ ﴾ (لوگوں کے لئے گذران کا سبب) کہا گیا ہے۔ البتہ غلط طریقوں سے دولت اکٹھا کرنا یا جائز طریقوں سے جمع کر کے سینت کر رکھنا اور اللہ کے حقوق ادا نہ کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا برا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اسی آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اللہ پاک نے زکوٰۃ اس لئے مقرر کی ہے کہ اس سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے۔ اللہ نے میراث کا قانون اُسی مال میں مقرر کیا ہے جسے تم اپنے پیچھے چھوڑ جاتے ہو"[1]

(۱) اخرجه ابن ابی حاتم عن ابن عباس وكذا رواه ابو داؤد والحاكم.

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ”مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں“ پھر آپ ﷺ نے سورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۷ تلاوت فرمائی جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”جن لوگوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں خرچ کیا“[1] یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی ضرورت مند بندوں کی امداد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے مثلاً ایک صاحب ثروت حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے اس کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پڑوس میں فاقہ ہے، قریبی رشتہ دار سخت محتاجگی کی حالت میں ہے۔ کسی مصیبت زدہ یا مسافر کو فوری امداد کی ضرورت ہے تو ایسی صورتوں میں ان ضرورت مندوں کی امداد اس پر واجب ہے۔

اگر کوئی مالدار مال کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے تو قیامت کے دن میدان حشر میں جنت و دوزخ کا فیصلہ ہونے سے پہلے ایک دردناک سزا تو یہ دی جائے گی کہ اس کے مال کو خوب تیز گرم کیا جائے گا اس طرح کہ اس دولت پر آگ دہکائی جائے گی —— جو چیز آگ کے اوپر رکھ کر گرم کی جاتی ہے وہ اتنی گرم نہیں ہوتی جتنی آگ کے نیچے رکھ کر اس پر آگ دہکانے سے گرم ہوتی ہے اس لئے تُحْمٰی هِیَ کے بجائے تُحْمٰی علیها فرمایا —— پھر یہ گرم کرنا جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ہوگا جس کی گرمی العیاذ باللہ! پھر اس سے اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ داغی جائے گی اور اس مالدار کا جسم اتنا موٹا کر دیا جائے گا کہ سارے روپیوں کا الگ الگ داغ لگ سکے کوئی روپیہ دوسرے روپے سے لگنے نہ پائے گا۔ کیونکہ بخیل دولت مند سے جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا تھا تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے تھے، زیادہ کہا جاتا تھا تو اعراض کر کے اُدھر سے پہلو بدل لیتا تھا۔ اگر اس پر بھی جان نہ بچتی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا، اس لئے اس کی دولت تپا کر انہی تین موقعوں پر داغ دیا جائے گا۔

اور دوسری سزا یہ دی جائے گی کہ اس کی دولت قیامت کے دن زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی، انتہائی زہریلے پن کی وجہ سے اس ناگ کے سر کے بال بھی جھڑ گئے ہوں گے جس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بن جائے گا پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑ کر کاٹے گا اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں! تو اپنی دولت پر سانپ بنا بیٹھا تھا، خرچ کرنے کے موقعوں پر بھی خرچ نہیں کرتا تھا، اب چکھ اس کا مزہ!

عذاب کا یہ سلسلہ حساب و کتاب پورا ہونے تک جاری رہے گا، پھر اگر محشر کی یہ سزا کافی ہو جائے گی تو اس کو نجات مل جائے گی اور جنت میں بھیج دیا جائے گا اور اگر اس عذاب سے حساب بے باق نہ ہوگا تو مزید سزا پانے کے لئے جہنم میں بھیجا جائے گا۔

عموماً دولت مندوں میں دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں کوئی بخیل پیشہ بن جاتا ہے دولت کو سینت سینت کر رکھتا ہے۔ نہ حاجت مندوں پر خرچ کرتا ہے نہ رشتہ داروں پر، نہ اہل وعیال پر اور نہ خود اپنی ذات پر۔ اسے مایہ سے اس درجہ محبت ہوتی ہے کہ ایک پیسہ خرچ کرنے سے بھی اس کی جان نکلنے لگتی ہے۔ اور کوئی مالدار فضول کاموں میں، شہوت رانیوں میں، ناموری کی ہوس میں دونوں ہاتھوں سے اپنی دولت اڑانے لگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی راہ میں، دین کے فروغ کے لئے اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے خرچ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوتی آیت پاک میں دونوں طرح کے دولت مندوں کا تذکرہ ہے، جو دولت مند مال سینت کر رکھتے ہیں ان کا بھی اور جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ نہیں کرتے، البتہ فضول کاموں میں اڑاتے ہیں، ان کا بھی اور دونوں کو دردناک سزا کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔

جب لوگ دولت کے پجاری بن جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو دین کے سارے کام ٹھپ ہو جاتے ہیں!

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۱۱ ۵

اِنَّ عِدَّةَ (۱)	بے شک گنتی	شَهْرًا	مہینے (ہے)	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
الشُّهُوْرِ	مہینوں کی	فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ	نوشتۂ الٰہی میں	وَالْاَرْضَ	اور زمین کو
عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک	يَوْمَ	جس روز	مِنْهَآ	ان میں سے
اثْنَا عَشَرَ	بارہ	خَلَقَ	اس نے پیدا کیا	اَرْبَعَةٌ	چار (مہینے)

(۱) العِدَّةُ: الشيئ المعدود (راغب)

حُرُمٌ	ادب کے (ہیں)	مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	متقیوں کے ساتھ ہیں	عِدَّةَ	تعداد
ذٰلِكَ الدِّيْنُ	یہی دین	اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	مَا	ان مہینوں کی جنھیں
الْقَيِّمُ	مستقیم (ہے)	النَّسِيْٓءُ (۲)	مہینوں کو انکی جگہ سے ہٹانا	حَرَّمَ	حرام ٹھہرایا (ہے)
فَلَا تَظْلِمُوْا	پس تم ظلم نہ کرو	زِيَادَةٌ	زائد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
فِيْهِنَّ	ان (چار مہینوں) میں	فِي الْكُفْرِ	کافرانہ حرکت ہے	فَيُحِلُّوْا	پس جائز کرلیتے ہیں وہ
اَنْفُسَكُمْ	اپنی جانوں پر	يُضَلُّ	گمراہ کئے جاتے ہیں	مَا	ان کو جن کو
وَقَاتِلُوا	اور لڑو تم	بِهِ	اس کے ذریعہ	حَرَّمَ	حرام ٹھہرایا ہے
الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں (سے)	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
كَآفَّةً (۱)	سب سے	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	زُيِّنَ	خوشنما بنائے گئے ہیں
كَمَا	جیسا کہ	يُحِلُّوْنَهٗ	حلال کرلیتے ہیں وہ اس کو	لَهُمْ	ان کے لئے
يُقَاتِلُوْنَكُمْ	وہ لڑتے ہیں تم سے	عَامًا	کسی سال	سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ	ان کے برے اعمال
كَآفَّةً	سب سے	وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ	اور حرام سمجھتے ہیں وہ اس کو	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَاعْلَمُوْٓا	اور جان رکھو	عَامًا	کسی سال	لَا يَهْدِي	ہدایت نہیں دیتے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	لِّيُوَاطِـُٔوْا (۳)	تاکہ پوری کرلیں	الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ	منکرین حق (کو)

(۱) **كافة: مصدر كَفَّ عن الشيئ، فإن الجميع مَكفُوْفٌ عن الزيادة (مظهری) وهی حال من الفاعل اوالمعفول (كشاف)** (۲) النسیئ: بروزن فعیل: بمعنی مصدر، جیسے سَعِیْر (دہکتی آگ) اور حَرِیْق (آگ) نَسَأَ (ف) نَسْئًا الشیئَ: مؤخر کرنا، نَسِیْئَة: ادھار، جس میں ثمن مؤخر کیا گیا ہو، اور اصطلاحی معنی ہیں: محرم کی حرمت کو صفر کی طرف مؤخر کرنا، زمانۂ جاہلیت میں تین ماہ (ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) مسلسل جنگ بند رکھنا مشکل تھا، اس لئے کہ عربوں کی معیشت کا مدار لوٹ کھسوٹ (مالِ غنیمت) پر تھا، اس لئے حج کے موقعہ پر منیٰ بازار کے ختم پر ان کا شیخ المشائخ (بوجھ بجھ کر) اعلان کرتا تھا کہ اس سال میں نے محرم کو حلال کردیا اور صفر کو حرام کردیا، اب محرم میں قتل وقتال جائز ہوجاتا اور صفر میں بندش رہتی، یہ نَسِیْئ ہے (اور لونداور کبیسہ الگ ہے، ہندی مہینوں میں تین سال میں ایک مہینہ بڑھاتے ہیں، اور اس کو انگریزی مہینوں کے مطابق کردیتے ہیں، یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اس سے بھی قمری تاریخیں اپنی جگہ نہیں رہتیں، مگر وہ نسیئ نہیں) (۳) یُوَاطِئُوا: مضارع، جمع مذکر غائب، مصدر مُوَاطَأَة (مفاعلہ): درست کرنا، موافق کرنا، یعنی محترم چار ماہ کی تعداد پوری کرلینا، صفر کو محترم قرار دے کر۔

علماء ومشائخ شریعت کو کس طرح بگاڑتے تھے؟

ابھی یہ ذکر گذرا ہے کہ اہل کتاب کے علماء ومشائخ شریعت پر عمل نہیں کرتے بلکہ شریعت میں تحریف کرتے ہیں اور عوام نے بھی انہیں شریعت سازی کا حق دے رکھا ہے وہ جو کچھ غلط سلط بتا دیتے ہیں عوام اس پر آمَنَّا وصَدَّقْنَا کہتے ہیں۔

اب مثال سے اس کی مزید وضاحت کی جارہی ہے اس مثال سے ہمیں یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ کس قسم کی شریعت سازی کا حق علماء ومشائخ کو سپرد کرنا اُن کو اپنا رب بنالینا ہے —— مثال اہل کتاب کے حالات سے دینے کے بجائے مشرکین کے احوال سے پیش کی جارہی ہے جس سے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کسی زمانہ میں دوچار رہ چکے تھے تا کہ وہ آسانی سے سمجھ میں بھی آجائے اور قومی اثرات کی وجہ سے اس غلط رسم کے لوٹ آنے کا امکان بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔ نیز اس ضمن میں امت کو ایک تشریعی حکم بھی مل جائے۔

تمام شریعتوں میں عبادتوں کی ادائیگی قمر (چاند) کے حساب سے ہوتی رہی ہے جب سے چاند، سورج اور آسمان وزمین بنے ہیں تب سے برابر یہ نظام چل رہا ہے کہ مہینہ میں ایک بار چاند، ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے جس سے سال کے بارہ مہینے بنتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک نے قمر کی چال کچھ اس قسم کی تجویز فرمائی ہے کہ دن اور مہینے آہستہ آہستہ (سال میں دس دن اور چند گھنٹے) مقدم ہوتے رہتے ہیں اور سال کے تمام موسموں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ رمضان شریف کا مہینہ کبھی گرمیوں میں آتا ہے، کبھی سردیوں میں، اور کبھی برسات میں۔ حج اور قربانی کا بھی یہی حال ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ کے بندے زمانہ کی تمام گردشوں میں اور ہر قسم کے حالات میں عبادتیں کریں۔ روزے خواہ سخت گرمیوں میں آئیں اور دن بڑے سے بڑے ہوجائیں، یا سخت سردیوں میں آئیں اور دن چھوٹے سے چھوٹے رہ جائیں یا برسات میں آئیں جبکہ دن اور موسم معتدل ہوتے ہیں، اہل ایمان ہر حال میں روزے رکھ کر اللہ پاک کی فرمانبرداری کا ثبوت دیں۔ اسی طرح حج بھی مختلف موسموں میں آتا رہے اور لوگ ہر طرح کے حالات انگیز کرتے ہوئے، خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دُور دراز سے سفر کرکے یہ فریضہ ادا کرتے رہیں اور اپنے سچے عاشق ہونے کا ثبوت دیتے رہیں۔

عرب کے لوگ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی امت تھے اس لئے وہ بھی قمری حساب سے عبادتیں ادا کرتے تھے لیکن جب انھوں نے دین فراموش کردیا، عبادتیں رسم بن گئیں اور حج سالانہ میلہ بن گیا جس کا اصلی مقصد تجارت، شعروشاعری اور مفاخرت قرار پایا تو حج کا تمام موسموں میں گردش کرنا لوگوں کے تجارتی فوائد اور دنیوی اغراض کے لئے مضر ثابت ہونے لگا۔ کیونکہ میلے اسی زمانے میں مناسب رہتے ہیں جب لوگوں کے پاس پیسے ہوں،

تجارت کا سامان وافر مقدار میں موجود ہو۔ لوگ دوسرے مشاغل سے فارغ ہوں اور موسم بھی خوشگوار ہوتا کہ لوگ دور دراز سے سفر کی زحمتیں برداشت کر کے میلہ میں شرکت کر سکیں ـــــ اس لئے ان کے بڑوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں اس طرح کتر بیونت کی کہ حساب تو قمری باقی رکھا لیکن حج کو تمام موسموں میں گردش کرنے سے روکنے کے لئے، یہودیوں سے سیکھ کر کَبِیْسَۃُ (لَوْند ــ وہ مہینہ جو ہر تیسرے سال شمسی حساب سے بڑھایا جاتا ہے) کا سسٹم جاری کیا اور قمری سال، شمسی سال کے مطابق کر دیا، تا کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے (تفسیر کبیر)

ہندوستان میں جو بکرمی سن رائج ہے وہ بھی ''قمری شمسی'' ہے یعنی اس کا مدار چاند کی رفتار پر ہے لیکن ہر تیسرے سال لوند کا مہینہ بڑھا کر شمسی سال کے مطابق کر لیا جاتا ہے ـــــ ظاہر ہے کہ لوند کا مہینہ بڑھانے سے قمری حساب تو موسم کا پابند نہیں ہو جائے گا۔ اس کے دن اور مہینے تو برابر تمام موسموں میں گردش کرتے رہیں گے چاہے لوگ کچھ ہی خیال کرتے رہیں۔

چونتیس سال میں دن اور مہینے گردش کرتے ہوئے اپنی اصلی جگہ پہنچ جاتے ہیں اس لئے عرب تینتیس سال حج اس کی اصل تاریخوں کے علاوہ دوسری تاریخوں میں کرتے تھے البتہ چونتیسویں سال اصلی وقت میں یعنی ذوالحجہ کی ۹، ۱۰ تاریخ کو ادا ہوتا تھا سنہ ۱۰ ہجری وہ چونتیسواں سال تھا جس میں حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اصلی تاریخوں میں آ پہنچا تھا اس لئے اسی سال آنحضور ﷺ نے فریضۂ حج ادا فرمایا اور اپنے منی والے خطبہ میں اعلان فرمایا کہ:

أَلَا اِنَّ الزَّمَانَ قَدِاسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (متفق علیہ عن ابی بکرۃؓ)

سنو! وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اس حالت پر آ پہنچا ہے جو کائنات کی تخلیق کے وقت سے مقرر ہے۔

آپ ﷺ کے اس اعلان سے لوند کا سسٹم ختم ہو گیا اور تمام عبادتیں ٹھیک وقت پر ادا ہونے لگیں۔ غرض عربوں کی شریعت ابراہیمی میں تحریف نے تمام شریعت کا نظام ہی درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا اور اس تحریف کے پیچھے کوئی شرعی نص نہیں تھی بلکہ تجارتی فوائد اور دنیوی اغراض کار فرما تھے، ایسی شریعت سازی کا حق اپنے علماء ومشائخ کو سپرد کرنا ان کو اپنا رب بنا لینا ہے۔

علاوہ ازیں: سال میں چار مہینوں کا ادب واحترام کرنا ملت ابراہیمی میں ضروری قرار دیا گیا تھا۔ جنگ وجدال اور قتل وقتال ان میں ممنوع تھا۔ تا کہ لوگ آزادی سے سفر کر کے حج اور عمرہ ادا کر سکیں۔ تین مہینے مسلسل حج کے لئے، ذوالقعدہ حاجیوں کی آمد کے لئے۔ ذوالحجہ حج ادا کرنے کے لئے اور محرم وطن کی طرف واپسی کے لئے اور باقی مہینوں کے تقریباً وسط میں رجب کا مہینہ عمرہ کرنے والوں کی سہولت کے لئے قابل ادب قرار دیا گیا تھا۔

مگر جب عرب دین سے نا آشنا ہو گئے، جہالت نے طبیعتوں میں درندگی کی خو پیدا کر دی، لوٹ کھسوٹ اور غارت گری ذریعۂ معاش بن گیا اور قبائلی حکومتوں کی وجہ سے رات دن جنگ و جدال کا بازار گرم رہنے لگا اور ان میں مسلسل تین مہینے جنگ سے صبر کرنے کی طاقت نہ رہی تو ان کے بڑوں نے حرام مہینوں کو حلال بنا لینے کا طریقہ ایجاد کیا —— جب کسی محترم مہینے میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے محترم مہینہ آجاتا تو کہہ دیتے کہ امسال یہ مہینہ محترم نہیں ہے۔ اگلا مہینہ محترم ہوگا مثلاً محرم میں لڑنا ضروری ہوتا تو کہتے کہ امسال محرم کا مہینہ محترم نہیں ہے بلکہ صفر کا مہینہ محترم ہوگا۔ مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ صفر بھی محترم نہیں ہے بلکہ ربیع الاول محترم ہوگا کبھی کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا ہے محرم بعد میں آئے گا۔ یا لڑتے لڑتے دس مہینے گذر جاتے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ جاتے تو سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے اور کہتے کہ امسال برس چودہ مہینوں کا ہوگا اور اس طرح محترم مہینوں کی تعداد پوری کر لیتے اور حیلہ بازی کر کے شریعت کی پابندی کی ظاہری شکل نکال لیتے۔

حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانے کے لئے عموماً محرم وصفر تختۂ مشق بنتے رہتے تھے اور تحریم و تحلیل کا پورا اختیار حذیفہ نامی ایک شخص کو جس کا لقب قُلَمُسْ تھا سونپ رکھا تھا جو بعد میں اس کی اولاد میں بھی منتقل ہوتا رہا، چنانچہ قلمس کے بعد اس کا لڑکا عباد، پھر اس کا لڑکا قلع، پھر اس کا لڑکا امیہ، پھر اس کا لڑکا عوف، پھر اس کا لڑکا جُنادہ جس کی کنیت ابو ثمامہ تھی، حج کے موقع پر تحلیل و تحریم کا اعلان کیا کرتا، جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو ابو ثمامہ کا دور تھا۔

لوند کا اثر بھی محترم مہینوں پر پڑتا تھا جو مہینے واقعۃً محترم ہوتے تھے وہ تو گردش کرتے کرتے کہیں سے کہیں نکل جاتے اور ان میں خوب قتل و قتال ہوتا اور جن مہینوں کو ”محترم مہینوں“ کا نام دیا جاتا وہ درحقیقت محترم ہوتے ہی نہیں تھے۔

عربی مہینوں کے نام اور وجہ تسمیہ:

عربی مہینوں کے موجودہ نام لوند کے زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ ان کی گردش روک دی گئی تھی عربی مہینے اور ان کی وجہ تسمیہ حسب ذیل ہے:

① —— محرم —— محترم قرار دیا ہوا (چونکہ حلت و حرمت کا تختۂ مشق یہی مہینہ بنا کرتا تھا اس لئے اسے یہ نام دیا گیا تھا)

② —— صفر —— خالی (جنگوں اور سفروں میں لوگوں کے نکل جانے کا اور گھروں کے خالی رہ جانے کا مہینہ)

③ —— ربیع الاول —— گھروں میں رہنے کا پہلا مہینہ (ارتباع سے بنا ہے جس کے معنی ہیں گھر میں رہنا چونکہ اس مہینہ میں لوگ جنگ اور سفر سے گھر آجاتے تھے اس لئے یہ نام دیا گیا تھا)

④ —— ربیع الثانی —— گھروں میں رہنے کا دوسرا مہینہ۔

⑤ —— جمادی الاولی —— پانی جمنے کا پہلا مہینہ (سخت سردی کا پہلا مہینہ)

(۶)—— جُمادی الثانیہ——پانی جمنے کا دوسرا مہینہ (سخت سردی کا دوسرا مہینہ)

(۷)—— رجب——محترم مہینہ (تَرْجِیب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں تعظیم کرنا، یہ نام اس لئے رکھا گیا تھا کہ لوگ اس مہینہ میں عمرہ ادا کرتے تھے)

(۸)——شعبان——منتشر ہونے کا مہینہ (اس مہینہ میں لوگ جنگ وغارت گری کے لئے پھیل جاتے تھے)

(۹)——رمضان ——سنگریزوں کے شدید گرم ہونے کا مہینہ (سخت گرمی کا مہینہ)

(۱۰)——شوال ——اونٹوں کی جفتی کا مہینہ (شَالَتِ الْإِبَلُ بِأَذْنَابِهَا لِلطِّرَاقِ سے لیا گیا ہے)

(۱۱)—— ذوالقعدہ——جنگ اور سفر چھوڑ کر بیٹھ جانے کا مہینہ۔

(۱۲)—— ذوالحجہ——حج ادا کرنے کا مہینہ۔

تفسیر: اس ضروری تفصیل کے بعد آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہے —— مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک، نوشتۂ الٰہی میں، جب سے اللہ نے آسمان وزمین بنائے ہیں بارہ ہی ہے —— خواہ شمسی حساب ہو یا قمری، سال کے بارہ ہی مہینے ہیں، لوند کا مہینہ بڑھا کر تیرہ مہینوں کا سال کرنا لوگوں کی ایجاد ہے —— جن میں سے چار مہینے محترم ہیں —— اور وہ متعین ہیں جن میں تغیر وتبدل کا کسی کو کوئی حق نہیں —— یہی (حضرت ابراہیم علیہ السلام کا) صحیح دین ہے —— اور تم جسے ملت ابراہیمی سمجھے بیٹھے ہو وہ تمہاری خود تراشیدہ ملت ہے —— لہٰذا (اے مومنو!) تم ان (چار) مہینوں میں (گناہ کرکے) اپنا نقصان نہ کرو —— کیونکہ یہ مہینے اب بھی محترم اور برگزیدہ ہیں —— برگزیدگی کا سلسلہ ہر جگہ رکھا گیا ہے، فرشتوں میں سے بعض کو، انسانوں میں سے کچھ کو، باتوں میں اللہ کے ذکر کو، زمین میں مسجدوں کو، مہینوں میں رمضان شریف اور اشہر حرام کو، دنوں میں جمعہ کو، اور راتوں میں شب قدر کو برگزیدگی عطا فرمائی گئی ہے —— اور برگزیدہ زمان ومکان میں عبادتوں کا ثواب جس طرح بڑھ جاتا ہے گناہوں کا وبال بھی بڑھ جاتا ہے —— اور جہاد چونکہ عبادت ہے اس لئے ان مہینوں میں بھی جہاد نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مأمور بہ ہے ارشاد فرماتے ہیں —— اور تم سب مشرکوں سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں —— اور کسی کو نہیں بخشتے نہ تم سے لڑنے میں ان کے لئے کوئی مہینہ روک بنتا ہے کیونکہ انھیں تو کسی معین مہینہ سے بحث ہی نہیں ہوتی۔ انھیں تو چار کی گنتی پوری کرنی ہوتی ہے وہ بہر حال پوری کرلیتے ہیں۔

محترم مہینوں میں جہاد مشروع ہونے کی وجہ:

اشہر حرم میں جہاد اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ دشمن دھوکہ نہ دے سکے، اگر جہاد کی ممانعت ہوتی تو دشمن اس سے

فائدہ اٹھاتا وہ خاص طور پر انہی مہینوں میں حملہ کرتا اور اپنی گنتی کسی اور وقت پوری کر لیتا جیسے دشمنوں نے نماز سے فائدہ اٹھانا چاہا تھا اور طے کیا تھا کہ جب مسلمان نماز میں مشغول ہو جائیں تو اچانک حملہ کر دیا جائے لیکن اسی وقت اللہ پاک نے صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل فرمایا اور مسلمانوں کو دشمنوں کی زد سے بچا لیا۔

کافر ''اشہر حرم'' کا کوئی پاس ولحاظ نہیں کرتے تھے۔ رجب سنہ۲ ہجری میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سریہ نے، آنحضور ﷺ کے ایماء کے بغیر، ایک مڈبھیڑ میں عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا تھا تو مکہ والوں نے شور مچاتے ہوئے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ اور اسلام کے خلاف وہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ آیت شریفہ کو نازل ہو کر صفائی پیش کرنی پڑی۔

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ الآیہ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۷)

ترجمہ: وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اشہر حرام میں لڑنا کیسا ہے؟۔

لیکن جب ذوالقعدہ سنہ۶ ہجری میں آنحضور ﷺ عمرہ کی غرض سے مکۃ المکرّمہ تشریف لے جا رہے تھے تو یہی اشہر حرم کے حامی مقابلہ پر آ کھڑے ہوئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی مسئلہ پوچھنے نہیں آیا تھا کہ اشہر حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ —— بہر حال اشہر حرم میں جہاد جائز ہے آنحضور ﷺ نے سنہ۸ ہجری میں طائف کا جو محاصرہ فرمایا تھا وہ ذوالقعدہ میں بھی جاری رہا تھا اور:

غزوۃ السویق	——	ذوالحجہ سنہ ۲ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوہ بنو سُلَیم	——	محرم سنہ۳ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوہ بنو قُریظہ	——	ذوالحجہ سنہ۵ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ خیبر	——	محرم سنہ۷ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ وادی القری	——	محرم سنہ۷ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ ذات الرقاع	——	محرم سنہ۷ ہجری میں ہوا تھا۔
غزوۂ تبوک	——	رجب سنہ۹ ہجری میں ہوا تھا۔
سریہ قطن	——	محرم سنہ۴ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ عبداللہ بن اُنیس	——	محرم سنہ۴ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ عبداللہ بن عتیک	——	ذی قعدہ سنہ۵ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ وادی القری	——	رجب سنہ۶ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔
سریہ ابی الرعاء	——	ذوالحجہ سنہ۷ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔

سریہ سیف البحر —— رجب سنہ ۸ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔

سریہ عیینہ بن حصن —— محرم سنہ ۹ ہجری میں بھیجا گیا تھا۔

ان غزوات وسرایا کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشہر حرم میں جہاد جائز ہے—— اور جان رکھو کہ اللہ پاک متقیوں کے ساتھ ہیں —— اللہ کی نصرت انھیں لوگوں کے ساتھ رہتی ہے جو شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس کے حکموں کی بجا آوری پر کمر بستہ رہتے ہیں۔

مہینوں کا ان کی جگہ سے ہٹا دینا —— لوند (کبیسہ) کے ذریعہ یا تحلیل وتحریم کے ذریعہ —— مزید کافرانہ حرکت ہے —— ملت ابراہیمی سے اس کا کوئی تعلق نہیں —— جس سے (عام) کافروں کو (ملت ابراہیمی سے) گمراہ کیا جاتا ہے (اس طرح کہ) وہ کسی سال تو اس (حرام مہینہ) کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام (ہی) سمجھتے ہیں تا کہ وہ اللہ کے محترم مہینوں کی تعداد پوری کر لیں، پس انھوں نے (وہ فعل) جائز کر لیا جو اللہ نے حرام کیا تھا —— یعنی شریعت میں نفس کی خواہش کے مطابق ردوبدل کرنا حرام کیا گیا تھا لیکن ان لوگوں نے اسے جائز کر لیا اور انھیں احساس تک نہیں ہوا کہ ہم اللہ کی شریعت میں ٹانگ اڑا کر کتنی بڑی گستاخی کر رہے ہیں کیونکہ —— اُن کے برے اعمال ان کے لئے خوشنما بنا دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ منکرین حق کو راہ نہیں دکھاتے —— بلکہ رسی ڈھیلی کرتے ہیں، جس سے ان کی گمراہی کا سلسلہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ گمراہی کی وادیوں میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مسئلہ: تاریخ وسال معلوم کرنے کے لئے قمری اور شمسی (عربی اور انگریزی) دونوں حسابوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چاند ہی کی طرف آفتاب کو بھی علامت بنایا ہے (سورۂ یونس آیت ۵) البتہ احکام شرعیہ کا مدار چاند کے حساب پر ہے اس لئے قمری حساب کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے اگر تمام امت قمری حساب کو بھلا دے تو سب گنہ گار ہوں گے۔

مسئلہ: حج، روزوں اور زکوٰۃ کی ادائیگی قمری حساب سے ضروری ہے (مظہری)

مسئلہ: قمری حساب میں لوند کا مہینہ بڑھا کر اس کے مطابق احکامات شرعیہ ادا کرنا تحریف فی الدین ہے اور قطعاً حرام ہے۔

مسئلہ: کاروباری حساب میں بکرمی سنہ سے کام لینا جس میں لوند کا مہینہ بڑھایا جاتا ہے جائز ہے لیکن عبادتوں کی ادائیگی کا اس پر مدار رکھنا جائز نہیں۔

مسئلہ: غیر منصوص مسائل میں کسی مجتہد کی تقلید اس کو رب بنانا نہیں ہے بلکہ ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (اگر تم نہ جانتے ہو تو جاننے والوں سے پوچھو) کے تحت ضروری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی پر	وَّيَسْتَبْدِلْ	اور کھڑا کردے گا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	مِنَ الْاٰخِرَةِ (۳)	آخرت کے مقابلہ میں	قَوْمًا	کسی (اور) قوم کو
مَا لَكُمْ	تمہیں کیا ہوا	فَمَا	سو نہیں (ہے)	غَيْرَكُمْ	تمہارے علاوہ
اِذَا قِيْلَ	جب کہا گیا	مَتَاعُ	سروسامان	وَلَا تَضُرُّوْهُ (۴)	اور نہ نقصان پہنچا سکو
لَكُمُ	تم سے	الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی (کا)		گے تم اس کو
انْفِرُوْا (۱)	(کہ) نکلو	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت کی بہ نسبت	شَيْئًا	کچھ (بھی)
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کے راستہ میں	اِلَّا قَلِيْلٌ	مگر تھوڑا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اثَّاقَلْتُمْ (۲)	(تو) لگ گئے تم	اِلَّا تَنْفِرُوْا	اگر نہ نکلے تم	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
اِلَى الْاَرْضِ	زمین سے	يُعَذِّبْكُمْ	تو سزا دے گا وہ تمہیں	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
اَرَضِيْتُمْ	کیا مگن ہوگئے تم	عَذَابًا اَلِيْمًا	دردناک سزا		والے ہیں

ربط: اس سورت کی انتیسویں آیت میں اہل کتاب کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے پھر اسی سلسلہ کی مزید باتیں ذکر ہوئی ہیں، اب غزوۂ تبوک کے لئے مؤمنوں کو آمادہ کیا جارہا ہے جو اہل کتاب ہی کے مقابلہ میں پیش آیا تھا —— رومی سلطنت نے جنگ موتہ کے بعد ہی مدینہ شریف پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ قیصر روم نے اس مہم پر غسانی خاندان کو

(۱) اِنْفِرُوْا: امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر: تم نکلو، تم کوچ کرو، تم بھاگو، تم جہاد کے لئے بے تاب ہوجاؤ، نَفَرَ (ن ض) نفرًا وَنُفُوْرًا۔
(۲) اِثَّاقَلْتُمْ: ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر: تم بوجھ سے جھکے جاتے ہو، زمین کی طرف مائل ہوتے ہو، تثَاقُل (باب تفاعل) سے ہے، جس کے معنی ہیں: گراں بار اور بوجھل ہونا، اصل میں تثَا قلتم تھا، تاء کا ثاء میں ادغام کیا، پھر ہمزہ وصل بڑھایا، اس لئے کہ مدغم کا پہلا حرف ساکن ہوتا ہے (۳) من الآخرۃ: میں مِن: عوض کا ہے، جیسے: لجعلنا منکم ملائکۃ میں (کشاف)
(۴) ولا تضروہ: میں ضمیر کا مرجع: اللہ تعالیٰ، دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ سب ہوسکتے ہیں۔

متعین کیا تھا جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا اور جو مذہباً عیسائی تھا۔

غزوۂ تبوک (اہل کتاب سے جہاد) کے لئے لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں

فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے واپسی پر آنحضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومی مدینہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ شام کے نبطی سوداگروں نے ـــــ جو مدینہ شریف میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے ـــــ یہ خبر دی کہ رومیوں نے شام میں لشکر جرار تیار کرلیا ہے اور فوج کا دل بڑھانے کے لئے سال بھر کی تنخواہیں پیشگی جاری کردی ہیں، جس میں لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب قبائل شامل ہیں۔ اس لئے آنحضور ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ خود اقدام کرکے شام کی حدود تک بڑھیں۔

تمام مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا گیا۔ چونکہ گرمی سخت تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پک رہی تھی، لمبی مسافت طے کرکے جانا تھا اور رومن اِمپائر کی باقاعدہ، تربیت یافتہ جنگی ساز و سامان سے لیس افواج سے نبرد آزما ہونا تھا، کوئی کھیل تماشا نہ تھا اس لئے کچے، بودے اور نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) کا پردہ فاش ہوکر رہا۔ وہ خود بھی جی چرانے لگے، حیلے بہانے بنا کر کھسکنے لگے۔ اور دوسروں کو بھی روکنے لگے۔

سچے مسلمانوں نے عام طور پر جہاد میں شرکت فرمائی جب ان سے مالی امداد طلب کی گئی تو اکثر صحابہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن بعض سچے مسلمان وقت کی نزاکت، طویل سفر کی صعوبت اور موسم کی حرارت کی وجہ سے کترا رہے تھے، آخر کار ان میں سے بہت سے تو شریک ہوگئے چند گنے چنے حضرات سستی اور کسل کی وجہ سے شرکت کے شرف سے محروم رہے۔

یہاں سے آخر سورت تک لوگوں کی انہی تمام قسموں کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

آنحضور ﷺ رجب سنہ ۹ ہجری مطابق نومبر سنہ ۶۳۵ء میں تقریباً تیس ہزار سرفروش مجاہدوں کا لشکر جرار لے کر شام کی سرحد کی طرف بڑھے اور تبوک مقام پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے ـــــ تبوک مدینہ شریف اور دمشق کے وسط میں، چودہ منزل پر ایک مشہور مقام ہے۔ اسی مقام کے نام سے یہ غزوہ موسوم کیا گیا ہے۔ یہ غزوہ آنحضور ﷺ کا تقریباً آخری غزوہ ہے ـــــ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبریں تمام تر صحیح نہیں تھیں۔ ہرقل شہنشاہ روم کو جب مسلمانوں کے تبوک تک پہنچ جانے کی خبر پہنچی تو اللہ پاک نے اس پر رعب طاری کردیا اور وہ مقابلہ پر نہیں آیا ـــــ اس غزوہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اہل کتاب (عیسائیوں) کے ساتھ جہاد کی داغ بیل خود آنحضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں پڑ گئی، جس کی تکمیل بعد میں خلفائے راشدین کے دور میں ہوئی ـــــ دوسرا فائدہ اس غزوہ سے یہ حاصل ہوا کہ سرحد کے تمام قبائل یا تو اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے یا جزیہ دے کر ماتحت بن گئے اور مسلمانوں کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ ہموار ہوگیا۔

ان آیتوں میں ان سچے مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارا جا رہا ہے جو موسم کی حرارت، باغوں کی پر بہار رونق اور

زراعتی دلچسپیوں کی وجہ سے جہاد سے کترا رہے تھے۔ انھیں بتلایا جاتا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام کے لئے جہاد کو چھوڑنا عذاب الیم کو مول لینا ہے۔ مؤمن صادق کی نظر میں آخرت کے مقابلہ میں دنیا کے عیش و آرام کی کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے چنانچہ وہ حضرات آیات پاک سن کر تمام راحتوں کو قربان کر کے جہاد میں شریک ہو گئے ارشاد فرماتے ہیں —— اے مؤمنو! جب تمہیں اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تمہیں کیا ہو گیا جو زمین سے لگے جاتے ہو؟! کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی پر مگن ہو گئے؟! (سن لو!) دنیوی زندگی کا سروسامان آخرت کی بہ نسبت بہت ہی تھوڑا ہے! —— چار دن کی بہار ہے —— حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ”آخرت کی بہ نسبت دنیا کی مقدار اتنی ہی ہے کہ کوئی یہ انگلی —— شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا —— کسی سمندر میں ڈبو کر نکالے پھر دیکھے کہ وہ کتنا پانی ساتھ لائی ہے؟!“[1] —— پس کیا تم اتنے قلیل نفع پر مگن ہو رہے ہو؟! اگر ایسا ہے تو یہ ﴿خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡآخِرَةِ﴾ کی صورت ہے —— معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں ہر غفلت، کوتاہی، سستی اور تمام گناہوں کا سرچشمہ یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے، سچ فرمایا ہے رسول پاک ﷺ نے کہ ﴿حُبُّ الدُّنۡيَا رَأۡسُ كُلِّ خَطِيۡئَةٍ﴾ دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے —— اگر تم (جہاد کے لئے) نہ اٹھے تو اللہ پاک تمہیں دردناک سزا دیں گے اور تمہارے بدلے دوسرے لوگوں کو کھڑا کر دیں گے —— کیونکہ دین کا کام کسی پر موقوف نہیں رہتا، تم اگر سستی کرو گے تو اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ سے دوسرے لوگوں کو دین کی خدمت کے لئے تیار کر دیں گے —— اور تم (سستی کر کے) اللہ کے رسول (ﷺ) کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے اور اللہ پاک ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں —— وہ کسی بھی قوم کو دین کی خدمت کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لئے کھڑا کر دیں گے۔ تمہاری سستی سے رسول اللہ ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ البتہ اللہ پاک نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں جو دین کی خدمت اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کا زریں موقع دیا ہے اس کو تم نادانی سے کھو کر سعادت ابدی سے محروم رہ جاؤ گے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ ٱللَّهُ إِذۡ أَخۡرَجَهُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ثَانِيَ ٱثۡنَيۡنِ إِذۡ هُمَا فِي ٱلۡغَارِ إِذۡ يَقُولُ لِصَٰحِبِهِۦ لَا تَحۡزَنۡ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَاۖ فَأَنزَلَ ٱللَّهُ سَكِينَتَهُۥ عَلَيۡهِ وَأَيَّدَهُۥ بِجُنُودٖ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلسُّفۡلَىٰۗ وَكَلِمَةُ ٱللَّهِ هِيَ ٱلۡعُلۡيَاۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝٤٠

(۱) رواہ مسلم واحمد عن المستورد رضی اللہ عنہ.

اِلَّا	اگر نہیں	فِی الْغَارِ	غار میں (تھے)	لَمْ تَرَوْهَا	جو تمہیں نظر نہیں آئے
تَنْصُرُوْهُ	مدد کروگے تم اس	اِذْ يَقُوْلُ	جب وہ کہہ رہا تھا	وَجَعَلَ	اور کردی
	(رسول) کی	لِصَاحِبِهٖ	اپنے رفیق سے	كَلِمَةَ	بات
فَقَدْ	تو تحقیق	لَا تَحْزَنْ	غم نہ کر!	الَّذِيْنَ كَفَرُوا	کافروں کی
نَصَرَهُ	ان کی مدد کی ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ پاک	السُّفْلٰى	نیچی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	مَعَنَا	ہمارے ساتھ (ہیں)	وَكَلِمَةُ اللّٰهِ	اور اللہ کا بول
اِذْ	جب	فَاَنْزَلَ اللّٰهُ	پھر اتارا اللہ پاک نے	هِيَ	ہی
اَخْرَجَهُ	جلاوطن کیا ان کو	سَكِيْنَتَهٗ	اپنا خاص سکون	الْعُلْيَا	بالا رہنے والا (ہے)
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	کافروں نے	عَلَيْهِ (۱)	اس (رفیق) پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
ثَانِيَ اثْنَيْنِ	دو میں کا دوسرا	وَاَيَّدَهٗ (۲)	اور مدد کی رسول کی	عَزِيْزٌ	زبردست
اِذْ هُمَا	جب دونوں	بِجُنُوْدٍ	(غیبی) لشکروں سے	حَكِيْمٌ	حکمت والے (ہیں)

اللہ تعالیٰ نے دو موقعوں پر (ہجرت کے وقت اور بدر میں) اپنے رسول کی مدد کی ہے

گذشتہ آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ اگر تم غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دوگے تو ان کا کچھ نقصان نہ ہوگا ﴿ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ﴾ اس کی دو مثالوں سے وضاحت کی جارہی ہے ایک ہجرت کے واقعہ سے دوسرے بدر کے حیرت انگیز معرکہ سے، جبکہ کامیابی کے تمام امکانات مفقود تھے، اللہ پاک نے اپنے رسول کی حفاظت فرمائی تھی اور مسلمانوں کو منصور وغالب کیا تھا۔ فرماتے ہیں —— اگر تم رسول اللہ (ﷺ) کی نصرت نہ کروگے —— تو نہ سہی، ان کا منصور ہونا کچھ تمہاری نصرت پر موقوف نہیں اللہ پاک اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کا غیب سے سامان پیدا کردیں گے اور انھیں کامیاب لوٹائیں گے۔ دیکھو! —— اللہ پاک اس وقت ان کی مدد کرچکا ہے جب کافروں نے ان کو (مکہ شریف سے) نکال دیا تھا —— اور آپ صرف ایک رفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ شریف سے نکل گئے تھے اور چونکہ آپ کو یقین تھا کہ تعاقب ضرور کیا جائے گا اور دشمن مدینہ طیبہ جانے والی سڑک پر آپ کو تلاش کریں گے کیونکہ مسلمان بڑی تعداد میں مدینہ جاچکے تھے اس لئے آپ نے اپنی حفاظت کے لئے مدینہ کی راہ چھوڑ کر (جو مکہ سے شمال کی جانب ہے) جنوب

(۱) علیہ: کی ضمیر کا مرجع ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اقرب ہیں، اور ضمیر کا مرجع اقرب ہوتا ہے، یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (۲) أیدہ کا عطف نصرہ اللہ پر ہے۔

کی راہ لی اور تین میل جا کر کوہ ثور کی چوٹی پر ایک تنگ غار میں روپوشی اختیار فرمالی ـــــ علی الصباح خون کے پیاسے دشمن قائف (نشانات قدم کے ماہر) کو ساتھ لے کر تلاش میں نکلے اور وادیوں اور پہاڑوں کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جہاں آپ ﷺ کو تلاش نہ کرلیا۔ چند لوگ تو ڈھونڈ ھتے ڈھونڈ ھتے غار کے دھانہ تک پہنچ گئے جہاں ایک تو آپ ﷺ کا مبارک وجود تھا اور ایک یار غار تھا، باقی اللہ! ـــــ جبکہ وہ دو میں کا ایک تھا جب وہ دونوں (کوہ ثور کی) غار میں تھے ـــــ جس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھسا نہیں جاسکتا تھا، صرف لیٹ کر ہی اس میں داخل ہونا ممکن تھا اس لئے وہاں سے فرار کا بھی کوئی امکان نہ تھا[۱] ـــــ دشمن کے قدموں کی آہٹ پا کر وہ رفیق غمگسار بھی سہم کر رہ گیا تھا۔ اسے فکر تھی کہ اگر عزیز از جان وجود دشمن کو نظر آ گیا تو کیا ہوگا؟ اس نے گھبرا کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے! اس وقت آپ ﷺ نے اپنے رفیق کو یہ فرما کر تسلی دی کہ "ابوبکر اُن دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے" یعنی جب وہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر؟! ـــــ جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ "غم نہ کرو اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے" ـــــ پھر اللہ نے اس (رفیق) پر اپنی خاص تسلی نازل فرمائی ـــــ جس سے اُن کو بھی اطمینان ہو گیا اور دونوں تین دن غار میں روپوش رہ کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ سچ ہے اللہ پاک بڑے زبردست ہیں وہ ہر طرح اپنے رسول کی حفاظت فرما سکتے ہیں کوئی ان کا ساتھ دے یا نہ دے!

اب دوسری مثال سنو! اگر تم رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لئے نہ نکلو گے تب بھی اللہ پاک انھیں منصور و غالب لوٹائے گا۔ بدر و حنین کے کٹھن معرکے یاد کرو جب اللہ نے انہیں فتح مند کیا تھا ـــــ اور ایسے لشکروں سے ان کی تائید کی تھی جو تمہیں نظر نہ آئے تھے ـــــ صرف کافروں کو نظر آئے تھے[۲] ـــــ اور کافروں کی بات نیچی کر دی ـــــ ان کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے وہ بدر کے میدان میں اِتراتے ہوئے آئے تھے تا کہ سارے عرب پر اپنی دھاک بٹھا دیں لیکن وہاں انھوں نے اپنے منہ کی کھائی ـــــ اور اللہ ہی کا بول بالا رہا ـــــ اسلام ہی کا جھنڈا لہراتا رہا ـــــ اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں ـــــ وہ ہر طرح اپنے رسول کو فتح مند بنا سکتے ہیں اور جس صورت سے چاہیں اپنا بول

(۱) کوہ ثور پر دو غار ہیں ایک: بہت وسیع اور کھلا ہوا ہے، اس میں چھپا نہیں جاسکتا۔ تین چار آدمی اس میں آرام سے لیٹ سکتے ہیں۔ دوسرا: نہایت تنگ، جس میں دو آدمی مشکل سے بیٹھ سکتے ہیں، اور اس کے بعد پہاڑ کی ڈھلان شروع ہو جاتی ہے یہ چھپنے کے قابل جگہ ہے اور اس میں چھپے ہوئے آدمیوں کے بالکل سر پر ایک سوراخ ہے۔ خطرہ کے وقت آپ ﷺ اس میں چھپتے تھے اور خطرہ ٹل جانے پر باہر کے کشادہ غار میں آرام فرماتے تھے۔ (۲) جہاد میں فرشتوں کی جو کمک نازل ہوتی ہے وہ عام طور پر مسلمانوں کو نظر نہیں آتی، البتہ کفار کو نظر آتی ہے جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۲۶ کی تفسیر میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔

بالا کر سکتے ہیں ـــــ آج بھی اگر تم نے رومن امپائر سے مقابلہ میں سستی کو راہ دی تو جو بھی مٹھی بھر جماعت آپؐ کے ہمراہ ہوگی اسی کے بہانے وہ آپ ﷺ کو فتح مند کردے گا اور اگر تم میں سے کسی نے ساتھ نہ دیا تب بھی وہ کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر باندھے گا!

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اِنْفِرُوْا	نکلو	بِاَمْوَالِكُمْ	اپنے مالوں سے	خَيْرٌ	بہتر (ہے)
خِفَافًا	ہلکے	وَاَنْفُسِكُمْ	اور اپنی جانوں (سے)	لَّكُمْ	تمہارے لئے
وَّثِقَالًا	اور بوجھل	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم
وَّجَاهِدُوْا	اور جہاد کرو	ذٰلِكُمْ	یہ	تَعْلَمُوْنَ	یقین کرو

غزوۂ تبوک کے لئے نفیر عام

اس آیت میں غزوۂ تبوک کے لئے نفیر عام ہے یعنی جنگی خدمات کے لئے عام بلاوا ہے ـــــ نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل ـــــ رغبت ہو یا نہ ہو، خوش حالی ہو یا تنگ حالی، ساز وسامان کی فراوانی ہو یا بے سروسامانی، حالات سازگار ہوں یا ناسازگار، جوانی اور تندرستی ہو یا بڑھاپا اور کمزوری، سواری میسر ہو یا نہ ہو، جب رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے دیا تو ہر حال میں تم پر نکلنا فرض ہے۔ نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لاؤ ـــــ اور اللہ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرو ـــــ تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہے اگر تم یقین کرو! ـــــ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "اللہ پاک نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات کا ذمہ لیا ہے۔ اگر اس کی قضا آگئی ہے تو جنت میں داخل فرمائیں گے ورنہ ثواب وغنیمت سے اس کی جھولی بھر کر وطن واپس لے آئیں گے!"

عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے لیکن نفیر عام کے وقت فرض عین ہو جاتا ہے

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾

لَوۡ كَانَ	اگر (مہم) ہوتی	بَعُدَتۡ	دور معلوم ہونے گی	لَخَرَجۡنَا	تو ہم ضرور چلتے
عَرَضًا	سامان	عَلَيۡهِمُ	ان کو	مَعَكُمۡ	تمہارے ساتھ
قَرِيۡبًا	سہل الحصول	الشُّقَّةُ	پر مشقت مسافت	يُهۡلِكُوۡنَ	یہ لوگ تباہ کر رہے ہیں
وَّسَفَرًا	اور سفر	وَسَيَحۡلِفُوۡنَ	اور اب قسمیں کھائیں گے	اَنۡفُسَهُمۡ	اپنے آپ کو
قَاصِدًا	میانہ	بِاللّٰهِ	خدا کی	وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ	اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں
لَّاتَّبَعُوۡكَ	تو وہ ضرور آپ کا ساتھ دیتے	لَوِ اسۡتَطَعۡنَا	(کہ) اگر ہمارے بس	اِنَّهُمۡ	کہ یہ لوگ
وَلٰكِنۡ	لیکن		میں ہوتا	لَكٰذِبُوۡنَ	یقیناً جھوٹے (ہیں)

غزوۂ تبوک میں منافقین کے احوال

جہاد کی ترغیبات سن کر سچے مسلمان عام طور پر غزوہ میں شریک ہوگئے تھے اسی لئے اس غزوہ میں مجاہدین کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی ــــ لیکن دلوں کے روگی نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) کا کچھ اور ہی حال تھا وہ برابر لوگوں کو غزوہ میں شرکت کرنے سے روکتے تھے۔ سویلم نامی یہودی کے گھر میں سب جمع ہوتے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے رہے ــــ جب مجاہدوں کا لشکر روانہ ہوا تو منافقوں کا سرغنہ عبداللہ بن ابی اپنی جمعیت لے کر ساتھ چلا لیکن تھوڑی دور جا کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ واپس لوٹ آیا تاکہ فوج کا دل ٹوٹے ــــ منافقوں کی ایک ٹولی جاسوسی اور ریشہ دوانی کی غرض سے ساتھ ہوگئی اور مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا کرنے کی امکان بھر کوشش کرتی رہی۔

اب منافقوں کے یہی احوال بیان ہو رہے ہیں اور ان کی منافقانہ حرکتیں بہت تفصیل سے ذکر کی جارہی ہیں کیونکہ مارِ آستین ہمیشہ دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ ملت کو ہمیشہ ان سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اس لئے امت کو ہمیشہ ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ ارشاد فرماتے ہیں ــــ اگر مہم سہل الحصول ہوتی اور سفر میانہ ہوتا تو وہ لوگ (تر لقمہ سمجھ کر) ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن انھیں پر مشقت مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی ــــ مہم تر لقمہ ہے یا گلے میں پھنسنے والا کانٹا، یہ تو بعد کی بات ہے! ان پر تو پہلے ہی سے سفر کا ہول سوار تھا اس لئے حیلے بہانے کر کے اجازت بے اجازت کھسکنے لگے ــــ لیکن جب آپ فتح کا پھریرا لہراتے ہوئے مدینہ شریف واپس آئیں گے تو ان کا کیا حال ہوگا؟ ــــ اور اب اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے! ــــ لیکن کیا

کریں مجبور تھے فلاں عذر تھا! ـــــ یہ لوگ اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ـــــ پھر بھی جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بناتے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

عَفَا اللّٰهُ	معاف کیا اللہ (نے)	لَا يَسْتَاْذِنُكَ	اجازت نہیں مانگیں	اِنَّمَا	صرف
عَنْكَ	آپ کو!		گے آپ سے	يَسْتَاْذِنُكَ	وہ لوگ اجازت مانگتے
لِمَ	کیوں	الَّذِيْنَ	وہ لوگ		ہیں آپ سے
اَذِنْتَ	اجازت دی آپ نے	يُؤْمِنُوْنَ	جو ایمان رکھتے ہیں	الَّذِيْنَ	جو
لَهُمْ	ان کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں رکھتے
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت کے دن پر	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
يَتَبَيَّنَ	کھل جاتے	اَنْ	کہ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت کے دن (پر)
لَكَ	آپ کے لئے	يُّجَاهِدُوْا	جہاد کریں وہ	وَارْتَابَتْ	اور شک میں پڑے
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے		ہوئے ہیں
صَدَقُوْا	(ایمان کے دعوے	وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں (سے)	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل
	میں) سچے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	فَهُمْ	پس وہ
وَتَعْلَمَ	اور جان لیتے آپ	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں	فِيْ رَيْبِهِمْ	اپنے شک میں
الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں کو	بِالْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں کو	يَتَرَدَّدُوْنَ	غلطاں پیچاں ہیں

منافقین کو نبی ﷺ نے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دی: اس پر تنبیہ!

منافقوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنا طے کر لیا تھا لیکن اعلان ہونے کے بعد طرح طرح کے بہانے بنانے

شروع کردیئے۔قبیلہ بنوسلمہ کے ایک معزز شخص جدّ بن قیس منافق کا ذکر ابھی آیت ۴۹ میں آرہا ہے کہ اس نے یہ نامعقول عذر پیش کیا کہ ''چونکہ میں عاشق مزاج، آوارہ نظر ہوں اس لئے ممکن ہے کہ رومیوں کی گوری عورتیں دیکھ کر نفس پر قابو نہ رکھ سکوں اور ''غزوہ'' میرے لئے فتنہ بن جائے اس لئے مجھے تو گھر رہنے کی اجازت دیجئے'' آپ ﷺ نے اس کو اجازت دیدی آپ کا یہ اجازت دینا، اجتہاد سے تھا کوئی حکم الٰہی اس بارے میں اب تک نازل نہیں ہوا تھا ـــــ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ضرورت کے وقت اجتہاد فرماتے ہیں تاکہ مجتہدین کے لئے اجتہاد کی راہیں ہموار ہوں۔اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادوں میں بھی خطا (چوک) کا امکان رہتا ہے لیکن اگر ان سے خطا ہوجاتی ہے تو انھیں خطاء پر متنبہ کردیا جاتا ہے تاکہ غلط بات شریعت نہ بن جائے ـــــ جب منافقین بہانے بنا بنا کر اجازتیں مانگنے لگے تو آپ ﷺ بھی ان کو رخصتیں دیتے رہے کچھ تو قلبی شفقت اور طبعی نرمی کی بناء پر اور کچھ یہ خیال کرکے کہ جو آنا ہی نہ چاہے زبردستی اس کو ساتھ لینے سے کیا فائدہ! ـــــ آیت پاک نے نازل ہوکر واضح کیا کہ اجازت دینے میں آپ ﷺ سے اجتہادی خطا ہوئی مگر اللہ نے اس سے درگذر فرمایا ـــــ بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''اگر مجتہد (اجتہاد میں) صحیح بات پالیتا ہے تو اُسے ڈبل ثواب ملتا ہے اور اگر چوک جاتا ہے تو ایک اجر پاتا ہے'' ـــــ بہرحال اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی نہ اس کی معافی کے لئے توبہ کی حاجت ہے اس کی معافی تو پہلے ہی سے طے شدہ امر ہے اس لئے ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کردیا! ـــــ کیونکہ یہ اجتہادی خطا تھی ـــــ آپ نے انہیں اجازت کیوں دی؟ ـــــ کسی کو بھی اجازت نہ دینی چاہئے تھی سب کی درخواستیں رد فرمادیتے۔منافقوں کو تو شرکت کرنی ہی نہیں تھی آپ اجازت دیتے یا نہ دیتے ان کو بہرحال گھر رہنا تھا ـــــ تاکہ سچے ایمان والے آپ کے لئے واضح ہوجاتے ـــــ اور آپ ان کے ساتھ مومنوں جیسا برتاؤ کرتے جس کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے اور انھیں پر آپ اعتماد کرتے ـــــ اور ایمان کے جھوٹے دعویداروں کو (بھی) آپ جان لیتے ـــــ تاکہ ان آستین کے سانپوں سے آپ ہوشیار رہتے ـــــ لیکن اب تو آپ (ﷺ) کے اجازت دے دینے سے ان کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا سنہرا موقعہ مل گیا۔

خطا پر تنبیہ کا لطیف پیرایہ:

آیت پاک میں غور فرمائیں: خطاء پر تنبیہ کس قدر لطیف پیرایہ میں ہے پہلے تو معافی کا اعلان کیا، پھر خطاء کا تذکرہ کیا، کیونکہ محبوب کی معمولی ناراضگی بھی محبّ صادق کے لئے ناقابل تحمل ہوجاتی ہے اگر تنبیہ پہلے کی جاتی تو قلب نبوت ناقابل برداشت غم میں ڈوب جاتا۔

اور ہمارے لئے اس پیرایہ بیان میں دو سبق ہیں:

① ــــ اگر اپنے چھوٹوں سے خطا ہو جائے اور انھیں ہم سے قلبی تعلق ہو تو ہمیں انکی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے یہی پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہئے جو اللہ پاک جل شانہ نے آنحضور ﷺ کے ساتھ اختیار فرمایا ہے۔

② ــــ اپنے بڑوں اور بزرگوں کو کسی خطاء پر متنبہ کرنے کے لئے یا تنقید کے لئے یہی پیرایۂ بیان اختیار کرنا چاہئے مثلاً عربی میں ''عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ مَا صَنَعْتَ فِیْ اَمْرِیْ!'' اور ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْکَ مَا جَوابُکَ عَنْ کَلامِیْ؟!'' اور اردو میں ''اللہ آپ کا بھلا کرے میرے بارے میں آپ نے ایسی بات کیوں کہی؟!'' اور ''اللہ آپ کے مراتب بلند کرے آپ کی یہ بات تو صحیح معلوم نہیں ہوتی!''

تَعْلَمَ اور یتبین میں فرق:

آیت پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت نہ دینے میں مصلحت ایمان کے جھوٹے دعویداروں کو جاننا تھی اس لئے ان کے ساتھ تَعْلَم (آپ جان لیتے) فرمایا اور اس ضمن میں سچے ایمان والے خود بخود واضح ہو جائیں گے اس لئے ان کے حق میں یَتَبَیَّنَ (کھل جاتے) فرمایا اور ان کا واضح ہو جانا دین کے لئے سود مند ہوتا اس لئے لَکَ (آپ کے فائدے کے لئے) فرمایا۔

عذرخواہی کی درخواست قبول کرنے سے منافقین نے غلط فائدہ اٹھایا

منافقوں کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جن کے پاس جھوٹے بہانے بھی نہیں تھے۔ انھوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر غزوہ میں شرکت کی اجازت مانگتے تھے کہ اگر آپ پسند فرماویں اور حکم دیں تو ہم بھی چلیں ــــ غیور طبیعت اس قسم کی درخواست کا یہی جواب دے گی کہ ''کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے تمہارا جی چاہے تو چلو'' ــــ وہ اس جواب سے فائدہ اٹھاتے کہ جب ہماری کوئی ضرورت نہیں تو ہم کیوں مشقت برداشت کریں، اگر واقعی ہماری ضرورت ہوتی اور ہمیں حکم دیا جاتا تو ہم ضرور شرکت کرتے، اللہ پاک فرماتے ہیں ــــ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت طلب نہیں کریں گے کہ وہ اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتے ہیں ــــ بلکہ وہ تو اعلان سنتے ہی آمادہ ہو جائیں گے کیونکہ جب شرکت کے لئے عام اعلان کر دیا گیا ہے تو اب اجازت طلبی کے کیا معنی؟ آیت پاک کا یہ ترجمہ اس صورت میں ہے جبکہ ''اَنْ'' مصدریہ سے پہلے ''فِیْ'' حرف جر محذوف مانا جائے ــــ لیکن ایک دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ''مِنْ'' پوشیدہ مانا جائے تو اس صورت میں ترجمہ اور مطلب یہ ہوگا ــــ جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے یہ درخواست نہیں کریں گے کہ انھیں جان

و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے ـــــ ایسی درخواستیں کرنا تو منافقوں کا شیوہ ہے [۱] ـــــ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتے ہیں ـــــ جو لوگ غزوہ میں شرکت کی درخواست کرنے سے پرہیز کرتے ہیں ان کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور جو گھر رہنے کے لئے بہانے بنانے سے پرہیز کرتے ہیں ان سے بھی اللہ پاک ناواقف نہیں ہیں وہ پرہیزگاروں سے اور سچے مؤمنوں سے بخوبی واقف ہیں ـــــ صرف وہی لوگ اس قسم کی درخواستیں کرتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے ـــــ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کا نور ہے ان کی تو یہ شان نہیں ہے کہ جہاد سے الگ رہنے کی اجازت حاصل کریں یا شرکت کے لئے اجازت طلب کر کے آنحضور ﷺ پر احسان رکھیں ـــــ بے حیا بن کر جہاد سے علحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں، نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں ـــــ اور شک میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے دل ـــــ اسلام اور مسلمانوں کے غالب و منصور ہونے کی جو خبریں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ شک وشبہ میں گرفتار رہتے ہیں ـــــ پس وہ اپنے شک (ہی) میں غلطاں پیچاں ہیں ـــــ اس دلدل سے نکل ہی نہیں پاتے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝٤٦ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٤٧

وَلَوْ اَرَادُوا	اور اگر وہ چاہتے	لَهٗ	اس کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
الْخُرُوْجَ	نکلنا	عُدَّةً [۲]	اسباب	انْۢبِعَاثَهُمْ [۳]	ان کا اٹھنا
لَاَعَدُّوْا	(تو) ضرور تیار کرتے	وَّلٰكِنْ كَرِهَ	لیکن پسند نہیں فرمایا	فَثَبَّطَهُمْ [۴]	پس ان کو باز رکھا

(۱) دونوں ترجمے اور مطلب صحیح ہیں اور آیت جوامع الکلم ہے (۲) العُدَّة: تیاری، سامان، کہا جاتا ہے كُوْنُوْا عَلٰى عُدَّةٍ (سامان حرب وغیرہ سے تیار رہو) اَخَذَ لِلاَمْرِ عُدَّتَهٗ (معاملہ کے لئے سامان لے لیا) جمع عُدَدٌ (۳) ای: الانطلاق فی الأمر، یقال: بعث البعیر فانبعث (کبیر) (۴) ثَبَطَهٗ (ن) ثَبْطًا وثَبَّطَهٗ عن الامر: روکنا، باز رکھنا، التثبیط: صرف الانسان عن الفعل الذی یهم به (روح البیان)

وَقِيلَ	اور کہہ دیا	اِلَّا	سوائے	وَفِيكُمْ	اور تم میں
اقْعُدُوا	(کہ) بیٹھے رہو تم	خَبَالًا (۱)	خرابی (کے)	سَمّٰعُوْنَ	سننے والے (ہیں)
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ	بیٹھنے والوں کے ساتھ	وَّلَا۟ اَوْضَعُوْا (۲)	اور یقیناً وہ دوڑ دھوپ کرتے	لَهُمْ	ان کی باتوں کو
لَوْ خَرَجُوْا	اگر وہ نکلتے	خِلٰلَكُمْ (۳)	تمہارے درمیان	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيكُمْ	تم میں	يَبْغُوْنَكُمُ (۴)	چاہتے وہ تم کو	عَلِيْمٌ	خوب جانتے ہیں
مَّا زَادُوْكُمْ	(تو) نہ بڑھاتے وہ	الْفِتْنَةَ	فتنہ میں مبتلا کرنا	بِالظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو

ناچنا نہ جانے آنگن ٹیڑھا!

کچھ منافقوں نے غزوہ میں شرکت کے لئے نام تو لکھا دیا تھا لیکن دل میں شرکت نہ کرنا طے کرلیا تھا چنانچہ جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو وہ لوگ بہانے بنانے لگے کہ چلنے کا تو ہمارا پکا ارادہ تھا لیکن اب فلاں فلاں مجبوریاں پیش آ گئی ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں — اور اگر (واقعی) ان کا ارادہ (جہاد کیلئے) نکلنے کا ہوتا تو وہ اس کے لئے ضرور کچھ تو تیاری کرتے — کیونکہ سفر کوئی معمولی نہیں تھا، نہ مقابلہ آسان تھا پس جب انھوں نے کسی قسم کی تیاری ہی نہیں کی تو معلوم ہوا کہ اعذار کچھ نہیں ہیں درحقیقت ان کا نکلنے کا ارادہ ہی نہیں ہے — عذر انہی لوگوں کا قابل قبول ہوسکتا ہے جو تعمیل حکم کے لئے تیار ہوں پھر کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے معذور ہوگئے ہوں لیکن جس نے تعمیل حکم کے لئے کوئی تیاری ہی نہ کی ہو اس کا عذر بہانہ جوئی کے سوا کیا ہے — مثلاً فجر کی نماز کے لئے وقت پر اٹھنے کی پوری تیاری کرلی، پھر اتفاق سے وہ تدبیریں فیل ہوجائیں اور نماز قضاء ہوجائے تو گناہ نہیں، لیکن اگر اپنی طرف سے وقت پر جاگنے کا انتظام ہی نہ کیا ہو بلکہ جاگنا ممکن ہی نہ ہو ایسے اسباب پیدا کردیئے ہوں تو سوتے رہ جانا معقول عذر نہیں اگر نماز قضاء ہوجائے گی تو گنہ گار ہوگا — خلاصہ یہ کہ تعمیل حکم کے لئے تیاری کرنے نہ کرنے ہی سے کسی عذر کے معقول یا نامعقول ہونے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا — آگے اصل وجہ ذکر فرماتے ہیں — لیکن (اصل وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ان کا (جہاد کے لئے) اٹھنا ہی پسند نہیں فرمایا — کیونکہ وہ لوگ جہاد کے جذبے اور دین کے لئے جاں فشانی کے ولولے سے خالی تھے اور اس کے بغیر ان کی شرکت ہزار خرابیوں کا سبب ہوسکتی تھی — اس لئے (اللہ

(۱) الخبال: الشرو الفساد فی کل شیئ، ومنه یسمی العَتَه بالخبل (کبیر) (۲) اَوْضَعَ الْبَعِيْرَ: اونٹ کو تیز دوڑانا (۳) الخَلَلُ: الفرجة بین الشیئین وجمعه خلال (کبیر) (۴) الجملة فی موضع الحال من ضمیر "اوضعوا" ای: باغین لَكُمُ الْفِتْنَةَ (روح) ومعنی الفتنة هٰهُنا: افتراق الکلمة وظهور التشویش (کبیر)

پاک نے) ان کو (شرکت سے) باز رکھا —— انھیں توفیق ہی نہ دی کہ مجاہدوں کی صفوں میں شامل ہوں بلکہ غزوہ سے ان کو بے رغبت کر دیا —— اور کہہ دیا گیا کہ: ''بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو!'' —— تکوینی فیصلہ ان کے حق میں یہ کر دیا گیا کہ جاؤ عورتوں، بچوں، بیماروں، اندھوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھے رہو —— اور جہاد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شرکت اس لئے ناپسند کی کہ —— اگر وہ تم میں شامل ہو جاتے تو خرابی کے سوا کچھ نہ بڑھاتے —— نہ تعداد میں کوئی خاص اضافہ کرتے نہ مہم سر ہونے میں ان بزدلوں سے کچھ مدد ملتی صرف شر و فساد ہی کا باعث بنتے۔ فرماتے ہیں —— اور یقیناً وہ فتنہ پردازی کی فکر میں تمہارے درمیان دوڑ دھوپ کرتے —— لگائی بجھائی کر کے مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے، جھوٹی افواہیں اڑا کر دشمنوں سے ہیبت زدہ کرتے۔ اپنی نامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں پست کرتے، غرض ان کی شرکت سے بھلائی میں تو کوئی خاص اضافہ نہ ہوتا ہاں خرابی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شرکت کی توفیق ہی نہیں بخشی —— اور یہ خیال کہ سچے مسلمان اول تو ان کی باتیں سنیں گے نہیں اور اگر سنیں گے تو ان کا اعتبار نہیں کریں گے اس لئے وہ فتنہ انگیزی کی کوشش میں ناکام رہیں گے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ —— تم میں (کچھ بھولے بھالے مسلمان) ان کی باتیں کان لگا کر سننے والے ہیں —— وہ متاثر ہو کر دوسرے مسلمانوں سے کہیں گے اور ظاہر ہے کہ پکے مسلمان ان بھولے بھالے مسلمانوں کی باتیں ضرور سنیں گے اس طرح سب متاثر ہو کر رہ جائیں گے اس لئے ان کا شرکت نہ کرنا ہی بہتر ہوا —— سَمّٰعُوْنَ کے ایک معنیٰ ''جاسوس'' کے بھی کئے گئے ہیں اس صورت میں آیت کے اس حصہ میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ منافقوں سے تم اب بھی مطمئن نہ رہو کیونکہ ان کے چھوڑے ہوئے جاسوس تمہارے ساتھ لگے ہوئے ہیں جن سے اللہ پاک خوب واقف ہیں —— اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں (منافقوں) کو خوب جانتے ہیں —— وہ اس خیال میں ہرگز نہ رہیں کہ ہمارے دل کی باتوں سے کوئی واقف نہیں ہے، ہم جس طرح چاہیں مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں، اللہ پاک کو ان کی تمام چالوں کا علم ہے وہ ان کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کو محفوظ رکھے گا اور اس غزوہ میں ان کو شرکت کی توفیق بھی اسی لئے نہیں بخشی ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

لَقَدِ	البتہ تحقیق	الْفِتْنَةَ	فتنہ (فساد)	وَ	اور
ابْتَغَوُا	انھوں نے چاہا	مِنْ قَبْلُ	پہلے (بھی)	قَلَّبُوْا	الٹتے رہے وہ

لَكَ	آپ کے لئے	جَآءَ	آ گیا	اَمْرُ اللّٰهِ	اللہ کا حکم
الْاُمُوْرَ	مصلحتیں	الْحَقُّ	سچا وعدہ	وَهُمْ	اور وہ
حَتّٰى	یہاں تک کہ	وَظَهَرَ	اور غالب ہوا	كٰرِهُوْنَ	ناپسند ہی کرتے تھے

فتنہ پردازی منافقوں کی پرانی عادت ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں —— انھوں نے پہلے بھی فتنہ پردازی چاہی تھی —— جب سے آنحضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قدم رکھا ہے یہودی اور منافق برابر آپ کے خلاف فتنہ انگیزیاں کرتے رہے ہیں۔ شروع میں تو وہ کھل کر مخالفت کرتے رہے لیکن جب بدر میں کفر وشرک کے سورما کام آگئے اور اسلام کا غلبہ حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو گیا تو منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی نے اپنے چیلوں سے کہا: —— اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ (یہ چیز تو اب رکنے والی نہیں!) —— چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے منافقانہ کلمۂ اسلام پڑھ لیا مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام اور مسلمانوں کا غلبہ ہوتا تھا وہ دل ہی دل میں جلتے تھے اور غیظ کھاتے تھے، وہ اسلام اور مسلمانوں کی علی الاعلان مخالفت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے تھے اس لئے درپردہ فتنہ پردازی کرتے تھے —— اور وہ (ہمیشہ) آپ کے سامنے مصلحتیں الٹ کر پیش کرتے تھے —— جب بھی کسی معاملہ میں عمومی مشورہ کیا جاتا تو منافق ہمیشہ خلاف مصلحت کو مصلحت بنا کر پیش کرتے تا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچے، برابر ان کا یہی وطیرہ رہا ہے —— یہاں تک کہ اللہ کا سچا وعدہ پورا ہو گیا اور اللہ کا دین غالب ہو گیا اور وہ پیچ وتاب ہی کھاتے رہے —— اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حق غالب ہوا اور باطل ذلیل وناکام ہوا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

وَمِنْهُمْ	اور ان (منافقین) میں	لِّيْ	مجھے	سَقَطُوْا	یہ لوگ پڑ ہی چکے
	سے بعضے	وَلَا تَفْتِنِّيْ	اور خرابی میں نہ ڈالئے مجھے	وَاِنَّ جَهَنَّمَ	اور یقیناً جہنم
مَّنْ يَّقُوْلُ	(وہ ہیں) جو کہتے ہیں	اَلَا	خوب سمجھ لو!	لَمُحِيْطَةٌۢ	گھیرنے والی (ہے)
ائْذَنْ	(کہ) اجازت دیجئے	فِي الْفِتْنَةِ	خرابی میں (تو)	بِالْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو

میں عاشق مزاج ہوں: مجھے رہنے دیں! (منافقوں کے عذر کی ایک مثال)

جدّ بن قیس انصار کے قبیلۂ بنو سلمہ کا ایک معزز شخص تھا۔ اس سے جب غزوہ میں شرکت کے لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا تو اس نے یہ نامعقول عذر پیش کیا کہ "میں عاشق مزاج، عورتوں کا دلدادہ ہوں اور روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں ممکن ہے انھیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں اس لئے مجھے وہاں لے جا کر خرابی میں نہ ڈالیں، مجھے تو گھر ہی رہنے دیں"

—— اور منافقوں میں سے بعضے کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور (ساتھ لے جا کر) مجھے خرابی میں نہ ڈالئے! —— خوب سن لو! خرابی میں تو یہ لوگ پڑ ہی چکے ہیں —— اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سب سے بڑا فتنہ اور خرابی ہے اس میں تو وہ گرفتار ہو ہی چکے ہیں —— اور جہنم یقیناً کافروں کو گھیرنے والی ہے —— دنیا میں جہنم والے اعمال (کفر و شرک اور نفاق وغیرہ) نے ان کو گھیر رکھا ہے اور آخرت میں ان اعمال کا وبال (دوزخ) ہر طرف سے ان کو گھیر لے گا۔

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

إِنْ تُصِبْكَ	اگر پیش آتی ہے آپ کو	قَدْ أَخَذْنَا	تحقیق لے لیا ہم نے	لَنْ يُصِيبَنَا	ہرگز نہیں پہنچتا ہمیں
حَسَنَةٌ	کوئی اچھی حالت	أَمْرَنَا	ہمارا معاملہ	إِلَّا مَا	مگر (وہی) جو
تَسُؤْهُمْ	تو وہ بری لگتی ہے انکو	مِنْ قَبْلُ	پہلے ہی	كَتَبَ	مقدر فرمایا (ہے)
وَإِنْ	اور اگر	وَيَتَوَلَّوْا	اور لوٹتے ہیں وہ	اللَّهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
تُصِبْكَ	آپڑتا ہے آپ پر	وَهُمْ (۱)	درانحالیکہ	لَنَا	ہمارے لئے
مُصِيبَةٌ	کوئی حادثہ	فَرِحُونَ	وہ خوش ہیں	هُوَ	وہی (ہے)
يَقُولُوا	(تو) کہنے لگتے ہیں وہ	قُلْ	آپ فرمادیں	مَوْلَانَا	کارساز ہمارا

(۱) الجملة حال من الضمير فی "یقولوا" أو "یتولوا" لا من الاخیر فقط (روح البیان)

وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ ہی کو	إِحْدَى[1]	دو خوبیوں میں سے	بِعَذَابٍ	کوئی سزا
فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ سپرد کریں	الْحُسْنَيَيْنِ	ایک کے	مِّنْ عِنْدِهٖٓ	اپنے پاس سے
الْمُؤْمِنُوْنَ	مؤمنین (سب کام)	وَنَحْنُ	اور ہم	أَوْ بِأَيْدِيْنَا	اور ہمارے ہاتھوں سے
قُلْ هَلْ	آپ فرمادیں (کہ) نہیں	نَتَرَبَّصُ	منتظر ہیں	فَتَرَبَّصُوْٓا[2]	سو اب تم انتظار کرو
تَرَبَّصُوْنَ	منتظر ہو تم	بِكُمْ	تمہارے حق میں	إِنَّا	بے شک ہم (بھی)
بِنَآ	ہمارے حق میں	أَنْ يُّصِيْبَكُمُ	کہ پہنچائیں تم کو	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
إِلَّآ	مگر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مُّتَرَبِّصُوْنَ	انتظار کرنے والے (ہیں)

منافقین دوراندیشی سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب منافقین عام طور پر غزوات میں شرکت کیا کرتے تھے تو وہ خاص غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ —— اِن آیات میں اس کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ قوم انجام بینی اور دوراندیشی کے زعم میں مبتلا ہے ان کے اسی خیال نے ان کو شرکت کے شرف سے محروم رکھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ منافقین اسی وقت غزوہ میں شرکت کرتے ہیں جب مہم تر لقمہ ہو (جیسا کہ آیت ۴۲ میں گذرا) چنانچہ غزوۂ تبوک کے بعد وہ ایسی مہموں میں شرکت کے متمنی رہے لیکن جب کوئی خطرناک مہم درپیش ہوتی ہے تو یہ لوگ دوراندیشی سے کام لیتے ہیں، اور شرکت سے پہلوتہی کرتے ہیں، احد اور خندق کے کٹھن معرکوں میں جب دشمن مدینہ طیبہ پر چڑھ آیا تھا یہ منافق شرکت سے جان چرا گئے تھے۔ بدر اور حدیبیہ کے موقعوں پر یہ بزدل نہ صرف یہ کہ غائب رہے، بلکہ شرکت کرنے والے بہادر مسلمانوں پر "مذہبی جنون" اور "دین کے دیوانے" ہونے کے فقرے بھی کسے۔

﴿ إِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ﴾ (سورۃ الانفال ۴۹)

ترجمہ: جب منافقین اور دل کے روگی کہتے تھے کہ یہ (مسلمان) اپنے دین پر مغرور ہیں۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر تو انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ "اللہ کا وعدہ محض دھوکہ تھا" اور اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کے بہانے بھاگ گئے تھے (الاحزاب آیت ۱۲ و ۱۳) —— جب مسلمان خطرناک معرکوں میں قدم رکھتے ہیں تو منافقوں کو یقین ہوتا ہے کہ اب یہ کبھی لوٹ کر اپنے گھر واپس نہ آسکیں گے، دشمن انھیں تباہ و برباد کردیں گے اور یہ خیال اس قدر ان کے دلوں میں جم جاتا تھا کہ وہ بڑے بڑے پلان بنانے لگتے تھے کہ اگر مسلمان واپس نہ آئے تو فلاں باغ میں لوں گا، فلاں عورت پر میں قبضہ کروں گا (الفتح آیت ۱۲)

(۱) أي: احدى العاقبتين الحسنتين (۲) الفاء فصيحة.

غزوۂ تبوک تمام معرکوں میں سب سے زیادہ خطرناک معرکہ تھا۔ مختصرسی فوج روم کی شہنشاہیت سے ٹکرانے چلی تھی جس کے جھنڈے آدھی دنیا پر لہرا رہے تھے اس لئے منافقوں کو یقین تھا کہ مسلمان اس جنگ میں پس کر رہ جائیں گے ان میں سے ایک بھی لوٹ کر واپس نہیں آسکے گا اس لئے وہ اپنے لئے خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ کسی بھی طرح پیچھے رہ جائیں ارشاد ہے —— اگر آپ کا بھلا ہوتا ہے تو انہیں سخت ناگوار ہوتا ہے —— اگر مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوتا ہے تو وہ جلتے اور کڑھتے ہیں —— اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو وہ (فخریہ) کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کرلیا تھا —— دُور اندیشی کا ثبوت دے کر بچاؤ کا انتظام کرلیا تھا کیونکہ ہم پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ یہی حشر ہونے والا ہے —— اور وہ (اپنی محفلوں سے گھروں کو) لوٹتے ہیں خوش خوش —— اپنے بخت پر نازاں مسلمانوں کی مصیبت پر شاداں وفرحاں! —— آپ (ان سے پہلی بات تو یہ) فرمادیں کہ ہمیں صرف وہی چیز پہنچتی ہے جو اللہ پاک نے ہمارے لئے مقدر فرمائی ہے —— کامیابی ہو یا ناکامی، سختی ہو یا نرمی جو مقدر ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا اس لئے ہماری گردنیں تو اللہ کے فیصلے اور حکم کے سامنے جھکی ہوئی ہیں —— وہی ہمارا کارساز ہے —— مادی اسباب محض ایک پردہ ہیں ان کی تہ میں کام کرنے والی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہی ہمارا مولیٰ اور مددگار ہے ہمیں چاہئے کہ اسی پر بھروسہ رکھیں۔ اس نے جو بھی حالات ہمارے لئے مقدر فرمادیئے ہیں اسی میں ہمارے لئے خیر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”ایمان کی حقیقت تک بندہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے: جب وہ یقین کرلے کہ جو کچھ پہنچا وہ ٹل نہیں سکتا تھا اور جو نہیں پہنچا وہ مل نہیں سکتا تھا“ —— اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے!

توکل کا صحیح مطلب:

اور توکل کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا رہے کہ جو قسمت میں ہوگا ہو جائے گا بلکہ پوری قوت وہمت سے کام لینے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ پر نظر رکھنی چاہئے کہ نتائج اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں —— جو لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کرتے وہ ”بے دین“ ہیں انھوں نے مادی اسباب ہی کو خدا بنالیا ہے اور جنھوں نے توکل کو اپنی کم ہمتی اور بے کاری کا بہانہ بنالیا ہے وہ ”خوش فہم“ ہیں۔ صراط مستقیم یہ ہے کہ ظاہری اسباب اختیار کئے جائیں، اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھا جائے۔ آنحضور ﷺ جہاد کے لئے پوری تیاری فرماتے تھے احد اور حنین کے معرکوں میں آپ ﷺ نے دوہری زرہیں پہنی تھیں، کیونکہ معرکے سخت تھے اور جب ایک دیہاتی نے آپ ﷺ سے توکل کی حقیقت پوچھی تو آپ نے اسے یوں سمجھایا کہ ”اونٹ کو دامنی دے کر جنگل میں چرنے کے لئے چھوڑو پھر اللہ پر بھروسہ کرو“

ع برتوکل زانوئے اشتر بہ بند!

بہر حال ظاہری اسباب کا استعمال خدا پرستی کے خلاف نہیں، توکل یہ ہے کہ اسباب کو اسباب کے درجہ میں رکھا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ نتائج وثمرات اسباب کے تابع نہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔

دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کا فرق:

آیت پاک کو ایک بار پھر پڑھیے وہ ہمیں دنیا پرست اور خدا پرست کی ذہنیت کا فرق سمجھائے گی کہ دنیا پرست کی اپنی دنیا ہر جگہ مقدم رہتی ہے وہ جو قدم اٹھاتا ہے وہ اپنی دنیا سنوارنے کے لئے اٹھاتا ہے اور جب اس کا یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ پھول جاتا ہے اور اسی کو اپنی بڑی کامیابی خیال کرتا ہے ـــــ لیکن اللہ پر یقین رکھنے والا انسان ہر قدم اللہ کی رضا کے لئے اٹھاتا ہے اس پر خواہ مصائب نازل ہوں یا کامرانیوں کی بارش ہو وہ دونوں صورتوں کو اللہ پاک کی مرضی کا نتیجہ تصور کرتا ہے، نہ مصائب سے اس کا دل ٹوٹتا ہے نہ کامیابیوں پر اسے غرہ ہوتا ہے۔

چت بھی مؤمن کی اور پَٹ بھی!

منافقوں کو پہلی بات یہ بتلائی ہے کہ ہمارا معاملہ بنیادی طور پر تمہارے معاملہ سے مختلف ہے، تمہارے رنج وخوشی کے پیمانے اور ہیں اور ہمارے اور، تمہارا قبلہ توجہ تمہاری دنیا ہے اور ہمارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے ـــــ (اور دوسری بات) آپ (منافقوں سے یہ بھی) فرمادیں کہ تم ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے کسی ایک کے منتظر ہو ـــــ یعنی اگر ہم معرکہ میں کام آگئے تو شہادت اور جنت کی سدا بہار نعمتوں سے ہم کنار ہوں گے یا پھر فتح وظفر کا پھریرا لہراتے ہوئے اجر وغنیمت سے جھولی بھر کر واپس آجائیں گے ـــــ تم جس چیز کو ہمارے لئے مصیبت سمجھ کر خوش ہوتے ہو وہ ہمارے لئے مصیبت نہیں ہے بلکہ راحت وکامیابی ہی کی ایک صورت ہے۔ مؤمن ناکام ہو کر بھی کامیاب رہتا ہے اور بگڑنے میں بھی بنتا ہے

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی ❁ بگڑنے پہ بھی زلف اس کی بنا کی

مؤمن کی کامیابی اور ناکامی کا معیار یہ نہیں ہے کہ اس نے کوئی ملک فتح کیا یا نہیں؟ کوئی حکومت قائم کی یا نہیں؟ بلکہ اس کا معیار یہ ہے کہ اس نے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے جان ومال، دل ودماغ، جسم وجان کی بازی لگائی یا نہیں؟ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو وہ کامیاب ہے چاہے دنیا کے اعتبار سے اس کی محنت کا نتیجہ صفر ہی کیوں نہ رہا ہو!

اور منافقین کی دونوں حالتیں بری:

ارشاد فرماتے ہیں:ـــــ اور ہم تمہارے حق میں (دو برائیوں میں سے ایک کے) منتظر ہیں کہ (یا تو) اللہ پاک خود ہی تمہیں کوئی سزا دیں یا (پھر) ہمارے ہاتھوں سے دلوائیں ـــــ ان دو برائیوں میں سے ایک برائی ضرور تمہیں پہنچ کر

رہے گی یا تو تمہارے نفاق اور شرارتوں کی بدولت قدرتی عذاب تم پر مسلط ہوگا یا پھر ہمارے ہاتھوں سے قدرت تمہیں سخت سزا دلوائے گی جو تمہیں رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ چاک کردے گی —— اچھا تو اب تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں —— جلد ہی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ انجام پر نظر رکھنے والا اور دور اندیش کون تھا؟!

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

قُلْ	آپ فرمادیں:	مَنَعَهُمْ (۲)	روکا ان کو	اِلَّا	مگر
اَنْفِقُوْا	خرچ کرو تم	اَنْ تُقْبَلَ	کہ قبول کیا جائے ان سے	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
طَوْعًا	راضی خوشی	مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ	ان کا خرچ	كُسَالٰى (۳)	جی ہارے (ہیں)
اَوْ كَرْهًا (۱)	یا ناگواری سے	اِلَّآ	مگر	وَلَا يُنْفِقُوْنَ	اور نہیں خرچ کرتے وہ
لَّنْ يُّتَقَبَّلَ	ہرگز نہیں قبول کیا جائیگا	اَنَّهُمْ	اس بات نے کہ انھوں نے	اِلَّا	مگر
مِنْكُمْ	تم سے	كَفَرُوْا	انکار کیا	وَهُمْ	درانحالیکہ
اِنَّكُمْ	بلاشبہ تم	بِاللّٰهِ	اللہ کا	كٰرِهُوْنَ	وہ ناپسند کرنے والے
كُنْتُمْ	ہو	وَبِرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کا		(ہیں)
قَوْمًا فٰسِقِيْنَ	نافرمان لوگ	وَلَا يَاْتُوْنَ	اور نہیں آتے وہ	فَلَا تُعْجِبْكَ (۴)	پس آپ کو حیرت میں
وَمَا	اور نہیں	الصَّلٰوةَ	نماز کے لئے		نہ ڈالیں

(۱) مَصْدَرَانِ وقعا موقع الحال (روح) (۲) مَنَعَ متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول ''هُمْ'' ضمیر ہے اور دوسرا مفعول ''اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ'' پورا جملہ ہے اور فاعل جملہ'' اِلَّآ اَنَّهُمْ الخ'' ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے مَا مَنَعَهُمْ قُبُوْلَ نَفَقٰتِهِمْ اِلَّا كُفْرُهُمْ (۳) جمع کسلان، کسکاری وسکران وحیاری وحیران: سست، ہارے جی (۴) الاعجاب هو السرور بما يستحسن (مظہری)

اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	لِيُعَذِّبَهُمْ	کہ سزا دیں ان کو	وَتَزْهَقَ[1]	اور خلاصی پائیں
وَلَآ اَوْلَادُهُمْ	اور نہ ان کی اولاد	بِهَا	ان چیزوں سے	اَنْفُسُهُمْ	ان کی جانیں
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	فِي الْحَيٰوةِ	دنیا کی	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
يُرِيْدُ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں	الدُّنْيَا	زندگی میں	كٰفِرُوْنَ	کفر کرنے والے (ہوں)

منافقین کی مالی امداد قبول نہ کی جائے اور اس کی وجہ

پچھلی آیت میں منافقوں سے کہا گیا تھا کہ ''ہم تمہارے حق میں دو برائیوں کے منتظر ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ پاک بذات خود تمہیں سزا دیں اور دوسری یہ کہ اللہ پاک ہمارے ہاتھوں تمہیں سزا دلوائیں'' —— اب ان آیات میں پہلی بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے منافقوں کو جو نعمتوں سے نوازا ہے یہ بطور سزا ہے —— جد بن قیس اور اس کے ہم مشرب منافق نہ تو غزوۂ تبوک میں شرکت کر کے اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالنا چاہتے تھے نہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی نگاہوں میں اپنی وقعت کھونا چاہتے تھے اور نہ اپنے نفاق کو طشت از بام ہونے دینا چاہتے تھے اس لئے شرکت سے معذرت طلب کرتے وقت انھوں نے مالی امداد کی پیش کش کی تھی[2] اللہ پاک فرماتے ہیں —— آپ (ان منافقوں سے) فرما دیجئے کہ چاہے تم راضی خوشی خرچ کرو —— جیسا کہ تمہارا دعوی ہے —— یا ناگواری سے —— جیسا کہ واقعہ ہے —— تمہاری امداد ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ بلاشبہ تم نافرمان لوگ ہو —— اور ان کی امداد قبول کرنے میں مانع صرف یہ امر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کرتے ہیں —— اور کافر کا ہر عمل بے جان ہوتا ہے پھر قبول کیوں کر ہو؟! —— اللہ پاک نے اپنے بندوں پر عبودیت کے تین وظیفے مقرر کئے ہیں۔ ایک مالی، دوسرا بدنی، تیسرا قلبی، اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مالی وظیفہ ہے، نماز روزے بدنی عبادات ہیں اور ایمان دل کا وظیفہ ہے جو پہلے دو کے لئے بنیاد ہے اگر یہ نہیں ہے تو نہ کوئی مالی عبادت قبول ہے نہ بدنی —— ایمان ہی تمام چیزوں کی جڑ ہے اسی سے ہر عمل میں جان پڑتی ہے ایمان نہ ہو تو ہر عمل مردہ اور بے جان ہے۔

منافقین کی بدنی اور مالی عبادتوں کا حال:

اب ذرا منافقوں کی بدنی اور مالی عبادتوں کا حال دیکھئے: —— اور نہیں آتے نماز میں مگر ہارے جی! اور نہیں خرچ کرتے مگر با دل ناخواستہ! —— کیونکہ اللہ کو خوش کرنے کا جذبہ تو ان کے اعمال کے پیچھے کارفرما نہیں ہے نہ کسی قسم کے

(۱) اصل الزھوق: الخروج بصعوبة: مشکل سے جان وغیرہ کا نکلنا (روح) ازهقت نفسه: خرجت، وزهق الباطل: اضمحل وبابه فتح (۲) ابن عبد البر کا بیان ہے کہ جد بن قیس بعد میں نفاق سے تائب ہو گئے تھے۔ واللہ اعلم

ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ صرف نفاق چھپانے کے لئے نماز، زکوٰۃ کا دکھاوا کرتے ہیں اس لئے جیسی روح ویسا عمل!

عبادتوں میں نشاط اور تعمیل احکام کی رغبت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو، آنحضور ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر یقین ہو، آخرت پر ایمان ہو، ثواب کی امید ہو اور عذاب کا ڈر ہو اور منافقین کو چونکہ یہ دولتیں حاصل نہیں ہیں اس لئے وہ نمازیں بھی ہارے جی پڑھتے ہیں، غزوہ میں امداد بھی ناگواریٔ خاطر کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور یہ ان کی غلط بیانی ہے کہ ہم راضی خوشی امداد پیش کر رہے ہیں

منافقوں کے مال پر رال نہ ٹپکاؤ، یہ تو ان کے لئے عذاب ہے:

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:—— پس (اے مخاطب) اُن کے اموال و اولاد تجھے حیرت میں نہ ڈالیں —— تجھے اس پر حیرت و استعجاب نہ ہو کہ اللہ پاک نے کافروں اور منکروں کو دولتوں اور نعمتوں سے کیوں نوازا ہے؟! —— اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کو دنیا کی زندگی میں سزا دیں اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں (جسم خاکی سے) نکالیں —— یعنی یہ نعمتیں دنیا میں بھی ان کے حق میں بڑا عذاب ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کا بھی سبب ہیں۔

دنیا کی محبت منافقوں کے لئے دنیا ہی میں ایک طرح کا عذاب ہے، وہ اس کے حاصل کرنے میں کیسی کیسی مشقتیں جھیلتے ہیں؟! دنوں کا چین اور راتوں کی نیند اس کیلئے حرام کئے ہوئے ہیں۔ پھر دولت کی حفاظت اور اس کو بڑھانے کی فکر الگ عذاب ہے۔ اگر کاروبار میں نقصان ہو گیا تو غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اور آخر میں موت کے وقت بصد حسرت و یاس دولت کی جدائی کا تماشا دیکھتے ہیں، یہ سب عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟! —— منافق زندگی کے آخری لمحات تک اپنی دولت کے نشہ میں مدہوش رہتا ہے اسے سچے ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور اس طرح اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمتیں اس کے لئے جہنم کا راستہ ہموار کرتی ہیں!

منافق کی دو علامتیں ہیں:—— بادل ناخواستہ نماز پڑھنا اور ناگواری کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا!

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ	اور قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ پاک کی	إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ	(کہ) یقیناً وہ تم میں سے (ہیں)	وَمَا هُم	حالانکہ نہیں (ہیں) وہ

مِّنۡكُمۡ	تم میں سے	مَلۡجَاً (۲)	کوئی جائے پناہ	اِلَیۡهِ	اس کا
وَ لٰكِنَّهُمۡ	لیکن وہ	اَوۡ مَغٰرٰتٍ (۳)	یا غار	وَهُمۡ	درانحالیکہ وہ
قَوۡمٌ يَّفۡرَقُوۡنَ (۱)	ڈرپوک لوگ (ہیں)	اَوۡ مُدَّخَلًا (۴)	یا گھس بیٹھنے کی جگہ	يَجۡمَحُوۡنَ (۵)	رسیاں تڑا کر بھاگنے
لَوۡ يَجِدُوۡنَ	اگر پالیں وہ	لَّوَلَّوۡا	(تو) ضرور رخ کریں وہ		والے ہوں

منافقوں کو مسلمانوں کا خوف اللہ کے خوف سے بھی زیادہ ہے

منافقوں سے دوسری بات یہ کہی گئی تھی کہ ہم تمہارے حق میں اس بات کے بھی منتظر ہیں کہ اللہ پاک ہمارے ہاتھوں تمہیں سزا دلوائیں۔ اب اسی سزا کا ذکر ہے کہ منافقوں پر مسلمانوں کا خوف اللہ کے خوف سے بھی زیادہ مسلط ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے خطرات ہر وقت ان کے سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے انھیں سزا نہیں مل رہی تو پھر کیا ہے؟! یہ ان کی ابلہی ہے کہ وہ اسے سزا نہ سمجھیں۔ ارشاد فرماتے ہیں ــــ اور (تمہارا خوف ان پر ایسا سوار ہے کہ) وہ اللہ پاک کی قسمیں کھاتے ہیں (اور تمہیں یقین دلاتے ہیں) کہ "وہ یقیناً تم میں سے ہیں" (یعنی وہ دل سے ایمان لائے ہوئے ہیں اور تمہاری جماعت کے افراد ہیں) حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں (کافروں کی جماعت کے افراد ہیں) لیکن (جھوٹی قسمیں اس لئے کھا رہے ہیں کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں! ــــ کھل کر تمہاری مخالفت کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے ــــ اور وہ تم سے اس قدر دہشت زندہ ہیں کہ ــــ اگر وہ کوئی جائے پناہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی جگہ پالیں تو یہ (دو ٹانگوں کے جانور) رسیاں تڑا کر ضرور ادھر ہی کو بھاگ کھڑے ہوں! ــــ لیکن چونکہ ان کو سر چھپانے کے لئے نہ کہیں لومڑی کا بھٹ ملتا ہے نہ گوہ کا بل اس لئے مجبور ہو کر تمہارے ساتھ رہ رہے ہیں ــــ منافق زیادہ تر مالدار اور عمر رسیدہ لوگ تھے، مدینہ طیبہ میں ان کی بڑی بڑی جائدادیں اور کاروبار تھے جب یہاں ہر طرف اسلام کی روشنی پھیل گئی تو ان لوگوں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ایمان کا دعوی کرلیں تا کہ مسلمان ان کو اپنا سمجھیں اور وہ کفر کے نقصانات سے بچ جائیں ــــ ان پر ہمیشہ فکر سوار رہتا تھا کہ کہیں مسلمان ان کو پرایا نہ سمجھ لیں ورنہ پھر خیر نہیں اس لئے وہ مجبور تھے کہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کریں بادل ناخواستہ نمازیں پڑھیں جرمانہ سمجھتے ہوئے زکوٰۃ ادا کریں

(۱) اصل الفرق: انزعاج النفس بتوقع الضرر، فرق کے اصل معنی ہیں: ضرر کے اندیشہ سے گھبرانا (۲) مَفْعَلٌ من لجأ اليه يلجأ. اى مكانا يلجأون اليه (۳) جمع مَغَارَةٍ اسم للموضع الذى يغور فيه الانسان، أى: يغيب ويستتر یعنی: چھپنے کی جگہ، غار وغیرہ۔ (۴) مفتعل من الدخول، اصله مدتخل، فادغم بعد قلب تائه دالاً (۵) الجموح: النفور بإسراع، يقال: فرس جموح إذا لم يرده لجام.

کیونکہ ان میں اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ اپنی جائدادوں اور کاروبار سے دست بردار ہو کر کہیں اور جا بسیں یا کھل کر مخالفت کریں —— منافقوں کی یہ حالت مسلمانوں کے ہاتھ سے ملنے والی سزا نہیں تو اور کیا ہے؟

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۙ وَقَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾

ع ۱۴

وَ مِنۡهُمۡ	اوران میں سے کچھ	وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا	اور اگر نہیں دیئے جاتے وہ	وَ قَالُوۡا	اور کہتے
مَّنۡ	(ایسے ہیں) جو	مِنۡهَاۤ	اس میں سے	حَسۡبُنَا	(کہ) کافی ہے ہمارے لئے
يَّلۡمِزُكَ (۱)	آپ پر نکتہ چینی کرتے ہیں	اِذَا هُمۡ	(تو) اسی وقت وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ!
فِى الصَّدَقٰتِ	صدقات (کی تقسیم)	يَسۡخَطُوۡنَ	بگڑنے لگتے ہیں	سَيُؤۡتِيۡنَا	عنقریب دیگا ہم کو
	کے بارے میں	وَلَوۡ اَنَّهُمۡ	اور اگر وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فَاِنۡ	پس اگر	رَضُوۡا	راضی رہتے	مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے
اُعۡطُوۡا	دیئے جائیں وہ	مَاۤ اٰتٰٮهُمُ	اس پر جو دیا ان کو	وَرَسُوۡلُهٗۤ	اور اس کے رسول
مِنۡهَا	اس میں سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)	اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ	بیشک ہم اللہ سے
رَضُوۡا	(تو) خوش ہو جاتے ہیں	وَرَسُوۡلُهٗ	اور اسکے رسول (نے)	رٰغِبُوۡنَ	لَو لگانے والے ہیں

منافقین کی نکتہ چینی کہ نبی ﷺ مال کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے

ان آیات میں منافقوں کے ایک اور گروہ کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نکتہ چینی کیا کرتا تھا—— زکوٰۃ، صدقات، اور عشر حاجت مندوں کا حق ہے اور منافقین چونکہ عام طور پر دولت مند تھے اس لئے اُن کو اس میں سے کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ وہ اس سے دلوں میں گھٹتے تھے۔ بعض تو برملا اعتراض اور نکتہ چینی بھی کیا کرتے تھے ابوالجواظ ایک منافق تھا جو لوگوں میں کہتا پھرتا تھا:

(۱) المشهور أن اللَّمز مطلق العيب كالهمز (روح) بابُهٗ نصر وضرب.

اَلَاتَرَوْنَ اِلٰی صَاحِبِکُمْ! اِنَّمَا یَقْسِمُ صَدَقَاتِکُمْ فِیْ رُعَاۃِ الْغَنَمِ، وَیَزْعَمُ اَنَّہٗ یَعْدِلُ!(روح)	دیکھو تو سہی تمہارے ''صاحب'' کیا کر رہے ہیں! صرف چرواہوں کو تمہاری خیراتیں بانٹ رہے ہیں اور اپنے آپ کو ''انصاف کرنے والا'' بھی بتلاتے ہیں؟!

ظاہر ہے کہ خیراتوں کے حقدار عموماً چرواہے ہی ہوتے ہیں، دولت مندوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا اور حق حقدار کو پہنچا دینا ہی انصاف ہے پھر یہ تقسیم انصاف کے خلاف کہاں ہوئی؟!—— آنحضور ﷺ نے تو صاف اعلان فرما دیا تھا کہ ''اُس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نہ تو کسی کو اپنے اختیار سے دیتا ہوں، نہ روکتا ہوں، میں صرف خزانچی ہوں'' اس لئے اصول وضوابط کا پابند ہوں، من مانی نہیں کر سکتا —— آپ ﷺ کے لئے اور آپ کے اقرباء کے لئے خیرات کے پیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیئے ہیں۔ پھر ایسی ہستی سے ناانصافی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟!—— دراصل انھیں شکایت اس لئے تھی کہ اس میں سے ان کو حسب خواہش نہیں دیا جاتا تھا وہ حقیقی شکایت کو چھپا کر الزام یہ رکھتے تھے کہ مال کی تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا، جانب داری سے کام لیا جاتا ہے!—— یہیں سے منافقوں کے اس دعوے کی حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے، جس کا تذکرہ پچھلی آیات میں آیا ہے کہ ''وہ مالی امداد راضی خوشی پیش کر رہے ہیں'' —— بھلا جن کے دلوں میں ایمان نہ ہو، جنھیں چمڑی سے زیادہ دمڑی پیاری ہو، جو مال کے اس قدر حریص ہوں کہ صدقات وخیرات میں سے بھی بیش از بیش لینے کے خواہش مند رہتے ہوں وہ اللہ کی راہ میں راضی خوشی کیا خرچ کریں گے؟!—— ارشاد فرماتے ہیں —— اور منافقین میں سے بعضے صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ (ﷺ) پر نکتہ چینی کرتے ہیں —— کہ تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا جاتا، جانب داری برتی جاتی ہے —— لیکن یہ اعتراضات اس وقت تک ہوتے ہیں جب تک کہ اُن کو اُن کی خواہش کے مطابق صدقات میں سے حصہ نہیں دیا جاتا، اگر انھیں خوب جی بھر کر حسب خواہش دے دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور کچھ اعتراض باقی نہیں رہتا ارشاد فرماتے ہیں —— پس اگر اس (خیرات) میں سے انھیں کچھ دے دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں —— اور آپ ﷺ ان کی نگاہوں میں ''انصاف پسند'' ہوجاتے ہیں —— اور اگر اس میں سے انھیں کچھ نہ دیا جائے تو اسی وقت وہ بگڑنے لگتے ہیں —— اور تقسیم کو غیر منصفانہ بتلانے لگتے ہیں —— اور (ان کے حق میں کیا ہی اچھا ہوتا) اگر وہ اُتنے پر راضی رہتے جو اللہ پاک نے اور رسول اللہ (ﷺ) نے انہیں دیا ہے —— اللہ پاک نے آمدنی کے جو ذرائع انہیں بخشے ہیں جس سے وہ کماتے اور کھاتے پیتے ہیں اور خوش حال زندگی بسر کرتے ہیں اسے اپنے لئے کافی سمجھتے اور رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے جو حصہ انھیں دیا ہے اور غیر مستطیع منافقوں کو خیرات میں سے جتنا دیا ہے اسی پر قانع رہتے —— اور

کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے! —— وہی ہمارا مطلوب ومقصود ہے —— آئندہ اللہ پاک اپنے فضل سے ہمیں (اور بھی) دیں گے اور اس کے رسول (ﷺ) بھی (عنایت فرمائیں گے) بیشک ہم اللہ پاک ہی سے لولگائے ہوئے ہیں! —— وہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بہت کچھ مرحمت فرمائے گا تو ان کے حق میں کتنی اچھی بات ہوتی!

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ	خیراتیں تو بس	قُلُوْبُهُمْ	کی دلجوئی مقصود ہے	وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور راہ گیروں کیلئے ہیں
لِلْفُقَرَآءِ (۱)	افلاس زدہ لوگوں کیلئے	وَفِي الرِّقَابِ (۲)	اور بردوں کو (چھڑانے)	فَرِيْضَةً (۳)	طے شدہ امر ہے
وَالْمَسٰكِيْنِ	اور محتاجوں کے لئے		میں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی طرف سے
وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا	اور اس کی وصولی کا کام کرنے والوں کے لئے	وَالْغٰرِمِيْنَ	اور قرض داروں کیلئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
		وَفِيْ سَبِيْلِ	اور راستے میں	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
وَالْمُؤَلَّفَةِ	اور ان لوگوں کیلئے جن	اللّٰهِ	اللہ کے	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں

زکات وصدقاتِ واجبہ کے آٹھ مصارف

ربط: آپ نے نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ابھی پڑھا ہے کہ ”صدقات کے مال میں میری حیثیت صرف خزانچی کی ہے“ یعنی نبی پاک ﷺ صدقات کے مال میں خود مختار نہیں ہیں کہ جس طرح چاہیں خرچ کریں، بلکہ آپ ﷺ بھی ان اصول وضوابط کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں —— حضرت زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ خیرات کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمائیے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: ”اللہ پاک نے صدقات کی تقسیم نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑی ہے نہ غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی اس کے صَرف کے لئے آٹھ مصارف متعین فرما دیئے ہیں، اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم

(۱) أي حق لهم أو مخصوصةٌ لهم (۲) أي وللصرف في فك الرقاب (أبو السعود) (۳) منصوب بفعله المقدر، أي: فرض الله مصارفها فريضة.

میں آتے ہوتو میں اس میں سے میں تم کو دے سکتا ہوں (ورنہ نہیں) (ابوداؤد)

اب آیت پاک میں مذکور آٹھ مصارف کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں جو خیراتوں کے خرچ کرنے کی جگہیں ہیں اور جس کی پابندی سب پر لازم ہے پھر فیصلہ فرمائیں کہ رسول اللہ ﷺ پر صدقات کی تقسیم کے بارے میں منافقوں کی نکتہ چینی کس ضمیر کا پتہ دیتی ہے؟ — ارشاد فرماتے ہیں — خیراتوں کے حقدار تو صرف افلاس زدہ اور حاجت مند ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اس کی تحصیل پر مامور ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کی دلجوئی مقصود ہے اور (اسے صرف کیا جائے) گردنوں (کو چھڑانے) میں اور قرض داروں (کی مدد) میں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں، اور راہ گیروں (کی اعانت) میں — یہ طے شدہ امر ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے — جس کے رسول اللہ ﷺ بھی پابند ہیں — اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں — انھوں نے اپنے علم وحکمت کی بناء پر خیراتیں انھیں آٹھ قسم کے لوگوں کے لئے مخصوص فرمادی ہیں اس لئے وہی اس کے حق دار ہیں۔

مصارفِ زکات کی تفصیل:

آیت پاک کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ذیل میں مصارف زکوٰۃ کی مختصر تفصیل پیش کی جاتی ہے مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں یا علماء سے دریافت کئے جائیں۔

فقراء — مفلس لوگ — فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ إِلٰى فُقَرَاءِ هِمْ: زکوٰۃ ان کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء کو دیدی جائے گی۔

پس وہ تمام غریب لوگ اس مصرف میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں۔

مساکین — وہ حاجت مند ہیں جن کے پاس ضروریات پورا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین — وہ سرکاری عملہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات کے کاموں پر مامور ہے۔ یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں تب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ مال زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلّفة القلوب — وہ لوگ ہیں جن کی تالیف قلب اور دلجوئی اہم دینی وملی مصالح کے لئے ضروری ہو، اگر وہ دولت مند بھی ہوں تب بھی زکوٰۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

رقاب ـــــ مسلمان قیدیوں کی رہائی میں اور غلام باندیوں کی آزادی اور گلو خلاصی میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

غارمین ـــــ جن لوگوں پر اصلاح ذَاتُ البین (قومی نزاعات کے تصفیہ) کے سلسلہ میں کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت نہ ہو یا جو مقروض ہوں اور قرض کی ادائیگی کی ان کے پاس کوئی صورت نہ ہو تو ان کی بھی زکوٰۃ کے مال سے مدد کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ ـــــ دین کی نصرت وحفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات میں بھی اس مد سے خرچ کیا جاسکتا ہے۔

ابن السبیل ـــــ جس مسافر کو راہ میں مدد کی ضرورت پیش آجائے اسکی بھی اس مد سے اعانت کی جاسکتی ہے۔

صدقات میں نیکی کے تین پہلو:

مصارف کی وضاحت کے بعد جاننا چاہئے کہ صدقات میں نیکی کے تین پہلو ہیں:

اول: یہ کہ صدقات عبادت ہیں "عبادات" بندے کے ان اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم اور قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی تذلل اور نیاز مندی کا مظاہرہ جسم وجان اور زبان سے کیا جاتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت اور قرب حاصل ہو اُسی طرح زکوٰۃ وصدقات کی صورت میں اپنی مالی نذر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی غرض سے پیش کی جاتی ہے کہ اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل ہو صدقات کے ذریعہ مؤمن بندہ اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا اپنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے جسے وہ اسی کے حکموں پر قربان کرتا ہے ـــــ اسی وجہ سے جس طرح نماز خشوع وخضوع اور حضور قلب سے قیمتی بن جاتی ہے۔ زکوٰۃ وصدقات بھی اخلاص وانابت سے (مُضاعف: دوچند) ہو جاتے ہیں ـــــ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے "صدقہ" رکھا گیا ہے کہ مؤمن بندہ اپنے فعل سے اس دعوی کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ میرے مال خرچ کرنے کی کوئی دنیوی غرض نہیں ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہے۔

دوسرا پہلو: یہ ہے کہ صدقات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ضرورت منداور پریشان حال بندوں کی خدمت واعانت ہوتی رہتی ہے اور دولت کے ایک جگہ سمٹ جانے سے اقتصادی اعتبار سے طبقاتی تقسیم (سرمایہ دار اور افلاس زدہ) رونما نہیں ہونے پاتی۔

تیسرا پہلو: یہ ہے کہ دولت پرستی کا علاج بھی اس سے ہوتا رہتا ہے جو ایک ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ وصدقات سے اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس پاک ہو جاتا ہے ـــــ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی

پہلو سے ''زکوٰۃ'' رکھا گیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے اصلی معنیٰ ''پاکیزگی'' کے ہیں۔

زکات کا حکم سبھی انبیاء کی شریعتوں میں تھا

زکوٰۃ وصدقات کی اس غیر معمولی اہمیت وافادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ رہا ہے اسلام میں شروع ہی سے زکوٰۃ وصدقات کی فرضیت نازل ہو چکی تھی۔ سورۂ مزمل جو بالکل ابتدائی سورتوں میں سے ہے اس میں نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے البتہ اس وقت کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی بلکہ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے جو کچھ بچ رہتا وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم تھا۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ۚ قُلِ الْعَفْوَ ﴾: (سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹) ترجمہ: اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا مال خرچ کیا کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو تمہاری ضروریات سے زائد ہو!

یہ آیت پاک آج بھی کلام اللہ میں موجود ہے منسوخ نہیں ہوئی پس اگر کسی جگہ مسلمان کسی وجہ سے ناگفتہ بہ حالت سے دوچار ہو جائیں تو مالدار مسلمان صرف فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے پر اکتفانہ کریں بلکہ اپنی ضرورت سے جس قدر بچ رہے وہ سب اپنے بھائیوں کی حالت سدھارنے پر خرچ کریں۔

زکات کا حکم شروع اسلام سے ہے اور اس کی تفصیلات سنہ ۲ ہجری میں نازل ہوئیں اور اس کی وصولیابی اور تقسیم کا نظام فتح مکہ کے بعد بنا:

ہجرت کے بعد زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کا تعین ہو گیا تھا لیکن اس کی وصول یابی کا نظام اب تک عمل میں نہیں آیا تھا بلکہ مسلمان خود اپنے طور پر زکوٰۃ وصدقات ادا کیا کرتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ اگر اسلامی حکومت نہ ہو یا اُس نے زکوٰۃ کی وصول یابی کا کوئی باقاعدہ نظام نہ بنایا ہو تو اس صورت میں بھی مالداروں پر لازم ہے کہ اپنے طور پر صحیح مصارف میں زکوٰۃ خرچ کریں۔

فتح مکہ کے بعد وصولیابی کا محکم نظام عمل میں آیا اور ہر قسم کے اموال کی زکوٰۃ حکومت وصول کر کے ان کے مواقع میں خرچ کرنے لگی اس سے معلوم ہوا کہ جب اسلامی حکومت قائم ہو جائے تو اس کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصولیابی کرے اور اس کی تقسیم کا صحیح نظام بنائے۔

توانا تندرست کو زکات کا خواہش مند نہیں رہنا چاہئے:

رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں تو منافق ہی خیراتوں کے خواہش مند رہتے تھے لیکن ہمارے زمانہ میں مسلمان

بھی زکوٰۃ وصدقات کے خواش مند رہتے ہیں۔انھیں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن لینا چاہئے کہ ''مالداروں کے لئے اور توانا تندرست کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے''(۱)

حجۃ الوداع کے موقعہ پر دو آدمی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے آپ ﷺ اُس وقت صدقات تقسیم فرمارہے تھے ان دونوں نے اس میں سے کچھ مانگا، آپ نے نظر اٹھا کر ان کو اوپر سے نیچے تک دیکھا، آپ ﷺ نے انھیں توانا تندرست پایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دوں مگر (یہ سمجھ لو کہ) ان اموال میں نہ مالداروں کا حصہ ہے نہ ایسے تندرست وتوانا لوگوں کا حصہ ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہیں (۲)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جو آدمی توانا وتندرست ہے اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہے اس کو زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مفلس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے کچھ مانگا، آپ نے اس سے پوچھا کہ: ''کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ بس ایک کمبل ہے جس میں سے کچھ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ'' جب وہ دونوں چیزیں آگئیں تو آپ نے ان دونوں کو نیلام کیا جو دو درہم میں فروخت ہوئیں۔آپ نے وہ دو درہم ان انصاری صحابی کے حوالہ کئے اور فرمایا کہ ایک درہم کا کھانے پینے کا سامان خرید کر گھر ڈال آؤ اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ —— آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا اور فرمایا: ''جاؤ جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو اور پندرہ دن تک مجھے نظر نہ آنا'' (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرتے رہو اور میرے پاس آنے کی کوشش نہ کرنا) —— وہ صاحب چلے گئے اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچتے رہے جب پندرہ دن کے بعد خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے کاروبار سے دس درہم کما لئے تھے جن میں سے کچھ کا انھوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ —— رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''اپنی محنت سے تمہارا یہ کمانا اس سے بہت بہتر ہے کہ کل قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ اپنے چہرے پر لے کر اٹھو'' (ابوداؤد)

افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرز عمل تھا اُس کی امت میں آج پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک بڑا طبقہ موجود ہے اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں، یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

(۱) رواه الترمذی وابوداود والدارمی عن عبد الله بن عمروٍ. (۲) رواه ابو داود والنسائی عن عبید الله بن عدی بن الخیار.

رائج حیلۂ تملیک ایک ڈھونگ ہے:

اولاً: لوگوں میں جو حیلۂ تملیک رائج ہے وہ اولاً تو ایک ڈھونگ ہے۔ اس سے کوئی حلّت پیدا نہیں ہوتی۔ حیلہ میں بھی جب تک واقعی تملیک نہ ہو حیلہ ہی نہیں۔ اور مروّجہ حیلہ میں واقعی تملیک نہیں ہوتی۔

ثانیاً: حیلہ سے دیانات میں حلّتِ واقعی پیدا نہیں ہوتی، صرف دنیوی احکام میں حلت پیدا ہوتی ہے، پس آخرت کے احکام میں باز پرس بدستور باقی رہے گی۔

ثالثاً: غور کا مقام ہے کہ جس امر کا اللہ کے رسول کو اختیار نہیں ہے، اس کا اختیار قوم کے ذمہ داروں کو اور مدارس کے مہتمم صاحبان کو کہاں سے ہو گیا؟

غرض یہ حیلۂ مروّجہ اللہ کے مال کو خرد برد کرنا ہے اس سے احتراز ضروری ہے ورنہ حیلہ باز آخرت میں اس کا ذمہ دار ہوگا۔

وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِىَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤۡمِنُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝

وَمِنۡهُمۡ	اور بعضے (منافق)	اُذُنُ (۱)	(کہ) وہ (کان کا) کچا ہے	اٰمَنُوۡا	ایمان لائے ہیں
الَّذِيۡنَ	(ایسے ہیں) جو	خَيۡرٍ لَّكُمۡ	تمہارے بھلے کے لئے	مِنۡكُمۡ	تم میں سے
يُؤۡذُوۡنَ	ایذاء پہنچاتے ہیں	يُؤۡمِنُ	وہ یقین رکھتا ہے	وَالَّذِيۡنَ	اور جو لوگ
النَّبِىَّ	نبی (ﷺ) کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	يُؤۡذُوۡنَ	ایذاء پہنچاتے ہیں
وَيَقُوۡلُوۡنَ	اور کہتے ہیں	وَيُؤۡمِنُ	اور یقین رکھتا ہے	رَسُوۡلَ اللّٰهِ	رسول اللہ (ﷺ) کو
هُوَ	(کہ) وہ	لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ	مسلمانوں کی (بات) پر	لَهُمۡ	ان کے لئے
اُذُنٌ	کان (کا کچا) ہے	وَرَحۡمَةٌ (۲)	اور (وہ) مہربانی (ہے)	عَذَابٌ	دردناک سزا (ہے)
قُلۡ	آپ جواب دیجئے	لِّلَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے لئے جو	اَلِيۡمٌ	

(۱) من قبيل اضافة الموصوف الى الصفة للمبالغة، نحو: رجل صدق ويجوز ان تكون الاضافة على معنى" في" (روح مخلصًا)(۲)عطف على اُذُنُ خَيۡرٍ اى: وهو رحمة للذين آمنوا منكم لا للمنافقين، المؤذين له عليه السلام.

بدگوئیاں کرنے والے منافقین

پچھلی آیات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ناعاقبت اندیش منافق صدقات کی تقسیم کے بارے میں نکتہ چینی کر کے رسول اللہ ﷺ کو کس طرح ایذائیں پہنچاتے تھے؟ اب ان کے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو مختلف طرح کی بدگوئیاں کر کے آپ ﷺ کو اذیت پہنچاتا رہتا تھا۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور بعضے منافقین (بدگوئیاں کر کے) نبی پاک (ﷺ) کو دکھ دیتے ہیں اور وہ (آپ ﷺ کی شان مبارک میں) کہتے ہیں کہ وہ کان کا کچا ہے —— ہر بات کان دے کر سن لیتا ہے، بھولا بھالا اور سادہ لوح ہے، اس لئے جھوٹ بول کر اسے دھوکہ دے دینا آسان ہے۔ اگر ہماری بدگوئیاں اُسے پہنچ بھی گئیں تب بھی کوئی پرواہ نہیں ہم اس کے سامنے جھوٹی باتیں بنا کر صفائی کرلیں گے، کیونکہ اسے باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔

بات درحقیقت یہ تھی کہ آپ ﷺ حیاء اور کریم النفسی کی وجہ سے جھوٹے کو بھی منہ پر جھوٹا نہیں کہتے تھے۔ بلند اخلاق کی وجہ سے چشم پوشی فرماتے تھے جس کی وجہ سے یہ بے وقوف خیال کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے معاملہ کی حقیقت سمجھی ہی نہیں۔

منافقوں کی بدگوئی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کانوں کے کچے ہیں ہر شخص کی بات سن لیتے ہیں جس کا جی چاہتا ہے آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے جس طرح چاہتا ہے آپ کے کان بھرتا ہے اور آپ اس کی بات مان لیتے ہیں —— یہ بات انھوں نے اس لئے کہی تھی کہ سچے مسلمان منافقوں کی سازشوں، شرارتوں اور مخالفانہ گفتگوؤں سے نبی پاک ﷺ کو مطلع کردیا کرتے تھے جس پر یہ منافق سیخ پا ہو کر کہتے تھے کہ آپ کانوں کے کچے ہیں، ہم جیسے شرفاء و معززین کے خلاف ہر بے حیثیت اور فقیر کی دی ہوئی خبروں پر یقین کرلیتے ہیں اللہ پاک فرماتے ہیں —— آپؐ جواب دیجئے کہ وہ تمہارے بھلے کے لئے کان کے کچے ہیں —— وہ امت کی بہتری اور دین کی مصلحت کی باتیں سن لیتے ہیں فساد اور شر کی باتیں نہیں سنتے بلکہ صرف انہی باتوں پر توجہ دیتے ہیں جن میں تمہارے لئے خیر اور بھلائی کا پہلو ہوتا ہے۔ تمہاری جھوٹی باتوں پر آپ ﷺ کی خاموشی اس لئے نہیں ہوتی کہ انھیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے اور تمہارے سچ جھوٹ کو وہ سمجھ نہیں سکتے بلکہ وہ اپنی خوش خلقی اور کریم النفسی کی وجہ سے تمہاری باتوں کو ٹال جاتے ہیں منہ پر تمہاری تردید نہیں کرتے —— نبی پاک ﷺ کا ایسا ہونا تمہارے حق میں بہتر ہے اگر وہ ہر ایک کی سن لینے والے اور ضبط و تحمل سے کام لینے والے اور درگزر کرنے والے نہ ہوتے تو پہلے تمہاری ہی خبر لے ڈالتے اور تمہارے لئے جینا اور مدینہ میں ٹھہرنا دشوار ہوجاتا، پس ان کی یہ صفت تو تمہارے حق میں اچھی ہے نہ کہ بری —— اور جو باتیں تمہارے خلاف اُن تک پہنچتی ہیں ان سب کو وہ صحیح نہیں

مان لیتے بلکہ —— وہ اللہ تعالیٰ (کی باتوں) پر یقین رکھتے ہیں —— جو وحی کے ذریعہ ان تک پہنچتی ہیں —— اور مسلمانوں (کی باتوں) پر یقین رکھتے ہیں —— تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہر ایک کی بات پر یقین کر لیتے ہیں۔ وہ سنتے سب کی ہیں مگر یقین صرف اللہ تعالیٰ کی باتوں پر اور سچے مسلمانوں کی دی ہوئی خبروں پر کرتے ہیں —— یہاں تک ان کی بدگوئی کا جواب تھا۔ آگے رسول اللہ ﷺ کو دکھ دینے کا وبال اور آپؐ پر سچا ایمان رکھنے کا فائدہ ذکر فرماتے ہیں —— اور وہ (سراپا) رحمت ہیں تم میں سے (سچے) ایمان والوں کے لئے —— ﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (ایمان لانے والوں کے لئے شفیق ورحیم ہیں) —— اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول (ﷺ) کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک سزا ہے —— پس چاہئے کہ وہ اس کے منتظر رہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً ۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

ع

يَحْلِفُوْنَ	وہ قسمیں کھاتے ہیں	وَرَسُوْلُهٗٓ	اور اس کے رسول	اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا	کیا انہیں معلوم نہیں
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اَحَقُّ	زیادہ حق دار ہیں	اَنَّهٗ[2]	کہ
لَكُمْ	تمہارے سامنے	اَنْ يُّرْضُوْهُ[1]	کہ راضی کریں اس کو	مَنْ يُّحَادِدِ[3]	جو شخص مخالفت کرتا ہے
لِيُرْضُوْكُمْ	تاکہ تمہیں راضی کریں	اِنْ كَانُوْا	اگر ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کی
وَاللّٰهُ	حالانکہ اللہ تعالیٰ	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان والے	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول (کی)

(۱) أَنْ مصدرية أى: أحق بالارضاء (أبو السعود) (۲) أى: الشأن و"مَنْ" شرطية (۳) قال الليث: حاددته أى: خالفته، واشتقاقه من الحد ومعنى حاد فلان فلانا أى صار فى حدٍ غير حده (كبير)

فَاَنَّ (۱)	تو بے شک	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں ہیں	وَاٰيٰتِهٖ	اور اسکی آیتوں (کیساتھ)
لَهٗ	اس کے لئے	قُلِ	آپ فرمادیں	وَرَسُوْلِهٖ	اور اسکے رسول (کیساتھ)
نَارَ جَهَنَّمَ	دوزخ کی آگ ہے	اسْتَهْزِءُوْا	(کہ) تم مذاق اڑاتے جاؤ	كُنْتُمْ	تھے تم
خَالِدًا	ہمیشہ رہنے والا ہے وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	تَسْتَهْزِءُوْنَ	دل لگی کررہے
فِيْهَا	اس میں	مُخْرِجٌ	کھولنے والے ہیں	لَا تَعْتَذِرُوْا	بہانے نہ بناؤ
ذٰلِكَ	یہ	مَّا تَحْذَرُوْنَ	وہ بھید جن کے کھل جانے	قَدْ كَفَرْتُمْ	یقیناً تم نے کفر کیا ہے
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ	بہت بڑی رسوائی ہے		سے تم ڈر رہے ہو	بَعْدَ	بعد
يَحْذَرُ	ڈر رہے ہیں	وَلَئِنْ	اور اگر	اِيْمَانِكُمْ	ایمان کے
الْمُنٰفِقُوْنَ	منافق	سَاَلْتَهُمْ	آپ ان سے پوچھیں	اِنْ نَّعْفُ	اگر ہم درگذر کریں
اَنْ (۲)	(اس بات سے) کہ	لَيَقُوْلُنَّ	تو جھٹ سے کہہ دیں گے	عَنْ طَآئِفَةٍ	ایک گروہ سے
تُنَزَّلَ	نازل کردیا جائے	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	مِّنْكُمْ	تمہارے
عَلَيْهِمْ	مسلمانوں پر	كُنَّا نَخُوْضُ (۳)	مذاق کررہے تھے ہم	نُعَذِّبْ	(تو) سزادیں گے
سُوْرَةٌ	قرآن کا کوئی حصہ	وَنَلْعَبُ	اور دل لگی کررہے تھے	طَآئِفَةً	دوسرے گروہ کو
تُنَبِّئُهُمْ	(جو) اطلاع دے ان کو	قُلْ	آپ کہیں	بِاَنَّهُمْ كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
بِمَا	ان باتوں کی جو	اَبِاللّٰهِ	کیا اللہ کے ساتھ	مُجْرِمِيْنَ	جرم پیشہ

منافقین نبی اور مسلمانوں کی بدگوئیاں کرتے پھر قسمیں کھا کر اپنی پوزیشن صاف کرتے

منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی بدگوئیاں کرتے تھے سچے مسلمانوں پر آوازے کستے تھے دین کی باتوں کا مذاق اڑاتے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ان کی باتوں کی اطلاع ہوجاتی تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کرتے ارشاد فرماتے ہیں —— منافقین تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کریں حالانکہ اگر یہ لوگ ایمان والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ انھیں راضی کرتے —— ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹی قسموں سے راضی ہونے والے نہیں بلکہ

(۱) جواب الشرط على ان خبره محذوف اى، فحق ان له نار جهنم (روح) (۲) أى من ان تنزل (روح) (۳) اصل الخوض الدخول فى مائع مثل الماء والطين ثم كثر حتى صار اسما لكل دخول فيه تلويث واذاء (روح)

اس سے تو وہ اور زیادہ ناراض ہوتے ہیں انھیں راضی کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ لوگ نفاق سے توبہ کریں، سچے مؤمن بنیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں، رسول اللہ ﷺ کی متابعت کریں اور خلوت وجلوت میں آپ کی شان مبارک میں گستاخیاں نہ کریں —— اور جب وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلیتے تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمان خود بخود خوش ہوجاتے، ان کے لئے قسمیں کھا کر صفائی کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی —— کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتا ہے اس کے حق میں طے ہوچکا ہے کہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟! —— بارہا انھیں یہ بات بتلائی جاچکی ہے کیا اب تک ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی؟! —— یہ (انجام) بہت بڑی رسوائی ہے —— لہٰذا اس سے بچنے کی فکر کرو، سچا ایمان لاؤ، اور نفاق سے توبہ کرو۔

منافقین کی بدگوئیاں:

غزوۂ تبوک میں جاتے ہوئے راستہ میں منافقین نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے طرح طرح کی باتیں کرکے لوگوں کی ہمتیں پست کرتے تھے روایات میں ان لوگوں کے بہت سے بیہودہ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ چند منافق بیٹھے گپ لڑا رہے تھے۔ ایک نے کہا: ''اجی کیا رومیوں کو بھی تم نے کچھ عربوں کی طرح سمجھ رکھا ہے؟ کل دیکھ لینا یہ سب سورما جو رومیوں سے لڑنے نکلے ہیں رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے!'' دوسرا بولا: ''مزہ تو جب ہے جب اوپر سے سو سو کوڑے لگانے کا بھی حکم ہوجائے!'' (ابن کثیر) کوئی کہتا کہ: ''آپ کو دیکھئے، آپ روم وشام کے قلعے فتح کرنے چلے ہیں'' کوئی صحابہ کی شان میں کہتا کہ ''ہمارے قراء (صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو، جھوٹے اور نامردے روم کی باقاعدہ فوجوں سے کیا جنگ کریں گے!'' —— اس قسم کی باتیں کرکے وہ مسلمانوں کو رومیوں سے مرعوب اور ہیبت زدہ بنانے کی کوشش کرتے تھے اور جب نبی پاک ﷺ کو ان کی باتوں کی اطلاع ہوجاتی اور آپ انھیں بلا کر باز پرس کرتے تو کہنے لگتے کہ حضرت! ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑے رکھتے ہیں؟ ہم تو محض خوش وقتی اور دل لگی کے طور پر اس قسم کی باتیں کر رہے تھے تاکہ سفر آسانی سے کٹ جائے! اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— منافق اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر قرآن کا کوئی ایسا حصہ نازل نہ کردیا جائے جو مسلمانوں کو ان کے مافی الضمیر کی اطلاع دیدے آپ (ان سے) فرمادیں کہ تم مذاق اڑائے جاؤ! اللہ تعالیٰ یقیناً وہ بھید کھول دینے والے ہیں جن کے کھل جانے سے تم ڈر رہے ہو

چنانچہ اس سورت میں ان کے تمام ناپاک ارادوں اور سازشوں کی قلعی کھول دی گئی اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام فَاضِحَۃٌ (رسوا کرنے والی) اور حَافِرَۃ (کریدنے والی) بھی ہے —— اور اگر آپ ان سے باز پرس کریں تو وہ جھٹ سے کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی مذاق اور دل لگی کررہے تھے! آپ (ان سے) پوچھیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں

اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ تم دل لگی کر رہے تھے؟!۔۔۔۔ یعنی دل لگی اور خوش وقتی کے لئے صرف یہی موضوع رہ گیا تھا؟ آپ ان سے فرمادیں کہ۔۔۔۔ اب تم عذر (لنگ) نہ کرو یقیناً تم نے کفر (ظاہر) کیا ہے ایمان (ظاہر کرنے) کے بعد (اس لئے) اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے درگزر بھی کرلیں تو ایک جماعت کو ضرور سزا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے۔۔۔۔ روایات میں آیا ہے کہ ان منافقوں میں سے بعض نے سچے دل سے توبہ کرلی، جن میں مخشی بن حمیر رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ہوتا ہے جنھوں نے جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش فرمایا ہے۔ اللہ پاک نے ایسے حضرات کو تو معاف فرمادیا لیکن جو لوگ اپنے نفاق پر اڑے رہے ان کو ضرور سزا دیں گے ان آیتوں سے یہ واضح ہوا کہ دین کی کسی بات کے ساتھ دل لگی اور مذاق کرنا کفر ہے، چاہے مذاق میں جو کہا ہے اس کو سچ نہ سمجھتا ہو۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ	منافق مرد اور منافق عورتیں	بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (۱)	ان کے بعض بعض سے ہیں	يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ	حکم دیتے ہیں وہ برائی کا

(۱) "من" اتصالية، كما يقول الانسان: انت مني وانا منک ای: أمرنا واحد لامباينة فيه (روح وکبیر)

وَ يَنْهَوْنَ	اور روکتے ہیں	حَسْبُهُمْ	کافی ہے ان کے لئے	بِخَلَاقِهِمْ (۳)	اپنے حصہ سے
عَنِ الْمَعْرُوْفِ	بھلائی سے	وَ لَعَنَهُمُ	اور ان پر پھٹکار ہے	فَاسْتَمْتَعْتُمْ	سو تم نے بھی فائدہ
وَيَقْبِضُوْنَ	اور سکیڑ لیتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (کی)		حاصل کیا
اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	بِخَلَاقِكُمْ	اپنے حصہ سے
نَسُوا اللّٰهَ	بھول بیٹھے وہ اللہ کو	عَذَابٌ	سزا (ہے)	كَمَا (۴)	جیسا کہ
فَنَسِيَهُمْ	پس بھلا دیا اللہ نے ان کو	مُّقِيْمٌ	برقرار رہنے والی	اسْتَمْتَعَ	فائدہ حاصل کیا
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	یقیناً یہ منافق	كَالَّذِيْنَ (۱)	(تمہارا انجام) ان	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو
هُمُ	ہی		لوگوں جیسا ہوگا جو	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے (ہو چکے)
الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے (ہو چکے)	بِخَلَاقِهِمْ	اپنے حصہ سے
	والے ہیں	كَانُوْٓا	تھے وہ	وَخُضْتُمْ	اور تم بری باتوں میں گھسے
وَعَدَ اللّٰهُ	وعدہ فرمایا ہے اللہ نے	اَشَدَّ	زیادہ	كَالَّذِيْ (۵)	جیسے وہ لوگ
الْمُنٰفِقِيْنَ	منافق مردوں	مِنْكُمْ	تم سے	خَاضُوْا	گھسے تھے
وَ الْمُنٰفِقٰتِ	اور منافق عورتوں	قُوَّةً	زور میں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ
وَ الْكُفَّارَ	اور کفر کرنیوالوں (سے)	وَّ اَكْثَرَ	اور بڑھ کر	حَبِطَتْ	ضائع ہوئے
نَارَ جَهَنَّمَ	دوزخ کی آگ (کا)	اَمْوَالًا	دولت میں	اَعْمَالُهُمْ	ان کے اعمال
خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں وہ	وَّ اَوْلَادًا	اور اولاد (میں)	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
فِيْهَا	اس میں	فَاسْتَمْتَعُوْا (۲)	پس فائدہ حاصل کیا	وَ الْاٰخِرَةِ	و آخرت (میں)
هِيَ	وہ (آتش دوزخ)		انھوں نے	وَ اُولٰٓئِكَ	اور یہ لوگ

(۱) الکاف فی مَحَلِّ رَفْعِ خَبَرٌ لِمُبْتَدأٍ محذوف ای : عاقبتکم مثل عاقبة الذین من قبلکم من الامم المهلکة (۲) وفی صیغة الاستفعال ما لیس فی التفعل من الاستزادة والاستدامة فی التمتع (روح)(۳) واشتقاق "الخلاق" من " الخلق " بمعنی التقدیر ، وهو: ما قدر لصاحبه (ابو السعود)(۴) محل الکاف النصب علی انه نعت لمصدر محذوف ای: استمتعم استمتاعا کاستمتاع الذین والتکریر هٰهنا للتاکید کمن أراد أن ینبه بعض الظلمة علی قبح ظلمه یقول له:" انت مثل فرعون، کان یقتل بغیر جرم ویعذب من غیر موجب وانت تفعل مثل ما فعله (کبیر ملخصاً)(۵)أی: کالذین باسقاط النون تخفیفا، أو: کالفوج الذی أو: کالخوض الذی(ابوالسعود)

هُمُ	ہی	قَوۡمِ نُوۡحٍ(1)	(یعنی) نوح کی قوم	بِالۡبَیِّنٰتِ	کھلی نشانیاں لے کر
الۡخٰسِرُوۡنَ	خسارے میں رہنے	وَّ عَادٍ	اور عاد	فَمَا کَانَ	پس نہیں تھے
	والے (ہیں)	وَّ ثَمُوۡدَ	اور ثمود	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَلَمۡ	کیا نہیں	وَ قَوۡمِ اِبۡرٰهِیۡمَ	اور ابراہیم کی قوم	لِیَظۡلِمَهُمۡ	کہ ظلم کرتے ان پر
یَاۡتِهِمۡ	پہنچے انہیں	وَ اَصۡحٰبِ مَدۡیَنَ	اور مدین والے	وَلٰكِنۡ	مگر
نَبَاُ	احوال	وَ الۡمُؤۡتَفِكٰتِ(2)	اور الٹی ہوئی بستیوں والے	كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ	وہ آپ ہی اپنا
الَّذِيۡنَ	ان لوگوں کے جو	اَتَتۡهُمۡ	پہنچے ان کے پاس	يَظۡلِمُوۡنَ	نقصان کرنے والے
مِنۡ قَبۡلِهِمۡ	ان سے پہلے (ہو چکے)	رُسُلُهُمۡ	ان کے رسول		ہیں

ربط: اکتالیسویں آیت سے تفصیل کے ساتھ منافقوں کے احوال بیان ہورہے ہیں اور ہم بحمد اللہ ان کے خدوخال خوب اچھی طرح پہچان چکے ہیں۔ اب ان آیات شریفہ میں منافقوں کے بارے میں تین بہت ہی اہم باتیں بیان فرمائی جارہی ہیں۔

① —— منافق خواہ مرد ہوں یا عورتیں، کم عقل ہوں یا فرزانے، دولت مند ہوں یا معمولی حیثیت کے لوگ سب ہی ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں۔ سب کی ایک چال اور ایک مزاج ہے کوئی نمایاں فرق ان میں نہیں ہے۔

② —— ان آیتوں میں منافقانہ اعمال کی نشان دہی بھی فرمائی جارہی ہے اور پوری جامعیت کے ساتھ ان کی ایک فہرست دی جارہی ہے اس لئے یہ آیتیں پچھلی پچیس آیتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔

③ —— اور سب سے اہم بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ منافقوں کا دنیا وآخرت میں انجام کیا ہونے والا ہے۔

۱- منافقانہ اعمال:

ارشاد فرماتے ہیں —— منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں —— سب کا ایک ہی رنگ ڈھنگ، مزاج اور خیال ہے اگرچہ ان میں کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا مگر ہیں سبھی شیطان! —— وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں —— یعنی انہیں برائیوں سے دلچسپی اور بھلائیوں سے عداوت ہے ان کی مدح سرائیاں، ہمدردیاں

(۱) بدل من الموصول (روح البیان) (۲) المؤتفكات جمع مؤتفكة، ومعنى الاستكاف فى اللغة: الانقلاب (كبير) عطف على مدين.

اور نصرتیں برائیاں کرنے والوں کے ساتھ ہیں خود بھی دل وجان سے برے کاموں میں منہمک رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس میں حصہ لینے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ برائیوں کے پروان چڑھنے ہی سے ان کے دلوں کو راحت اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے ـــــ اور بھلے کاموں کے تصور سے بھی ان کا دل دکھتا ہے اگر کسی کو بھلائی کی طرف بڑھتے دیکھتے ہیں تو بے چین ہوجاتے ہیں اور اس کو باز رکھنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرتے ہیں ـــــ اور اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں ـــــ نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لئے ان کا ہاتھ کبھی نہیں کھلتا ان کی دولت یا تو تجوریوں میں بند رہتی ہے یا پھر نفس پروری کی نذر ہوتی رہتی ہے ـــــ وہ اللہ تعالیٰ کو بھول بیٹھے ہیں ـــــ یعنی انھوں نے اللہ پاک کے حقوق بھلا دیئے ہیں اسکی یاد سے غفلت اور بے پروائی برتتے ہیں، اور ایمان لانے سے گریز کرتے ہیں ـــــ تو اللہ تعالیٰ نے (بھی) انہیں فراموش کردیا ـــــ دنیا میں اور آخرت میں اپنی خاص رحمتوں سے انہیں بے بہرہ کردیا ـــــ اللہ پاک اپنی بخششوں اور عنایتوں سے انہی بندوں کو یاد فرماتے ہیں جو ایمان اور فرمانبرداری سے انہیں یاد رکھتے ہیں [1] ـــــ بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں ـــــ اطاعت خداوندی سے منہ موڑنے والے ہیں، عبودیت کے فرائض اور ذمہ داریوں سے باغی ہیں اور اسلام کے حق میں کافروں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہیں۔

۲-منافقوں کا اخروی انجام:

اب اُن کا اخروی انجام دیکھئے ـــــ منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں سے اللہ تعالیٰ نے آتش دوزخ کا وعدہ فرمایا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی ان کے لئے کافی ہے ـــــ وہ کوئی معمولی آگ نہیں، وہ تپتی ہوئی، کلیجہ کھینچ لینے والی آگ ہے [2] جو دلوں تک کی خبر لے لے گی [3] ـــــ اور (مزید) اُن پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کی یہ ناراضگی ان کے لئے آتش دوزخ سے بھی بڑی سزا ہے، جیسا کہ مؤمنین کے لئے بطور فضل مزید کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوگی جو جنت سے بڑی نعمت ہے ـــــ اور ان کے لئے (اور بھی) برقرار رہنے والی سزا ہوگی ـــــ چنانچہ پینے کے لئے کھولتے چشمے کا پانی پیش کیا جائے گا، کھانے کے لئے جھاڑ کانٹوں سے خاطر تواضع کی جائے گی [4] یا پھر زقوم سے ان کی تواضع کی جائے گی جو پیٹ میں پہنچ کر دیگچی کے پانی کی طرح کھولے گا [5] اور یہ سزائیں کبھی ہلکی نہ کی جائیں گی [6] نہ وہ ان سزاؤں سے مر ہی جائیں گے اور نہ جئیں گے [7] ـــــ جس طرح مومنوں کے لئے بہشت میں ستھرے مکانات اور طرح طرح کی نعمتیں ہوں گی۔

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۲۔ (۲) المعارج ۱۵ و۱۶۔ (۳) الھمزہ ۷۔ (۴) الغاشیہ ۵،۶۔ (۵) الدخان ۴۳-۴۶ (۶) الزخرف ۵-۷۔ (۷) الاعلیٰ ۱۳۔

۳-منافقوں کا دنیوی انجام:

منافقوں کا اخروی انجام معلوم کرنے کے بعد اب اُن کا دنیاوی انجام بھی سنئے اور سوچئے کہ کس قدر بھیانک ہے ان کا یہ انجام! ـــــ اب تک تو منافقوں کا غائبانہ ذکر ہو رہا تھا لیکن اب ان سے براہ راست خطاب فرمایا جارہا ہے تاکہ وہ اپنے بھیانک انجام سے باخبر ہوکر اصلاح حال کی فکر کریں ارشاد فرماتے ہیں ـــــ تم لوگوں کا انجام وہی ہوگا جو تمہارے پیش رؤوں کا ہو چکا ہے وہ تم سے زیادہ زور آور تھے اور تم سے بڑھ کر مال واولاد والے تھے ـــــ تم نہ تو جسمانی طاقتوں میں ان کے برابر ہو، نہ مال ودولت اور اولاد میں ان کے ہم پلہ ہو ـــــ پھر انھوں نے اپنے حصہ سے خوب فائدہ اٹھایا ـــــ عیش کا جس قدر حصہ دنیا میں ان کے نصیب میں تھا اس سے انھوں نے خوب فائدہ حاصل کرلیا ـــــ اب تم بھی اپنے حصہ سے خوب مزے لوٹ چکے ہو جیسا کہ تمہارے پیش رو اپنے حصہ سے خوب مزے لوٹ گئے اور تم بھی ویسی ہی حجت بازیوں میں مشغول ہو جیسی حجت بازیوں میں تمہارے پیش رو مشغول تھے (تمہارے) انہی پیش رؤوں کا سب کیا دھرا دنیا وآخرت میں ضائع ہوگیا اور وہی لوگ خسارے میں رہنے والے ہوئے ـــــ تمہارا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔ تم بھی اپنے پیش رؤوں کی طرح صفحہ کائنات سے حرف غلط کی طرح مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہاری داستان تک کوئی جاننے والا نہ ہوگا۔ تمہاری دولتیں، تمہارے جتھے تمہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا نہیں سکتے۔

۴-منافقین کے دنیوی انجام کی نظیریں:

اب پھر حسب سابق ان سے غائبانہ گفتگو شروع ہوتی ہے ـــــ کیا ان لوگوں کو اپنے پیش رو نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں اور الٹی ہوئی بستیوں (والوں) کے احوال نہیں پہنچے؟! ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر پہنچے پھر اللہ تعالیٰ ان پر کچھ ظلم کرنے والے نہیں تھے بلکہ وہ آپ ہی اپنا نقصان کرنے والے تھے! ـــــ یعنی وہ تباہ وبرباد اس لئے نہیں ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کو انکے ساتھ کچھ دشمنی تھی بلکہ انھوں نے خود ہی وہ طرز زندگی اختیار کیا جو بالآخر انھیں بربادی کے گہرے غار میں لے پہنچا ـــــ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو سنبھلنے کا پورا موقعہ دیا، ان کے پاس اپنے رسول بھیجے، ان کے ساتھ کھلی کھلی نشانیاں بھیجیں، اور انہیں نہایت وضاحت سے بتا دیا گیا کہ فلاح وکامیابی کا راستہ کونسا ہے اور ہلاکت وبربادی کا کونسا ـــــ پھر جب انھوں نے اپنی حالت کی اصلاح نہ کی بلکہ ہلاکت کی راہ چلنے ہی پر اصرار کیا تو ان کا انجام وہی ہوا جو ہونا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مذکورہ اقوام کا انجام کیا ہوا؟

① ـــــ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نوسو سال تک سمجھایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

بالآخر وہ پانی کے طوفان کی نذر ہوگئی۔

② ـــــ حضرت ہود علیہ السلام کی طویل محنت کا جب کوئی پھل ظاہر نہ ہوا تو تیز آندھی ''عاد'' کو لے اڑی۔

③ ـــــ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ''ثمود'' کا بھی ''زور کی آواز'' نے کام تمام کر دیا۔

④ ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے سمجھاتے عاجز آگئے لیکن وہ اپنی روش بدلنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، بالآخر ان کا بھی وہی انجام ہوا جو ان کے بھائی بندوں کا ہوا۔

⑤ ـــــ حضرت شعیب علیہ السلام نے مدین والوں پر محنت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی پھر بھی وہ اپنی کج روی سے باز نہیں آئے تو زلزلہ نے ان کو نابود کر دیا۔

⑥ ـــــ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم پر عرصہ دراز تک محنت کی لیکن جب انھیں ہوش نہیں آیا تو جس طرح وہ ناپاک اور گندی حرکت کے لئے مردوں کو الٹا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام بستیوں کو الٹ دیا۔

اب تم بھی اپنا انجام سوچ لو، تمہارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے رسول، نہایت ہی محکم اور واضح نشانی قرآن پاک لے کر پہنچ چکے ہیں تمہیں اس کے ذریعہ فلاح و کامیابی کا راستہ سمجھایا جا چکا ہے اور غلط روی کے برے نتائج سے آگاہ کیا جا چکا ہے اب بھی اگر تم نے اپنی روش نہ بدلی تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو تمہارے پیش رؤوں کا ہو چکا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

ع ۱۵

وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اور ایمان دار مرد	اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ	بعض کے رفیق ہیں	وَيَنْهَوْنَ	اور روکتے ہیں
وَالْمُؤْمِنٰتُ	اور ایمان دار عورتیں	يَاْمُرُوْنَ	حکم دیتے ہیں وہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	برائی سے
بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	بِالْمَعْرُوْفِ	بھلائی کا	وَيُقِيْمُوْنَ	اور پابندی کرتے ہیں

الصَّلٰوۃَ	نماز کی	عَزِیْزٌ	زبردست	فِیْھَا	اس میں
وَ یُؤْتُوْنَ	اور ادا کرتے ہیں	حَکِیْمٌ	حکمت والے (ہیں)	وَمَسٰکِنَ (۲)	اور نفیس مکانوں کا
الزَّکٰوۃَ	زکات	وَعَدَ اللّٰہُ	وعدہ فرمایا ہے اللہ نے	طَیِّبَۃً	(بھی وعدہ فرمایا ہے)
وَ یُطِیْعُوْنَ	اور فرمانبرداری کرتے ہیں	الْمُؤْمِنِیْنَ	ایماندار مردوں	فِیْ جَنّٰتِ	ہمیشگی کے باغوں میں
اللّٰہَ	اللہ تعالیٰ کی	وَالْمُؤْمِنٰتِ	اور ایمان دار عورتوں سے	عَدْنٍ (۳)	
وَ رَسُوْلَہٗ	اور اس کے رسول کی	جَنّٰتٍ	(ایسے) باغات (کا)	وَرِضْوَانٌ	اور اللہ تعالیٰ کی
اُولٰٓئِکَ	یہ لوگ	تَجْرِیْ	(کہ) بہتی ہیں	مِّنَ اللّٰہِ	خوشنودی
سَیَرْحَمُھُمُ (۱)	مہربانی فرمائیں گے ان پر	مِنْ تَحْتِھَا	ان کے نیچے	اَکْبَرُ	سب سے بڑی نعمت ہے
اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	الْاَنْھٰرُ	نہریں	ذٰلِکَ ھُوَ	یہ ہی
اِنَّ اللّٰہَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ	خٰلِدِیْنَ	ہمیشہ رہیں گے وہ	الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ	بڑی کامیابی ہے

منافقین کے احوال کے بالمقابل مؤمنین کے احوال

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے: وہ ایک فریق کے بعد دوسرے فریق کا تذکرہ کرتا ہے، کفار و منافقین کے بعد مؤمنین کا، اور اس کے برعکس، تقابل سے ایک دوسرے کو پہچانا جاتا ہے، **بضدها تتبين الأشياء**: ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں: جن لوگوں کو ایمان کی دولت حاصل ہے وہ یہاں پہنچ کر ضرور یہ جاننے کے خواہش مند ہوں گے کہ ایمان والے اعمال کیا ہیں؟ اور دنیا و آخرت میں مومنوں کا انجام کیا ہوگا؟ لیجئے اللہ پاک نے ہماری آرزو پوری فرمائی ارشاد فرماتے ہیں —— اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں —— باہمی یگانگت، محبت اور لطف و کرم میں ان کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر کسی ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو جاتی ہے تو سارا ہی جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریک رہتا ہے وہ ''دیوار'' کی مثال ہیں، باہم دیگر مل کر ہی قوت حاصل کرتے ہیں —— یہاں غور کرنے

(۱) "السين" تفيد المبالغة في انجاز الوعد بالرحمة كما يؤكد الوعيدُ به اذا قلتَ، سأنتقم منك يوما يعني انك لا تفوتني وان تباطأ ذلك (غرائب للقُمّي)(۲) عطف على " جنّٰتٍ"(۳) لاريب ان اصله صفة من قولك. عَدَنَ بالمكان اذا أقام به ومنه المعدن للمكان الذى يخلق فيه الجواهر وعلى هذا فالجنات كلها جنات عدن (غرائب)

کی خاص بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لئے ﴿ بَعۡضُهُمۡ مِنۢ بَعۡضٍ ﴾ (سب ایک طرح کے ہیں) فرمایا اور مؤمنوں کے لئے ﴿ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ﴾ (سب ایک دوسرے کے مددگار ہیں) فرمایا کیونکہ منافقوں کے باہمی روابط، طبیعتوں کی افتاد، مزاجوں کی یکسانیت: خاندانی اشتراک اور نفسانی اغراض کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن مؤمنوں کو باہم جوڑنے والی چیزیں یہ نہیں ہیں بلکہ دینی رشتہ ہے چاہے ان کی طبیعتیں مختلف ہوں، خاندان الگ ہوں، ان میں وطنی امتیازات ہوں لیکن دین کا رشتہ ان کو ایک لڑی میں منسلک کر دیتا ہے۔

ایمان والے اعمال:

ارشاد فرماتے ہیں:ـــــ وہ بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں ـــــ برائیاں چھڑا کر لوگوں کو نیکیوں پر آمادہ کرتے ہیں ـــــ اور نماز کی پابندی کرتے ہیں ـــــ پانچ وقت روزانہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اسے بھول نہیں بیٹھتے ـــــ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ـــــ منافقوں کی طرح ان کی مٹھیاں بند نہیں رہتیں بلکہ نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کے لئے ان کے دونوں ہاتھ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرتے ہیں ـــــ تمام معاملات میں اللہ ورسول ہی کے احکام پر چلتے ہیں اور کبھی حدود اطاعت سے قدم باہر نہیں نکالتے۔

غور فرمایئے ایمان کے دعوے دار منافق بھی تھے لیکن چونکہ ان کے دل سچے ایمان سے خالی تھے اس لئے ان کی زندگیوں کے رنگ ڈھنگ، ان کے اخلاق، ان کے فکر وعمل کا انداز ایسا تھا جو ان کے دعوئے ایمان کی تکذیب کرتا تھا ـــــ اور سچے مؤمنوں میں چونکہ ایمان اپنی اصل حقیقت کے ساتھ موجود ہے اس لئے ان کے اخلاق، مزاج، رنگ طبیعت اور طرز فکر وعمل منافقوں سے بالکل مختلف ہیں، وہ نیکیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں برائیوں سے نفرت کرتے ہیں، خدا کی یاد کو حرز جان بنائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کے لئے ان کے دونوں ہاتھ کھلے رہتے ہیں اور وہ خدا اور رسول کی فرمانبرداری کو سرمایۂ حیات جانتے ہیں۔

مؤمنین کا دنیوی انجام:

ارشاد پاک ہے:ـــــ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ ضرور مہربانی فرمائیں گے ـــــ قدم قدم پر ان کی تائید ونصرت فرمائیں گے اور کامیابیوں سے ہمکنار فرمائیں گے ـــــ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست (ہیں) ـــــ اپنے محبوب بندوں کو غالب کرنے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ـــــ حکمت والے ہیں ـــــ اس لئے حسب مصلحت مناسب وقت پر غلبہ دیتے ہیں۔

مؤمنین کا اخروی انجام:

ارشاد پاک ہے:ـــــ اللہ تعالیٰ نے ایمان دار مردوں اور ایماندار عورتوں سے ایسے باغات کا وعدہ فرمایا ہے جن کے

نیچے نہریں بہتی ہیں ـــــ جس کی وجہ سے ان کی سرسبزی اور شادابی کبھی ختم نہ ہوگی وہ سدا بہار رہیں گے ـــــ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ـــــ نہ ان کو وہاں سے کوئی نکالے گا اور نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے ـــــ اور یہ ان کے لئے بڑی کامیابی ہے۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ (سورۂ آلِ عمران آیت ۱۸۵) جو شخص دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہو گیا۔

اور (مزید) ہیشگی کے باغوں میں نفیس مکانوں کا ـــــ اور طرح طرح کی نعمتوں کا بھی وعدہ فرمایا ہے جس کا تذکرہ تفصیل سے احادیث میں آیا ہے ـــــ منافقوں اور کافروں سے ﴿عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ کا وعدہ کیا تھا اس کے مقابل مؤمنوں سے نفیس مکانوں اور ان گنت نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی (سب نعمتوں سے) بڑی نعمت ہے ـــــ جنت بھی اُسی کے لئے مطلوب ہے کیونکہ جنت رضائے خداوندی کا مقام ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو پکاریں گے۔ جنتی لبیک کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ ''اب تم خوش ہو گئے؟'' جنتی جواب دیں گے کہ پروردگار! ہم کیوں نہ خوش ہوتے آپ نے ہم پر ہر طرح کی نعمتوں کی بارشیں فرمادی ہیں؟! ـــــ اللہ پاک فرمائیں گے ''کیا ان سے بڑھ کر نعمت لینا چاہتے ہو؟'' جنتی سوال کریں گے اے پروردگار! ان سے بڑھ کر کیا نعمت ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ میری خوشنودی ہے اب میں اپنی دائمی رضا تم پر اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی تم سے ناخوش نہ ہوں گا ـــــ یہی بڑی کامیابی ہے ـــــ اور دنیا داروں کی نگاہوں میں کامیابی کے جو تصورات ہیں وہ دھوکہ ہیں سچے مؤمن کی نظر میں دنیا کے عیش وآرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی نہ دیتے!''

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ	اے نبی!	كَلِمَةَ الْكُفْرِ	کافرانہ بات!	يَّتُوْبُوْا	توبہ کرلیں وہ
جَاهِدِ	پوری قوت سے مقابلہ کیجئے	وَكَفَرُوْا	اور انھوں نے کفر کیا ہے	يَكُ خَيْرًا	(تو) بہتر ہوگا
الْكُفَّارَ	کفار	بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ	اسلام کے بعد	لَّهُمْ	ان کے لئے
وَالْمُنٰفِقِيْنَ	اور منافقین (کا)	وَهَمُّوْا	اور انھوں نے ارادہ کیا	وَاِنْ	اور اگر
وَاغْلُظْ[1]	اور سختی کیجئے	بِمَا	اس بات کا جو	يَّتَوَلَّوْا	روگردانی کریں وہ
عَلَيْهِمْ	ان پر	لَمْ يَنَالُوْا	ان کے ہاتھ نہ لگی	يُعَذِّبْهُمُ	(تو) سزا دے گا ان کو
وَمَاْوٰىهُمْ	اور ان کا ٹھکانہ	وَمَا	اور نہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
جَهَنَّمُ	جہنم (ہے)	نَقَمُوْٓا[2]	بدلہ دیا انھوں نے	عَذَابًا اَلِيْمًا	دردناک سزا
وَبِئْسَ	اور (وہ) بری	اِلَّآ	مگر صرف	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں
الْمَصِيْرُ	لوٹنے کی جگہ (ہے)	اَنْ	اس بات کا	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت (میں)
يَحْلِفُوْنَ	وہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں	اَغْنٰىهُمُ	(کہ) ان کو مالدار کردیا	وَمَا لَهُمْ	اور نہیں (ہے) ان کیلئے
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ (کی)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
مَا قَالُوْا	(کہ) انہوں نے نہیں کہا	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول نے	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی یار
وَلَقَدْ	حالانکہ یقیناً	مِنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے	وَّلَا	اور نہ
قَالُوْا	انھوں نے کہی ہے	فَاِنْ	سو اگر	نَصِيْرٍ	کوئی مددگار!

دنیا میں منافقوں کی تباہی اور بربادی مسلمانوں کے ہاتھوں مقدر ہے

آپ نے جان لیا ہے کہ ایمان والے اعمال کیا ہیں؟ اور مؤمنوں کا انجام دنیا وآخرت میں کیا ہوگا؟ لیکن یہ ایک ضمنی بات تھی، اوپر سے کافروں اور منافقوں کا دنیاوی اور اخروی انجام بیان ہورہا ہے۔ اب یہ تذکرہ ہے کہ دنیا میں ان کی تباہی اور بربادی مسلمانوں کے ہاتھوں مقدر ہے اس لئے اللہ پاک مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ —— اے نبی! کافروں اور منافقوں کا پوری قوت سے مقابلہ کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے —— جہاد کے معنی ہیں ''بد دینی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا[3]'' اور ''دین کے فروغ کے لئے تمام وسائل اور قوتیں خرچ کردینا'' لیکن اس کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے وقت کا جو بھی

(۱) غَلَظَ علیہ سختی کرنا (مصباح) (۲) نقم (ض، س) من فلانٍ: سزا دینا (مصباح) (۳) الجهاد : بذل الجهد فی دفع مالا یرضی (روح ج ۱۰ ص ۱۳۷)

تقاضہ ہواس کے مطابق جان توڑ کر جدو جہد کرنے ہی کا نام ''جہاد'' ہے[1] اس لئے کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کی صورتیں بھی مختلف ہونگی۔

کافروں اور منافقوں کے ساتھ جہاد کی صورتیں:

کافروں کے ساتھ جہاد کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کے سامنے تقریر وتحریر، وعظ ونصیحت اور حکمت ودانش مندی سے دین پیش کیا جائے، اور انھیں سچا دین قبول کرنے کی ترغیب دی جائے اگر وہ مخالفت پر کمر بستہ ہو جائیں تو حتی الامکان برداشت سے کام لیا جائے اور ان کی مخالفت کا جواب دینے کے لئے حالات سازگار نہ ہوں تو مکی زندگی کو معیار بنا کر برابر برداشت ہی سے کام لیا جائے اور انکی طرف سے پہنچنے والی ہر اذیت برداشت کی جائے پھر جب حالات سازگار ہو جائیں تب ان کی مخالفت کا جواب دیا جائے کیونکہ انھیں سچا دین قبول کرنے پر تو مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن انھیں اس کا بھی موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ رحمت کا جام اللہ کے پیاسے بندوں تک نہ پہنچنے دیں اور باران رحمت کو زرخیز زمین پر نہ برسنے دیں اس لئے پوری قوت سے ان کی مخالفت کا جواب دینا ضروری ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کا نرم برتاؤ کرنے کی گنجائش نہیں۔

نفاق کی دو قسمیں اور ان کے احکام:

اور نفاق کی دو قسمیں ہیں: اعتقادی نفاق اور عملی نفاق —— اعتقادی نفاق یہ ہے کہ وہ نام نہاد مسلمان ہو، صرف زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو اسلامی برادری کا رکن بتلاتا ہو لیکن حقیقت میں وہ پکا کافر ہو، اسے ایمان کی ہوا تک نہ لگی ہو، صرف اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے یا دنیاوی اغراض کی خاطر اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا ہو —— ایسے منافقوں کا معاملہ اگرچہ کافروں سے مختلف نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ان کی پہچان مشکل ہے۔ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور کسی کے دل میں گھسا نہیں جاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کو اس قسم کے منافقوں کی اطلاع کردی گئی تھی جو اس وقت کے حالات کے لئے نہایت ضروری تھی کیونکہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اس لئے ان کی سازشوں اور شرارتوں سے پوری طرح باخبر رہنا ضروری تھا لیکن آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عام طور پر ان کے ناموں کی اطلاع نہیں دی، صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔

بعض صحابہ نے آنحضرت ﷺ کو مشورہ بھی دیا کہ ان لوگوں کو تہ تیغ کردیا جائے لیکن آپ ﷺ نے یہ فرما کر ان

---

(۱) الصحیح ان الجهاد عبارة عن بذل الجهد ولیس فی اللفظ مایدل علی أن ذلک الجهاد بالسیف او باللسان او بطریق آخر (کبیر ج۴ ص۴۷۴)

کی بات قبول نہیں کی کہ اس سے لوگوں کو غلط پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ملے گا وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) جب دشمنوں سے نمٹ گئے تو اپنے صحابہ پر ہاتھ صاف کرنے لگے ـــــ اگرچہ حقیقت میں وہ صحابہ نہیں تھے۔ بدترین کافر اور جانی دشمن تھے لیکن دنیا چونکہ ان کو صحابہ کا نام دیتی تھی اس لئے وہ اس غلط پروپیگنڈے سے ضرور متاثر ہوگی ـــــ علاوہ ازیں ثعلبہ نامی منافق کا ذکر ابھی آ رہا ہے اس کے دائمی نفاق پر قرآن کریم نے مہر تصدیق ثبت فرمادی تھی پھر بھی نہ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کیا نہ خلفائے راشدین نے ـــــ بہرحال ہمارے لئے چونکہ اس قسم کے منافقوں کو جاننے کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے یہ قسم بحث سے خارج ہے۔

اور عملی نفاق یہ ہے کہ آدمی مسلمان تو واقعۃً ہو لیکن اس کا ایمان پختہ نہ ہو خواہشات نفسانی اور لذائذ دنیاوی کا اس پر اس قدر غلبہ ہو کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور دین کی محبت کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی ہو، مال کا لالچ، حسد، کینہ وغیرہ اخلاق رذیلہ کا اس کے دل پر قبضہ ہو جس کی وجہ سے عبادتوں کی طرف اسے رغبت ہی نہ ہوتی ہو نہ عبادتوں میں اسے کوئی حلاوت محسوس ہوتی ہو دنیا میں اس قدر انہماک ہو کہ آخرت کی فکر اور تیاری سے بے پرواہ ہو، شیطانی اثرات یا غلط تعلیم کے نتیجہ میں شکوک وشبہات کا شکار ہو، رسوم ورواج کا دلدادہ ہو دین کا صحیح علم حاصل نہ ہونے کی وجہ سے غلط خیالات اور غیر شرعی اعمال کا مرتکب ہو، یا پھر کسی کافر کی دوستی اسے لے ڈوبی ہو ـــــ یہ سب عملی نفاق کی صورتیں ہیں۔

نفاق کی یہ قسم پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی ہے اور ہمارے لئے اس قسم کے منافقوں کو پہچاننا بھی آسان ہے۔ قرآن کریم اور احادیث میں تفصیل کے ساتھ اس قسم کے نفاق کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ''جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ پکا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک پائی جائے اس میں نفاق کا ایک حصہ ہے جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے (نفاق سے پاک نہیں ہوسکتا) (۱) جب اسے کوئی امانت سونپی جائے تو خیانت کرے (۲) بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) عہد وپیمان کرے تو بے وفائی کرے (۴) اور کسی سے جھگڑے تو گالی گلوج پر اتر آئے'' ـــــ اور ابھی پچھلی آیات میں بھی منافقانہ اعمال کی ایک جامع فہرست سامنے آچکی ہے اس قسم کے منافق کو ''فاسق'' بھی کہا جاتا ہے۔

اس قسم کے منافقوں کا معاملہ کافروں سے جداگانہ ہے ان کے ساتھ جہاد کا وہ نہج اختیار نہیں کیا جاسکتا جو کافروں کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے ـــــ ان لوگوں کے ساتھ جہاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے، انھیں دینی ماحول میں لاکر دین سے آشنا کیا جائے۔ وعظ ونصیحت اور پند وموعظت سے ان کا دل نرم کیا جائے اور ان کو سچا

پکا مسلمان بنانے کے لئے ہر طرح کی جدوجہد کی جائے اور ایمان ویقین حاصل کرنے کے لئے انھیں مواقع فراہم کئے جائیں —— لیکن ہمیشہ ان کی منافقانہ روش سے چشم پوشی بھی نہ کی جائے اگر ان کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوجائے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فرمانبرداری کے لئے تیار نہیں ہیں اور مسلمانوں کے سچے اور مخلص رفیق نہیں ہیں تو ان کو سوسائٹی میں عزت واعتبار کا کوئی مقام نہ دیا جائے۔ معاشرت میں ان سے قطع تعلق کیا جائے، جماعتی مشوروں سے ان کو الگ رکھا جائے، عدالتوں میں ان کی شہادت غیر معتبر قرار دی جائے۔ عہدوں اور منصبوں کا دروازہ ان کے لئے بند رکھا جائے، محفلوں میں ان کو کوئی منہ نہ لگائے۔ ہر مسلمان ان سے ایسا برتاؤ کرے جس سے ان کو خود معلوم ہوجائے کہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں کہیں بھی ان کا کوئی وقار نہیں اور کسی دل میں ان کے لئے احترام نہیں اگر ان میں سے کوئی شخص کسی صریح گناہ کا مرتکب ہو تو اس کے جرم پر پردہ نہ ڈالا جائے، نہ اسے معاف کیا جائے بلکہ اسے قرار واقعی سزا دی جائے —— ایسا کئے بغیر اسلامی سوسائٹی کو تنزل سے نہیں بچایا جاسکتا کیونکہ نفاق کا حال طاعون جیسا ہے، اگر اسلامی سوسائٹی میں منافقوں کو عزت واحترام کا مرتبہ دیا جائے گا تو ہزاروں آدمی منافقت پر دلیر ہوجائیں گے اور یہ خیال عام ہوجائے گا کہ اس سوسائٹی میں عزت پانے کے لئے اخلاص، خیرخواہی اور صداقت ایمانی کچھ ضروری نہیں بلکہ جھوٹے ایمانی دعوے کے ساتھ، بے عملی بلکہ بدعملی کے ساتھ بھی یہاں آدمی پھل پھول سکتا ہے اور اس طرح اسلامی سوسائٹی کی فلک بوس عمارت زمین بوس ہوکر رہ جائے گی۔ حدیث شریف میں اس حقیقت کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ: ''جس شخص نے کسی بدعتی (گمراہ شخص) کی تعظیم وتوقیر کی تو وہ دراصل اسلام کی عمارت ڈھانے میں مددگار رہا''

بہرحال اس قسم کے منافقوں کو راہ راست پر لانے کی پوری کوشش ضروری ہے اور بعض مخصوص حالات میں قتال بھی ضروری ہے فقہاء کرام کی ایک جماعت اسلامی حکومت پر تارک نماز کا قتل ضروری قرار دیتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل تو جائز نہیں لیکن سخت برتاؤ ان کے نزدیک بھی ضروری ہے اس طرح کہ اس کو مقید رکھا جائے —— اور اگر کوئی جماعت اجتماعی طور پر عملی نفاق کا شکار ہوجائے تو پھر ان سے جنگ بھی ناگزیر ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر شعائر اسلام میں سے کسی بات کے ترک پر کوئی جماعت اتفاق اور اصرار کرے تو ان سے جنگ کرنا ضروری ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو صحابہؓ نے ان سے باقاعدہ جنگ کی ہے۔

کافروں اور منافقوں کے ساتھ جداگانہ طریقۂ جہاد کا اشارہ اس آیت میں بھی ہے چنانچہ کافروں کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور منافقوں کا ان کے بعد اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کو پہلے بیان کرنا اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے سورۂ تحریم میں بھی یہ آیت ہے اور وہاں بھی یہی انداز بیان ہے —— لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کافروں کی طرح منافقوں کے ساتھ اس

قسم کا سخت برتاؤ کرنے کی مجاز صرف اسلامی حکومت ہے۔ یہ آیت شریفہ سنہ ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی ہے جبکہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور اسے قوت بھی حاصل ہو چکی تھی ـــــ جہاں مضبوط اسلامی حکومت موجود نہ ہو وہاں تبلیغ و نصیحت ہی سے ان کو دین پر جمانے کی محنت کی جائے۔

یہ تو کافروں اور منافقوں کا دنیاوی انجام تھا ـــــ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور (جانتے ہو کہ وہ کیسی جگہ ہے؟) وہ بہت بری جائے قرار ہے!

اعتقادی منافقوں کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرنے کی وجہ:

اور اعتقادی منافقوں کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ انکی حرکتیں کافرانہ ہیں، ارادے ناپاک ہیں اور انھوں نے خود ہی اپنے کفر کو طشت از بام کر دیا ہے چنانچہ ـــــ وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انھوں نے فلاں بات نہیں کہی ہے حالانکہ انھوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے اور انھوں نے (اس قسم کی کافرانہ باتوں کے ذریعہ) کفر (ظاہر) کیا ہے اسلام (ظاہر کرنے) کے بعد ـــــ روایات میں ایسی متعدد کافرانہ باتوں کا ذکر آیا ہے جو اُس زمانہ میں منافقوں نے کہی تھیں مثلاً تبوک کے سفر میں ایک جگہ نبی پاک ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی، چرتی چرتی کہیں سے کہیں نکل گئی، مسلمان اس کو تلاش کر رہے تھے اس پر منافقوں نے اپنی مجلس میں خوب مذاق اڑایا اور آپس میں کہا کہ یہ حضرت آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر ان کو اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے! ـــــ آپ ﷺ کو وحی سے اونٹنی کی اور ان کی کافرانہ باتوں کی اطلاع ہو گئی آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص میرے بارے میں یہ یہ کہہ رہا ہے حالانکہ قسم بخدا! مجھے صرف وہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتلاتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹنی کا پتہ نشان بتا دیا ہے۔ وہ فلاں میدان کی فلاں گھاٹی میں ہے وہاں اس کی لگام ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس کی وجہ سے وہ وہیں کھڑی ہے (زاد المعاد ذکر غزوۂ تبوک) ـــــ تبوک میں آپ ﷺ کا قیام دو مہینے رہا ہے اور منافقوں کے بیشتر احوال وہیں نازل ہوئے ہیں جُلاس[1] نامی ایک منافق نے یہ آیات سن کر اپنے عزیزوں میں سے ایک مسلمان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اگر واقعی وہ سب کچھ برحق ہے جو یہ شخص (یعنی نبی پاک ﷺ) پیش کرتا ہے تو ہم سب گدھوں سے بھی بدتر ہیں!'' ـــــ ایک غزوہ میں ایک انصاری اور ایک مہاجری کا معمولی سا جھگڑا ہوا منافقوں نے اسے خوب ہوا دی اور منافقوں کے سرغنہ عبداللہ بن ابی نے حضور پاک ﷺ اور مہاجروں کے بارے میں یہ ناپاک بات کہی کہ: ''کتا پالا، اس نے فربہ ہو کر پالنے والے ہی کو کاٹ کھایا!'' ـــــ اور جب ان کافرانہ باتوں کی آپ ﷺ کو

(۱) روایات میں ہے کہ جلاس رضی اللہ عنہ نے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور ان کے حالات درست ہو گئے تھے (مظہری)

اطلاع ہو جاتی اور آپ ﷺ ان سے باز پرس کرتے تو وہ قسمیں کھا جاتے اور انکار کر دیتے —— اور انھوں نے وہ بات کرنے کا ارادہ کیا جسے وہ کر نہ سکے —— چونکہ منافقوں کو یقین تھا کہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ رومیوں کے مقابلہ سے بخیریت واپس نہ آسکیں گے اس لئے انھوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ جونہی اُدھر کوئی حادثہ پیش آئے اِدھر مدینہ میں عبداللہ بن ابی کے سر پر شاہی تاج رکھ دیا جائے—— لیکن جب ان کی امیدوں کے خلاف آپ ﷺ اور صحابہ فاتحانہ مدینہ کو واپس لوٹے تو انھوں نے نبی پاک ﷺ کو ختم کرنے کے لئے سازش کی—— واپسی پر لشکر ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں پہاڑوں کے درمیان تنگ راستہ تھا۔ چند منافقوں نے آپس میں طے کیا کہ گھاٹی سے گذرتے وقت نبی پاک ﷺ کو کھڈ میں پھینک دیا جائے حضور پاک ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی آپؐ نے تمام لشکر کو حکم دیا کہ وادی کا راستہ خالی کر دیں اور آپؐ صرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو لے کر گھاٹی کے اندر داخل ہوئے منافق بھی پلان کے مطابق ڈھاٹا باندھ کر پیچھے پیچھے چلے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جلدی سے ان کی طرف لپکے تاکہ مار مار کر ان کے اونٹوں کا منہ پھیر دیں لیکن وہ خود ہی ڈر کر اور اس خوف سے کہ کہیں ہم پہچان نہ لئے جائیں فوراً بھاگ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ بخیریت گھاٹی سے نکل آئے —— اور (نبی پاک ﷺ پر) ان کا یہ سارا غصہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا ہے—— ہجرت سے پہلے مدینہ شریف ایک معمولی قصبہ تھا یہاں کے لوگ مال وجاہ کے اعتبار سے کوئی اونچا مقام نہیں رکھتے تھے مگر اسلام اور حضور پاک ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہی متوسط درجہ کا قصبہ جزیرۃ العرب کا دارالسلطنت بن گیا، یہاں کے کاشتکار سلطنت کے اعیان واکابر بن گئے اور ہر طرف سے فتوحات، غنائم اور تجارت کی برکات بارش کی طرح برسنے لگیں اور منافقوں پر خصوصی انعام کیا گیا تاکہ وہ سنبھل جائیں ان کو مال ودولت کی فراوانی کی دعائیں دیں ان کے قرضے تک رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس پر انھیں شرم دلا رہے ہیں کہ ہمارے نبی پر ان کا یہ غصہ کیا اسی قصور کی پاداش میں ہے کہ ان کی بدولت یہ نعمتیں انھیں بخشی گئیں؟!—— لیکن اصلاح حال کا وقت ابھی باقی ہے پس—— اب (بھی) اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ نہ مانیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا وآخرت میں دردناک سزا دیں گے اور ان کا زمین میں نہ کوئی یار ہوگا اور نہ کوئی مددگار!!

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ

مُّعۡرِضُوۡنَ ۝٧٦ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝٧٧ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ۝٧٨

وَ مِنۡهُمۡ	اور کچھ منافق	بَخِلُوۡا بِهٖ	تو اس میں بخل کرنے لگے	وَعَدُوۡهُ	وعدہ کیا تھا انھوں نے
مَّنۡ	(وہ ہیں) جنھوں نے	وَ تَوَلَّوۡا	اور روگردانی کی انھوں نے		اس سے
عٰهَدَ اللّٰهَ	عہد کیا اللہ تعالیٰ سے	وَّ هُمۡ	درانحالیکہ وہ	وَبِمَا	اور اس سبب سے (کہ)
لَئِنۡ	(کہ) البتہ اگر	مُّعۡرِضُوۡنَ	ٹلانے والے ہیں	كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ	وہ جھوٹ بولتے تھے
اٰتٰىنَا	نوازیں وہ ہمیں	فَاَعۡقَبَهُمۡ (۲)	پس اثر چھوڑا (اللہ نے)	اَلَمۡ	کیا نہیں
مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے	نِفَاقًا	نفاق کو	يَعۡلَمُوۡۤا	جانتے وہ لوگ
لَنَصَّدَّقَنَّ (۱)	تو ہم ضرور خیرات کریں گے	فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ (۳)	ان کے دلوں میں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ
وَلَنَكُوۡنَنَّ	اور ضرور ہوں گے ہم	اِلٰى يَوۡمِ (۴)	اس دن تک	يَعۡلَمُ	جانتے ہیں
مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ	نیک کام کرنے والوں	يَلۡقَوۡنَهٗ	کہ ملاقات کریں وہ اللہ سے	سِرَّهُمۡ	ان کے راز
	میں سے	بِمَاۤ	اس سبب سے (کہ)	وَنَجۡوٰٮهُمۡ	اور ان کی سرگوشیاں
فَلَمَّاۤ	پھر جب	اَخۡلَفُوا	خلاف ورزی کی انھوں نے	وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ کہ اللہ تعالیٰ
اٰتٰىهُمۡ	نواز دیا ان کو (اللہ نے)	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ (سے)	عَلَّامُ	غیب کی باتوں سے
مِّنۡ فَضۡلِهٖ	اپنے فضل سے	مَا	اس کی جو	الۡغُيُوۡبِ	پوری طرح باخبر ہیں؟

وہ منافق جو دعائے نبوی سے مالدار ہوئے مگر انھوں نے کفرانِ نعمت کیا

پچھلی آیتوں میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے فضل وکرم سے

(۱) اصله: لَنَتَصَدَّقَنَّ، ادغمت التاء فى الصاد لقربها منها (كبير) (۲) اَعۡقَبۡتُ فلانا ندامةً: اذا صَيَّرۡ ت عاقبةَ امره ذلك ويقال: اكل فلان اَكۡلَةً اَعۡقَبَتۡهُ سَقَمًا و اَعۡقَبَهُ اللّٰه خيرا وحاصل الكلام فيه انه اذا حصل شيئ عقيب شيئ آخر يقال: اَعۡقَبَهُ اللّٰه (كبير) والضمير المستتر فى "اَعۡقَبَ" لله تعالىٰ وكذا الضمير المنصوب فى "يَلۡقَوۡنَهٗ" (روح) (۳) أى: راسخا فى قلوبهم (ابوالسعود) (۴) المراد بذلك اليوم: وقت الموت (روح)

مالدار کر دیا تھا لیکن وہ لوگ نہ صرف یہ کہ کفران نعمت پر تلے رہے بلکہ منعم کُشی کی ناکام کوششیں بھی کرتے رہے۔ اب مثال کے طور پر ایک ایسے گروہ کو پیش کیا جا رہا ہے جو نبی پاک ﷺ سے خصوصی دعائیں لے کر مالدار بن گیا تھا، انھیں چاہیئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ممنون احسان ہوتے، اللہ پاک کا شکر بجالاتے، لیکن نتیجہ امید کے خلاف نکلا وہ لوگ برابر کفران نعمت کرتے رہے، اس لئے ان کا نفاق بھی دلوں میں جڑ پکڑتا گیا اور موت تک اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور کچھ منافقوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ ’’اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے نوازیں گے تو ہم ضرور خیرات کریں گے‘‘—— تمام حقوق ادا کریں گے، رشتہ داروں اور غریبوں کو نوازیں گے —— اور صالح بن کر زندگی بسر کریں گے —— اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی دولت سے نیک کام کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اُسے خوب لٹائیں گے —— پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے نواز دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے —— اور خیرات کرنے سے جان چرانے لگے —— اور (مال کے حقوق ادا کرنے سے) اعراض کیا—— اور اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے ہوئے صاف انکار کرنے کے بجائے امروز وفردا کا وعدہ کیا —— حالانکہ وہ ٹلانے والے ہیں —— دینا چاہتے ہی نہیں —— نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا (جو) اس کے حضور میں اُن کی پیشی کے دن تک (برقرار رہے گا) اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کے خلاف کیا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے—— یعنی ان کی بدعملی اور وعدہ خلافی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق کو جما دیا، اب انھیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوگی۔

ایک منافق کی عبرت ناک داستان:

ثَعْلَبہ بن حاطب انصاری نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کی کہ آپ میرے حق میں دولت مند ہونے کی دعا فرما دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ’’ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا تعالیٰ کا شکر بجالائے اس بہت چیز سے بہتر ہے جس کے تو حقوق ادا نہ کر سکے‘‘—— اس نے مکرر درخواست کی۔ آپ ﷺ نے پھر اسے سمجھایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے!

لیکن اس کا اصرار برابر بڑھتا رہا اور اس نے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دولت دیں گے تو میں پوری طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کروں گا —— نبی پاک ﷺ نے اس کے لئے مال کی فراوانی کی دعا فرما دی جس کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پناہ اضافہ ہونا شروع ہوا۔ مدینہ کی جگہ اس کی بکریوں کے لئے تنگ ہوگئی وہ بکریوں کے

چارے کی خاطر مدینہ سے باہر جنگل میں جا بسا۔ وہاں سے روزانہ ظہر وعصر مدینہ میں آ کر پڑھ لیتا تھا باقی نمازیں غائب پھر جب بکریوں میں اور اضافہ ہوا تو وہاں بھی ان کے لئے چارہ نہ رہا۔ وہ ان کو لے کر مدینہ سے دور چلا گیا جہاں سے صرف جمعہ کو مدینہ میں حاضری دیتا پھر جب اسکے مال میں بہت زیادہ فراوانی ہوئی تو وہ جگہ بھی اس کیلئے ناکافی ثابت ہوئی اور وہ وہاں سے بھی بہت دور چلا گیا اور جمعہ کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا!

جب زکوٰۃ وصول کرنے کا باقاعدہ نظام بن گیا تو نبی پاک ﷺ نے محصل (زکوٰۃ وصول کرنے والے) روانہ فرمائے جن کے پاس ''قانون صدقات'' کی تحریر بھی تھی اور انھیں خاص طور پر ثعلبہ کے پاس جانے کی ہدایت فرمائی —— ثعلبہ تحریر دیکھ کر کہنے لگا کہ ''زکوٰۃ تو جزیہ کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے!'' اور محصل سے کہا کہ آپ صدقات وصول کر کے واپسی میں مجھ سے ملئے —— جب محصل دوبارہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے تحریر دوبارہ دیکھی اور اب بھی وہی کہا جو پہلے کہہ چکا تھا کہ ''یہ زکوٰۃ تو جزیہ کے قبیل سے معلوم ہوتی ہے!'' اور محصل سے کہا کہ فی الحال تو آپ جایئے میں غور کروں گا پھر کوئی فیصلہ کروں گا —— جب محصل واپس مدینہ پہنچا تو آنحضور ﷺ نے اُس سے ثعلبہ کے حالات پوچھنے سے پہلے ہی تین بار فرمایا: وَيْحَ ثَعْلَبَةَ (ثعلبہ پر افسوس!) —— اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں —— ثعلبہ کے بعض رشتہ داروں نے اسے اطلاع کی کہ تیرے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ وہ بدنامی کے خوف سے بادل ناخواستہ زکوٰۃ لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا، لیکن نبی پاک ﷺ نے یہ فرماتے ہوئے اس کی زکوٰۃ رد کر دی کہ ''مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے!'' —— یہ سن کر وہ بہت کچھ چیخ و پکار اور واویلا کرنے لگا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا لیکن نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ تمہارے اعمال کا پھل ہے میں نے تمہیں حکم دیا تھا مگر تم نے اطاعت نہ کی اب تمہارا صدقہ قبول نہیں ہو سکتا'' —— ثعلبہ ناکام واپس ہوا۔ نبی پاک ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی اور سب نے اسے یہی جواب دیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے تیری زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی تو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں!

یہاں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ثعلبہ تائب ہو کر اور زکوٰۃ لے کر حاضر ہو گیا، تو کیوں قبول نہ کی گئی؟ آئندہ آیت میں اس کا جواب ہے کہ اس نے سچی توبہ نہیں کی تھی، دل میں نفاق بدستور موجود تھا لیکن چونکہ وہ مصلحت شناس تھا اس لئے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے مگر مچھ کے آنسو رو رہا تھا، اس کے نفاق میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا تھا —— کیونکہ ہمیں اللہ پاک نے بتلا دیا ہے کہ نفاق نے موت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور —— کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے راز اور سرگوشیاں جانتے ہیں؟ اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں سے پوری طرح باخبر ہیں؟ —— یقیناً اللہ تعالیٰ

سب کچھ جانتے ہیں! پھر ان کی بتلائی ہوئی بات غلط کیسے ہو سکتی ہے؟

یہاں دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں:

① —— جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت اختیار کر لیتا ہے اور پابندی سے اسے کرتا رہتا ہے تو وہ جڑ پکڑ لیتی ہے —— اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ نیکی کے کام پابندی سے کرتا رہے اور برائی سے چاہے وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو جلد از جلد پیچھا چھڑائے اور توبہ کرے، ایک لحمہ کے لئے بھی اس سے غفلت اور بے پروائی نہ برتے۔ ممکن ہے کہ وہ جڑ پکڑ لے اور پھر توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو!

② —— آج بھی بہت سے لوگ جن کی کاروباری حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں ہوتی دل میں یا زبانی اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں دولت سے نوازیں گے تو وہ خوب خیرات کریں گے پھر جب اللہ تعالیٰ ان بندوں کے ساتھ خصوصی مہربانی کا معاملہ فرماتے ہیں اور وہ دولت مند ہو جاتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے ان کی جان نکلنے لگتی ہے —— ان لوگوں کو ثعلبہ کی حالت اور اس کے انجام سے سبق لینا چاہئے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

اَلَّذِيْنَ(۱)	جو لوگ	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں میں سے	لَا يَجِدُوْنَ	نہیں پاتے
يَلْمِزُوْنَ(۲)	عیب لگاتے ہیں	فِي الصَّدَقٰتِ(۴)	مالی قربانیوں میں	اِلَّا	مگر
الْمُطَّوِّعِيْنَ(۳)	تبرع کرنے والوں پر	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	جُهْدَهُمْ(۵)	اپنی مشقت (کی کمائی)

(۱)مرفوع على انه خبر مبتدأ محذوف أى: هم الذين (روح)(۲) المشهورانه مطلق العيب كالهمز (روح)(۳)المطوعون: المتطوعون والتطوع: التنفل، وهو: الطاعة لله تعالى بما ليس بواجب وسبب ادغام التاء فى الطاء قرب المخرج (كبير)(۴) متعلق بيلمزون (روح)(۵) الجهد بالضم: الطاقة (روح) قال الليث: الجهد شيئ قليل يعيش به المقل (كبير) جُهْدُ المُقِلُ (فقیر کی استطاعت بھر)

فَيَسْخَرُوْنَ	پس مذاق اڑاتے ہیں وہ	لَا تَسْتَغْفِرْ	بخشش کی دعا نہ کریں	لَهُمْ	ان کو
مِنْهُمْ	ان کا	لَهُمْ	ان کے لئے	ذٰلِكَ	یہ
سَخِرَ اللّٰهُ	مذاق اڑاتے ہیں اللہ	اِنْ	اگر	بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے کہ انھوں نے
مِنْهُمْ	ان کا	تَسْتَغْفِرْ	آپ بخشش کی دعا کریں	كَفَرُوْا	انکار کیا
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	لَهُمْ	ان کے لئے	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا (ہے)	سَبْعِيْنَ	ستر	وَرَسُوْلِهٖ	اور رسول کا
اِسْتَغْفِرْ	آپ بخشش کی دعا کریں	مَرَّةً	بار	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
لَهُمْ	ان کے لئے	فَلَنْ يَّغْفِرَ	تو بھی ہرگز نہ بخشے گا	لَا يَهْدِي	ہدایت نہیں دیتے
اَوْ	یا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	الْقَوْمَ	نافرمان لوگوں کو

منافقین: مؤمنین کی خوردہ گیری کرتے تھے

منافقین نہ صرف یہ کہ اللہ پاک سے عہد و پیمان کر کے مکر جاتے ہیں اور وعدوں کے مطابق خرچ نہیں کرتے بلکہ —— یہی منافقین تبرع کرنے والے مؤمنوں کی مالی قربانیوں پر باتیں (بھی) چھانٹتے ہیں —— ایک مرتبہ نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی رقم حاضر کی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کی بہت بڑی مقدار صدقہ کی اس پر یہ منافق کہنے لگے کہ یہ دونوں دکھلاوے اور نام ونمود کے لئے اتنا دے رہے ہیں! —— غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نبی پاک ﷺ نے چندے کی اپیل کی تو یہ منافق خود تو ہاتھ روکے بیٹھے رہے لیکن جب حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما بڑھ بڑھ کر چندے دینے لگے تو ان لوگوں نے ان پر باتیں چھانٹنی شروع کیں ان پر ریاکاری کا الزام لگانے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہاں چوکنے والے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ ''ہاں اللہ پاک کو اور رسول اللہ ﷺ کو تو ہم دکھلانا چاہتے ہیں لیکن کسی اور کو نہیں!'' (روح)

—— اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس راہ خدا میں دینے کے لئے اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دے رہے ہیں —— ایک غریب صحابی حضرت ابو عقیل حَبحاب رضی اللہ عنہ رات بھر محنت مزدوری کر کے ایک صاع (تین کلو دو سو چھیاسٹھ گرام) کھجوریں حاصل کر کے لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر ایک معمولی رقم لائے تو یہ منافق ان کا مذاق اڑانے لگے کہ لو، یہ ٹڈی کی ٹانگ بھی آ گئی، جس سے روم وفارس کے قلعے فتح کئے جائیں گے! —— غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے نہیں بچتا۔

کسی پرطعن کرتے ہیں تو کسی کا ٹھٹھا اڑاتے ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں —— اللہ تعالیٰ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں —— اکتالیسویں آیت سے یہاں تک اور آگے جو کچھ بیان ہو رہا ہے یہ سب ان کا مذاق نہیں ہے تو کیا ہے؟—— اور (اتنے پر بس کہاں) ان کے لئے (تو) دردناک سزا (تیار) ہے—— اور اگر ان میں سے کسی کو خیال پیدا ہو کہ چونکہ ہم رسول اللہ ﷺ سے بخشش کی دعائیں بھی لیا کرتے ہیں اس لئے جس طرح نبی پاک ﷺ کی دعائیں حاصل کر کے ہم دنیا میں دولت مند ہو گئے ہیں آخرت میں بھی دردناک سزا سے چھٹکارہ حاصل کرلیں گے تو وہ جان لیں کہ —— چاہے آپ (ﷺ) ان کے لئے بخشش کی دعا فرمائیں یا نہ فرمائیں—— اگر آپ (ﷺ) ستر بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا فرمائیں —— تو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو بخشنے والے نہیں —— یعنی منافقوں کے لئے نبی پاک ﷺ خواہ کتنی ہی مرتبہ استغفار فرمائیں ان کے حق میں بالکل بے کار ہے اللہ پاک ان کو کبھی معاف فرمانے والے نہیں —— یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کا انکار کیا ہے —— اور اللہ تعالیٰ طے فرما چکے ہیں کہ کفر کرنے والوں کی اور شرک کرنے والوں کی کبھی بخشش نہیں فرمائیں گے خواہ کوئی کتنی ہی بخشش کی دعائیں ان کے لئے کردے

یہاں اگر یہ خیال پیدا ہو کہ اللہ پاک اگر انھیں ہدایت سے نواز دیں، نفاق سے توبہ کی توفیق دیں تب تو ان کی بخشش کا سامان ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں اللہ پاک کی سنت سن لیجئے—— اور اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کی ہدایت نہیں فرمایا کرتے —— البتہ اگر سرکش اپنی سرکشی سے باز آجائیں تو پھر انہیں ہدایت کی دولت مل سکتی ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾

فَرِحَ	خوش ہوئے	بِمَقْعَدِهِمْ[2]	اپنے بیٹھنے رہنے پر	وَكَرِهُوْٓا	اور ناگوار ہوا انھیں
الْمُخَلَّفُوْنَ[1]	وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے	خِلٰفَ[3] رَسُوْلِ اللّٰهِ	مخالفت کر کے رسول اللہ ﷺ کی	اَنْ يُّجَاهِدُوْا	جہاد کرنا
				بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے

(۱) اَلْمُخَلَّفُ: المتروک ممن مضی (کبیر) (۲) متعلق بفرح، وهو مصدر میمی بمعنی القعود (روح) (۳) مصدر خالف کالقتال حال او مفعول له (روح) ویحتمل معنی " الخلف" ولکن فی الأول تاسیس وهو أولی من التاکید.

وَ اَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں (سے)	نَارُ جَهَنَّمَ	جہنم کی آگ	وَّلْيَبْكُوْا	اور روئیں وہ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا میں	اَشَدُّ حَرًّا	زیادہ گرم ہے	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَ قَالُوْا	اور انھوں نے کہا	لَوْ	کاش	جَزَآءًۢ (۱)	بدلہ میں
لَا تَنْفِرُوْا	مت نکلو	كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ	ان کو سمجھ ہوتی!	بِمَا	ان کاموں کے جو
فِي الْحَرِّ	اس سخت گرمی میں	فَلْيَضْحَكُوْا	اب ہنس لیں وہ	كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے
قُلْ	(اُن سے) کہئے	قَلِيْلًا	تھوڑا		

تبوک کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کے لئے نبی ﷺ کی دعائیں مفید نہیں!

پچھلی آیتوں میں منافقوں کو بتلایا گیا ہے کہ المناک عذاب ان کی راہ تک رہا ہے اور جب وہ اس کی گرفت میں آجائیں گے تو پھر کبھی نہ چھوٹ سکیں گے اور رسول اللہ ﷺ سے جو انھوں نے بخشش کی دعائیں لے رکھی ہیں وہ سب آخرت میں ان کے لئے بے سود ثابت ہوں گی کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے —— لیکن چونکہ منافق خود ایمان کے مدعی ہیں اس لئے اب ان کے کفر پر خود انہی کے اعمال سے شہادت پیش کی جارہی ہے، مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری! ارشاد ہے: —— جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے انھوں نے رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کر کے گھر بیٹھے رہنے پر گھی کے چراغ جلائے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنا گوارانہ ہوا اور (نہ صرف یہ کہ خود شریک جہاد نہیں ہوئے بلکہ دوسروں سے) کہا کہ ''اس سخت گرمی میں مت نکلو'' —— یعنی انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ پر کیا بیتے گی؟ اللہ تعالیٰ کے دین کا کیا حال ہوگا؟ انہیں تو غرض صرف اپنی جان سے ہے نہ رسول اللہ ﷺ سے ان کو کوئی دلچسپی ہے نہ اللہ تعالیٰ کے دین سے۔ اس لئے بہانے کر کے پیچھے رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر خوشیاں منارہے ہیں —— دیکھئے ان کی خوشیوں کے پیچھے کونسا جذبہ کارفرما ہے وہ صرف جان بچ جانے پر خوشیاں نہیں منارہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر گھی کے چراغ جلا رہے ہیں! —— کیا یہ ان کے دعوئ ایمان کا ثبوت ہے یا ان کی یہ حرکتیں ان کی بے ایمانی کی غماز ہیں یہ لوگ خوشیاں منارہے ہیں کہ جان بچی تو لاکھوں پائے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کی فضیلت کے قابل ہی نہیں سمجھا اس لئے وہ تارک جہاد نہیں بلکہ مُخَلَّفْ (متروک) ہیں، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو پیچھے چھوڑ دینے کے قابل سمجھا ہے —— (اُن سے) کہئے کہ جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے —— حدیث شریف میں ہے کہ ''جہنم کی

(۱) مفعول له للفعل الثانی (روح)

آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے [۱] اگر اس کا ایک شرارہ مشرق میں گرے تو مغرب میں اس کی گرمی محسوس کی جائے [۲] اور صحیح حدیث میں ہے کہ "قیامت کے دن جسے سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا اسے آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اسکا دماغ کھولے گا جس طرح دیگچی کھولتی ہے اور وہ سمجھے گا کہ مجھے ہی سب سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے حالانکہ واقعہ میں وہ سب سے ہلکا عذاب ہوگا" [۳] —— کاش انہیں سمجھ ہوتی! —— کہ وہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف بڑھ رہے ہیں وہ کہیں زیادہ سخت ہے وہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لے رہے ہیں —— اب انہیں چاہئے کہ وہ (یہاں) تھوڑا ہنس لیں اور (آخرت میں) بہت زیادہ روئیں گے ان کاموں کی جزاء میں جو وہ کیا کرتے تھے —— یعنی ان لوگوں کی یہ ہنسی خوشی صرف چند روزہ ہے ان کو آخرت میں ہمیشہ کے لئے رونا ہی رونا ہے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت پاک کی تفسیر میں فرماتے ہیں دنیا چند روزہ ہے اس میں منافق جتنا چاہیں ہنس لیں پھر جب دنیا ختم ہو جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوں گے تو رونا شروع کر دیں گے —— ایسا رونا جس کے لئے ختم ہونا نہیں!

دنیا کی بڑی سے بڑی خوشی اور غمی کو ختم ہو جانا ہے لیکن آخرت کی خوشی اور غمی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے!

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخٰلِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَمَاتُوا وَهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٨٤﴾

فَإِنْ [۴]	پس اگر	مِّنْهُمْ	ان میں سے	فَقُلْ	تو آپ صاف کہئے
رَّجَعَكَ [۵]	واپس لوٹائیں آپ کو	فَاسْتَأْذَنُوكَ	اور وہ آپ سے اجازت مانگیں	لَّنْ تَخْرُجُوا [۶]	ہرگز نہیں چل سکتے تم
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ			مَعِيَ	میرے ہمراہ
إِلٰى طَآئِفَةٍ	ایک گروہ کی طرف	لِلْخُرُوجِ	(جہاد کیلئے) چلنے کی	أَبَدًا	کبھی (بھی)

(۱) اخرجه الشیخان عن ابی هریرةؓ (۲) رواه الطبرانی عن انسؓ (۳) اخرجه الشیخان عن النعمان بن بشیر (۴) الفاء تفریعية (۵) من "الرجع" المتعدی دون "الرجوع" اللازم (ابو السعود) (۶) وهو اخبار فی معنی النهی للمبالغة (روح البیان)

وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا	اور ہرگز نہیں لڑو گے تم	مَعَ الْخٰلِفِيْنَ(۱)	بیٹھنے والوں کے ساتھ	اِنَّهُمْ	کیونکہ انھوں نے
مَعِيَ	میرے ساتھ	وَلَا تُصَلِّ	اور آپ مغفرت کی دعا	كَفَرُوْا	انکار کیا
عَدُوًّا	کسی دشمن سے		نہ کریں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کا
اِنَّكُمْ	کیونکہ تمہیں	عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ	ان میں سے کسی کے لئے	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کا
رَضِيْتُمْ	پسند خاطر ہوا	مَّاتَ(۲)	جو مر چکا	وَمَاتُوْا	اور مرے وہ
بِالْقُعُوْدِ	بیٹھ رہنا	اَبَدًا(۳)	کبھی (بھی)	وَهُمْ	درانحالیکہ وہ
اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ	وَلَا تَقُمْ	اور نہ کھڑے ہوں آپ	فٰسِقُوْنَ	سرکش تھے
فَاقْعُدُوْا	پس تم بیٹھے رہو	عَلٰى قَبْرِهٖ	اس کی قبر پر	۞	۞

دغاباز اور مکار لوگوں سے تعلقات توڑ لئے جائیں

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں بارہ منافقوں کا ایک گروہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے گھر بیٹھے رہنے پر گھی کے چراغ جلا رہا تھا جنھیں جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کرنا گوارا نہیں تھا جو دوسروں کو بہلا پھسلا کر، بلا کی گرمی سے ڈرا کر، غزوہ میں جانے سے روک رہا تھا(۴) —— ایسے شریروں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ ان آیتوں میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں تو آئندہ کے لئے ان کا نام مجاہدین اسلام کی فہرست سے خارج کر دیا جائے اور کسی جہاد میں ان کو شرکت کی اجازت نہ دی جائے اور مرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، نہ آپ ﷺ ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں اور نہ ان کے کفن و دفن میں شرکت فرماویں۔

ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب نبی پاک ﷺ کا قیام تبوک میں تھا اس لئے پیرایۂ بیان وہ اختیار کیا گیا ہے جس سے فوج کو واپسی کا کامل اطمینان نہ ہونے پائے کچھ نہ کچھ خدشہ لگا رہے تا کہ وہ پوری طرح چاق و چوبند رہیں(۵) —— ساتھ ہی یہ بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ مہم خطرناک ہے، مدینہ شریف کو واپسی اللہ پاک کے فضل

(۱) ای مع المتخلفین الذین دَیْدَنُهُمُ القعود والتخلف دائما (ابو السعود) وقال ابن عباس: هم الرجال الذین تخلفوا عن النفور (در منثور) (۲) فی موضع جَرٍّ، لأنه صفة للنکرة (کبیر) (۳) ظرف للنهی ای: لاتدع ولاتستغفر لهم ابدًا، وهو الأظهر (روح البیان) (۴) عن قتادة فی قوله تعالیٰ: "فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ" قال: ذُکرلنا انهم کانوا اثنی عشر رجلا من المنافقین، وفیهم قیل ما قیل (درمنثور)

(۵) سورۃ الفتح کی ستائیسویں آیت میں بھی اسی قسم کا پیرایۂ بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔

وکرم سے ہی ہوسکتی ہے —— پس اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان (منافقوں) کے ایک (مخصوص) گروہ کی طرف (جن کی تعداد بارہ بیان کی گئی ہے صحیح سلامت) واپس لے آئیں اور (آئندہ) وہ (کسی دوسرے غزوہ میں) جہاد کیلئے چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ (صاف) فرمادیں کہ "تمہیں کبھی بھی میرے ہمراہ چلنے کی اجازت نہیں اور نہ تمہیں (مدینہ میں رہتے ہوئے) میری معیت میں کسی دشمن سے لڑنے کی اجازت ہے —— کیونکہ تمہیں پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند خاطر ہوا تو اب (ہم تمہارے لئے یہی پسند کرتے ہیں کہ) تم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو" —— یعنی تمہارے مکروفریب اور دغابازی کی سزا یہی ہے کہ ہم تم سے تعلقات توڑلیں —— معلوم ہوا کہ اگر کوئی تعلق رکھنے والا شخص دغاباز اور مکار ہو اور بار بار کے تجربوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو اس سے تعلقات توڑ لینے چاہئیں۔

اور آپ ان میں سے کسی کے لئے، جو مرچکا، بخشش کی دعا نہ فرمائیں —— یعنی نہ تو اس کا جنازہ پڑھیں نہ کسی اور طرح مغفرت کی دعا فرمائیں —— اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں —— یعنی اس کے کفن ودفن میں شرکت نہ فرمائیں —— کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) کو نہیں مانتے اور وہ نافرمان ہونے کی حالت میں مرے ہیں —— پھر ان کا جنازہ پڑھنے سے یا بخشش کی دعا کرنے سے کیا حاصل؟

توان پاک کردن زژنگ آئینہ ❁ ولیکن نیاید زسنگ آئینہ

(زنگ سے تو آئینہ صاف کیا جاسکتا ہے ❁ لیکن پتھر سے آئینہ تیار نہیں کیا جاسکتا)

بآب زمزم وکوثر سفید نتواں کرد ❁ گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ

(جس گلیم بخت کو سیاہ دھاگوں سے بنا گیا ہو اسے زمزم وکوثر سے دھو کر بھی سفید نہیں کیا جاسکتا)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جب مسلمان اور نبی پاک ﷺ تبوک سے کامیاب واپس ہوئے تو چند ہی روز کے بعد ان کا سرگروہ عبداللہ بن ابی مرگیا اس کے لڑکے کا اصلی نام حبحاب تھا لیکن چونکہ اس لفظ کے معنی تھے پست قد، بدنما اور بدشکل اور یہ شیطان کا بھی نام تھا اس لئے نبی پاک ﷺ نے بدل کر ان کا نام بھی عبداللہ رکھا تھا جو مخلص وفادار مسلمان تھے انھوں نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ کے کفن میں لگانے کے لئے آنحضور ﷺ سے کرتہ مانگا، آپ نے عنایت فرمادیا پھر انھوں نے جنازہ پڑھنے کی درخواست کی آپ ﷺ اس کے لئے بھی تیار ہو گئے کیونکہ یہ آیت ابھی تک نازل نہیں ہوئی تھی البتہ ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ نازل ہوچکی تھی جو اسی سورت کی اسیّ ویں آیت ہے لیکن اس میں استغفار یا جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کا استغفار منافقوں کے حق میں بے سود ہے ان کی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا —— جب آپ ﷺ اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے

آمادہ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باصرار عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا آپ اس شخص کا جنازہ پڑھتے ہیں جو یہ اور یہ کر چکا ہے!"

نبی پاک ﷺ ان کی باتیں سن کر مسکراتے رہے اور اپنی اس رحمت و شفقت کی بناء پر جو دوست و دشمن سب کے لئے عام تھی آپؐ نے اس بدترین دشمن کے حق میں بھی دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ "اے عمر! مجھے استغفار سے منع نہیں کیا گیا بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کہ انھیں معاف نہ کریں" —— بخاری شریف اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا، نماز کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور صاف طور پر کافروں اور مشرکوں کا جنازہ پڑھنے سے اور بخشش کی دعا کرنے سے، بلکہ کفن و دفن کا اہتمام کرنے سے بھی روک دیا گیا چنانچہ آپ ﷺ نے پھر کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا۔

> کافر کا جنازہ پڑھنا یا اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا اعزاز کی خاطر اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

ع ۱۱

وَلَا تُعْجِبْكَ	اور تجھے حیرت میں نہ ڈالیں	اِنَّمَا	صرف یہی	اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ	کہ سزا دیں ان کو
اَمْوَالُهُمْ	ان کے اموال	يُرِيْدُ	چاہتے ہیں	بِهَا	ان چیزوں سے
وَاَوْلَادُهُمْ	اور ان کی اولاد	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فِى الدُّنْيَا	دنیا میں

وَتَزْهَقَ(1)	اور خلاصی حاصل کریں	مَعَ الْقٰعِدِيْنَ	بیٹھنے والوں کے ساتھ	لَهُمُ	کے لئے (ہیں)
اَنْفُسُهُمْ	ان کی جانیں	رَضُوْا	پسند کیا انھوں نے	الْخَيْرٰتُ(6)	ساری خوبیاں
وَهُمْ	اس حال میں کہ وہ	بِاَنْ يَّكُوْنُوْا	رہنا	وَاُولٰٓئِكَ	اور یہ
كٰفِرُوْنَ	کفر کرنے والے (ہوں)	مَعَ الْخَوَالِفِ(5)	مستورات کے ساتھ	هُمُ	ہی (ہیں)
وَاِذَآ(2)	اور جب جب	وَطُبِعَ	اور ٹھپہ لگا دیا گیا	الْمُفْلِحُوْنَ	فلاح پانے والے!
اُنْزِلَتْ	نازل کیا جاتا ہے	عَلٰی قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	اَعَدَّ	تیار کئے ہیں
سُوْرَةٌ	قرآن کا کوئی حصہ	فَهُمْ	پس وہ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
اَنْ اٰمِنُوْا(3)	کہ ایمان لاؤ	لَا يَفْقَهُوْنَ	سمجھتے نہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	لٰكِنِ	لیکن	جَنّٰتٍ	ایسے باغات
وَجَاهِدُوْا	اور جہاد کرو	الرَّسُوْلُ	رسول اللہ (ﷺ) نے	تَجْرِيْ	بہہ رہی ہیں
مَعَ رَسُوْلِهِ	اس کے رسول کی معیت میں	وَالَّذِيْنَ	اور ان لوگوں نے جو	مِنْ تَحْتِهَا	ان کے نیچے
اسْتَاْذَنَكَ	تو رخصت مانگتے ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	الْاَنْهٰرُ	نہریں
اُولُوا الطَّوْلِ(4)	مقدرت والے	مَعَهٗ	رسول کے ساتھ	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے
مِنْهُمْ	ان میں سے	جٰهَدُوْا	جہاد کیا انھوں نے	فِيْهَا	ان میں
وَقَالُوْا	اور کہتے ہیں	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے	ذٰلِكَ	یہ
ذَرْنَا	ہمیں چھوڑئے	وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں (سے)	الْفَوْزُ	کامیابی
نَكُنْ	رہیں ہم	وَاُولٰٓئِكَ	اور انہیں	الْعَظِيْمُ	عظیم (ہے)

جب گانا کم پسند کیا جائے تو سُر (گلے کی آواز) بڑھا دو!

یہاں پھر ایک بار یہ حقیقت سمجھائی جارہی ہے کہ کافروں اور منافقوں کو جو مال واولاد اور عیش وعشرت میسر ہے وہ ان

(۱) دیکھئے اسی سورت کی آیت ۵۵ کا حاشیہ (۲) تفيد التكرار بقرينة المقام (روح) (۳) " اَنْ" مصدرية حذف عنها الجار أى: بأن (روح) (۴) القدرة على الجهاد بدنًا ومالاً واصل هذه الكلمة من " الطُّول" الذى هو خلاف "القصر" وسمى الغنى بالطول لانه ينال به من المرادات مالاينال عند الفقر، كما انه ينال بالطول مالاينال بالقصر (روح البيان ملخصاً) (۵) جمع خالفة، واطلق على المرأة لتخلفها عن اعمال الرجال (روح) (۶) جمع خيرة بسكون الياء مخفف خَيِّرَةٍ المشددة ثانيث خير، وهو: الفاضل من كل شيء، المستحسن منه (روح)

کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت نہیں، بلکہ اس کی حیثیت صرف چوہے دان کے مرغن لقمہ کی ہے جسے پا کر چوہا پھولا نہیں سماتا حالانکہ وہ اس کے لئے پیغام موت ہے ـــــ بعض حقیقتیں ایسی ہیں جو جلدی سے انسان کی سمجھ میں نہیں آتیں یا انھیں سمجھ تو خوب لیا جاتا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرنے پاتا کہ وہ ذہنوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں یا ذہن میں رہتی تو ہیں لیکن وقت آنے پر انسان ان سے کام نہیں لیتا، قرآن کریم ایسے حقائق بار بار عنوان بدل کر بیان کرتا ہے کیونکہ:

نوارا تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی!

ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور (اے مخاطب) ان کے اموال اور اولاد تجھے حیرت میں نہ ڈالیں ـــــ یعنی تجھے ان پر کبھی حیرت واستعجاب نہ ہونا چاہئے کہ جب کفار اور منافق اللہ پاک کو ایسے مبغوض ہیں تو انھیں دولتوں اور نعمتوں سے کیوں نوازا ہے؟ کیونکہ ـــــ (انھیں نعمتوں سے نواز کر) اللہ تعالیٰ کو بس یہی منظور ہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کو دنیا میں سزا دیں اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جانیں (کالبد خاکی سے) خلاصی حاصل کریں ـــــ وہ ایک ایک کے دس دس بنانے کی پھیر میں ہوں اور موت کا فرشتہ آ پہنچے کہ جان واپس کیجئے ـــــ یعنی یہ نعمتیں دنیا میں بھی ان کے حق میں بڑا عذاب ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کا بھی سبب ہیں پھر ان کی خوابوں کی راحتوں پر تجھے حیرت کیوں؟ ریگ زاروں کی جلتی ہوئی گود میں کیا ہوا اگر کھجوروں کا جھنڈ آ گیا!

اس سورت کی پچپن ویں آیت میں بھی یہی مضمون ہے۔ وہاں یہ بات بیان فرمائی گئی تھی کہ منافقوں کا دیا ہوا چندہ قبول نہ کیا جائے بلکہ اسے ٹھکرا دیا جائے اور اسے رد کرتے وقت ان کی وجاہت، دولت کنبہ اور جتھا مانع نہ ہو۔ اور یہاں یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ زندگی میں اور موت کے بعد منافقوں کے ساتھ مذکورہ بالا برتاؤ کرنے سے ان کی دولتیں اور اولاد وانصار مانع نہ بنیں ان کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے یہ منافق اسی برتاؤ کے مستحق ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں کہ انھیں یہ سزا دی جائے۔ ملاحظہ فرمایئے ان کے اعمال ـــــ اور جب کبھی قرآن کا کوئی حصہ نازل کیا جاتا ہے (اور حکم دیا جاتا ہے) کہ اللہ تعالیٰ کو مانو اور اس کے رسول (ﷺ) کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے جو صاحب مقدرت ہیں وہ رخصت طلب کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں ـــــ یعنی یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور مقدور والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت! ہمیں تو مدینہ میں رہنے دیجئے ـــــ انھوں نے مستورات کے ساتھ رہنا پسند کیا! ـــــ اور چوڑیاں پہن کر گھروں میں گھس بیٹھنے کو ترجیح دی ـــــ اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا گیا اس لئے وہ سمجھتے نہیں ـــــ کہ یہ کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ اچھے خاصے، ہٹے کٹے، تندرست اور صاحب مقدرت ایمان کا دعوی رکھنے والے کام کا وقت آنے پر میدان میں نکلنے کے بجائے گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں

اور عورتوں میں شامل ہو جائیں۔

لیکن جب انھوں نے جان بوجھ کر یہی رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے پاکیزہ احساسات چھین لئے اور ان کے دلوں پر مہر کردی اس لئے وہ اپنی اس انتہائی بے غیرتی اور بزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں وفرحاں ہیں —— اس لئے اگر وہ مذکورہ بالا برتاؤ کے مستحق نہیں تو اور کس اعزاز کے مستحق ہوں گے!

لیجئے اب ان نام نہاد مسلمانوں اور ایمان کے جھوٹے دعویداروں کا سچے ایمان والوں کے ساتھ موازنہ کیجئے —— لیکن رسول اللہ (ﷺ) نے اور ان لوگوں نے جو (واقعی) ایمان لائے ہیں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا —— نہ کبھی جان سے ہٹے ہیں نہ مال سے، کیسا ہی خطرناک موقعہ کیوں نہ ہو وہ ہر قربانی کے لئے تیار رہے ہیں —— اور انہیں کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں —— کیونکہ ایسوں کے لئے فلاح وکامیابی نہ ہوگی تو پھر کس کے لئے ہوگی! —— اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے (سدابہار) باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں یہی عظیم الشان کامیابی ہے! —— جان اور مال یہی دو چیزیں انسان کی متاع ہیں لیکن یہ چیزیں کافروں اور منافقوں کو جہنم میں پہنچا دیتی ہیں اور مومنوں کو بڑی کامیابی سے ہمکنار کرتی ہیں —— نتیجہ کا یہ تفاوت اس لئے ہے کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے، جنت بھی، جہنم بھی ❁ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ	عربی	ترجمہ
وَجَآءَ	اور آئے	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	لَآ اَجِدُ	میرے پاس نہیں
الْمُعَذِّرُوْنَ (۱)	عذر کرنے والے	لَا يَجِدُوْنَ	نہیں پاتے	مَآ	کوئی چیز
مِنَ الْاَعْرَابِ (۲)	کچھ بدوی عرب	مَا يُنْفِقُوْنَ	وہ چیز جسے خرچ کریں	اَحْمِلُكُمْ	(کہ) سوار کروں میں
لِيُؤْذَنَ	تاکہ اجازت دی جائے	حَرَجٌ	کوئی گناہ		تمہیں
لَهُمْ	انھیں	اِذَا نَصَحُوْا (۳)	جبکہ خیر خواہی کریں وہ	عَلَيْهِ	اس پر
وَقَعَدَ	اور بیٹھ رہے	لِلّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ کی	تَوَلَّوْا	(تو) واپس گئے وہ
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے	وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کی	وَّاَعْيُنُهُمْ	اس حال میں کہ ان کی
كَذَبُوا	جھوٹ بولا	مَا	نہیں (ہے)		آنکھیں
اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ	نیکیوں کاروں پر	تَفِيْضُ	بہہ رہی تھیں
وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول سے	مِنْ سَبِيْلٍ	کسی قسم کا الزام	مِنَ الدَّمْعِ	آنسوؤں سے
سَيُصِيْبُ	عنقریب پہنچے گا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	حَزَنًا	اس غم میں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کو جنھوں نے کفر کیا	غَفُوْرٌ	بہت بخشنے والے	اَلَّا يَجِدُوْا	کہ ان کو میسر نہیں
مِنْهُمْ	ان میں سے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں	مَا يُنْفِقُوْنَ	وہ چیز جسے خرچ کریں
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب	وَّلَا (۴)	اور نہ	اِنَّمَا	بس
لَيْسَ	نہیں (ہے)	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر	السَّبِيْلُ	الزام
عَلَى الضُّعَفَآءِ	کمزوروں پر	اِذَا	جب	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر (ہے) جو
وَلَا	اور نہ	مَآ اَتَوْكَ	وہ آپ کے پاس آئے	يَسْتَاْذِنُوْنَكَ	آپ سے اجازت چاہتے ہیں
عَلَى الْمَرْضٰى	بیماروں پر	لِتَحْمِلَهُمْ (۵)	تاکہ آپ انکو سواری دیں	وَهُمْ اَغْنِيَآءُ	باوجود مالدار ہونے کے
وَلَا	اور نہ	قُلْتَ	(تو) آپ نے کہا	رَضُوْا	پسند کیا انھوں نے

(۱) اسم فاعل من اعتذر —— بادغام التاء فی الذال، ونقل حرکتها الی العین —— والاعتذار قد یکون بالکذب وقد یکون بالصدق(روح البیان ملخصاً)(۲)سکان البوادی من العرب لاواحد له.(۳) اصل النصح فی اللغة الخلوص یقال: نصحته ونصحتُ له(روح)(۴) معطوف علی " الضعفاء" او علی "المحسنین " (بیان القرآن)(۵) حَمَلَ (ض) الشیئَ:اٹھانا۔

پس وہ	فَهُمْ	اور ٹھپہ لگا دیا اللہ نے	وَطَبَعَ اللّٰهُ	کہ رہیں وہ	بِاَنْ يَّكُوْنُوْا
جانتے نہیں!	لَا يَعْلَمُوْنَ	ان کے دلوں پر	عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	مستورات کے ساتھ	مَعَ الْخَوَالِفِ

بدوی منافقوں کے احوال واحکام

اب تک آپ ان منافقوں کے احوال پڑھ رہے تھے جو مدینہ شریف میں بود و باش اختیار کئے ہوئے تھے۔ آیئے اب ذرا جنگل کے منافقوں کا حال بھی دیکھ لیں —— ہجرت کے نویں سال تک جب غزوۂ تبوک پیش آیا ہے اسلام کی روشنی مدینہ شریف سے نکل کر قرب وجوار کے قبائل تک پہنچ چکی تھی اور بہت سے دیہات مسلمان ہو چکے تھے لیکن جس طرح مدینہ شریف میں مخلص مسلمانوں کے دوش بدوش نام نہاد مسلمان بستے تھے دیہاتوں میں بھی یہ جنس پائی جاتی تھی چنانچہ جب غزوۂ تبوک کے لئے عام بلاوا ہوا تو جہاں دیہاتوں سے مسلمان جوق جوق آ کر فوج میں شامل ہونے لگے وہیں کچھ لوگ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعذار پیش کرنے لگے تاکہ انہیں گھر رہنے کی اجازت مل جائے قبیلۂ اسد غطفان، غفار اور عامر بن الطفیل کے گروہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے —— اعذار پیش کرنے والوں میں کچھ لوگوں کے اعذار تو واقعی تھے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک قابل قبول تھے اور کچھ لوگ صرف بہانے بنا رہے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: لَعَنَ اللّٰهُ الْمُعَذِّرِيْنَ وَرَحِمَ اللّٰهُ الْمُعْذَّرِيْنَ (بہانہ بازوں پر خدا کی مار اور جن کے اعذار قابل قبول تھے ان پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں [1]) —— دیہاتیوں میں کچھ کٹر قسم کے منافق بھی تھے جنھوں نے جھوٹے اعذار پیش کر کے رخصت حاصل کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی —— ارشاد فرماتے ہیں —— اور کچھ عذر پیش کرنے والے بدوی عرب (نبی پاک ﷺ کی خدمت میں) حاضر ہوئے تاکہ انھیں اجازت دیدی جائے اور وہ لوگ (تو بالکل ہی) بیٹھے رہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ (ﷺ) سے جھوٹ بولے تھے —— انھیں تو رخصت حاصل کرنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی —— اُن میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے وہ عنقریب دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے —— چاہے وہ حیلے باز ہوں یا حاضر ہی نہ ہوئے ہوں البتہ جن کے اعذار واقعی تھے ان کا حکم یہ ہے کہ —— کوئی گناہ نہیں کمزوروں پر اور بیماروں پر اور ان لوگوں پر جنھیں خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں جبکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے خیر خواہ ہوں —— یعنی جو لوگ واقعۃً معذور ہیں اور ان کے دل صاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کا معاملہ درست ہے وہ مقدور بھر نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہیں تو —— ایسے نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور —— ایسے مخلصین سے اگر

(۱) مفردات امام راغب اصفہانی (مادہ ع، ذ، ر)

بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو ـــــ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

آیت پاک سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ صرف کمزوری یا بیماری یا محض ناداری کافی وجہ معافی نہیں بلکہ یہ چیزیں صرف اس صورت میں وجہ معافی ہیں جبکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے سچے وفادار ہوں۔ اللہ پاک صرف ظاہر کو نہیں دیکھتے کہ جو بھی ڈاکٹری سارٹیفکیٹ لے آئے یا بڑھاپے اور جسمانی نقص کا عذر پیش کردے اسے معذور قرار دے دیں وہ تو دلوں کا حال بھی جانتے ہیں انھیں خوب معلوم ہے کہ کس بندے کی معذوری وفادار بندے کی سی معذوری ہے اور کس کی باغی اور غدار کی سی۔

ایک شخص تو وہ ہے کہ جب جہاد کی پکار سنتا ہے تو لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہے کہ بڑے اچھے موقعہ پر میں بیمار ہو گیا ورنہ یہ بلا کسی طرح ٹالے نہ ٹلتی دوسرا شخص جب یہی پکار سنتا ہے تو تلملا اٹھتا ہے کہ ہائے کیسے ناوقت میں بیمار پڑ گیا کہ شرکت کے شرف سے محروم رہ گیا!

ایک شخص نے اپنے لئے تو شرکت سے بچنے کا بہانہ پایا ہی تھا مگر اس کے ساتھ اس نے دوسروں کو بھی شرکت سے روکنے کی کوشش کی اور دوسرا شخص اگرچہ خود بستر علالت پر پڑا ہے مگر وہ برابر اپنے عزیزوں، دوستوں، بھائیوں اور تیمارداروں کو جہاد کا جوش دلاتا رہا۔

ایک نے بیماری کے عذر سے گھر بیٹھ کر سارا زمانۂ جنگ بددلی پھیلانے، بری خبریں اڑانے جنگی مساعی کو ناکام کرنے اور مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر بگاڑنے میں صرف کیا۔ دوسرے نے یہ دیکھ کر کہ وہ میدان میں جانے کے شرف سے تو محروم ہو گیا ہے اپنی امکان بھر کوشش کی کہ گھر کے محاذ کو مضبوط رکھے۔

ظاہر کے اعتبار سے دونوں ہی معذور ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ دونوں کسی طرح یکساں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں معافی صرف دوسرے کے لئے ہے۔ رہا پہلا شخص تو وہ اپنی معذوری کے باوجود غدار اور بے وفا ہے بلکہ بے دین ہے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ "دین خیر خواہی کا نام ہے" صحابہ نے پوچھا کہ کس کے لئے خیر خواہی کا نام دین ہے؟ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے پیشواؤں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے [1] ـــــ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی الزام یا گناہ ہے) کہ جب وہ خود ہی آپ کی خدمت میں (اس لئے) حاضر ہوئے کہ آپ ان کے لئے کوئی سواری کا انتظام فرما دیں (تو) آپ نے جواب دیا کہ "میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں سواری کے لئے دوں" (تو) وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم

(۱) حدیث متفق علیه عن تمیم الداری رضی الله عنه (۲) متفق علیه عن انس رضی الله عنه.

میں اشکبار تھیں کہ انھیں خرچ کرنے کو کوئی چیز میسر نہیں — نبی پاک ﷺ کی صحبت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دلوں میں عشق الٰہی کا وہ نشہ پیدا کر دیا تھا جس کی مثال کسی قوم وملت کی تاریخ میں موجود نہیں، حیثیت رکھنے والے صحابہ تو جان ومال سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لٹانے کے لئے تیار تھے ہی، نادار صحابہ بھی اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے تھے کہ ہماری ایسی حیثیت کیوں نہ ہوئی کہ ہم بھی اپنے آپ کو محبوب کی راہ میں قربان ہونے کے لئے پیش کرتے!— ایسے لوگوں کا شمار اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کی خدمات انجام دینے والوں ہی میں ہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر اثنائے سفر میں نبی پاک ﷺ نے مجاہدین سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے کوئی وادی طے نہیں کی اور کوئی کوچ نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں!'' مجاہدین نے تعجب سے پوچھا کیا وہ مدینہ میں رہتے ہوئے اس اجر کے مستحق ہیں؟ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہاں مدینہ ہی میں رہتے ہوئے وہ اس اجر کے مستحق ہیں کیونکہ مجبوری نے انھیں روک لیا ہے'' ورنہ وہ خود رکنے والے نہ تھے[۲] — الزام (تو) بس انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود آپ (ﷺ) سے اجازت کے خواہش مند رہتے ہیں وہ (چوڑیاں پہن کر) مستورات کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ نے ٹھپہ لگا دیا ہے اس لئے وہ جانتے (ہی) نہیں — کہ وہ کس قدر بے غیرتی اور بے شرمی کے کام کر رہے ہیں — گناہ کرتے رہنے سے انسان کا دل ایسا سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

جب کوئی شخص گناہ کرتا ہوا اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ بجائے شرمندہ ہونے کے الٹا اس پر فخر کرنے لگے تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر خدائی ٹھپہ لگ گیا!

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۵ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۹۶

يَعْتَذِرُوْنَ	عذر کریں گے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَكُمْ	تمہارے سامنے
اِلَيْكُمْ	تمہارے سامنے	عَمَلَكُمْ	تمہارے عمل کو	اِذَا انْقَلَبْتُمْ (۱)	جب تم پلٹ کر جاؤ گے
اِذَا رَجَعْتُمْ	جب تم پلٹ کر جاؤ گے	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
اِلَيْهِمْ	ان کی طرف	ثُمَّ تُرَدُّوْنَ	پھر تم پلٹائے جاؤ گے	لِتُعْرِضُوْا	تاکہ تم صرف نظر کرلو
قُلْ	آپ فرمادیں	اِلٰى عٰلِمِ	جاننے والے کی طرف	عَنْهُمْ	ان سے
لَا تَعْتَذِرُوْا	اعذار بیان نہ کرو	الْغَيْبِ	چھپے	فَاَعْرِضُوْا (۲)	سو تم نظر انداز کردو
لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم کبھی سچا نہ سمجھیں گے	وَالشَّهَادَةِ	اور کھلے کو	عَنْهُمْ	ان کو
لَكُمْ	تم کو	فَيُنَبِّئُكُمْ	پھر وہ تمہیں بتادیں گے	اِنَّهُمْ	کیونکہ وہ لوگ
قَدْ نَبَّاَنَا	ہمیں بتادیے ہیں	بِمَا	وہ سب کچھ جو	رِجْسٌ	پلید ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	تم کیا کرتے تھے	وَّمَاْوٰىهُمْ	اور ان کا ٹھکانہ
مِنْ اَخْبَارِكُمْ	تمہارے احوال	سَيَحْلِفُوْنَ	ابھی قسمیں کھائیں گے	جَهَنَّمُ	دوزخ (ہے)
وَسَيَرَى	اور جلد ہی دیکھیں گے	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	جَزَآءًۢ	بدلے کے طور پر

(۱) انقلاب سے، ماضی کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے والانقلاب: هو الرجوع والانصراف مع زيادة معنى الوصول والاستيلاء (روح) انقلاب کے معنی ہیں پلٹ کر اور واپس لوٹ کر پہنچ جانا اور قبضہ کرلینا (۲) لكن لا اِعْرَاض رِضًا. كما طلبوا بل اعراض اجْتِنَابٍ ومَقْتٍ، كما يُنْبِئ عنه التعليل بقوله سبحانه ﴿اِنَّهُمْ رِجْسٌ﴾ (روح)

بِمَا	ان کاموں کے جو	لِتَرْضَوْا	تا کہ تم راضی ہوجاؤ	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو اللہ تعالیٰ قطعاً
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	وہ کماتے رہے ہیں	عَنْهُمْ	ان سے	لَا يَرْضٰى	راضی ہونے والے نہیں
يَحْلِفُوْنَ	وہ لوگ قسمیں کھائیں گے	فَاِنْ تَرْضَوْا	پس اگر تم راضی ہوگئے	عَنِ الْقَوْمِ	حد سے نکلنے والوں
لَكُمْ	تمہارے سامنے	عَنْهُمْ	ان سے	الْفٰسِقِيْنَ	والے

تبوک کے بعد بدوی منافقوں کے حالاتِ زار

آپ نے دیکھ لیا: غزوۂ تبوک کے لئے روانگی کے وقت دیہاتی منافقوں کا رویہ کیسا رہا؟ وہ کس طرح حیلے بہانے کر کے کھسک گئے؟ اور جو کٹر قسم کے منافق تھے وہ تو بہانے کرنے بھی نہیں آئے! ـــــ لیکن جب نبیٔ پاک ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم غزوۂ تبوک سے کامیاب واپس لوٹے تو ان لوگوں کی حالت قابل دید تھی۔ تبوک ہی میں اللہ پاک نے مسلمانوں کو ان کے احوال پر مطلع کر دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ـــــ جب تم پلٹ کر ان کے پاس پہنچو گے تو وہ تمہارے سامنے (غزوہ میں شرکت نہ کرنے کی) وجوہ بیان کریں گے ـــــ کہیں گے: چلنے کا ارادہ تو ہمارا پختہ تھا، مگر فلاں فلاں رکاوٹیں پیش آگئیں۔ جن کی وجہ سے ہم مجبور ہوگئے اور شرکت نہ کر سکے! ـــــ حالانکہ معذرت کی تین صورتیں ہوتی ہیں: یا تو یہ کہا جائے کہ میں نے غلطی نہیں کی یعنی اپنی صفائی پیش کی جائے یا غلطی کرنے کی معقول وجہ بیان کی جائے یا غلطی کا اعتراف کیا جائے اور آئندہ نہ کرنے کا وعدہ کیا جائے جس کا دوسرا نام توبہ ہے۔ منافقوں کے لئے اس عذر کا تو موقع ہی نہیں رہا تھا کہ کہتے: ہم نے غزوہ میں شرکت سے پہلو تہی نہیں کی، نہ ان کا نفاق انہیں توبہ کی اجازت دیتا تھا اور نہ ہی ان کے پاس معقول اعذار تھے۔ لہٰذا ـــــ آپ ان سے فرما دیں کہ تم اعذار تصنیف مت کرو، ہم تمہیں کبھی سچا نہ سمجھیں گے ہمیں اللہ پاک نے تمہارے (واقعی) حالات بتا دیئے ہیں ـــــ پھر ہم تمہاری پوچ باتوں کا کیونکر یقین کریں؟ ـــــ اور (خیر اب پچھلے قصہ کو چھوڑو) آئندہ جلد ہی اللہ پاک اور اس کے رسول (ﷺ) تمہارے (طرزِ) عمل کو دیکھیں گے ـــــ کہ تم اپنے ایمان کے دعوے میں کہاں تک سچے ہو ـــــ پھر تم اس (اللہ پاک) کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپے کھلے کے جاننے والے ہیں۔ پھر وہ تمہیں وہ سب کچھ بتا دیں گے جو تم کیا کرتے تھے ـــــ وہاں تمہارا سب سچ جھوٹ ظاہر ہوجائے گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہوجائے گا۔

جب منافقین نبی پاک ﷺ کا اور مسلمانوں کا یہ جواب سنیں گے تو جھوٹی قسموں کا سہارا لیں گے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ پاک کی قسمیں کھائیں گے ـــــ اور تمہیں یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ ہم واقعی مجبوریوں کی وجہ سے گھر رہے ہیں ـــــ تا کہ تم ان سے صرفِ نظر کرلو ـــــ اور

ان کی جہاد کی غیر حاضری کو معاف کردو ـــــ تو (بہتر یہ ہے کہ) تم انھیں نظر انداز کردو ـــــ ان سے تعلقات توڑلو اور ان کے ساتھ کسی قسم کا واسطہ نہ رکھو ـــــ کیونکہ وہ پلید ہیں ـــــ اور پلیدی کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اس سے علاحدہ رہنا ہی بہتر ہے ـــــ اور ان کا (آخری) ٹھکانہ دوزخ ہے ان کاموں کی سزا میں جو وہ کماتے رہے ہیں ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ اسّی اشخاص کے بارے میں نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ ان کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا موقوف کردیا جائے اور بول چال بند کردی جائے۔ جس سے ان کی بری حالت ہوگئی۔ ہر شخص ان پر نفرین کرنے لگا۔ کوئی انھیں منہ لگانے کے لئے تیار نہ تھا۔ جب انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمانوں نے تو ان کی غلطی سے درگزر کرنے کے بجائے انھیں نظر انداز کردیا تو ان کی مشکل سوا ہوگئی اور پھر انھوں نے جھوٹی قسموں کا سہارا لے کر کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں کو خوش کرلیں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں ـــــ وہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش ہوجاؤ ـــــ اور انھیں اپنا بنالو ـــــ تو (فرض کرو) اگر تم ان سے خوش (بھی) ہوگئے تو (کیا حاصل؟) اللہ پاک تو ایسے سرکش لوگوں سے قطعاً راضی ہونے والے نہیں ـــــ پھر صرف تمہیں خوش کرکے ان کا کیا خاک بھلا ہوگا!

اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾

ع ۱۲

اَلۡاَعۡرَابُ (۱)	یہ بدوی عرب	وَّاَجۡدَرُ	اور اسی کے سزاوار (ہیں)	اَنۡزَلَ	نازل فرمایا (ہے)
اَشَدُّ	خوب پکے (ہیں)	اَلَّا يَعۡلَمُوۡا	کہ نہ جانیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ (نے)
كُفۡرًا	کفر	حُدُوۡدَ	ضابطے	عَلٰى رَسُوۡلِهٖ	اپنے رسول (ﷺ) پر
وَّنِفَاقًا	ونفاق (میں)	مَاۤ	اس دین کے جسے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ

(۱) الف لام عہد ذہنی ہے والمرادُ منه جَمْعٌ مُعَيَّنُوْنَ من منافقي الأعراب (کبیر)

عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَصَلَوٰتِ	اور دعائیں لینے کا ذریعہ
حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	سَمِيْعٌ	سب کچھ سننے والے	الرَّسُوْلِ	رسول کی
وَمِنَ الْاَعْرَابِ	اوران بدوی عربوں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	اَلَآ	ہاں
	میں سے کچھ	وَمِنَ الْاَعْرَابِ	اوران بدوی عربوں	اِنَّهَا(۵)	وہ ضرور
مَنْ	(لوگ ایسے ہیں) جو		میں کچھ	قُرْبَةٌ	تقرب کا ذریعہ ہے
يَّتَّخِذُ	سمجھتے ہیں	مَنْ	(ایسے ہیں) جو	لَّهُمْ	ان کے لئے
مَا يُنْفِقُ	(راہ خدا میں) خرچ	يُّؤْمِنُ	ایمان رکھتے ہیں	سَيُدْخِلُهُمُ	جلد ہی شامل فرمالیں
	کرنے کو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر		گے ان کو
مَغْرَمًا(۱)	ناحق کا تاوان	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور آخرت پر	اللّٰهُ	اللہ پاک
وَّيَتَرَبَّصُ	اور انتظار کرتے ہیں	وَيَتَّخِذُ	اور سمجھتے ہیں	فِىْ رَحْمَتِهٖ	اپنی مہربانی میں
بِكُمُ	تمہارے حق میں	مَا يُنْفِقُ	(راہِ خدا میں) خرچ	اِنَّ	بلاشبہ
الدَّوَآئِرَ(۲)	زمانے کی گردشوں کا		کرنے کو	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
عَلَيْهِمْ	انہیں پر (آنے والی ہے)	قُرُبٰتٍ(۴)	تقرب کا ذریعہ	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
دَآئِرَةُ السَّوْءِ(۳)	زمانے کی گردش	عِنْدَ اللّٰهِ	اور اللہ تعالیٰ کے یہاں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

صحرائی عربوں کے باقی احوال: برے اور اچھے!

پچھلی سات آیتوں سے ہم دیہاتی اور صحرائی عربوں کا حال پڑھ رہے ہیں۔ یہ لوگ مدینہ شریف کے اطراف وجوانب میں آباد تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اسلام کو غلبہ ہورہا ہے تو مصلحتِ وقت اسی میں سمجھی کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں —— لیکن مسلمان ہوتے ہی ان پر جو اخلاقی بندشیں، نماز روزے کی پابندیاں، زکوٰۃ کی ادائیگی اور جان ومال کی قربانیاں لازم ہوگئی تھیں وہ انھیں شدت سے ناگوار تھیں، اس لئے وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے ہر

(۱) الغُرم وہ مالی ضرر جو کسی جنایت یا خیانت کے بغیر سر پر آپڑے (راغب) (۲) الدائرۃ کی جمع ہے، گردش، مصیبت یہ یا تو عافیۃٌ کاذبۃٌ کی طرح مصدر ہے یا دَارَ یَدُوْر دَوْرًا (پھرنا) سے اسم فاعل کا صیغہ واحد مؤنث ہے (۳) السوء فی الاصل مصدر ثم اطلق علی کل ضرر وشر. وقد کان وصفا للدائرۃ ثم أضیفت الیھا للمبالغۃ (روح) (۴) جمعُ قُرْبَۃٍ بمعنی التقرب، وھو مفعول ثانٍ لیتخذ (روح) (۵) الضمیر للنفقۃ المعلومۃ مما تقدم (روح)

طرح کی چال بازیاں اور بہانہ سازیاں کرتے رہتے تھے ـــــ اوپر سے ان کا ماحول ایسا تھا کہ نہ تو قرآنِ کریم ان کے سامنے آتا تھا، نہ اس کے معانی، مطالب اور احکام سے ان کو واقفیت ہوتی تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ سے وہ لوگ فیض یاب ہوتے تھے۔اس لئے وہ اللہ پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کے حدود وضوابط سے بے خبر رہتے تھے ـــــ ان کے یہی احوال اب بیان ہورہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ ـــــ یہ بدوی عرب (شہریوں کی بنسبت) کفر ونفاق میں خوب پکے ہیں۔اور وہ اسی کے سزاوار ہیں کہ اس دین کے ضابطوں سے ناواقف رہیں جو اللہ پاک نے اپنے رسول (ﷺ) پر نازل فرمائے ہیں ـــــ یعنی شہری لوگ تو اہل علم اور اہل حق کی صحبتوں سے مستفید ہوکر کچھ دین کو اور اس کی حدود کو جان بھی لیتے ہیں لیکن علم وحکمت کی مجلسوں سے دور رہنے کی وجہ سے، دیہاتی لوگوں تک علم وعرفان کی روشنی بہت کم پہنچ پاتی ہے۔ان کو ایسے مواقع ہی فراہم نہیں ہوتے کہ علماء وصلحاء کی صحبتوں میں رہ کر، اس دین کے قاعدے معلوم کریں، جو اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے ہیں۔اس لئے ان کی جہالت شہری لوگوں کی جہالت سے بہت زیادہ سخت ہے۔

پس ہمارے جو بھائی دیہاتوں میں سکونت پذیر ہیں وہ اس طرف خاص توجہ کریں یعنی علماء وصلحاء کی صحبتوں سے مستفید ہونے کی کوشش کریں ـــــ کیونکہ اللہ والوں کی صحبت اور مقربان خدا کی ہم نشینی افضل ترین عبادت ہے۔ان کی ثابت قدمی، اولوالعزمی اور استقلال کو دیکھ کر انسان اپنے اندر ایک قوت اور ہمت محسوس کرتا ہے۔جس کی وجہ سے دین پر عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾: اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرو، اور سچوں کے ساتھی بنو!

ایمان میں سچوں کی صحبت انسان کو پرہیزگار بنادیتی ہے۔اور اللہ والوں کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ جانا سوسالہ عبادت سے بہتر ہے۔اور علم ومعرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی ہے اور مہذب بناتی ہے۔

اور جو بھائی شہروں میں آباد ہیں وہ بھی یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ صرف گاؤں میں رہنا نقصان کا سبب نہیں ہے۔ خسارے کی بات، دینی ماحول سے، بزرگوں کی صحبت سے، اور علماء کے فیوض سے محروم رہ جانا ہے۔پس اگر کوئی شخص شہر میں رہ کر بھی حیوانی زندگی کی ضروریات سے بلند تر کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کرتا تو اس کے حق میں بھی دین اور اس کے حدود سے ناواقف رہنے کے اتنے ہی امکانات ہیں جتنے ایک دیہاتی کے حق میں ہیں۔بلکہ آج کی شہری زندگی تو فتنوں سے، اور گناہوں کی طرف دعوت دینے والی چیزوں سے لبالب ہے۔اس لئے شہری بھائیوں کو بھی اس طرف کچھ زیادہ ہی توجہ کرنی چاہئے۔

اور اگر کسی وجہ سے صالحین کی صحبت میسر نہ آئے تو پھر ان کی کتابوں کا، قرآن کریم کا، اور حدیث شریف کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ کچھ وقت دینی ماحول میں گزرے دینی ماحول میں عجیب تاثیر ہے۔ آیت کے اخیر میں ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے، بڑے دانا ہیں ـــــ وہ اپنے علم وحکمت سے ہر انسان کے ساتھ اس کی استعداد اور قابلیت کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔ جو علم ومعرفت کے قابل نظر آتا ہے، یہ دولتیں اسے عنایت فرماتے ہیں اور جو نا قابل ثابت ہوتا ہے اسے بے بہرہ کر دیتے ہیں۔

اور ان بدوی عربوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کو ناحق کا تاوان سمجھتے ہیں ـــــ یعنی جو زکاتیں ان سے وصول کی جاتی ہیں اسے ایک جرمانہ سمجھتے ہیں۔ اگر جہاد کی تیاری کے لئے ان سے کوئی چندہ مانگا جائے تو دلی جذبہ سے، رضائے الٰہی کی خاطر نہیں دیتے، بلکہ اسے زبردستی کا جرمانہ سمجھتے ہیں۔ اور ایسی ناگواری سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی ڈنڈ دے رہے ہوں۔ اور دل میں کڑھتے ہیں کہ یہ مال تو فضول گیا ـــــ اور تمہارے حق میں زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں ـــــ کہ کسی طرح تم پر کوئی مصیبت آپڑے اور تم کسی چکر میں پھنس جاؤ، تو انھیں زکاۃ، صدقات، عبادات اور اخلاقی بندشوں سے نجات مل جائے ـــــ سنئے! انہیں پر آنے والی ہے زمانے کی گردش! ـــــ اسلام تو بہر حال غالب ہو کر رہے گا۔ ذلت اور رسوائی خود انہیں کے حصہ میں آنے والی ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں ـــــ وہ سب کی باتیں سن رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ عزت اور کامیابی کا حق دار کون ہے اور ذلت اور رسوائی کا سزاوار کون؟

دیہاتی اور صحرائی عرب سب یکساں نہیں تھے۔ ان میں مخلص مسلمان اور سمجھدار لوگ بھی تھے۔ اس لئے قرآنی عدل وانصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ آخر میں ان سچے، پکے مسلمانوں کا حال بھی بیان کیا جائے تا کہ مخلص مسلمانوں کی دل شکنی نہ ہو۔

کسی محفل میں کوئی قاری صاحب قرآن پاک تلاوت کر رہے تھے۔ سامعین میں ایک صحرائی عرب بھی تھا۔ جب قاری صاحب نے ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا ﴾ پڑھنا شروع کیا تو وہ دیہاتی عرب کڑھنے لگا۔ کیونکہ ان آیات میں ان کی برائی تھی۔ لیکن جب ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ ﴾ پڑھا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ اور کہنے لگا کہ ''اللہ پاک نے اگر پہلے ہماری برائی کی تو آخر میں تعریف بھی تو کی! ـــــ اسی وجہ سے حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ ﴾ پڑھے وہ ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ ﴾ پڑھے بغیر تلاوت موقوف نہ کرے (درمنثور) ـــــ تو اب پڑھئے مخلص دیہاتیوں کا حال ـــــ اور بدوی عربوں میں کچھ لوگ ایسے (بھی) ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کو اللہ کے ہاں تقرب کا اور رسول (ﷺ) کی دعائیں

لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں ـــــ کیونکہ اللہ پاک کے راستے میں خرچ کرنا عبادت ہے ـــــ ''عبادت'' بندے کے ان اعمال کو کہا جاتا ہے جن کا خاص مقصد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا، اور اس کے ذریعہ اللہ پاک کا رحم وکرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہوتا ہے۔ اور دیہات میں رہنے والے سچے مسلمان اللہ پاک کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ اسی مقصد سے خرچ کرتے ہیں نیز وہ اپنے خرچ کرنے کو رسول اللہ ﷺ سے رحمت کی دعائیں حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بناتے ہیں ـــــ ہاں! وہ ضرور ان کے لئے تقرب کا ذریعہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد ہی انھیں اپنی مہربانی میں شامل فرمالیں گے! ـــــ یعنی وہ لوگ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ ان کو یقیناً وہ چیز مل کر رہے گی جس کے وہ خواہش مند ہیں اور اللہ پاک جلد ہی انھیں اپنی بے کراں رحمتوں میں شامل فرمالیں گے ـــــ اور ان سے جو کچھ کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں گی انھیں اپنے دریائے رحمت سے دھودیں گے کیونکہ ـــــ بلاشبہ اللہ پاک بڑے بخشنے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۱۰۰

وَالسّٰبِقُوْنَ[1]	اور جو لوگ (دین کی طرف) پیش قدمی کرنے والے ہیں	بِاِحْسَانٍ	اخلاص کے ساتھ	جَنّٰتٍ	(ایسے سدابہار) باغ
		رَّضِيَ اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ راضی ہوگئے	تَجْرِيْ	(کہ) بہہ رہی ہیں
		عَنْهُمْ	ان (سب) سے	تَحْتَهَا	جن کے نیچے
الْاَوَّلُوْنَ	سب سے پہلے	وَرَضُوْا	اور وہ (سب) راضی ہوگئے	الْاَنْهٰرُ	نہریں
مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ	مہاجروں میں سے			خٰلِدِيْنَ	رہنے والے ہیں وہ
وَالْاَنْصَارِ	اور انصار (میں سے)	عَنْهُ	اللہ تعالیٰ سے	فِيْهَآ	اس میں
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَ	اور (اللہ تعالیٰ نے)	اَبَدًا	سدا
اتَّبَعُوْهُمْ	(دین قبول کرنے میں) ان کے نقش قدم پر ہیں	اَعَدَّ	تیار کر رکھے ہیں	ذٰلِكَ الْفَوْزُ	یہی عظیم الشان
		لَهُمْ	ان کے لئے	الْعَظِيْمُ	کامیابی (ہے)

(۱) وَالسّٰبِقُوْنَ مبتداء ہے اور رضی اللہ عنهم الخ خبر ہے۔

سابقین اولین صحابہ کے اوران کی پیروی کرنے والوں کے فضائل

پچھلی آیتوں میں دیہات میں بسنے والے دو مختلف طرح کے لوگوں کا تذکرہ تھا۔ایک منافقوں کا گروہ جو کفر ونفاق میں شیطان کے بھی کان کاٹتا تھا۔اورایک مخلص مسلمانوں کی جماعت —— دونوں کی پرواز اگر چہ ایک ہی فضامیں تھی مگر دونوں کے احوال ومقامات مختلف تھے:

پرواز ہے دونوں کی ، اسی ایک فضا میں ❁ کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

چنانچہ ارشادفرمایاجارہاہے کہ دیہات والے ان مخلص مسلمانوں کا شمار سابقین اولین کی پیروی کرنے والوں میں ہے، دونوں کا انجام بھی ایک ہےاوردونوں ہی سے اللہ پاک خوش ہیں۔ارشادفرماتے ہیں —— اورمہاجرین وانصار میں سے جوسب سے پہلے (دین کی طرف)پیش قدمی کرنے والے ہیں،اور جو (دین قبول کرنے میں)اخلاص کے ساتھ ان کے نقش قدم پر ہیں،ان (سب) سے اللہ پاک راضی ہیں،اور وہ (سب بھی) اللہ پاک سے راضی ہیں۔اور (اللہ پاک نے)ان کے لئے ایسے (سدابہار) باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں،جن میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں،یہی عظیم الشان کامیابی ہے!

آیتِ پاک میں خاص طور پرصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے،اور عام طور پرامتِ مرحومہ کے تمام مخلص مسلمانوں کے لئے بڑی بشارت ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس ارشادِپاک کےایک ایک لفظ پرغورکریں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پہلی مرتبہ نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، پھر نبوت کے چودھویں سال دوسری مرتبہ مدینہ شریف کی طرف ہجرت فرمائی—— ہر ہجرت اگر چہ مقبول ترین عبادت ہے لیکن اس آیتِ پاک میں،اورقرآن کریم میں جہاں کہیں فضل ومنقبت کے طور پرہجرت کا ذکر آیاہے،ان سب جگہوں میں ہجرت سے مراد مدینہ شریف والی ہجرت ہے۔حبشہ والی ہجرت کسی جگہ مرادنہیں۔کیونکہ حبشہ والی ہجرت کا باعث قوتِ برداشت کی کمی تھا۔مکہ شریف میں جب دین پر برقرار رہنا،اوراحکاماتِ خداوندی بجالانا دشوار ہوگیا تو جان وایمان کی حفاظت کے لئے بے سہارا مسلمانوں کوحبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی گئی۔لیکن خود رسول اللہ ﷺ کواس ہجرت کی اجازت نہیں ملی نہ ان صحابہ پرعتاب نازل ہوا،جنھوں نے یہ ہجرت نہیں کی —— اس کے برخلاف مدینہ شریف والی ہجرت دین کی امداد کے لئے تھی۔وہ رخصت واجازت ہی نہیں بلکہ اول درجہ کی عزیمت تھی۔اورجن لوگوں نے اس ہجرت میں سستی کی انھیں خوب ڈانٹ پلائی گئی۔

علاوہ ازیں: مدینہ شریف والی ہجرت میں جان پرکھیلنا تھااورحبشہ والی ہجرت میں جان بچانا تھا اُس میں دین بچانا

پیشِ نظر تھا اور اِس میں اپنے روزے نماز کی حفاظت منظور تھی۔اس میں مارنا، مرنا اور تمام جہان سے مخالفت مول لینا تھا اور اِس میں دشمن کے ہاتھوں سے چھوٹ کر سلامت گزر جانا تھا۔اُس میں رسول اللہ ﷺ کی نصرت و امداد پیشِ نظر تھی اور اِس میں رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ جانا تھا(ہدیۃ الشیعہ ص ۱۰۵ مطبوعہ کراچی از حضرت نانوتوی قدس سرہٗ)

جب مدینہ شریف والی ہجرت کا بنیادی مقصد دین کی نصرت تھا تو وہ صرف ہجرت نہ رہی بلکہ نصرت بھی بن گئی۔اسی وجہ سے مہاجروں کا مرتبہ انصار کے مرتبہ سے بلند قرار پایا۔آیتِ پاک میں اسی برتری کو ظاہر کرنے کے لئے مہاجرین کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے —— ایک حدیث شریف میں یہ بات اور زیادہ صراحت سے فرمائی گئی ہے —— جب غزوۂ حنین کی غنیمت کے مال میں سے مکہ کے نومسلموں کو، تالیفِ قلب کے لئے، خوب دل کھول کر دیا تو بعض انصار نے کہا کہ قریش کو تو رسول اللہ ﷺ نے دیا لیکن ہمیں محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کا خون ٹپک رہا ہے، —— کسی نے یہ کہا کہ مشکلات میں تو ہم یاد آتے ہیں لیکن غنیمت اوروں کو ملتی ہے! —— جب رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی باتیں سنیں تو تمام انصار کو ایک چرمی خیمہ میں جمع فرما کر خطاب فرمایا کہ: لَوْلاَ الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرأً مِّنَ الأَنْصَارِ (بخاری شریف) اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا،

اس ارشادِ پاک سے جہاں انصار کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، مہاجرین کی برتری بھی ثابت ہوتی ہے۔

انصار (مددگار) وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔اور دین کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی تھی۔آیتِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ فضل و منقبت میں ان کا نمبر مہاجرین سے متصل ہی ہے۔حدیث شریف میں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الانْصَارِ، وآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الانْصَارِ (متفق علیہ) انصار سے محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے!

تمام مہاجرین سے اور تمام انصار سے محبت ضروری ہے، ان میں سے کسی سے بھی بغض رکھنا خرمن ایمان کو پھونک دینا ہے!

آیتِ پاک میں انہیں کو اول نمبر دیا گیا ہے اور باقی امت کو ان کا تابع اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والا قرار دیا گیا ہے —— انھیں اول نمبر اس لئے ملا ہے کہ دنیا میں جب بھی سچائی کا ظہور ہوتا ہے تو اس کا پہلا دور غربت و بے کسی کا دور ہوتا ہے اور ان تمام دنیوی ترغیبات سے یکسر خالی ہوتا ہے جو کسی انسان کے دل کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہیں۔پس جو نفوسِ قدسیہ ایسے نازک وقت میں حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کے درجے کو بھلا کوئی دوسرا کیسے پہنچ سکتا ہے؟! —— پھر جب دین کا بول بالا ہو جاتا ہے۔اسے دنیوی غلبہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔تو اب جو لوگ اس کی طرف لپکتے ہیں ان کے لئے وہ مقام نہیں جو

سب سے پہلے پیش قدمی کرنے والوں کے لئے ہے۔

غور فرمایئے جب نبی پاک ﷺ نے پہلے پہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایمان کی دعوت دی تھی تو زمین پر کوئی بھی متنفس اس دین کا حامی نہ تھا، تاہم اس پیکرِ صدق ووفا نے سنتے ہی آپ ﷺ کی دعوت قبول کر لی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک وقوم کو اپنا جانی دشمن بنالیا۔

عقبہ اولیٰ میں جب مدینہ شریف کے سات آدمیوں نے نبی پاک ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعتِ اسلام کی تھی تو جانتے ہو انھوں نے کس سے بیعت کی تھی؟ اور کس حال میں کی تھی؟ اس مظلوم وبیکس کے دستِ مبارک پر کی تھی جسے گیارہ سال سے تمام جزیرۃ العرب جھٹلا رہا تھا۔ نبی پاک ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ ''مجھے قبول کر لو اور ساری دنیا کی دشمنی مول لو'' انھوں نے بے جھجک خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیا اور عرض کیا کہ ''ہم آپؐ کے لئے سارے جہان کی دشمنی اور ہر مصیبت اپنے سر لیتے ہیں'' ـــــ ایسے مہاجرین وانصار کے لئے اللہ پاک کے ہاں ایک مخصوص اور ممتاز مقام ہے۔ وہ ساری امت کے سردار ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین!

البتہ سابقین اولین کے درجات ومراتب باہم متفاوت ہیں۔ سب سے بلند وبالا مقام سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا ہے کیونکہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا ہے۔ اور آپ کی ہی ترغیب پر عشرۂ مبشرہ میں سے پانچ حضرات نے اسلام قبول کیا ہے۔ آپؓ نے جان ومال سے اسلام کی جس قدر خدمت کی ہے اتنی کسی اور نے نہیں کی۔ خود نبی پاک ﷺ نے آپؓ کی خدماتِ ملی کا اس طرح اعتراف فرمایا ہے کہ:

اِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ (متفق علیہ عن ابی سعید الخدریؓ)	مجھ پر جانی ومالی احسان سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام ہے۔ آپؓ کے اسلام لانے سے دین کو بڑی تقویت پہنچی ہے۔ اسی طرح بقیہ سابقین اولین کے مقامات بھی درجہ بدرجہ ہیں۔ سب ہم رتبہ نہیں ہیں۔

سابقین کے بعد ان لوگوں کا مقام ہے جو ان کو نمونہ بنا کر، ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔ ان کا شمار بھی سابقین کے ساتھ ہی ہے۔ البتہ چونکہ بعد میں ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے اس لئے بِاِحْسَانٍ کی قید بڑھائی تاکہ سابقین کے ساتھ صرف انہیں لوگوں کا شمار ہو جو اخلاص کے ساتھ ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں۔

رہی یہ بحث کہ سب سے پہلے دین کی طرف پیش قدمی کرنے والے کون حضرات ہیں اور ان کو نمونہ بنا کر ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے کون ہیں؟ تو آیت پاک میں اس سلسلہ میں کوئی واضح اشارہ موجود نہیں، اس لئے:

① ـــــ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سابقین اولین کا مصداق حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ، سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو قرار دیتے ہیں۔

② ـــــ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیب اور قتادہ رحمہما اللہ ان تمام حضرات کو سابقین کا مصداق ٹھہراتے ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں (بیت المقدس اور کعبۂ معظّمہ) کی طرف نماز پڑھی ہے۔ یعنی جو حضرات تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہوئے ہیں وہ سب سابقین اولین کا مصداق ہیں۔

③ ـــــ حضرت عطاء اور ابن سیرین رحمہما اللہ غزوۂ بدر میں شرکت فرمانے والے صحابہؓ کو مصداق بتلاتے ہیں[1]

④ ـــــ شعبی رحمہ اللہ ان صحابہ کو مصداق بتلاتے ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کی ہے۔

⑤ ـــــ بعض مفسرین تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سابقین اولین کا مصداق بتاتے ہیں۔ اور باقی امت کو ان کے نقش قدم پر چلنے والا قرار دیتے ہیں (بیان القرآن)

آیتِ پاک میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقین اولین کا مصداق وہ صحابہ ہیں جنھوں نے دین ایسے نازک وقت میں قبول کیا تھا، جبکہ کامیابی کے امکانات تمام تر مفقود تھے اور اسلام قبول کرنا خطرات کو دعوت دینا تھا ـــــ اور جب اسلام قبول کرنے میں فائدے نظر آنے لگے۔ مسلمانوں کی کامیابی کھل کر سامنے آ گئی۔ اسلام کی حقانیت آشکارا ہوگئی۔ اور خطرات ٹل گئے تو جو حضرات ایمان لائے وہ سب سابقین کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں ـــــ اور حدِ فاصل اس سلسلہ میں یا تو صلح حدیبیہ کو قرار دیا جائے یا پھر زائد سے زائد فتح مکہ کو۔ کیونکہ سورۃ الفتح میں صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' کہا گیا ہے اور سورۃ الحدید میں فتح مکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾

ترجمہ: فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے راہ خدا میں خرچ کیا اور لڑے ان کے برابر وہ لوگ نہیں جنھوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور لڑے۔ رہا بھلائی (جنت) کا وعدہ تو وہ اللہ تعالیٰ نے سب سے کر رکھا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں کا مقام و مرتبہ بعد والوں سے بلند و بالا ہے لہٰذا فتح مکہ کو سابقین و تابعین میں ''حدفاصل'' قرار دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

آیتِ پاک کا اصل مدعا یہ ہے کہ سابقین و تابعین سب سے اللہ پاک خوش ہیں اور اللہ پاک کی یہ خوشنودی ان کے

(۱) غزوۂ بدر اور تحویل قبلہ تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئے ہیں۔

کمالِ ایمان وعمل کا نتیجہ ہے ——— اور وہ سب حضرات بھی اللہ پاک سے خوش ہیں یعنی وہ لوگ ایمان واخلاص اور رضا کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔

انسان جب کسی مقصد کے لئے قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو کچھ لوگ جواں مرد اور باہمت ثابت ہوتے ہیں جو بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں لیکن مصیبتیں ان کے لئے بہر حال مصیبتیں رہتی ہیں، عیش وراحت نہیں بن جاتیں۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لیتا ہے لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی ضرور محسوس کرتا ہے ——— لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہئے، بلکہ اس سے کچھ زیادہ سمجھنا چاہئے۔ ان میں صرف ہمت وجواں مردی ہی نہیں ہوتی بلکہ محبت وشیفتگی کی حالت پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش وراحت کی طرح ان سے لذت وسرور حاصل کرتے ہیں۔ انھیں کانٹوں کی چبھن میں بھی ویسی ہی راحت ملتی ہے جیسی راحت پھولوں کی سیج پر لوٹ کر مل سکتی ہے ——— پس یہ فرما کر کہ "وہ سب اللہ پاک سے خوش ہیں" اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دین کی راہ میں انھیں جو پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں انھیں نہ صرف جھیلتے ہیں بلکہ کمالِ محبتِ ایمانی سے اس میں خوش حال اور خوشنود رہتے ہیں اور ان کا یہی وہ مقام ہے جس نے ان کے درجے کو اس قدر اونچا اٹھایا ہے کہ اللہ پاک نے ان کے لئے سدا بہار باغ تیار فرمائے ہیں، جن میں وہ ہمیشہ بود وباش رکھیں گے، جو ان کے لئے عظیم الشان کامیابی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

وَمِمَّنْ (۱)	اور کچھ	مِّنَ الْاَعْرَابِ	بدوی عربوں میں سے	اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ	مدینہ کے باشندوں میں سے
حَوْلَكُمْ	تمہارے آس پاس	مُنٰفِقُوْنَ	منافق (ہیں)	مَرَدُوْا (۲)	جو مشاق ہوگئے ہیں
	(بسنے) والے	وَمِنْ	اور کچھ	عَلَى النِّفَاقِ	نفاق میں

(۱) ترکیب: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الاَعْرَابِ خبر مقدم ہے اور مُنٰفِقُوْنَ مبتداء مؤخر ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ خبر مقدم پر معطوف ہے اور جملہ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ صفت ہے مُنَافِقُوْنَ کی اور موصوف وصفت کے درمیان معطوف علی الخبر سے فصل واقع ہو رہا ہے (کشاف) (۲) مَرَدَ على الشيئ: مَرَنَ وَاسْتَمَرَّ عليه، يقال مَرَدَ على الشَّرِّ والنفاق (المعجم الوسيط) مَرَدَ عَلَى النِّفَاقِ وَنَحْوِهٖ: نفاق وغیرہ برائیوں میں مشاق ہوجانا، مداومت کرنا، اڑ جانا باب نصر سے ہے مَرَدَ مُرُوْدًا.

لَا تَعۡلَمُهُمۡ	جنھیں آپ نہیں جانتے	سَنُعَذِّبُهُمۡ	جلد ہم انہیں سزا دیں گے	يُرَدُّوۡنَ	وہ لوٹائے جائیں گے
نَحۡنُ	ہم	مَّرَّتَيۡنِ	دو مرتبہ	اِلٰى عَذَابٍ	عذاب کی طرف
نَعۡلَمُهُمۡ	انھیں جانتے ہیں	ثُمَّ	پھر	عَظِيۡمٍ	بڑے بھاری

بدوی منافقوں کا برا انجام

دیہات کے مخلص مسلمانوں کا حسن انجام جان لینے کے بعد اب منافقوں کا برا انجام بھی دیکھئے۔ پھر دونوں انجاموں میں موازنہ کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ تمہارے آس پاس بسنے والے بدوی عربوں میں، اور مدینہ کے باشندوں میں کچھ ایسے منافق ہیں جو نفاق میں مشاق ہو گئے ہیں ـــــ یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے اس کی ایسی مشق ہو گئی ہے کہ نو آموزوں کی طرح پکڑے نہیں جا سکتے۔ کچے منافقوں کے لئے اپنی دلی حالت چھپائے رکھنا مشکل ہے۔ وہ ان کے چہروں پر ابھر آتی ہے۔ باتوں سے ٹپکنے لگتی ہے۔ اور اعمال واطوار سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ لوگ ایسے طاق ہیں کہ ان کو تاڑنا ممکن نہیں ـــــ جنھیں آپ (ﷺ بھی) نہیں جانتے ـــــ یعنی رسول اللہ ﷺ بھی، اپنی کمال درجہ فراست کے باوجود انھیں نہیں پہچان سکتے، تا بہ دیگراں چہ رسد؟! ـــــ ہم ہی انھیں جانتے ہیں۔ جلدی ہم انھیں دو مرتبہ سزا دیں گے ـــــ انسان کی زندگی کے تین مختلف دور ہیں۔ ایک دنیا کی زندگی، دوسری قبر کی زندگی اور تیسری آخرت کی زندگی۔ منافقوں کو ان تینوں ادوار میں عذاب سے دوچار ہونا ہے۔ وہ سب سے پہلے تو دنیا ہی میں عذاب کا مزہ چکھیں گے اس طرح کہ وہ ہر وقت اپنے نفاق کو چھپانے کی فکر میں، اور ظاہر ہونے کے خوف میں مبتلا رہیں گے۔ پھر وہ دنیا جس کی محبت میں پھنس کر انھوں نے ایمان واخلاص کے بجائے منافقت اور غداری کا رویہ اختیار کیا ہے: دیکھتے ہی دیکھتے ان کے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور وہ جاہ ومال، عزت وعظمت کے بجائے ذلت ورسوائی اور نامرادی کا منہ دیکھیں گے۔ اور جس دین کو وہ اپنی چال بازیوں کے ذریعہ ناکام کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی خواہشوں اور کوششوں کے برخلاف ان کی آنکھوں کے سامنے فروغ پائے گا۔ اسلام اور مسلمانوں سے انتہائی بغض وعداوت کے باوجود ظاہر میں ان کی تعظیم وتکریم پر مجبور ہوں گے ـــــ پھر مرتے ہی قبر کے عذاب سے اور برزخ کی دردناک سزا سے دوچار ہوں گے ـــــ پھر وہ لوگ (آخرت میں) بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے ـــــ جس سے نہ رستگاری نصیب ہوگی، نہ وہ کبھی ہلکا کیا جائے گا!

وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝١٠٢ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا

وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۱۰۳ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝۱۰۴ وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ‌ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ‌ۚ ۝۱۰۵ وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۱۰۶

وَاٰخَرُوْنَ (۱)	اور کچھ اور لوگ (ہیں)	اَنْ يَّتُوْبَ	کہ مہربان ہو جائیں	بِهَا	اس کے ذریعہ
اعْتَرَفُوْا	جنھوں نے اعتراف	عَلَيْهِمْ	ان پر	وَصَلِّ	اور رحمت کی دعا فرمائیے
	کر لیا ہے	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک	عَلَيْهِمْ	ان کے حق میں
بِذُنُوْبِهِمْ	اپنے گناہوں کا	غَفُوْرٌ	بہت درگذر فرمانے والے	اِنَّ صَلٰوتَكَ	بلاشبہ آپ کی دعا
خَلَطُوْا (۲)	آمیز کر لئے ہیں انھوں نے	رَّحِيْمٌ	بے حد مہربان ہیں	سَكَنٌ (۴)	سکون بخش (ہے)
عَمَلًا صَالِحًا	نیک عمل	خُذْ	آپ لے لیجئے	لَّهُمْ	ان کے لئے
وَّاٰخَرَ	اور دیگر	مِنْ اَمْوَالِهِمْ	ان کے مالوں میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
سَيِّئًا	بدعمل (بھی آمیز کر لئے ہیں)	صَدَقَةً	صدقہ	سَمِيْعٌ	سب کچھ سنتے
عَسَى (۳)	امید ہے	تُطَهِّرُهُمْ	آپ پاک کریں گے ان کو	عَلِيْمٌ	جانتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ پاک	وَتُزَكِّيْهِمْ	اور سنواریں گے ان کو	اَلَمْ يَعْلَمُوْا	کیا وہ جانتے نہیں

(۱) محققین کے نزدیک وَآخَرُوْنَ کا عطف مُنَافِقُوْنَ پر ہے (روح) لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الاَعْرَابِ، وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ أُنَاسٌ (التفسیر الواضح) اور جملہ اعْتَرَفُوْا صفت ہے آخَرُوْنَ کی (۲) قاعدے سے خَلَطَ (ض) خَلْطًا کے دو مفعول ہوتے ہیں، پہلا مخلوط کہلاتا ہے اور دوسرا مخلوط بہ، جس کے ساتھ "با" استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً: خَلَطَ الْمَاءَ بِاللَّبَنِ (دودھ میں پانی ملایا) اور سَيِّئًا بدل ہے اٰخَرَ سے اور آخَرَ کا عطف عَمَلاً صالِحًا پر ہے۔ تقدیر عبارت: وَخَلَطُوْا آخَرَ سَيِّئًا ہے اور دونوں جملوں میں مفعول ثانی یعنی مخلوط بہ محذوف ہے۔ پہلے میں بِالْمَعْصِيَةِ اور دوسرے میں بِالتَّوْبَةِ (۳) جملہ عَسَى اللّٰهُ کے قرینہ سے اس سے پہلے ایک جملہ وَقَدْ عَفَا عَنْهُمْ محذوف ہے (۴) السَّكَنُ: رحمت، برکت، ہر وہ چیز جس سے انس حاصل کیا جائے (ماتسكن اليه النفوس وتطمئن من اهل ومال ومتاع) (التفسیر الواضح)

اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ پاک	وَقُلِ	اور آپ (ان سے) فرمادیجئے	تَعْمَلُوْنَ	کرتے رہے ہو
هُوَ	ہی	اعْمَلُوْا	عمل کئے جاؤ	وَ اٰخَرُوْنَ	اور کچھ اور لوگ (ایسے ہیں)
يَقْبَلُ	قبول فرماتے ہیں	فَسَيَرَى	پھر آگے دیکھ لیں گے	مُرْجَوْنَ	جن کا معاملہ (ابھی)
التَّوْبَةَ	توبہ	اللّٰهُ	اللہ پاک		ڈھیل میں ہے
عَنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں کی	عَمَلَكُمْ	تمہارے طرز عمل کو	لِاَمْرِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حکم آنے تک
وَيَاْخُذُ	اور منظور فرماتے ہیں	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کے رسول (ﷺ)	اِمَّا	یا تو
الصَّدَقٰتِ	خیراتیں	وَالْمُؤْمِنُوْنَ	اور مؤمنین	يُعَذِّبُهُمْ	وہ انھیں سزا دیں گے
وَاَنَّ	اور یہ کہ	وَسَتُرَدُّوْنَ	اور عنقریب تم پلٹائے	وَاِمَّا	اور یا
اللّٰهَ	اللہ پاک		جاؤ گے	يَتُوْبُ	مہربانی فرمائیں گے
هُوَ	ہی	اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ	اس اللہ کی طرف جو چھپے	عَلَيْهِمْ	ان پر
التَّوَّابُ	بہت زیادہ توبہ قبول	وَالشَّهَادَةِ	کھلے کو جاننے والے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
	فرمانے والے	فَيُنَبِّئُكُمْ	پھر وہ تمہیں بتادیں گے	عَلِيْمٌ	سب کچھ جانتے ہیں
الرَّحِيْمُ	مہربانی فرمانے والے ہیں	بِمَا كُنْتُمْ	وہ سب کچھ جو تم	حَكِيْمٌ	بڑے دانا ہیں

وہ وفادار مسلمان جو کاہلی کی وجہ سے تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کرسکے

غزوۂ تبوک کے موقع پر لوگوں کی پانچ قسمیں بن گئی تھیں:

① —— مخلص اور وفادار مسلمان، جو حکم سنتے ہی، بغیر کسی قسم کے تردد کے، جہاد کے لئے تیار ہوگئے۔

② —— وہ حضرات جو مخلص تو تھے، لیکن وقت کی نزاکت کے پیش نظر شروع شروع میں کچھ متردد رہے لیکن بالآخر اٹھ کھڑے ہوئے —— آیت ۱۱۷ میں ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر آرہا ہے۔

③ —— کچھ حضرات واقعی معذور تھے، بیمار تھے یا کوئی جسمانی عذر رکھتے تھے، آیت ۹۱و۹۲ میں ان کا ذکر آچکا ہے۔

④ —— منافقین —— جو اپنے نفاق کی وجہ سے جہاد سے کترا گئے تھے —— گذشتہ بہت سی آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر آچکا ہے اور آگے بھی آرہا ہے۔

⑤ —— کچھ حضرات تھے تو مخلص مومن اور وفادار مسلمان۔ لیکن سستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد میں شرکت نہ کرسکے —— ایسے حضرات کل دس تھے۔ زیر تفسیر آیات پاک میں انہی حضرات کا تذکرہ ہے۔

جب تبوک سے مسلمانوں کی واپسی شروع ہوئی اور ان حضرات کو علم ہوا کہ پیچھے رہنے والوں سے اللہ پاک کس قدر ناراض ہیں، اور کیسی کیسی وعیدیں نازل فرمائی ہیں تو ان میں سے حضرت ابو لُبَابَة بن عبدالمُنذِر اور ان کے چھ ساتھیوں نے اپنے آپ کو مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا اور عہد کیا کہ جب تک خود نبیٔ پاک ﷺ انھیں نہیں کھولیں گے وہ اسی طرح بندھے رہیں گے ـــــ رسول اللہ ﷺ حسبِ معمول، مدینہ شریف پہنچتے ہی مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے دوگانۂ شکر ادا فرمایا، وہاں آپ ﷺ نے ان حضرات کو بندھا ہوا دیکھا تو حقیقتِ حال دریافت فرمائی لوگوں نے عرض کیا کہ ان حضرات نے عہد کیا ہے کہ جب تک نبیٔ پاک ﷺ بذاتِ خود انھیں نہیں کھولیں گے وہ برابر اسی طرح بندھے رہیں گے۔ نبیٔ پاک ﷺ نے بھی قسم کھالی کہ "میں بھی انھیں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ اللہ پاک مجھے ان کے کھولنے کا حکم عنایت نہیں فرمائیں گے" ـــــ چنانچہ وہ حضرات کئی روز تک اسی طرح بے آب ودانہ اور بے خواب بندھے رہے، حتی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے ـــــ آخر کار یہ آیاتِ شریفہ نازل ہوئیں اور انھیں بتایا گیا کہ اللہ پاک نے اور رسول اللہ ﷺ نے تمہیں معاف کر دیا ہے اور تمہیں کھولنے کا حکم دیا ہے ـــــ جب لوگوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کا اردہ کیا تو انھوں نے کھلنے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ جب تک حضور پاک ﷺ خوش ہو کر اپنے دستِ مبارک سے نہیں کھولیں گے میں بندھا ہی رہوں گا ـــــ جب آپ ﷺ صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو اپنے دستِ مبارک سے انھیں کھول دیا ـــــ قید سے رہا ہوتے ہی ان حضرات نے اپنا سارا مال خدمتِ نبویؐ میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہماری توبہ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس مال کی محبت نے ہمیں جہاد سے غافل کیا ہے اسے اللہ پاک کی راہ میں خیرات کر دیں ـــــ آپ ﷺ نے مال لینے سے انکار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے اللہ پاک نے مال لینے کا حکم نہیں دیا"، اس پر آیتِ پاک ﴿ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ﴾ نازل ہوئی۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے پورا مال لینے کے بجائے ایک تہائی مال بطور صدقہ قبول فرمایا۔

باقی تین حضرات نے نہ تو اپنے آپ کو مسجدِ نبوی میں قید کیا، نہ جرم و کوتاہی کا برملا اعتراف کیا۔ ہاں بہانہ بازی سے بھی کام نہیں لیا بلکہ خدمتِ نبویؐ میں صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا کہ ہم بغیر عذر پیچھے رہے ہیں ـــــ ان حضرات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ کو حکم دیا کہ ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ ان سے سلام و کلام موقوف کیا جائے۔ آخری آیت میں ان حضرات کا ذکر ہے ـــــ اس ضروری تفصیل کے بعد اب آیاتِ پاک ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور (تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتی عربوں میں اور مدینہ کے باشندوں میں) دوسرے لوگ (وہ ہیں) جنھوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے ـــــ یعنی کوتاہی ان سے ضرور ہوئی ہے لیکن اس کا سبب

نفاق نہیں ہے بلکہ سستی اور کاہلی ہے —— اور اب ان میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ اپنے قصور پر نادم ہے۔ ہر ایک کا دل حسرت وندامت میں ڈوبا ہوا ہے۔ان کی صحیح پوزیشن یہ ہے کہ —— انھوں نے نیک اعمال (ایک گناہ کے ساتھ) رَلا دیئے ہیں —— حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں ہیں جو ہجرت سے پہلے، بیعتِ عقبہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں۔ پھر غزوۂ بدر، احد وغیرہ معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ان کے دوسرے ساتھی بھی ایسے ہی مخلص اور وفادار مسلمان تھے۔ان کی زندگی کے پچھلے کارنامے ان کے اخلاص پر روشن دلیل تھے۔مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر بغیر کسی شرعی عذر کے گھر بیٹھے رہے۔اس طرح انھوں نے اپنے نیک اعمال ایک برے عمل کے ساتھ آمیز کر لئے —— اور (پھر) دوسرے بدعمل کو (بھی توبہ کے ساتھ آمیز کر لیا ہے۔اس طرح پر کہ انھوں نے اپنے آپ کو مجرم گردان کر مسجدِ نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا ہے)[1] —— خلاصہ یہ کہ ان حضرات کی پوری ایمانی زندگی صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے جس پر انھوں نے معصیت کا ایک ہلکا سا دھبہ لگا لیا ہے پھر اسے بھی عرق انفعال اور توبہ کے آنسوؤں سے دھوڈالا ہے، پس اللہ پاک نے ان کا قصور معاف کر دیا:

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے ❁ قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

ارشاد فرماتے ہیں —— امید ہے کہ اللہ پاک ان پر مہربان ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ پاک بہت زیادہ درگزر فرمانے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں —— حضرت ابوعثمان نَہدِی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے زیادہ پر امید کوئی دوسری آیت قرآن کریم میں نہیں ہے (درمنثور) —— معراج میں نبی پاک ﷺ نے کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے چہروں پر سیاہ دھبے تھے۔وہ لوگ جنت کی ایک نہر میں داخل ہوئے، جب نہا کر نکلے تو ان کے چہرے خوبصورت ہو چکے تھے۔حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ کو بتلایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ملے جلے، اچھے برے،

(۱) یہاں ایک لمحہ کے لئے ٹھیریے۔اور قرآن پاک کی بلاغت ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر عجیب وغریب انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔اور ان سات صحابہ کی پوزیشن کی کیسی سچی تصویر کھینچی گئی ہے —— پہلے جملہ میں ارشاد فرمایا کہ "انھوں نے نیک اعمال رلا دیئے" اس جملہ میں لفظِ عمل (اسم جنس) استعمال کر کے اعمال صالحہ کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔جس میں انھوں نے ایک گناہ کی آمیزش کر لی تھی جیسے آٹے میں نمک۔اور مخلوط بہ کو حذف کر دیا کیونکہ وہ دوسرے جملہ سے سمجھا جا رہا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اس دوسرے بدعمل کو بھی پوری طرح بد باقی نہیں رکھا بلکہ اسے بھی توبہ سے ملا لیا ہے۔اس جملہ میں پہلے لفظ آخَرَ استعمال کر کے اس برے عمل کے ایک ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پھر اس سے سَيِّئًا بدل لائے ہیں۔ پہلے ہی سے عَمَلًا سَيِّئًا نہیں فرمایا کیونکہ اس صورت میں ان کی سچی تصویر نہ آتی اور یہاں بھی مخلوط بہ کو محذوف فرما دیا ہے کیونکہ وہ متعین ہے یعنی توبہ —— قربان جائیے قرآن پاک کی اس بلاغت کے کہ کس قدر مختصر ارشاد میں کتنی سچی تصویر کھینچ دی ہے!

ہر طرح کے عمل کئے تھے اور اپنے برے کاموں سے دنیا ہی میں توبہ کرلی تھی۔ اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور ان کے گناہ معاف کردیئے (درمنثور)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آیت پاک ﴿وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ (توبہ ۱۰۰) کا تعلق تمام امت سے ہے اسی طرح یہ آیت پاک بھی عام ہے۔ ہر وہ مسلمان جس کے اعمال صالحہ میں کچھ گناہوں کی آمیزش ہوجائے اگر وہ توبہ کرلے تو امید ہے: اللہ پاک اس کی کوتاہیوں پر قلم عفو پھیر دیں گے۔

توبہ قبول ہونے پر ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنا کل اثاثہ بطورِ صدقہ پیش کیا:

ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ —— آپؐ ان کے اموال میں سے بطور صدقہ کچھ لے لیجئے —— چنانچہ آپ ﷺ نے ایک تہائی مال قبول فرمایا کیونکہ آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ پورا مال نہ لیا جائے بلکہ بعض لیا جائے۔ لفظِ مِنْ سے یہ بات واضح ہوتی ہے —— آپؐ اس (صدقہ) کے ذریعہ ان کو پاک صاف اور ان کی نشو و نما کریں گے —— مال کی محبت اور دولت کی پوجا ایمان کُش اور نہایت مہلک روحانی بیماریاں ہیں۔ اور اللہ پاک کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس پاک صاف ہوجاتا ہے نیز اس خرچ کرنے میں نفس کی پاکی کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت کا سامان بھی ہے۔ زکات و صدقات سے نفس بخل و حرص اور خود غرضی جیسی مہلک بیماریوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے اور سخاوت، ہمدردی، الفت و محبت، بھائی چارگی اور غرباء پروری جیسی اچھی صفات سے آدمی آراستہ ہوجاتا ہے —— احادیثِ نبویہؐ میں خیرات و صدقات کی اور بھی خوبیاں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ (ترمذی شریف)

صدقہ اللہ پاک کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔

اس حدیث شریف میں صدقہ کے دو فائدے بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ پاک کا غضب اس کی طرف متوجہ ہوجائے تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کردیتا ہے یعنی صدقہ کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ پاک کے غضب و ناراضگی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صدقہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے —— ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهٗ (احمد) قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔

یعنی صدقہ خیرات سائبان بن کر قیامت کے دن کی تپش سے محفوظ رکھے گا —— اور آپؐ ان کے حق میں دعائے خیر فرماویں۔ بلاشبہ آپؐ کی دعاء ان کے لئے سامان تسکین ہے —— یعنی ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے جن کے دل حسرت

وندامت سے زخمی ہورہے ہیں، آپ ﷺ کی دعاء راحت وسکون کا مرہم ثابت ہوگی —— اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں—— وہ آپ ﷺ کی سب دعائیں سن رہے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ کون ان دعاؤں کا سزاوار ہے۔ کس کے حق میں قبول کی جانی چاہئیں اور کس کے حق میں قبول نہ کی جانی چاہئیں۔

اسلامی حکومت کے فرائض میں زکات کا نظام بنانا ہے:

اس آیتِ پاک سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مسلمانوں کی زکات وصدقات وصول کرے اور اس کے مصارف پر خرچ کرنے کا انتظام کرے—— حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں کچھ مسلمانوں نے یہ کہہ کر خلیفۃ المسلمین کو زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تھا کہ ہم سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کا حکم آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک تھا، ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کیا حق ہے کہ ہم سے زکات وصدقات طلب کریں؟—— حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ شروع شروع میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے میں تردد تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ وہ قرآنِ پاک کی اس آیت کی آڑ لے کر امام المسلمین کو زکوٰۃ اداء کرنے سے بچنا چاہتے تھے، اس لئے ان کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرنا چاہئے جو عام مرتدین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پورے عزم کے ساتھ فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا اس سے جہاد کیا جائے گا —— یعنی جو لوگ نماز میں تو اجتماعیت کے قائل ہیں، اُسے تو باجماعت ادا کرتے ہیں مگر زکات میں وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اس کی اجتماعیت میں رخنہ اندازی کرتے ہیں ان سے ضرور جہاد کیا جائے گا۔

صحابہؓ کے عمل سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ جیسے نماز میں اصل اجتماعیت ہے کہ جہاں بھی چند مسلمان ہوں وہ باضابطہ جماعت کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ”کسی بستی میں یا بادیہ (وہ جنگل جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو، بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہوگیا ہو) میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا۔ لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ بھیڑیا اسی بکری کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے دور رہتی ہے“—— یعنی اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی ہوں تو ان کو بھی جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہئے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کرلے گا —— کیونکہ جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرلیتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہیں کرسکتے —— ٹھیک اسی طرح زکوٰۃ میں بھی اصل اجتماعیت ہے کہ باقاعدہ ایک منظم پروگرام

کے تحت زکوٰۃ کی وصولی عمل میں آئے اور خرچ کی جائے تاکہ اس جماعتی نظام کی برکت سے بہت سے وہ لوگ بھی باقاعدہ پابندی سے زکوۃ ادا کرتے رہیں جو آج مال کی لالچ، دنیا کی محبت اور جذبے کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر ادا نہیں کر پاتے —— مگر اس کا یہ مطلب نہ سمجھ لیا جائے کہ انفرادی طور پر ادا کی ہوئی زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ بلکہ جس طرح انفرادی طور پر پڑھی ہوئی نماز ادا ہو جاتی ہے زکوۃ بھی ادا ہو جاتی ہے۔ مدعا صرف یہ ہے کہ جس طرح نماز میں اجتماعیت مطلوب ہے زکوۃ میں بھی مطلوب ہے۔

زکات ٹیکس نہیں، عبادت ہے:

اس آیتِ شریفہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ زکوۃ وصدقات حکومت کا کوئی ٹیکس نہیں، جو نظامِ حکومت چلانے کے لئے وصول کئے جاتے ہوں بلکہ اس کا اصلی مقصد خود مال داروں کو گناہوں اور روحانی بیماریوں سے پاک صاف کرنا ہے اس لئے اگر کسی جگہ یا کسی وقت کوئی بھی مستحق زکوۃ باقی نہ رہے تب بھی مال والوں پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے، زکوٰۃ کا حکم ساقط نہ ہوگا۔

غنیمت کی طرح زکات بھی اس امت کے لئے حلال کی گئی ہے:

پچھلی امتوں میں جو مال اللہ تعالیٰ کے لئے نکالا جاتا تھا اس کا استعمال کسی کے لئے جائز نہ تھا۔ بلکہ دستور یہ تھا کہ اس کو کسی علاحدہ جگہ پر رکھدیا جاتا تھا اور آسمانی بجلی آکر اس کو جلا دیتی تھی اور یہی علامت اس کے مقبول عند اللہ ہونے کی تھی اور جہاں یہ آسمانی آگ نہ آتی تو اس صدقہ کو غیر مقبول سمجھا جاتا اور اس منحوس مال کو کوئی ہاتھ نہ لگاتا —— اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصدقات کی اصل مشروعیت کسی کی حاجت روائی کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک مالی حق اور عبادت ہے جیسے نماز روزہ جسمانی عبادتیں ہیں —— لیکن اللہ پاک جل شانہ وعم نوالہ نے اس امت مرحومہ پر خصوصی احسان یہ فرمایا کہ جو مال اللہ پاک کے لئے نکالا جاتا ہے اسے اس امت کے حاجت مندوں کے لئے جائز کر دیا جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

اس آیت سے ایک خاص نکتہ یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہوں کی تلافی کے لئے توبہ کے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں کچھ مال بھی خرچ کرنا چاہئے تاکہ جو ظلمت وکدورت نفس میں باقی رہ گئی ہو، جو آئندہ گناہ کے ارتکاب کا سبب بن سکتی ہو، وہ کدورت دور ہو کر کامل پاکی حاصل ہو جائے اور خیر کے کاموں کی استعداد بڑھے۔

صحابہ کے تعلقات اور ترک تعلقات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھی:

جن لوگوں نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی مسلمان ان سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے، اسی وجہ سے منافقین

بار بار جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے۔حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اوران کے ان ساتھیوں سے بھی جنھوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی میں قید کر دیا تھا مسلمان بے تعلق ہو گئے تھے۔نہ کوئی ان کے ساتھ بولتا تھا نہ ان کے پاس بیٹھتا تھا۔لیکن چندروز بعد جب ان کی توبہ قبول ہوگئی تو مسلمانوں کے دلوں سے بھی میل دور ہو گیا۔وہ بدستور بھائی بھائی اور باہم شیر وشکر بن گئے۔

نیک لوگوں کے باہمی تعلقات سونے کے برتن کی طرح ہیں جو دیر سے ٹوٹتا ہےاور جلد جڑتا ہے۔

اور برے لوگوں کے تعلقات مٹی کے برتن کی طرح ہیں جو ہر وقت ٹوٹنے کے لئے تیار رہتا ہے

اور کبھی بھی جڑ نہیں سکتا!

صحابہ کے تعلقات اور ترکِ تعلقات کی بنیاد اللہ کی خوشنودی تھی چنانچہ جب تک اللہ پاک ناخوش رہے یہ بھی ناخوش رہے پھر جب اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی تو یہ بھی ان سے خوش ہو گئے ـــــ لیکن منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ ارے یہ کیا ہو گیا؟ان لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ کیوں بدل گیا؟ کل تک کوئی ان کی طرف التفات نہیں کرتا تھا اور آج سب ان کو گلے لگا رہے ہیں! آخر ایسا کیوں ہوا؟ اور ہم ہر طرح قسمیں کھاتے ہیں مگر کوئی اعتبار نہیں کرتا! آخر ماجرا کیا ہے؟[1] ـــــ اللہ رب العزت اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں ـــــ کیا انھیں معلوم نہیں کہ اللہ پاک ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں،اور خیراتیں لیتے ہیں؟ اور یہ کہ اللہ پاک ہی زیادہ سے زیادہ توبہ قبول فرمانے والے، بے حد مہربانی فرمانے والے ہیں ـــــ جن لوگوں نے اخلاص کے ساتھ توبہ کی ان کی توبہ قبول فرمالی، ان کی خیراتیں بھی لے لیں ـــــ اور تم نے چونکہ صرف زبانی جمع خرچ کیا ہے بلکہ دھوکہ بازی سے کام لیا ہے اس لئے نہ تو تمہاری توبہ کو شرفِ قبولیت ملا، نہ تمہاری خیراتیں قبول ہوئیں، بلکہ ہمیشہ کے لئے تمہاری خیراتیں قبول کرنے سے منع فرمادیا اور تمہارے صدقات کو مردود ٹھہرادیا اور تمہارے حق میں نبی کریم ﷺ کی دعاء خیر کو اور استغفار کو بے سود بتلایا۔

زکات خیرات پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچتی ہے:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص خیرات کرتا ہے تو وہ فقیر کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ پاک کے ہاتھ میں پہنچتی ہے۔پھر اللہ پاک اسے فقیر کے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔حضرتؓ نے یہ بات اسی

(۱)عن ابن زيدٍ قال: قال الآخرون: هٰؤلاءِ كانوا معنا بالأمس لايُكَلَّمُوْنَ ولايُجَالَسُوْنَ، فَمَالَهُمْ؟ فَأنزل الله: اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ الآية(درمنثور)

آیتِ پاک سے سمجھی ہے ——حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا مبارک ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ”بلاشبہ اللہ پاک خیرات قبول فرماتے ہیں۔ اللہ پاک اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتے ہیں پھر تمہاری خاطر اسے بڑھاتے رہتے ہیں، جس طرح تم اپنی بچھڑی کی پرورش کرتے ہو، چنانچہ ایک کھجور اُحُد پہاڑ کے برابر ہو جائیگی“

آیتِ پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک سخت گیر یا خوردہ گیر نہیں ہیں، نہ روٹھ کر بیٹھ جانے والے ہیں، وہ تو زیادہ سے زیادہ توبہ قبول فرمانے والے اور نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں۔ ہر اس بندے کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں جو سچی توبہ کرے اور ہر اس شخص کی خیرات قبول فرمالیتے ہیں جو حلال و پاکیزہ کمائی سے اخلاص کے ساتھ پیش کرے۔ لہٰذا:

بازآ، بازآ، ہر آنچہ کردی بازآ ❁ گر کافر وگبر وبُت پرستی بازآ

(توبہ کرو! توبہ کرو! کیسا بھی گناہ ہو گیا ہو توبہ کرو! خواہ تم کافر ہو، آتش پرست ہو یا بت پرست ہو بہر صورت توبہ کرو!)

ایں درگہ ِ ما، درگہ ِ نومیدی نیست ❁ صد بار گر توبہ شکستی بازآ

(ہماری بارگاہ نا امیدی کی بارگاہ نہیں ہے۔ ❁ سو بار بھی اگر توبہ شکنی کر چکے ہو تو بھی توبہ کرو)

اور آپ ؐ(ان اعتراض کرنے والے منافقوں سے) فرمادیجئے کہ (یہ باتیں چھوڑو) عمل کئے جاؤ، آئندہ جلد اللہ پاک اور اس کے رسول (ﷺ) اور مؤمنین تمہارے (طرزِ) عمل کو دیکھ لیں گے—— اور اسی سے اندازہ کرلیں گے کہ تم نے سچی توبہ کی ہے یا دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اگر سچی توبہ کی ہے تو خیر، ورنہ سنو!—— اور جلد تمھیں اس اللہ پاک کی طرف پلٹایا جائے گا جو چھپے کھلے (سب) کے جاننے والے ہیں، پھر وہ تمہیں وہ سب کچھ بتادیں گے جو تم کرتے رہے ہو!—— منافقوں کو اسی قسم کا جواب ابھی آیت ۹۴ میں بھی دیا گیا ہے!

تین صحابہ کا معاملہ مؤخر کیا گیا:

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: —— اور کچھ اور لوگ (ہیں جن کا معاملہ) اللہ پاک کا حکم آنے تک ڈھیل میں ہے وہ یا تو انھیں سزا دیں گے یا ان پر مہربان ہو جائیں گے، اور اللہ پاک سب کچھ جاننے والے، بڑے دانا ہیں—— یہ کل تین آدمی تھے، جن کے نام مُرارَة بن الرَّبِیع، کَعب بن مالک اور هلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہم تھے انھوں نے نبی کریم ﷺ کی واپسی پر کوئی معذرت نہیں کی۔ بلکہ کہا کہ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں کوئی عذر نہ تھا۔ محض کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمادیا کہ ”اللہ کے حکم کا انتظار کرو“ آگے آیت ۱۱۷ میں ان کا مفصل تذکرہ آرہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ

حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳

وَالَّذِيْنَ (۱)	اور (مثال کے طور پر	وَاِرْصَادًا (۳)	اور کمین گاہ بنانے کیلئے	اِلَّا الْحُسْنٰى (۵)	مگر بھلائی کا
	ان لوگوں کا تذکرہ کیجئے)	لِّمَنْ	ان لوگوں کے لئے جو	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک
	جنھوں نے	حَارَبَ	برسرِ پیکار رہ چکے ہیں	يَشْهَدُ	گواہی دیتے ہیں
اتَّخَذُوْا	بنا کھڑی کی	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ کے	اِنَّهُمْ	کہ بلاشبہ وہ لوگ
مَسْجِدًا	ایک مسجد	وَرَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول کے	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں
ضِرَارًا (۲)	نقصان پہنچانے کیلئے	مِنْ قَبْلُ (۴)	قبل ازیں	لَا تَقُمْ (۶)	نہ نماز پڑھئے آپ
وَّكُفْرًا	اور کفر کے لئے	وَلَيَحْلِفُنَّ	اور وہ ضرور قسمیں کھا کر	فِيْهِ	اس (عمارت) میں
وَّتَفْرِيْقًا	اور پھوٹ ڈالنے کیلئے		کہیں گے کہ	اَبَدًا	کبھی بھی
بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں میں	اِنْ اَرَدْنَآ	نہیں ارادہ کیا ہم نے	لَمَسْجِدٌ (۷)	وہی مسجد

(۱) اُذْكُرْ فعل مقدر کا مفعول ہے اور ضِرَارًا مع معطوفات مفعول لہ ہے (۲) ضَارَّ يُضَارُّ سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں ''ضرر پہنچانا، گزند پہنچانا'' اس معنی میں ''ضَرَرٌ'' بھی آتا ہے۔ بعض لوگ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں کہ ضرر وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں نقصان پہنچانے والے کا فائدہ ہو اور ضرار وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں نقصان پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ نہ ہو۔ (۳) باب افعال کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں ''گھات لگانا'' اور باب نصر سے معنی ہیں ''گھات میں بیٹھنا'' (۴) أی: من قبل هذا الاتخاذ (روح) (۵) اَحْسَنُ کا مؤنث ہے اور خَصْلَةٌ کی صفت ہے (۶) نماز پڑھنا قِیام کے مجازی معنی ہیں، کہا جاتا ہے ''فُلَانٌ يَقُوْمُ اللَّيْلَ'' اور حدیث شریف میں ہے [مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ] (۷) لام یا تو ابتدائیہ ہے یا قسمیہ اور مَسْجِدٌ مبتداء ہے، بعد والا جملہ اس کی صفت ہے اور مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ ←

اُسِّسَ	جس کی بنیاد رکھی گئی ہے	الْمُطَّهِّرِيْنَ	خوب پاک صاف	جُرُفٍ(۴)	کھوکھلے ساحل کے
عَلَى التَّقْوٰى	تقوی پر		رہنے والوں کو	هَارٍ(۵)	کو گرنے کو ہے
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ	روز اول ہی سے	اَفَمَنْ(۱)	کیا تو وہ شخص جس نے	فَانْهَارَ(۶)	پھر وہ جا گرا
اَحَقُّ	(وہی) زیادہ مستحق ہے	اَسَّسَ	بنیاد رکھی	بِهٖ	اس کو لے کر
اَنْ تَقُوْمَ	کہ آپ نماز پڑھیں	بُنْيَانَهٗ(۲)	اپنی عمارت کی	فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ	جہنم کی آگ میں؟
فِيْهِ	اس میں	عَلٰى تَقْوٰى	خوف پر	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْهِ	اس (مسجد) میں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے	لَا يَهْدِي	سمجھ بوجھ نہیں دیتے
رِجَالٌ	ایسے لوگ (نماز پڑھتے	وَرِضْوَانٍ	اور رضا پر	الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالم لوگوں کو
	ہیں) جو	خَيْرٌ	اچھا ہے	لَا يَزَالُ	ہمیشہ بنی رہے گی
يُحِبُّوْنَ	پسند کرتے ہیں	اَمْ مَّنْ	یا وہ شخص	بُنْيَانُهُمُ	ان کی یہ عمارت
اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا	کہ خوب پاک صاف ہیں	اَسَّسَ	جس نے بنیاد رکھی	الَّذِيْ بَنَوْا	جو بنائی تھی انھوں نے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بُنْيَانَهٗ(۲)	اپنی عمارت کی	رِيْبَةً(۷)	کانٹا
يُحِبُّ	محبوب رکھتے ہیں	عَلٰى شَفَا(۳)	کنارے پر	فِيْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں

← متعلق ہے اَسَّسَ سے اور اَحَقُّ الخ خبر ہے۔

(۱) فا مقدر پر عطف کے لئے ہے ای: أبَعْدَ ما عُلِمَ حالُهم فَمَنْ اَسَّسَ الخ (روح) (۲) بُنْيَان مصدر ہے غُفْرَان کے وزن پر لیکن مَفْعُوْلٌ کے معنی میں ہے یعنی عمارت (۳) الشَفَا: ہر چیز کا کنارہ، تثنیہ: شَفَوَان اور جمع اَشْفَاءٌ ہے —— انسان کے لئے موت کے وقت، اور چاند کے لئے چھپنے کے وقت، اور آفتاب کے لئے غروب کے وقت کہا جاتا ہے: مَابَقِيَ مِنْهُ اِلَّا شَفَا یعنی صرف تھوڑا سا رہ گیا ہے۔ فعل شَفَا يَشْفُوْ شَفْوًا ہے۔ شَفَا الْهِلَالُ: چاند کا طلوع ہونا شفا الشخصُ: ظاہر ہونا شفا الشَّمْسُ: آفتاب کا غروب کے قریب ہونا (۴) جُرُفٌ کی جمع جِرُفَةٌ ہے: ندی یا دریا کا کنارہ جس کے نیچے کی مٹی کو پانی نے کاٹ کر بہا دیا ہو، اور اوپر کا حصہ بے سہارا کھڑا رہ گیا ہو، اور اسی سے محاورہ ہے کہ: فُلَانٌ يَبْنِيْ عَلٰى جُرُفِ هَارٍ لَايَدْرِيْ مَالَيْلٌ مِّنْ نَهَارٍ (فلاں شخص دریا کے گرتے ہوئے کنارہ پر گھر بناتا ہے، اسے رات دن کی تمیز نہیں) جَرَفَ الشَّيْئَ: کل یا اکثر حصہ کو لے جانا۔ (۵) هَارٍ اسم فاعل ہے، مادہ هَوْرٌ معنی ہیں گرنے کے قریب۔ (۶) اِنْهَارَ (فعل ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب) اِنْهِيَارٌ سے ہے جس کے معنی ہیں ڈھ پڑنا (۷) رَيْب سے اسم ہے، جس کی جمع رِيَبٌ ہے بمعنی شبہ، شک۔

اِلَّآ	مگر	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے
اَنْ تَقَطَّعَ (۱)	یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ پاک	حَكِيْمٌ	بڑے دانا ہیں

قصہ مسجد ضرار کا: منافقین کی دسیسہ کاری کی ایک مثال

آیت نمبر چورانوے سے یہ بیان چل رہا ہے کہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کو معذوری اور مجبوری کا نتیجہ بتلاتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ قبول ہوگئی اور ان کی جھوٹی قسموں کا اعتبار نہیں کیا گیا تو اس پر انھیں اچنبھا ہوا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ ہمارا اور ان کا کیس ایک ہی نوعیت کا ہے جب انھیں معاف کر دیا گیا تو ہمیں کیوں نہیں بخشا گیا؟ اس لئے اب اللہ پاک ان نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) کے اعمال کی قلعی کھولتے ہیں اور ان کا کچا چٹھا منظر عام پر لاتے ہیں۔ بتلاتے ہیں کہ ان کے برے اعمال تو برے ہی ہیں، ان کے وہ اعمال بھی جو بظاہر بہت ہی خوش نما نظر آتے ہیں، اندر سے گندے ہیں، پھر انھیں کیونکر سچا مسلمان تسلیم کر لیا جائے؟ اور ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے دراجابت کیسے وا ہو؟:

مسلماں تو وہ ہے، جو ہو مسلماں، علم باری میں ❁ کروڑوں یوں تو ہیں، لکھے ہوئے مردم شماری میں

یہاں مثال کے طور پر منافقوں کے ایک مسجد بنانے کا تذکرہ فرمایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسجد بنانا کارِ ثواب ہے اور بڑا فضیلت والا عمل ہے۔ مسجد بنانا جنت میں اپنا محل تعمیر کرنا ہے۔ لیکن منافقوں نے جو مسجد بنائی تھی اس کی کہانی کچھ اور تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام سے پہلے مدینہ شریف میں مشرکوں کے دو قبیلے اَوس اور خَزْرَج آباد تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد یہی حضرات "انصار" کے معزز لقب سے سرفراز کئے گئے یعنی وہ حضرات جنھوں نے اسلام کی بھرپور مدد کی اور اس کی راہ میں تن مَن دھن کی بازی لگا دی ـــــ لیکن قدرت کی نیرنگی دیکھئے کہ انہی قبیلوں میں انتہا پسند منافق بھی تھے۔ ان کا سرغنہ عبداللہ بن ابی اسی قبیلہ خزرج کا ایک فرد تھا جس کی سیاہ تاریخ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اسی قبیلہ کا ایک دوسرا شخص تھا۔ جس کا نام عمرو یا عبدِ عمرو تھا۔ جو اپنی کنیت ابو عامر سے پہچانا جاتا تھا۔ اسلام سے پہلے راہب (درویش) سے مشہور تھا۔ نبی پاک ﷺ نے اس کو بجائے راہب کے فاسق نام دیا تھا۔ یہ شخص مشہور صحابی حضرت حَنْظَلَه رضی للہ عنہ کا باپ تھا (حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاشِ مبارک کو فرشتوں نے نہلایا تھا جس کی وجہ سے انہیں غَسِيْل

(۱) باب تَفَعُّلُ سے فعل مضارع کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے جس کی اصل تَتَقَطَّعُ ہے ایک تا حذف کی گئی ہے معنی ہیں پارہ پارہ ہو جانا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا۔

الملائکۃ کہا جاتا ہے) مگران کے باپ کا حال کچھ اور ہی تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت (قبل از اسلام) میں عیسائی بن گیا تھا۔ اس کا شمار اہلِ کتاب کے علماء میں ہونے لگا تھا اور درویشی میں بھی اس کی شہرت تھی — مگر جب اسلام کا نور چمکا تو اس کا یہ علم اور یہ درویشی اس کے لئے زبردست حجاب بن گئی۔ وہ نعمتِ ایمان سے محروم رہا۔ بلکہ نبی پاک ﷺ کو اپنی مشیخت، کاروبارِ درویشی اور چودھراہٹ کا حریف سمجھنے لگا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا— شروع میں اس نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام پر اعتراضات کئے۔ معقول جوابات پانے پر بھی اس بدنصیب کو اطمینان نہ ہوا، کہنے لگا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ مردود ہو اور احباب و اقارب سے دور مسافرت میں مرے،! نبی کریم ﷺ نے آمین کہی۔ وہ مجلس سے یہ کہہ کر اٹھا کہ آپؐ کے مقابل جو بھی دشمن آئے گا میں اس کا ساتھ دوں گا!''

دو سال تک تو اسے یہ امید رہی کہ کفار قریش کی طاقت ہی اسلام کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گی۔ لیکن جب میدانِ بدر میں قریش کو شکستِ فاش ہوئی تو اب اس نے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اور قریش اور دوسرے قبائل کی ایک بھاری جمعیت مدینہ شریف پر چڑھا لایا جن سے احد پہاڑ کے دامن میں مسلمانوں کا سخت مقابلہ ہوا۔ یہ شخص بذاتِ خود بھی اس معرکہ میں کافروں کے ساتھ شریکِ جنگ تھا۔ بلکہ احد کے میدان جنگ میں اسی ملعون نے وہ گڑھے کھدوائے تھے، جن میں سے کسی ایک میں نبی پاک ﷺ (اَروَاحُنَا فِدَاہُ) گر کر زخمی ہوئے تھے— جنگ احزاب میں جو لشکر ہر طرف سے مدینہ شریف پر چڑھ آیا تھا، اس کو چڑھالانے میں بھی اس شخص کا نمایاں حصہ تھا— خلاصہ یہ کہ جنگ حنین تک مشرکین عرب اور مسلمانوں کے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئی ہیں ان سب میں یہ عیسائی فاسق اسلام کے خلاف شرک کا سرگرم حامی رہا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو پہلے مدینہ سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلے قبا میں فروکش ہوئے تھے۔ یہاں کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ جس جگہ نماز پڑھتے تھے وہاں لوگوں نے ایک مسجد تیار کر لی تھی۔ جو مسجدِ قبا کے نام سے مشہور ہے۔ چند روز بعد نبی کریم ﷺ شہر (مدینہ) میں تشریف لے آئے۔ اور شہر میں اپنی مسجد تعمیر فرمائی، جو مسجدِ نبوی کہلاتی ہے — ابو عامر فاسق اور عبداللہ بن ابی قبیلہ خزرج کی اسی شاخ بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے ہیں— جب اس فاسق درویش کو اس بات سے مایوسی ہوگئی کہ عرب کی کوئی طاقت اسلام کے سیل رواں کو روک سکے گی تو اس نے عرب کو چھوڑ کر روم کا رخ کیا، تا کہ قیصر روم کو اس خطرہ سے آگاہ کرے جو عرب میں سر ابھار رہا تھا۔ وہ غزوۂ حُنین کے بعد روم کے لئے روانہ ہو گیا وہاں اس نے اسلام کے خلاف اس زور سے آگ لگائی کہ مدینہ شریف میں اطلاعات پہنچنے لگیں کہ قیصرِ روم مدینہ شریف پر چڑھائی کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کو اس کی روک تھام کے لئے تبوک کی مہم پر جانا پڑا — یہ فاسق تنہا سرگرم عمل نہیں تھا بلکہ مدینہ کے منافقوں کا ایک گروہ، خصوصاً بنی عمرو بن عوف

کے بارہ منافق اس کے ساتھ سازش میں برابر کے شریک تھے —— اس کی سازش کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ اس کے ہمنوا منافق اپنی ایک الگ مسجد بنالیں، جہاں منافق منظّم ہوسکیں۔ اور آئندہ کارروائیوں کے لئے مشورے کرسکیں۔ اور ابوعامر آئے تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور مشورے کرنے کے لئے موجود ہو۔ اور اس تمام کارروائی پر مذہب کا خوشنما پردہ پڑا رہے۔ اور آسانی سے ان پر کوئی شبہ نہ کیا جاسکے —— یہ تھی وہ ناپاک سازش جس کے تحت قبا میں وہ مسجد تیار کی گئی جو تاریخ میں ''مسجدِ ضرار'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

لیکن چونکہ قبا ایک مختصر سا محلّہ تھا اور وہاں پہلے سے ایک مسجد موجود تھی اس لئے یہ لوگ مجبور ہوئے کہ اپنی علاحدہ مسجد بنانے کی ضرورت ثابت کریں۔ چنانچہ انھوں نے نبی پاک ﷺ کے سامنے یہ ضرورت پیش کی کہ بارش میں اور جاڑے کی راتوں میں عام لوگوں کو اور خصوصاً بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو جو پہلی مسجد سے دور رہتے ہیں پانچوں وقت حاضری دینی مشکل ہوتی ہے اس لئے ہم نے نمازیوں کی آسانی کے لئے ایک نئی مسجد تعمیر کی ہے۔ آپؐ ایک مرتبہ خود نماز پڑھا کر ہماری مسجد کا افتتاح فرمادیں۔

نبی کریم ﷺ اس وقت تبوک کی مہم پر روانگی کی تیاریاں فرمارہے تھے۔ اس لئے آپؐ نے وعدہ فرمایا کہ ''اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے، واپسی پر میں اس مسجد میں نماز پڑھوں گا''

آپ ﷺ تبوک کی طرف روانہ ہوگئے، آپؐ کے بعد منافقین اس مسجد میں اپنی جتھ بندی اور سازش کرتے رہے، یہیں انھوں نے یہ طے کیا تھا کہ اُدھر کوئی سانحہ پیش آئے اور مسلمانوں کا قلع قمع ہوجائے، اِدھر ہم فوراً عبداللہ بن اُبی کے سر پر شاہی تاج رکھدیں۔

ان کی اس زبردست سازش کا انجام یہ ہوا کہ ابوعامر فاسق روم کی ایک بستی قِنَّسرِیْن میں وطن سے دور، یکہ وتنہا، غربت و بے کسی کی حالت میں موت کے منہ میں پہنچ گیا۔ اور تبوک میں مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس نے منافقوں کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

تبوک سے واپسی پر جب نبی اکرم ﷺ ذِیْ اَوَانْ مقام پر پہنچے، جو مدینہ شریف سے قریب ہی ہے، تو اللہ پاک نے یہ آیات مبارکہ نازل فرماکر ان کی سازش سے پردہ اٹھادیا۔ آپ ﷺ نے وہیں سے چند آدمیوں کو روانہ فرمایا تاکہ وہ نبی اکرم ﷺ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی مسجدِ ضرار کو مسمار کردیں —— اس ضروری تفصیل کے بعد اب آیاتِ پاک ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں —— اور (مثال کے طور پر آپ ان لوگوں کا تذکرہ فرمائیے) جنھوں نے ایک مسجد بنا کھڑی کی (اسلام کو) نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر (کو تقویت پہنچانے) کے لئے، اور مسلمانوں میں

پھوٹ ڈالنے کے لئے، اور اس شخص کی کمین گاہ کے طور پر جو قبل ازیں اللہ پاک سے، اور اس کے رسول (ﷺ) کے خلاف برسر پیکار رہ چکا ہے —— یعنی انھوں نے یہ نام نہاد مسجد چار مذموم مقاصد کے لئے بنائی تھی:

① —— انھوں نے یہ مسجد نہیں بنائی تھی بلکہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کا ایک اڈہ بنایا تھا اور یہاں سے ایسی کارروائیاں عمل میں لائی جاتی تھیں، جن سے اسلام کو دھکا پہنچے۔

② —— یہ کفر کی پناہ گاہ اور نفاق کی تربیت گاہ تھی۔

③ —— قُبا کی تمام آبادی جو ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرتی تھی اس کو دو جماعتوں میں بانٹنا مقصود تھا، کیونکہ اب کچھ لوگ پہلی مسجد میں جائیں گے اور کچھ نئی میں۔ اس طرح اجتماعیت کو پارہ پارہ کر کے وہ لوگ افتراق کی راہیں ہموار کر رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک مسجد موجود ہو تو بلاضرورت اس کے قریب دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں ایسا کرنا بلا ضرورت مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا ہے —— اسی وجہ سے تمام ائمہ کرامؒ کا اتفاق ہے کہ ہر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ہی جگہ ہونی چاہئے۔ جب آبادی اتنی بڑھ جائے کہ ایک جگہ ناکافی ثابت ہو تو پھر بقدرِ ضرورت ایک سے زیادہ مسجدوں میں جمعہ قائم کیا جائے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ بلاضرورت ہر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے —— اور اسی اجتماعی فوائد کو حاصل کرنے کے لئے تمام مسلمان عیدین کی نمازوں کو شہر سے باہر نکل کر ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور یہی نبی پاک ﷺ کی سنتِ مستمرہ ہے۔ لہٰذا بلاضرورت عیدین کی نمازیں بھی شہر کی مسجدوں میں نہ پڑھی جائیں۔ ایسا کرنا عیدین کے اجتماع کے مقصدِ عظیم کو ضائع کرنا ہے۔

④ —— یہ عمارت اس شخص کے لئے کمین گاہ تھی جو اسلام کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا تھا۔

لیکن سازشی اعترافِ جرم ہرگز نہیں کریں گے:

ارشاد فرماتے ہیں —— اور وہ لوگ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں کیا —— ہم نے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہی مسجد بنائی ہے اس کے علاوہ ہمارا کوئی اور ارادہ نہیں ہے —— اور اللہ پاک گواہی دیتے ہیں کہ وہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں —— ان کی بنائی ہوئی مسجد کا حکم یہ ہے کہ —— آپؐ اس (عمارت) میں (اس کا پس منظر معلوم ہو جانے کے بعد) کبھی نماز نہ پڑھئے —— کیونکہ وہ درحقیقت مسجد نہیں ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کو مسمار کرا دیا۔

مسجد کے قریب مسجد بنانے یا ریا و نمود کے لئے مسجد بنانے کا حکم:

یہ نام نہاد مسجد جسے قرآن کریم نے ''مسجد ضرار'' قرار دیا ہے اور جسے حضور ﷺ نے مسمار کرا دیا تھا وہ درحقیقت مسجد

نہیں تھی، کیونکہ وہ نماز پڑھنے کے مقصد کے لئے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ کچھ اور مقاصد کے لئے بنائی گئی تھی۔ لہٰذا آج اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنادیں اور بنانے کا مقصد بھی مسلمانوں میں باہم تفرقہ پیدا کرنا ہو یا پہلی مسجد کی جماعت کو توڑنا ہو یا اسی قسم کی اور فاسد اغراض ہوں تو اگر چہ ایسی مسجد بنانا جائز نہیں، نہ بنانے والوں کو کوئی ثواب ملے گا، بلکہ الٹا تفریق پیدا کرنے کی وجہ سے گناہ لازم ہوگا، لیکن بایں ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور مسجد کے تمام آداب واحکام اس پر جاری ہوں گے۔ اس کو مسمار کر دینا، یا اس میں آگ لگا دینا جائز نہیں۔ اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی۔

اس مسجد کو مسجدِ ضرار پر قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ مسجد ضرار صرف نام کی مسجد تھی ورنہ بنانے والوں کا مقصد مسجد بنانا تھا ہی نہیں۔ اور اس مسجد کو بنانے والوں نے مسجد ہی بنایا ہے اگر چہ اس کے ساتھ فاسد اغراض بھی شامل ہوگئی ہیں۔ اس لئے دونوں کا حکم یکساں نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان ریاء ونمود کے لئے یا ضد اور عناد کی وجہ سے کوئی مسجد بنا ڈالے تو اگر چہ اس بنانے والے کو مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا، بلکہ الٹا گناہ ہوگا، نہ اس مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے، تاہم اس کو بھی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا بلکہ اسے مسجد ہی کہا جائے گا اور اس میں نماز بھی ہو جائے گی۔

ہاں ان دونوں قسم کی مسجدوں کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں اور اس کے بنانے والے کو روکا بھی جا سکتا ہے جس طرح کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا کہ: ”ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو“

مسجد قبا کے فضائل اور اس میں نماز پڑھنے والوں کے محاسن:

ارشاد فرماتے ہیں کہ —— وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے یقیناً اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ (ﷺ) اس میں نماز ادا فرمائیں —— اس میں (نماز پڑھنے والے) ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک صاف ہونا پسند کرتے ہیں —— اور اللہ پاک کو (بھی) خوب پاک صاف رہنے والے محبوب ہیں ——چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ گاہ بگاہ قُبا تشریف لے جاتے اور مسجد مذکور میں نماز ادا فرماتے۔ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: ”قبا کی مسجد میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے“ —— ایک بار آپؐ قبا تشریف لے گئے اور لوگوں سے دریافت فرمایا کہ ”آپ لوگوں نے پاک صاف ہونے کا وہ کونسا طریقہ اپنا رکھا ہے جس کی وجہ سے اللہ پاک نے آپ لوگوں کی اس قدر تعریف فرمائی ہے؟“ ان حضرات نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارا کوئی خاص معمول تو نہیں ہے البتہ ہم ڈھیلے کے بعد پانی سے بھی استنجاء

کرتے ہیں۔اس پر نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بس یہی بات ہے، پس تم اس کو اپنے اوپر لازم کرلو''—— عرب عام طور پر صرف ڈھیلوں سے بڑا استنجاء کیا کرتے تھے کیونکہ عرب میں پانی کی بہت زیادہ قلت تھی، نیز ان کی غذاء کھجور وغیرہ خشک چیزیں ہوتی تھیں اس لئے وہ قضائے حاجت بھی مینگنیوں کی شکل میں کرتے تھے لیکن صفائی کا تقاضہ یہ تھا کہ ڈھیلے کے بعد پانی بھی استعمال کیا جائے۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا ہمیشہ پانی استعمال فرمانے کا معمول رہا ہے جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی عام طور پر اس سنتِ نبوی پر عامل ہوگئے تھے۔آپ ﷺ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس سنت کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی، وہ انصار کی عورتوں کو سمجھایا کرتی تھیں کہ اپنے شوہروں کو یہ سنتِ نبوی بتلاؤ، میں بتانے سے شرماتی ہوں!

دنیا کی ہر مسجد اس آیت کا مصداق ہے:

یہ آیتِ شریفہ مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں اس لئے دنیا کی ہر وہ مسجد اس آیتِ پاک کا مصداق ہے جس کی خشتِ اول تقویٰ پر رکھی گئی ہو، جس کی بناء کا مقصد ہی اللہ پاک کی خوشنودی ہو—— نبی کریم ﷺ کے مبارک دور میں دو صحابیوں میں اس آیتِ شریفہ کے مصداق کے بارے میں تکرار ہوئی۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ آیت کے الفاظ کے عموم کے پیش نظر فرماتے تھے کہ اس کا مصداق نبی اکرم ﷺ کی مسجد ہے۔اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے صحابی فرماتے تھے کہ اس آیت کا مصداق مسجد قُبا ہے کیونکہ وہی شان نزول ہے۔ان کا نزاع بڑھتا گیا۔بالآخر دونوں بزرگوار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور رائے عالی دریافت کی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''میری یہ مسجد مراد ہے''—— آپؐ کے ارشادِ مبارک سے واضح ہوا کہ آیت کے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہے، شانِ نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں۔

اس آیتِ شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسجد کی فضیلت کا اصل مدار اس پر ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ، اللہ کے لئے بنائی گئی ہو، جس میں ریا اور نام ونمود یا کسی فاسد غرض کا کوئی دخل نہ ہو—— نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازیوں کے نیک، صالح، عالم وعابد ہونے سے بھی مسجد کی فضیلت بڑھ جاتی ہے۔

منافقوں کی اور ان کی بنائی ہوئی مسجد کی مذمت:

ارشاد فرماتے ہیں —— بتلایئے: وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خوف خدا اور رضائے الٰہی پر رکھی ہو: اچھا ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی ایسے کھوکھلے ساحل کے کنارے پر رکھی ہو جو گرنے ہی والا ہے، پس وہ کنارہ اس (بانی) کو لے کر جہنم کی آگ میں جا گرا؟—— یقیناً پہلا شخص بہتر ہے —— اور اللہ پاک ظالم لوگوں کو سمجھ بوجھ نہیں دیتے

—— چنانچہ اتنی موٹی بے غبار بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئی، لیکن جن لوگوں کو اللہ پاک نے سمجھ بوجھ دی ہے اور نورِ ہدایت سے نوازا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ پہلا شخص ہی بہتر ہے۔

پہلا شخص مؤمن ہے اور دوسرا شخص کافر و منافق ہے اور ان کی جو مثال یہاں بیان فرمائی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا اور اس کی یہ زندگانی کسی ساحل سمندر کے کھوکھلے کنارے کی طرح ہے۔ اس میں کوئی پائیداری نہیں، یہ ختم ہوجانے والی زندگانی ہے۔ آج نہیں تو کل، بہر حال اسے ختم ہوکر رہنا ہے اس کے برخلاف اخروی زندگی ایک پائیدار زندگی ہے جو سدا باقی رہنے والی زندگی ہے —— پس جو شخص اپنے اعمال کی بنیاد اُخروی زندگی کو بناتا ہے، پرہیزگاری اور رضائے الٰہی کو پیشِ نظر رکھتا ہے، وہ اپنی عمارت ٹھوس چٹان پر اٹھا رہا ہے۔ اور جو شخص اپنے اعمال کی بنیاد دنیوی زندگانی کو بناتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ خود ہلاک ہوگا، بلکہ اس ناپائیدار بنیاد پر تکیہ کرکے اپنا جو کچھ سرمایہ اس عمارت میں جمع کیا ہے وہ بھی برباد ہوجائے گا۔ اور اس کی یہ زندگی اور اس کے اعمال اسے لے کر جہنم میں جاگریں گے۔

بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے اعمال کی بنیاد خوفِ خداوندی اور رضائے الٰہی پر رکھتے ہیں!

منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد کے مسمار کردیئے جانے، اور ان کی سازش کا پردہ چاک ہوجانے کا نفسیاتی اثر:

اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں —— منافقوں نے جو یہ عمارت بنائی تھی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا بنی رہے گی —— یعنی وہ ہمیشہ خوف و ہراس کی حالت میں رہیں گے کہ نہ معلوم اب ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے؟ —— اِلّا یہ کہ ان کے دل ہی پارہ پارہ ہوجائیں —— اور وہ موت کا لقمہ بن جائیں اور کھٹک کا محل ہی باقی نہ رہے —— اور اللہ پاک سب کچھ جاننے والے بڑے دانا ہیں —— وہ ان کی سازش کو روزِ اول سے جانتے ہیں، لیکن اپنی حکمتِ بالغہ سے اس کی پردہ دری کو مناسب وقت آنے تک موقوف رکھے ہوئے ہیں۔ پھر جب وہ وقت آگیا تو ان کی سازش کا تمام بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ

الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

إِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک نے	فِي التَّوْرٰىةِ (۳)	(مذکور ہے) تورات میں	الْعٰبِدُوْنَ	بندگی بجالانے والے
اشْتَرٰى	خرید لی ہیں	وَالْاِنْجِيْلِ	اور انجیل (میں)	الْحٰمِدُوْنَ	(اللہ کی) تعریف کرنے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں سے	وَالْقُرْاٰنِ	اور قرآن (میں)		والے
اَنْفُسَهُمْ	ان کی جانیں	وَمَنْ اَوْفٰى (۴)	اور کون ہے پورا کرنے والا	السّٰٓئِحُوْنَ	(اللہ کی راہ میں) سفر
وَاَمْوَالَهُمْ	اور ان کے اموال	بِعَهْدِهٖ	بڑھ کر اپنے عہد کا		کرنے والے
بِاَنَّ	اس قیمت پر کہ	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے؟	الرّٰكِعُوْنَ	رکوع کرنے والے
لَهُمُ (۱)	ان کے لئے	فَاسْتَبْشِرُوْا (۵)	پس خوشیاں مناؤ	السّٰجِدُوْنَ	سجدہ کرنے والے
الْجَنَّةَ	جنت ہے	بِبَيْعِكُمُ	اپنے (اس) سودے پر	الْاٰمِرُوْنَ	حکم دینے والے
يُقَاتِلُوْنَ	جنگ کرتے ہیں وہ	الَّذِيْ	جو	بِالْمَعْرُوْفِ	نیکی کا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں	بَايَعْتُمْ بِهٖ	تم نے خدا سے کیا ہے	وَالنَّاهُوْنَ	اور روکنے والے
فَيَقْتُلُوْنَ	پس مارتے (بھی) ہیں	وَذٰلِكَ	اور یہ	عَنِ الْمُنْكَرِ	بدی سے
وَيُقْتَلُوْنَ	اور مرتے (بھی) ہیں	هُوَ	ہی	وَالْحٰفِظُوْنَ	اور حفاظت کرنے والے
وَعْدًا (۲)	وعدہ ہے	الْفَوْزُ	بڑی فیروزمندی ہے	لِحُدُوْدِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی حدود کی
عَلَيْهِ	اللہ کے ذمے	الْعَظِيْمُ		وَبَشِّرِ	اور خوش خبری دیجئے
حَقًّا	پختہ	اَلتَّآئِبُوْنَ (۶)	(وہ لوگ) توبہ کرنے والے	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنوں کو

(۱) أى: بالجنة الثابتة لهم المختصة بهم (روح) (۲) مصدر ہے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ أى: وعدهم الله وعدًا — اور عَلَيْهِ حال ہے حَقًّا سے — حَقًّا صفت ہے وعدًا کی (۳) محذوف سے متعلق ہوکر وَعْدًا کی صفت ہے أى: وعدا مثبتا مذكورًا فى التوراة الخ (۴) مَنْ: استفهامٌ بمنى الإنكار و" أوفى" افعلُ تفضيلٍ، وقوله: من اللهِ صِلَتُهُ (روح البیان) (۵) فيه التفات الى خطابهم لزيادة التشريف — والاستبشار: اظهار السرور — والسين فيه ليس للطلب، كاستوقد واوقد — والفاء لترتيب الاستبشار على ما قبله (رُوحَيْن) (۶) اپنے معطوفات کے ساتھ هُمْ محذوف کی خبر ہے۔

سچے مؤمنوں کی زندگی کی سچی تصویر

منافقوں کے اچھے سے اچھے اعمال (مسجد) کی حقیقت جان لینے کے بعد اب سچے مسلمانوں اور پکے مؤمنوں کے اعمال واوصاف بھی ملاحظہ فرمائیں اور تفاوتِ راہ کا اندازہ لگائیں —— یہ آیت قرآنِ کریم کی بہت ہی اہم آیت ہے۔ اس میں سچے مؤمنوں کی زندگی کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ اور چوں کہ ہم بفضل اللہ تعالیٰ ایمان دار ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس تصویر کو بغور دیکھیں۔ نیز اپنا جائزہ لیں کہ ہم میں سچے ایمانداروں کی تمام صفات موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو شکر الٰہی بجالائیں اور بصورتِ دیگر کوشش کریں کہ یہ تمام صفات ہمارے اندر جلوہ گر ہوں۔

ارشادِ عالی ہے:—— بلاشبہ اللہ پاک نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں، اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے! —— ایمان فی الواقع اس بات کے معاہدے کا نام ہے کہ مؤمن نے اپنا نفس اور اپنا مال اللہ پاک کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔ اور اللہ پاک نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مؤمن کو اس کے بدلے میں، مرنے کے بعد دوسری زندگی میں، جنت عطا فرمائیں گے۔

غرض ایمان کی پوری حقیقت: چند عقیدے اور دو بول نہیں ہیں۔ بلکہ ایمان نام ہے ایک شعوری معاہدے کا، جس میں مؤمن اپنا سب کچھ اللہ پاک کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے۔ جان بھی اور مال ومنال بھی۔ یہ چیزیں اب اس کی اپنی نہیں رہیں بلکہ اللہ پاک اور اس کے دین کے لئے وقف ہوگئیں۔ اور اللہ پاک کی طرف سے اس کے معاوضہ میں جنت کی سَرمدی نعمتیں عطا ہوں گی—— بندے اور خدا کے درمیان خرید وفروخت کے اس معاملے کے طے ہوجانے ہی کا نام ایمان ہے۔ جس میں نہ بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے، نہ خریدنے والا قیمت لوٹا سکتا ہے—— مؤمن کے لئے اس سے زیادہ سودمند تجارت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کی حقیر جان اور فانی مال کے خریدار خود اللہ پاک بنیں، حالانکہ اس کی جان اور اس کا مال اس کے تھے ہی کب؟ وہ اللہ پاک ہی کے مملوک ومخلوق تھے، پھر نوازش کی حد ہوگئی کہ اس ذرا سی چیز کے عوض میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لئے مخصوص فرمادیا۔ جیسا کہ ﴿ بِالْجَنَّةِ ﴾ کی جگہ ﴿ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ کہنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور لطف وکرم کے اظہار ہی کے لئے معاملے کو اپنی طرف سے شروع کیا، نہ کہ بیچنے والوں کی طرف سے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ مؤمنوں نے بیچ ڈالی، بلکہ فرمایا کہ اللہ پاک نے مؤمنوں سے خرید لی۔ گویا معاملہ کے طالب وہ تھے۔ حالانکہ ہر طرح کی طلب واحتیاج سے وہ پاک ہیں اور جو متاع (جان ومال) انھوں نے قبول فرمائی وہ بھی انہی کی تھی۔ اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی ان کے سوا اور کس کا ہوسکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مؤمن کی یہ عظیم الشان فیروزمندی ہے۔

امت کے وہ سابقین جنھوں نے شعوری طور پر یہ سودا کیا تھا:

بعثتِ نبوی کے تیرہویں سال منیٰ کی ایک گھاٹی میں مدینہ شریف کے ستر مرد اور دو عورتیں جمع ہیں۔ نبی اکرم ﷺ وہاں چھپ چھپا کر پہنچتے ہیں اور ان لوگوں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش فرماتے ہیں۔ وہ حضرات ایمان لانے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں اور بیعت کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! اس وقت معاہدہ ہو رہا ہے۔ آپؐ اپنے رب کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق جو شرائط طے فرمانا چاہیں وہ واضح فرمادیں۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَشْتَرِطُ لِرَبِّیْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلاَ تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَاَشْتَرِطُ لِنَفْسِیْ اَنْ تَمْنَعُوْنِیْ مِمَّا تَمْنَعُوْنَ مِنْهُ اَنْفُسَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ (درمنثور)

ترجمہ: میں اللہ پاک کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ آپ لوگ سب اس کی عبادت کریں اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ میری حفاظت اسی طرح کریں جس طرح اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وہ لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو ہمیں اس کے بدلے میں کیا ملے گا؟ نبیِ اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جنت ملے گی" ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم سب اس سودے پر راضی ہیں، نہ ہم خود اس معاملے کو فسخ کریں گے، نہ فسخ کرنے کی درخواست کریں گے ــــ یہ ہیں اس امت کے سابقین اولین جنھوں نے شعوری طور پر خرید و فروخت کا یہ سودا طے کیا تھا۔ ہر مؤمن اللہ پاک سے یہی سودا کرتا ہے۔ اس کے ایمان لاتے ہی اس کی جان اور مال رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے اور آپؐ کے دین کے لئے وقف ہو جاتے ہیں ــــ یہ نہیں ہوتا کہ ہماری جان و مال خرید لئے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں۔ مطلوب صرف اتنی بات ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و مال خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لئے تیار رہیں، دینے سے دریغ نہ کریں، خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ ارشاد فرماتے ہیں ــــ وہ راہِ خدا میں جنگ کرتے ہیں پھر مارتے (بھی) ہیں اور مرتے (بھی) ہیں ــــ یعنی مقصود اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے۔ پھر چاہے ماریں یا مارے جائیں۔ بہر صورت خرید و فروخت کا معاملہ پورا ہو گیا اور یقینی طور پر قیمت کے مستحق ہو گئے۔

سودے کی قیمت کا پکا وعدہ ہے:

ممکن ہے یہاں کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ معاملہ تو بیشک بہت سودمند اور فائدہ بخش ہے، لیکن قیمت نقد نہیں

ملتی۔ارشادفرماتے ہیں کہ قیمت یعنی جنت کا وعدہ ـــ اللہ پاک کے ذمے پختہ وعدہ ہے (جس کا) تورات،انجیل اور قرآن میں (تذکرہ بھی کردیا گیا ہے)ـــ یعنی قیمت کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔اللہ پاک جل شانہ نے بہت پکا وعدہ فرمایا ہے اور ہمیشہ آسمانی کتابوں میں اس کا اعلان فرماتے رہے ہیں۔اس لئے خلاف ورزی کا سوال نہیں ـــ اور کون ہے جو اللہ پاک سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ـــ یعنی کیا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا اور وعدے کا پکا کوئی دوسرا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں ـــ لہٰذا (اے مؤمنو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے خوشیاں مناؤ!ـــ کیونکہ مؤمنین کے لئے خوش ہونے کا اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کونسا موقع ہوسکتا ہے؟ مؤمنوں کو چاہئے کہ اس کی تعریف کے گن گائیں،اس کے حکموں کی تعمیل کریں،دین کی نصرت واشاعت کے لئے کمر ہمت کس لیں!ـــ اور یہ (سودا) ہی عظیم الشان کامیابی ہے!ـــ اس سے بڑھ کر کوئی فیروزمندی نہیں ہوسکتی کہ خود مالک ہی خریدار بن جائے اور پھر اس شان سے بن جائے کہ ہمارے جان ومال کے عوض،جو بہرحال جانے والی چیزیں ہیں،لازوال جنت بخش دے:

ع نیم جاں بستاند،وصد جاں دہد

(حقیر جان لے کر،سوجانیں مرحمت فرماتا ہے)

اوپر صرف تورات،انجیل اور قرآن کا ذکر ان کی اہمیت کے پیش نظر ہے ورنہ جنت دینے کا وعدہ وہ وعدہ ہے جس کا اعلان ہمیشہ آسمانی کتابوں میں ہوتا رہا ہے۔زبور میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ارشادفرماتے ہیں:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾(انبیاء۱۰۵)

ترجمہ:اور ہم نے زبور میں نصیحتوں کے بعد یہ بات لکھ دی ہے کہ (جنت کی) زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے!

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خرید وفروخت کیونکر ہے؟

انسان کی جان ومال کے مالک اللہ پاک ہیں،کیونکہ انہی نے یہ سب چیزیں پیدا فرمائی ہیں اور انسان کو بخشی ہیں۔لہٰذا اس حیثیت سے تو خرید وفروخت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔نہ انسان کا اپنا کچھ ہے کہ وہ اسے بیچے،نہ کوئی چیز اللہ پاک کی ملکیت سے باہر ہے کہ وہ اسے خریدیں ـــ لیکن ایک چیز انسان کے اندر ایسی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی حد تک وہ انسان کے حوالے کردی ہے۔اور وہ ہے اس کا "اختیار" یعنی وہ اپنے ارادے میں بڑی حد تک آزاد رکھا گیا ہے اور اسے ایک طرح کی خودمختاری عطا کردی گئی ہے۔اب وہ اللہ پاک کی طرف سے کسی جبر کے بغیر خود ہی اپنی ذات پر

اور اللہ پاک کی بخشی ہوئی ہر چیز پر، اللہ پاک کے حقوق مالکانہ کو تسلیم کرنا چاہے تو کرے ورنہ آپ ہی مالک بن بیٹھے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے خرید و فروخت کا سوال پیدا ہوتا ہے ـــــ یعنی جو چیزیں در حقیقت اللہ پاک کی ہیں اور امانت کے طور پر انسان کے حوالے کی گئی ہیں لیکن امین اور خائن بننے کا اختیار بھی اسے دیا گیا ہے۔ ان چیزوں کے بارے میں انسان سے اللہ پاک مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی رضامندی سے ان چیزوں کو اللہ پاک کی چیزیں تسلیم کرلے۔ اور زندگی بھر اس میں خود مختار مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ امین ہونے کی حیثیت سے تصرف کرنا قبول کرلے۔ اگر وہ ایسا کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے تو موت کے بعد جاودانی زندگی میں جنت کی شکل میں اس کی قیمت پائے گا ـــــ جو انسان یہ معاملہ طے کرلیتا ہے وہ مؤمن ہے اور ایمان اسی سودے کا دوسرا نام ہے۔ اور جو شخص یہ معاملہ کرنے سے انکار کردیتا ہے وہ کافر ہے اور اس سودے سے گریز ہی کا دوسرا نام کفر ہے۔ اور جو بندہ معاملہ طے کرلینے کے بعد بھی ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جو معاملہ نہ کرنے کی صورت ہی میں اختیار کیا جاسکتا ہے تو وہ فاسق اور گنہگار ہے۔

جب سودا ہوگیا تو اب مؤمن کا کیا طرزِ عمل ہو؟

مؤمن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ معاملہ طے کرلیتا ہے تو اس کا رویہ اور کافر کا رویہ شروع سے آخر تک بالکل ایک دوسرے سے جدا ہوجاتا ہے۔ مؤمن اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ پاک کی مرضی کا تابع بن کر کام کرتا ہے اور اس کے رویہ میں کسی جگہ بھی خود مختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا ـــــ الّا یہ کہ عارضی طور پر کسی وقت اس پر غفلت طاری ہوجائے اور وہ اللہ پاک کے ساتھ کئے ہوئے اپنے معاہدے کو بھول جائے اور خود مختارانہ حرکت کر بیٹھے ـــــ اسی طرح جو قوم مومن ہے وہ اجتماعی طور پر بھی کوئی پالیسی، کوئی طرزِ تمدن، کوئی طریق معیشت و معاشرت اور کوئی بھی سیاست اللہ پاک کی مرضی اور اس کے قانون کی پابندی سے آزاد ہوکر اختیار نہیں کرسکتی۔ اور اگر کسی عارضی غفلت کی بناء پر اختیار کرلے تو جس وقت اسے متنبہ کیا جائے گا فوراً آزادی کا رویہ چھوڑ کر بندگی کے رویہ کی طرف پلٹ آئے گی۔

اب مؤمن کی مرضی اپنی مرضی نہیں:

اس معاہدے کی رو سے اللہ پاک کی جس مرضی کا اتباع انسان پر لازم آتا ہے وہ انسان کی اپنی تجویز کردہ مرضی نہیں ہے۔ بلکہ وہ مرضی ہے جو اللہ پاک خود بتائیں۔ اپنے آپ کسی چیز کو اللہ پاک کی مرضی ٹھہرالینا اور اس کا اتباع کرنا اللہ پاک کی مرضی کا نہیں بلکہ اپنی ہی مرضی کا اتباع کرنا ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ (شرح السنہ)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی ''ہوائے نفس'' میری لائی ہوئی

ہدایت کے تابع نہ ہوجائے۔

یعنی حقیقی ایمان جبھی حاصل ہوسکتا ہے کہ انسان کے نفسی میلانات اور اس کے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبوی کے تابع ہوجائیں۔

اللہ پاک نے اپنی مرضی کی اطلاع دینے کے لئے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا ہے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں ہیں تاکہ انسان اپنا پورا طرز زندگی اللہ پاک کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت سے اخذ کرتا رہے۔

ثمن ادھار کیوں رکھا گیا ہے؟

اس تفصیل سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس خرید وفروخت کے معاملے میں قیمت یعنی جنت کو موجودہ دنیوی زندگی کے خاتمہ پر کیوں رکھا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ جنت صرف اس اقرار کا معاوضہ نہیں ہے کہ انسان نے اپنا نفس ومال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے، بلکہ وہ اس معاہدے پر عمل کا معاوضہ ہے یعنی انسان نے اپنی دنیوی زندگی میں بیچی ہوئی چیز پر خودمختارانہ تصرف چھوڑ کر، اور اللہ کا امین بن کر اس کی مرضی کے مطابق تصرف کیا ہے لہٰذا یہ خرید وفروخت مکمل ہی اس وقت ہوگی جبکہ انسان کی دنیوی زندگی ختم ہوجائے اور یہ ثابت ہوجائے کہ اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک معاہدے کے مطابق عمل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرنے والے مؤمنین کی صفات

دوسری آیت میں یہ بیان ہے کہ جس مؤمن نے اللہ پاک کے ساتھ مذکورہ معاہدہ کرلیا ہے اس کی زندگی کا نقشہ کیا ہوتا ہے؟ کیونکہ جب انسان کوئی معاہدہ کرلیتا ہے تو اس کے طور وطریق پر اس کا اثر پڑنا ناگزیر ہے۔ارشاد فرماتے ہیں——
(وہ لوگ) توبہ کرنے والے، بندگی بجالانے والے، اللہ پاک کی تعریف کرنے والے، (اللہ کی راہ) میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، اور بدی سے روکنے والے، اور اللہ پاک کی (مقرر کردہ) حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں —— یہ ہے سچے مؤمنوں کی زندگی کی صحیح تصویر، جس کی مختصر تشریح عرض کی جاتی ہے:

① —— اَلتَّائِبُوْنَ —— توبہ کرنے والے —— یہ لفظ تَائِبٌ کی جمع ہے اور اسم فاعل ہے تَابَ (ن) تَوْباً وتَوْبَةً وتَابَةً ومَتَاباً کے معنی ہیں گناہ چھوڑ کر اللہ پاک کی طرف متوجہ ہونا اور اپنے گناہ پر نادم وپشیماں ہونا—— یعنی مؤمن جس نے اللہ پاک سے خرید وفروخت کا مذکورہ معاملہ کر رکھا ہے اگر کسی وقت معاہدے کو بھول جاتا ہے اور کوئی خودمختارانہ حرکت کر بیٹھتا ہے تو کرتا ہی نہیں چلا جاتا، بلکہ تنبُّہ ہونے پر اپنی حرکت پر نادم وپشیمان ہوتا ہے اور اللہ پاک کی طرف متوجہ

ہوجاتا ہے۔

اور مؤمن کے لئے یہی چیز قابل تعریف ہے۔ کیونکہ انسان جن بشری کمزوریوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے ان کی موجودگی میں یہ بات اس کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ کامل شعوری حالت میں اللہ پاک کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کے تقاضوں کو پورا کرتا رہے اور کسی وقت بھی غفلت ونسیان اس پر طاری نہ ہونے پائے۔ بلکہ اس کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں کہ وہ اپنے اس معاملہ کو بھول جاتا ہے یا غافل ہوکر معاہدے کی خلاف ورزی کرگزرتا ہے لیکن جو سچا مؤمن ہوتا ہے وہ یہ عارضی بھول دور ہوتے ہی، اور غفلت سے چوکنا ہوتے ہی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوجاتا ہے اور اپنے خدا کی طرف پلٹتا ہے، روتا ہے، گڑگڑاتا ہے، منت وسماجت کرتا ہے اور کسی طرح اپنے گناہ بخشوالیتا ہے۔

ایمان لانے والوں میں سب سے پہلی صفت یہ ہوتی ہے کہ جب بھی ان کا قدم بندگی کی راہ سے پھسل جاتا ہے وہ فوراً اس کی طرف پلٹ آتے ہیں!

② —— **اَلْعٰبِدُوْنَ** —— بندگی بجالانے والے —— یعنی ایمان لانے والے اور اپنی جان ومال کو اللہ کے ہاتھ فروخت کرنے والے بندے عبادت میں سرگرم رہتے ہیں۔ ان کی ساری بندگیاں اور تمام نیازمندیاں صرف اللہ پاک کے لئے ہوتی ہیں۔ وہ نہ صرف خاص وقتوں اور خاص شکلوں کی عبادتوں پر قناعت کرتے ہیں، بلکہ ان کا پورا وجود ہی عبادت گزار بن جاتا ہے۔

③ —— **اَلْحٰمِدُوْنَ** —— اللہ پاک کی تعریف کے گُن گانے والے —— یعنی یہ لوگ ہمہ وقت اپنی فکری قوتوں سے اور زبان سے اللہ پاک کی تعریف میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کے ذکر میں زَمزمہ سنج اور نغمہ سرا رہتے ہیں —— ایک دیہاتی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ بہترین عمل کونسا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُکَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ** (احمد، ترمذی) جب تو دنیا کو الوداع کہے تو تیری زبان اللہ پاک کے ذکر سے تر ہو!

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن جنت میں جانے کے لئے سب سے پہلے حَمَّادُوْن کو بلایا جائے گا، جو خوش حالی وبدحالی میں اللہ پاک کی تعریف کے گیت گاتے رہتے ہیں"

④ —— **اَلسَّآئِحُوْنَ** —— راہِ خدا میں سفر کرنے والے —— یہ ایک خاص صفت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندے جنھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ جنت کے عوض فروخت کردیا ہے گھروں میں بیٹھے چین کی زندگی بسر نہیں کرتے بلکہ دین کی خاطر دور دراز سفروں کی زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ حج کے لئے خشکی وتری کی مسافتیں قطع کرتے

ہیں۔علم دین حاصل کرنے کے لئے ملک ملک کی خاک چھانتے ہیں اور راہِ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک نکل جاتے ہیں۔خلاصہ یہ ہے کہ ان کی زندگی دینی جدوجہد کے لئے چلت پھرت کا نام ہے —— یہ لفظ سَائِحٌ کی جمع ہے۔اور سَاحَ الْماءُ کے معنی ہیں پانی کا سطح زمین پر بہنا اور سَاحَ فُلَانٌ فِی الْاَرْض کے معنی ہیں: زمین میں پانی کی طرح بہہ پڑنا۔چل کھڑا ہونا۔پس سَائِح وہ شخص ہے جو ہر وقت سفر میں رہے، کسی جگہ طویل قیام نہ کرے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہاں مطلق سیر و سیاحت یا تجارت کے اسفار مراد نہیں ہیں کیونکہ یہ صفت ان بندوں کی بیان فرمائی جارہی ہے جنھوں نے اپنی جان اور مال اپنے اللہ کے ہاتھ فروخت کردیئے ہیں پس وہ لوگ سفروں میں جو مال خرچ کریں گے اور اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالیں گے تو لامحالہ اللہ پاک کے دین ہی کے لئے وہ یہ کام کریں گے—— کسی صاحب نے نبی اکرم ﷺ سے سیر و سیاحت کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سِيَاحَةُ اُمَّتِیْ الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: میری امت کی سیر و سیاحت راہ خدا کی جدوجہد ہے!

حدیث شریف میں علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ (مسلم) ترجمہ: جس نے علم دین حاصل کرنے کے لئے کوئی راہ طے کی، تو اس کے بدلے اللہ پاک اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرماویں گے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت سنائی تھی جب ایک صحابی مدینہ شریف سے چل کر ان کے پاس دمشق میں صرف ایک حدیث سننے کے لئے پہنچے تھے—— حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ—— ”کچھ لوگ تمہارے پاس دور دراز علاقوں سے سفر کرکے پہنچیں گے تا کہ علم دین حاصل کریں جب وہ تمہارے پاس پہنچیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا“—— ایک حدیث میں یہ پاک ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ (ترمذی، دارمی)

ترجمہ: جو شخص علم دین حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے، واپس لوٹنے تک!

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا بڑا فضیلت والا عمل ہے۔مسلمانوں نے بحمد اللہ کسی زمانہ میں بھی علم دین حاصل کرنے کے لئے بڑے سے بڑا سفر کرنے سے دریغ نہیں کیا بلکہ وہ ہر طرح کی مشقتیں برداشت کرکے ہمیشہ دین کا علم حاصل کرتے رہے ہیں۔

اسی طرح ہر مَقْدِرَت رکھنے والے مسلمان پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک بار حج کے لئے سفر کرے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ تک پہنچنے کے اسباب پاتا ہے اور حج نہیں کرتا تو اس کے مرنے میں اور یہودی ہو کر یا نصرانی ہو کر مرنے میں کوئی فرق نہیں۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''جو حج کا ارادہ رکھتا ہے وہ جلدی کرے'' کیونکہ موت وحیات انسان کے ساتھ لگی ہوئی چیزیں ہیں، کسی کو پل کی خبر نہیں اس لئے جلد اس فریضہ سے سبکدوش ہو جانا چاہئے —— مسلمان بحمد اللہ ذوق وشوق سے یہ فریضہ بھی ادا کرتے ہیں اور اس راہ میں پیش آنے والی بڑی سے بڑی پریشانی کو انگیز کرتے ہیں۔

راہِ حق میں جدوجہد کے لئے سفر کرنا تو مسلمانوں کا امتیازی وصف رہا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دینی چلت پھرت نے ایک مختصر سے وقفہ میں دنیا کے دور دراز ملکوں میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا اور کوئی کچا پکا گھر ایسا باقی نہیں رہا جہاں حضور پرنور ﷺ کی دعوتِ حق پہنچا نہ دی ہو —— خود نبی پاک ﷺ کے اسفار اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسفار خالص دینی مقاصد کے لئے ہوتے تھے۔ غزوات وسرایا کا اصل منشاء بھی دین پہنچانا ہی تھا۔ پہلے کافروں کے سامنے دین پیش کیا جاتا تھا۔ اس کی خوبیاں ان کے ذہن نشین کی جاتی تھیں۔ اگر وہ قبول کر لیتے تھے تو ان میں سے کچھ افراد چھانٹ کر مدینہ شریف روانہ کر دیئے جاتے تھے تاکہ وہاں وہ دین کا ضروری علم حاصل کریں۔ اور واپس آ کر اپنی قوم پر محنت کریں۔ اور اگر قبیلہ بڑا ہوتا تو پورے علاقے میں کام کرنے کے لئے مدینہ شریف سے مُعَلّم بھیجے جاتے تھے —— لیکن جب ایسا ہوتا کہ لوگ داعیوں کے کام میں روڑا اٹکاتے، ان سے برسرِ پیکار ہوتے تو پھر ان سے جنگ ومقابلہ بھی کر لیا جاتا تھا، اور اس وقت جنگ وقتال ہی افضل ترین عمل ہوتا لیکن مسلمانوں کے لئے لڑنا نہ مطلوب تھا نہ مرغوب، ان داعیوں کو یہ ہدایت دی جاتی تھی کہ: جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ (ابوداؤد، نسائی، دارمی، مشکوٰۃ ۳۳۲) ترجمہ: مشرکوں کے ساتھ جان، مال اور زبان سے جہاد کرو۔

مدینہ شریف کے نو، دس سال کے مختصر وقفہ میں انیس غزوات (وہ نقل وحرکت جو خود نبی پاک ﷺ نے فرمائی ہے) ہوئے ہیں اور ساٹھ سے زیادہ سَرَایا (وہ نقل وحرکت جو کسی مسلمان نے کی ہے، خواہ ایک ہو یا ایک سے زائد) بھیجے گئے ہیں۔ خلفائے راشدین کے بابرکت زمانے میں تو یہ نقل وحرکت اور زیادہ سرگرمی سے ہونے لگی تھی۔ جس کے نتیجہ میں اللہ پاک نے بے شمار لوگوں کو نورِ ہدایت سے نوازا —— لیکن بعد کے زمانوں میں یہ جدوجہد کم ہوتی گئی۔ اور جو ہوتی رہی اس کا مقصد بھی صرف لڑنا رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کی اشاعت رک گئی، بلکہ خود مسلمان بھی دین سے ناآشنا ہو گئے۔ پوری آدھی دنیا کے مسلمان صرف نام کے مسلمان ہو کر رہ گئے وہ اسلام سے بالکل ناآشنا ہو گئے —— اس لئے اب کام کا آغاز خود مسلمانوں سے کرنا ہوگا، ان کی زندگیوں کو بدلنا ہوگا، ان میں دعوت کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوگی۔ پھر جب یہ امت

تیار ہو جائے گی تو دعوتِ دین کا کام اس کے اصل دائرے میں شروع ہو سکے گا۔ خود امت کو جہالت و بددینی میں غرق چھوڑ کر دعوت کے کام میں کامیابی ناممکن ہے لہٰذا اللہ پاک کے وہ بندے اٹھیں جنھوں نے اپنی جان و مال اللہ پاک کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں اور عمومی محنتیں شروع کریں اور لوگوں کو دین سے آشنا کریں کہ زمانہ قیامت کی چال چل پڑا ہے!

یہ صحیح ہے کہ نجات پانے کے لئے جہاد و قتال کچھ ضروری نہیں۔ نجات اس کے بغیر بھی ممکن ہے۔ لیکن صرف نجات پر لوگوں کو قناعت نہیں کرنی چاہئے، جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے بھی تو جدوجہد کرنی چاہئے۔ ایک بار نبی اکرم ﷺ نے مخصوص صحابہؓ سے خطاب فرمایا کہ ــــ ''جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، نماز کی پابندی کرتا ہے اور رمضان شریف کے روزے ادا کرتا ہے تو اللہ پاک اسے یقیناً جنت میں داخل فرمائیں گے، چاہے اس نے راہِ خداوندی میں جہاد کیا ہو یا اپنے وطن ہی میں بیٹھا رہا ہو'' ــــ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم عام لوگوں کو یہ خوش خبری سنا دیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ــــ (نہیں! کیونکہ) جنت میں سو درجے ہیں، جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کے بقدر فاصلہ ہے۔ لہٰذا جب تم لوگ اللہ پاک سے درخواست کرو تو فردوس کی درخواست کرو، کیونکہ وہ جنت کا افضل ترین اور بلند ترین مرتبہ ہے، جس کے اوپر عرش الٰہی ہے، جہاں سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں (بخاری شریف) ــــ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نجات اگرچہ جہاد کے بغیر بھی ممکن ہے لیکن جنت کے سو مخصوص درجات صرف جہاد ہی سے ملیں گے۔ اس لئے عام لوگوں میں منادی کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسا کرنے سے ان کی طبیعتیں سہل انگاری کا شکار ہو جائیں گی۔ بلکہ تم لوگ اپنی جدوجہد تیز کر دو اور فردوس بریں کے طلب گار بن جاؤ۔

مؤمن کو جنتِ فردوس کا طلب گار رہنا چاہئے، جو جنت کا افضل ترین اور بلند ترین مرتبہ ہے اور وہ راہِ خدا میں جدوجہد کرنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے!

قرآنِ کریم میں عورتوں کی صفت بھی سَائِحَاتٌ (التحریم ۵) بیان فرمائی گئی ہے۔ کیونکہ راہِ خدا میں سفر کرنا عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ ان پر حج کے لئے سفر کرنا مردوں ہی کی طرح لازم کیا گیا ہے۔ وہ علمِ دین حاصل کرنے کے لئے بھی سفر کر سکتی ہیں، وہ جہاد و قتال میں بھی شرکت کر سکتی ہیں اور دعوتِ دین کے کام میں بھی مردوں کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں لیکن ضروری ہے کہ وہ تنہا یا محرم کے بغیر سفر نہ کریں۔ اگر وہ ستتر (۷۷) کلومیٹر کا سفر کرنا چاہیں تو محرم کا یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم سفر کے متعلق ماحول کا لحاظ کیا جائے گا۔ یعنی اگر فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے تو جائز ہے ورنہ محرم یا شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے ــــ نبی پاک ﷺ کے مبارک دور میں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عورتیں بھی مردوں

کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتی تھیں اور علم دین میں ان کا مقام مردوں سے کسی طرح کم نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ بات ختم ہوگئی آج ڈھونڈھے سے بھی ایسی عورت نہیں مل سکتی جو مردوں کی طرح علم دین کی ماہر ہو یا کم از کم زنانہ مسائل میں اتنی مہارت رکھتی ہو کہ مسلمان عورتیں اپنے مسائل میں اس کی طرف رجوع کر سکیں۔ یہی حال دعوتِ دین کی جدوجہد کا ہو کر رہ گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ نوے فی صد عورتیں دین سے بے گانہ ہوگئیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان میں بھی علم دین کا چرچہ پھیلے، دینی جدوجہد کا جذبہ ابھرے، اور وہ شریعت کی پوری پابندی کے ساتھ اپنے دائروں میں دین کو زندہ کرنے کی محنت کریں۔

السّائحون کی تفسیر میں روزوں کو تجویز کرنے کی وجہ:

بعض دینی کام ایسے ہوتے ہیں جو مطلوب تو سب سے ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وہ کٹھن کام ہوتے ہیں اس لئے کمزوروں اور معذوروں کے لئے شریعت متبادل شکل تجویز فرماتی ہے۔ تاکہ وہ بھی کسی درجہ میں اس کام کے فضائل ومراتب حاصل کر سکیں۔ اور بالکلیہ محروم نہ رہ جائیں ـــ مثلاً جنگ میں شرکت نہ کر سکنے والوں کے لئے ارشاد نبوی ہے کہ ـــ ''جس نے کسی غازی کو جنگ کا ساز وسامان دیا تو (گویا) اس نے بھی غزوہ کیا اور جس نے کسی غازی کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کی تو (گویا) اس نے بھی غزوہ کیا'' (مشکوٰۃ ص ۳۲۹) ـــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ عورتوں پر جہاد ہے؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جی ہاں ان پر ایسا جہاد ہے جس میں لڑنے کی نوبت نہیں آتی اور وہ ہے حج اور عمرہ کرنا'' (مشکوٰۃ ص ۲۲۲) ـــ ظاہر ہے کہ یہ کمزوروں اور معذوروں کے لئے متبادل شکلیں ہیں تاکہ یہ لوگ بھی جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل کسی درجہ میں حاصل کر سکیں ـــ اسی طرح جو لوگ دینی جد وجہد اور اللہ کے راستے کی چلت پھرت میں حصہ نہیں لے سکتے، ان کے لئے شریعت نے متبادل صورت ''روزہ'' تجویز فرمایا ہے تاکہ وہ اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی کسی درجہ میں سائحین کے فضائل ومراتب میں شرکت کر سکیں ـــ چنانچہ بعض مرفوع حدیثوں میں اور بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اَلسَّائِحُوْنَ کی تفسیر الصَّآئِمُوْنَ (روزے دار) مروی ہے یہ سیاحت فی سبیل اللہ کی متبادل صورت ہے۔ لفظ کے لغوی یا مرادی معنی نہیں ہیں ـــ یہ بات ایک حدیث شریف سے سمجھ میں آتی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآیَاتِ اللّٰهِ، لَایَفْتُرُ مِنْ صِیَامٍ وَّلَا صَلٰوۃٍ حَتّٰی یَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (متفق علیہ)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے عمل کے ہم پلہ اس شخص کا عمل ہو سکتا ہے جو مجاہد کے روانہ ہونے کے بعد

اس کی واپسی تک برابر روزے رکھتا رہے، نماز میں مشغول رہے، ایک لمحہ کے لئے بھی سست نہ پڑے اور اللہ پاک کی آیتوں پر یقین کامل رکھے۔

یعنی تین کاموں کا مجموعہ (مسلسل روزے رکھنا، برابر نماز میں مشغول رہنا اور اللہ پاک کی آیتوں پر کامل یقین رکھنا) جہاد فی سبیل اللہ کے ہم پلہ ہوسکتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ روزے نماز سے بھی کسی درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ کے مراتب حاصل ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے السَّائِحون کی تفسیر میں معذوروں اور مجبوروں کے لئے روزے کو تجویز فرمایا گیا ہے، اور نماز کو تجویز اس لئے نہیں فرمایا کہ ہر وقت نماز میں مشغول رہنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔

⑤ —— اَلرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ —— رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے —— یعنی اللہ کے یہ بندے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ پاک کے ہاتھ فروخت کردیا ہے اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں، اور رکوع وسجود سے کبھی نہیں تھکتے۔ اور جسم ہی سے رکوع وسجود نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں اور زبانوں پر بھی یہ حالتیں طاری ہوتی ہیں —— سورۃ الفتح میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ: ﴿ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ﴾: تم انہیں رکوع وسجود میں مشغول پاؤ گے!۔

اور سورۃ الحج میں مؤمنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ﴾: اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔

لیکن تنہا رکوع کرنا یا سجدہ کرنا مراد نہیں ہے، بلکہ نماز پڑھنا مراد ہے۔ اور نماز کے ارکان میں سے خصوصیت کے ساتھ ان دو کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ نماز میں ان ارکان کی بڑی اہمیت ہے —— نماز کیا ہے؟ —— اللہ پاک کے حضور میں جسم وجان سے اور قول وعمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی اور نیازمندی کا اظہار کرنا۔ اور اس کی بے نہایت عظمت وجلالت کے سامنے اپنی انتہائی بے چارگی اور فروتنی کا مظاہرہ کرنا —— نماز کے تمام ارکان قیام وقعود قراءت اور رکوع وسجود سب کی روح یہی عبدیت کا اظہار ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی بندگی اور بے چارگی کا سب سے بڑا مظہر نماز کے ارکان میں سے رکوع وسجود ہیں —— سر اونچا رکھنا، تکبر یعنی برتری وبالاتری کے احساس کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق ومالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے۔ اس لحاظ سے رکوع وسجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ نماز کا مقصود کامل طور پر انہی سے پورا ہوتا ہے[1]

(۱) **قیل: اول مراتب التواضع القیام، واوسطها الرکوع، وغایتها السجود فَخُصَّا بالذکر تنبیهًا علی ان المقصود من الصلاة نهایة الخضوع (غرائب للقمی)**

اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی ہدایت اور سخت تاکید فرمائی ہے۔ اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ پاک کی تسبیح و تقدیس اور اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

⑥ —— اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ —— نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے —— یعنی یہ بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی اصلاح کی بھی فکر رکھتے ہیں —— احادیث میں کثرت سے بھلائی کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کی تاکید آئی ہے لہٰذا ہر مؤمن پر فرض ہے کہ اپنے دائرے اور حلقۂ اثر میں نیکیوں کو رواج دینے اور برائیوں سے باز رکھنے کی جدوجہد کرے۔

⑦ —— اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ —— اللہ پاک کی مقرر کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے —— یعنی اللہ پاک نے انسانوں کے لئے جو حدود ٹھہرادی ہیں اللہ پاک کے یہ بندے ان کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں —— حدود سے مراد ہر قسم کے واجبات و حقوق ہیں، خواہ افراد کی زندگی سے ان کا تعلق ہو یا جماعت کی زندگی سے —— خلف بن ایوب رحمہ اللہ کے بچے کی دودھ پلانے کی مدت (دوسال) آدھی رات میں پوری ہو رہی تھی۔ لہٰذا انھوں نے آدھی رات کو اٹھ کر اہلیہ سے کہا کہ اب دوسال پورے ہو چکے ہیں، لہٰذا بچے کو دودھ نہ پلایا جائے، اہلیہ نے کہا کہ بچہ رو رہا ہے، باہر کا دودھ موجود نہیں ہے اس لئے آج کی رات پلا لینے دیجئے صبح ہوتے ہی دودھ پلانا موقوف کردوں گی۔ اس پر خلف بن ایوبؒ نے فرمایا کہ پھر اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ پر عمل کیسے ہو سکے گا؟! —— اللہ! اللہ! یہ ہیں وہ بندے جنھوں نے اللہ پاک سے سودا کیا ہے، انھوں نے اپنی تمام خواہشات کو رضائے خداوندی پر قربان کردیا ہے —— اور ایسے مؤمنوں کو آپ خوش خبری دیجئے —— کہ تمہیں ضرور جنت مل کر رہے گی —— جو ایک قیمتی اور ابدی سامان عیش ہے!

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

مَا كَانَ	نہیں تھا	اِلَّا	مگر	حَتّٰى	یہاں تک
لِلنَّبِيِّ	نبی کے لئے	عَنْ مَّوْعِدَةٍ (۱)	ایک وعدے کی وجہ سے	يُبَيِّنَ	(کہ) بیان فرمادیں
وَالَّذِيْنَ	اور نہ ان لوگوں کے لئے جو	وَّعَدَهَآ	جو آپؑ نے کیا تھا	لَهُمْ	ان کے لئے
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اِيَّاهُ	اس سے	مَّا	وہ چیزیں
اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا	کہ مغفرت چاہیں	فَلَمَّا تَبَيَّنَ	پھر جب بات کھل گئی	يَتَّقُوْنَ	(جن سے) وہ بچیں
لِلْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں کے لئے	لَهٗٓ	ان کے لئے	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ تعالیٰ
وَلَوْ	اگرچہ	اَنَّهٗ	کہ وہ	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
كَانُوْٓا	ہوں	عَدُوٌّ	دشمن (ہے)	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
اُولِيْ قُرْبٰى	رشتہ دار	لِّلّٰهِ	اللہ پاک کا	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	تَبَرَّاَ	(تو) بیزار ہوگئے وہ	لَهٗ	ہی کے لئے
مَا	اس کے	مِنْهُ	اس سے	مُلْكُ	سلطنت (ہے)
تَبَيَّنَ	(کہ) واضح ہوگیا	اِنَّ	بلاشبہ	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
لَهُمْ	ان کے لئے	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم	وَالْاَرْضِ	اور زمین (کی)
اَنَّهُمْ	کہ وہ	لَاَوَّاهٌ (۲)	یقیناً رقیق القلب	يُحْيٖ	(وہی) جلاتے ہیں
اَصْحٰبُ	مستحق	حَلِيْمٌ	حلیم المزاج (تھے)	وَيُمِيْتُ	اور مارتے ہیں
الْجَحِيْمِ	جہنم (ہیں)	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا (طریقہ)	وَمَا	اور نہیں (ہے)
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	اللّٰهُ	اللہ (کا)	لَكُمْ	تمہارے لئے
اسْتِغْفَارُ	دعائے مغفرت کرنا	لِيُضِلَّ (۳)	کہ گمراہ کریں	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا
اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کا	قَوْمًا	کسی کو	مِنْ وَّلِيٍّ	کوئی یار
لِاَبِيْهِ	اپنے باپ کے لئے	بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ	ہدایت دینے کے بعد	وَّلَا نَصِيْرٍ	اور نہ کوئی مددگار!

(۱) وَعَدَ (ض) کا مصدر ہے (۲) فَعَّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اَوَّهَ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں آہ آہ کرنا (۳) باب افعال سے ہے اَضَلَّهُ اللّٰهُ: اللہ کا کسی کو گمراہ کردینا۔

کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ کو کلمۂ خیر سننا گوارہ نہیں

سچے ایمان والوں کا تذکرہ ہو چکا، جو اپنا نفس و مال اللہ پاک کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ اب ان لوگوں کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے جنھوں نے اللہ پاک کے ساتھ یہ معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا ہے، جن کو عرفِ عام میں ''کافر'' کہا جاتا ہے۔۔۔ ان باغیوں سے اللہ پاک اس قدر ناراض ہیں کہ سورۃ النساء (آیت ۱۱۶) میں صاف اعلان فرما دیا ہے کہ ہم ہر گناہ معاف کریں گے، جس کے لئے چاہیں گے، لیکن شرک کی معافی کا ہمارے یہاں کوئی سوال نہیں ۔۔۔ بلکہ ان آیاتِ پاک سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان باغیوں کے حق میں کوئی بھی کلمۂ خیر سننا اللہ پاک کو گوارہ نہیں۔۔۔ نیز مومنوں کے لئے، جبکہ وہ جان و مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔ اللہ پاک کے دشمنوں سے، جن کا دشمنِ خدا ہونا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو، مہر و مہربانی کا تعلق نہ رکھیں۔ خواہ یہ دشمنانِ خدا ان کے ماں باپ، چچا تایا اور خاص بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ جو اللہ پاک کا باغی اور دشمن ہے وہ ان کا دوست کیسے ہو سکتا ہے؟

قرآن پاک میں جابجا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ آیا ہے۔ ان کے باپ نے ان کے ساتھ جو نازیبا سلوک کیا تھا اس کا مفصل تذکرہ سورۂ مریم میں موجود ہے۔ تھک کر حضرت والا نے اپنے مشرک باپ سے تعلقات منقطع کر لئے، اور جو آخری بات آپ نے اس سے فرمائی وہ یہ تھی کہ: ﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴾: (سورۂ مریم آیت ۴۷) میں آپ کے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا، بیشک وہ میرے اوپر نہایت مہربان ہے۔

یہ کہہ کر حضرت والا ہجرت کر کے بیت المقدس روانہ ہو گئے۔ اور حسب وعدہ اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہے۔ سورۂ ابراہیم میں آپؑ کی یہ دعا موجود ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾: (سورۂ ابراہیم آیت ۴۱) اے ہمارے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو حساب جانچے جانے کے دن معاف فرما دیجئے۔

اور سورۃ الشعراء میں آپؑ کی یہ دعاء ہے: ﴿ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴾: اور میرے باپ کو معاف فرما دیجئے، بے شک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔

یہ سب باتیں قرآن پاک میں موجود تھیں اور مسلمانوں کو مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے روکا بھی نہیں گیا تھا۔ اس لئے نبی پاک ﷺ اور مسلمان اپنے مشرک رشتے داروں کے لئے دعائے مغفرت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔۔۔ غالباً سب سے پہلا واقعہ اس سلسلہ میں ابو طالب کا پیش آیا۔ نبی پاک ﷺ کے ساتھ ان کا سلوک مثالی تھا۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو نبی اکرم ﷺ نے تشریف لے جا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اور

بڑی ہی لجاجت سے عرض کیا کہ "چچا جان! کلمۂ اسلام کہہ لیجئے تاکہ مجھے شفاعت کا بہانہ مل جائے!" — لیکن بدقسمتی سے ابوجہل وہاں موجود تھا، اس نے اس موقع پر کچھ اس قسم کی باتیں کیں کہ ابوطالب نے اسلام قبول نہ کیا، اور وفات ہوگئی۔ نبی پاک ﷺ کی حساس طبیعت پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَالَمْ اُنْہَ عَنْکَ**: مجھے جب تک اللہ پاک منع نہیں فرمائیں گے میں برابر آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک صحابیؓ کو اپنے والدین کے لئے، جو شرک کی حالت میں وفات پا چکے تھے، دعائے مغفرت کرتے ہوئے پایا۔ آپؓ نے اس پر حیرت کا اظہار فرمایا۔ وہ صحابی فرمانے لگے کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت نہیں فرمائی تھی؟ پھر میرے دعا کرنے پر آپ کو حیرت کیوں ہے؟ — خود نبی پاک ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی، جو مل گئی۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت بھی مانگی لیکن وہ نہ ملی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو حضراتِ صحابہؓ کا عمومی معمول یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اپنے کافر اعزاء کے لئے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ آیتِ شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ ان رشتے داروں کے لئے جو کفر کی حالت میں مر چکے تھے، دعائے مغفرت کرنے سے رک گئے — حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چند صحابہ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارے باپ پڑوسیوں کا خیال رکھتے تھے، رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے، قیدیوں کو رہائی دلاتے تھے، اور عہد و پیمان کا پاس ولحاظ کرتے تھے تو کیا ہم ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتے ہیں؟ — نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "کیوں نہیں؟! قسم بخدا میں خود اپنے والد کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے لئے کیا کرتے تھے"[1]

مشرک اور کافر کے لئے بعد موت دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں:

اب اس بارے میں واضح احکامات دیئے جا رہے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں — نبی (پاک ﷺ) اور مؤمنوں کے لئے زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، ان پر یہ بات کھل جانے کے بعد کہ وہ لوگ دوزخی ہیں — کسی شخص کے لئے دعائے مغفرت کرنا لازماً یہ معنی رکھتا ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت ہے۔ ہم اس کے قصور کو معافی کے قابل سمجھتے ہیں۔ یہ بات اس شخص کے معاملہ میں تو درست ہے جو وفاداروں کے زمرے میں شامل ہو اور صرف گناہ گار ہو۔ لیکن جو شخص کھلا ہوا باغی ہو اس کے ساتھ ہمدردی اور محبت رکھنا

(۱) یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں۔

اپنی وفاداری کو بھی مشتبہ بنا دیتا ہے۔اس سلسلہ میں رشتہ داری کا کوئی لحاظ نہ ہونا چاہئے۔جو اللہ پاک کا دوست ہے وہ ہمارا بھی دوست ہے اور جو اللہ پاک کا دشمن ہے وہ ہمارا بھی دشمن ہے

اور یہ بات واضح طرح ہوگی کہ فلاں شخص دوزخی ہے تا کہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے بچا جائے؟اس کا مدار اس کے ان اعمال پر ہے جن پر اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا ہے۔ظاہر ہے کہ جو شخص اپنی پوری زندگی کفر و بغاوت پر مُصر رہا پھر اس کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی پر ہوا اس کے دوزخی ہونے کے لئے اس سے زیادہ روشن قرینہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

یہاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ کافروں کے لئے ،ان کے مرنے کے بعد، جس طرح دعائے مغفرت کرنا ممنوع ہے اسی طرح انکی زندگی میں بھی ان کے ساتھ وہ ہمدردیاں ممنوع ہیں جو دین کے معاملہ میں خلل انداز ہوتی ہوں۔رہا ان کی زندگیوں میں ان کی ہدایت کے لئے دعا کرنا یا انسانی ہمدردی یا دنیوی تعلقات میں صلۂ رحمی،غم خواری اور رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنا تو یہ ممنوع نہیں، بلکہ پسندیدہ ہے،رشتہ دار خواہ کافر ہو یا مؤمن اس کے دنیوی حقوق ضرور ادا کئے جائیں۔مصیبت زدہ انسان کی بہرحال مدد کی جائے ،حاجت مند آدمی کو بہر صورت سہارا دیا جائے۔بیمار اور زخمی کے ساتھ ہمدردی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔یتیم کے سر پر یقیناً شفقت ومحبت کا ہاتھ پھیرا جائے۔ایسے معاملات میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت:

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی حقیقت سمجھائی جاتی ہے—— اور ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنا ایک وعدے کی وجہ ہی سے تھا جو آپ (علیہ السلام) نے اس سے کیا تھا۔پھر جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ وہ اللہ پاک کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دعائیں کی تھیں وہ صرف اس وقت تک تھیں جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر وشرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔کیونکہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت واصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہوجاتی ،اگر چہ وہ کتنا ہی گمراہی میں ڈوبا ہوا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے باز آ جائے۔چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا وہ مایوس نہ ہوئے اور دعائیں مانگتے رہے—— لیکن جب کفر وشرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا،تو حضرت علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے اور دعائے مغفرت ترک فرما دی اور اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا —— حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان آیتوں کے نزول کے بعد اپنے کافر رشتہ داروں سے بے تعلق اور بیزار ہو گئے تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

نے ایک بار حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ''اللہ پاک اس شخص پر باران رحمت برسائیں جو میرے اور میری والدہ کے لئے دعائے مغفرت کرے''!۔۔۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ کے والد صاحب کے لئے بھی؟ حضرت نے فرمایا کہ ''اس کے لئے نہیں! کیونکہ اس نے مشرک ہونے کی حالت میں وفات پائی ہے''

آگے اس خلجان کا ازالہ کیا جاتا ہے کہ رقیق القلب آدمی کے لئے تو اپنے محسن رشتے داروں سے بیزار ہو جانا بہت ہی مشکل کام ہے۔ارشاد فرماتے ہیں کہ ۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) بڑے ہی رقیق القلب حلیم المزاج تھے۔۔۔ پھر بھی وہ اپنے باپ سے بیزار ہو گئے تھے ان سے بڑھ کر رقیق القلب کون ہوسکتا ہے پھر یہ شبہ دامن گیر کیوں ہو؟

نزولِ ممانعت سے پہلے جو دعائے مغفرت کی اس سلسلہ میں قاعدہ:

ان آیتوں کے نزول کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے کافر رشتہ داروں سے نہ صرف یہ کہ بیزار و بے تعلق ہو گئے، بلکہ اب یہ خیال انھیں ستانے لگا کہ اب تک ہم جو مغفرت کی دعائیں کرتے رہے، نہ معلوم ان کا انجام کیا ہوگا؟ کہیں ہم سے اس پر باز پرس تو نہیں ہوگی؟۔۔۔ اللہ پاک ان کی تسلی فرماتے ہیں اور ایک قیمتی ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔۔۔ اور اللہ پاک کسی کو ہدایت بخشنے کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں کرتے جب تک ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دیں جن سے وہ بچتے رہیں!۔۔۔ کیونکہ معصیت نام ہے اللہ پاک کے دیئے ہوئے احکام کی خلاف ورزی کرنے کا، پس جب مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے کے سلسلہ میں اللہ پاک نے احکام نازل ہی نہیں فرمائے تھے تو جن لوگوں نے ان کے لئے دعائیں کیں انھوں نے کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، نہ وہ گمراہ ہوئے بلکہ وہ راہِ مستقیم پر گامزن ہیں وہ مطمئن رہیں ۔۔۔ بے شک اللہ پاک ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں ۔۔۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ بندوں کے کون سے کام معصیت، گناہ اور گمراہی ہیں اور کس قسم کے افعال قابل عفو ہیں ۔۔۔ یہ ارشاد ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہے کہ اللہ پاک نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کا کرنا ضروری ہے ان کا نہ کرنا گمراہی اور گناہ ہے اور جن کاموں کے کرنے سے روک دیا ہے ان سے رک جانا ضروری ہے ان کو کرنا گمراہی اور معصیت ہے اور جن کاموں کے بارے میں اللہ پاک نے احکام نازل نہیں فرمائے وہ سب مباح ہیں۔ان کا کرنا جائز ہے۔معصیت یا گمراہی نہیں ۔۔۔ بہر حال اب جبکہ مشرکوں کے بارے میں واضح احکامات دیدیئے گئے تو اب ضروری ہے کہ سختی کے ساتھ ان کی پابندی کی جائے کیونکہ۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔۔۔ وہ جو احکام چاہیں نازل فرما سکتے ہیں، بندوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کی پوری پیروی کریں۔۔۔ وہی جلاتے ہیں اور مارتے ہیں۔۔۔ ظاہری موت و حیات کا رشتہ بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔اور روحانی موت و حیات یعنی کفر و ایمان، ہدایت و گمراہی کا فیصلہ بھی وہی فرماتے ہیں۔۔۔ اور تمہارے

لئے اللہ پاک کے سوا نہ کوئی یار ہے اور نہ کوئی مددگار! —— لہٰذا تم صرف اللہ پاک ہی کو یار و مددگار تصور کرو، اور مشرکوں کو، خواہ وہ کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں، نہ یار سمجھو نہ مددگار۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

لفظ	معنی	لفظ	معنی	لفظ	معنی
لَقَدْ تَّابَ [1]	یقیناً متوجہ ہوئے	فِيْ سَاعَةِ	گھڑی میں	فَرِيْقٍ	کچھ لوگوں (کے)
اللّٰهُ	اللہ پاک	الْعُسْرَةِ [3]	تنگی کے	مِّنْهُمْ	ان میں سے
عَلَى النَّبِيِّ	نبی (ﷺ) پر	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	ثُمَّ	پھر
وَالْمُهٰجِرِيْنَ	اور ان مہاجرین	مَا	اس کے	تَابَ	(اللہ پاک) متوجہ ہوئے
وَالْاَنْصَارِ	وانصار (پر)	كَادَ [4]	(کہ) نزدیک تھا	عَلَيْهِمْ	ان پر
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	يَزِيْغُ	(کہ) ڈگمگا جائیں	اِنَّهٗ	واقعہ یہ ہے کہ وہ
اتَّبَعُوْهُ [2]	نبی (ﷺ) کی پیروی کی	قُلُوْبُ	دل	بِهِمْ	ان لوگوں پر

(۱) تَابَ (نصر) تَوْبًا وتَوْبَةً: گناہ سے باز آنا، جب الی کے ذریعہ متعدی ہو تو معنی ہوتے ہیں اللہ پاک کی طرف توجہ کرنا۔ رجوع ہونا، پلٹنا۔ اور جب عَلٰی کے ذریعہ متعدی ہو مثلاً تَابَ اللّٰهُ عَلَى الْعَبْدِ تو معنی ہوتے ہیں اللہ نے بندے کی توبہ قبول کی اسے توبہ کی توفیق دی۔ اس پر مہربان ہوگیا (۲) اِتِّبَاعٌ سے فعل ماضی کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ ضمیر ہٗ مفعول بہ ہے (۳) سَاعَةٌ: گھڑی، وقت، اَلْعُسْرَةُ: تنگی، سختی (۴) كَادَ (سمع) كَوْدًا افعال مقاربہ میں سے ہے، فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے —— اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر كَادَ کلام مثبت میں ہو تو یہ بتلائے گا کہ آنے والا کام واقع نہیں ہوا، ہاں قریب الوقوع ضرور ہوا تھا جیسے كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل کجی کے قریب پہنچ گئے مگر کج نہیں ہوئے —— اور جب کلام منفی میں واقع ہو تو یہ بتلائے گا کہ بعد میں آنے والا کام ہوگیا لیکن نہ واقع ہونے کے قریب تھا جیسے مَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ: وہ ایسے لگتے نہ تھے کہ گائے ذبح کریں۔

رَءُوْفٌ(1)	شفقت فرمانے والے	بِمَا رَحُبَتْ(4)	باوجود اپنی وسعت کے	لِيَتُوْبُوْا	تاکہ وہ (اس کی) طرف
رَّحِيْمٌ	بے حد مہربانی فرمانے	وَضَاقَتْ	اور بار ہونے لگیں		پلٹ آئیں
	والے (ہیں)	عَلَيْهِمْ	ان پر	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ(2)	اور (اُن) تین (صحابہ)	اَنْفُسُهُمْ	ان کی (اپنی) جانیں	هُوَ	ہی
	پر (بھی)	وَظَنُّوْٓا	اور سمجھ گئے وہ	التَّوَّابُ	زیادہ سے زیادہ توبہ
الَّذِيْنَ	جو	اَنْ لَّا	کہ نہیں (ہے)		قبول فرمانے والے
خُلِّفُوْا(3)	(معلق حالت میں)	مَلْجَاَ(5)	کوئی (بھی) پناہ گا	الرَّحِيْمُ	نہایت مہربانی فرمانے
	چھوڑ دیئے گئے تھے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ پاک سے (بھاگ کر)		والے ہیں
حَتّٰٓى	یہاں تک کہ	اِلَّآ	مگر	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو!
اِذَا	جب	اِلَيْهِ	اسی کے پاس	اٰمَنُوا	ایمان لائے ہو
ضَاقَتْ	تنگ ہوگئی	ثُمَّ	پھر	اتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرو اللہ پاک سے
عَلَيْهِمُ	ان پر	تَابَ	مہربان ہوگئے (اللہ پاک)	وَكُوْنُوْا	اور بنو
الْاَرْضُ	زمین	عَلَيْهِمْ	ان پر	مَعَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں کے ساتھی!

ربط: اب ان لوگوں کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے جو اپنا نفس ومال اللہ پاک کے ہاتھ بیچ تو چکے ہیں مگر کسی وقت بھول سے یا سستی سے یا کسی اور نفسانی داعیہ سے ایسا رویہ اختیار کر جاتے ہیں جو خرید وفروخت نہ کرنے کی صورت ہی میں اختیار کیا جا سکتا ہے۔ جنھیں عرفِ عام میں عاصی، فاسق یا گناہ گار مؤمن کہا جاتا ہے، یہ لوگ اگر سچی توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ پاک کی رحمت کا دریا جوش میں آ جاتا ہے اور اللہ پاک انھیں اپنا لیتے ہیں:

کہہ کے لبیک ، مغفرت دوڑے ❁ توبہ، عاصی اگر کرے دل سے

(۱) رَافَةٌ سے فَعُوْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے معنی ہیں مہربان، شفقت کرنے والا — امام خطابی رحمہ اللہ نے رحمت ورافت کا فرق یہ بیان کیا ہے کہ ''رحمت تو کسی مصلحت سے کبھی ناپسندیدگی میں بھی ہوتی ہے، لیکن رافت ناپسندیدگی میں تقریبا نہیں ہوتی'' (۲) عَلَى النَّبِيِّ پر عطف ہے (۳) تَخلِيف سے ماضی مجہول کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی پیچھے چھوڑنے کے ہیں (۴) رَحُبَتْ ماضی کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے رَحِبَ (سمع وکرم) الْمَكَانُ: جگہ کشادہ ہونا — اور ما مصدریہ ہے (۵) مَلْجَأ ظرف مکان: پناہ کی جگہ لَجَأَ (فتح) اِلَى الْحِصْنِ: قلعہ کی پناہ لینا۔

ابھی کچھ پہلے آیات ۱۰۲ اور ۱۰۶ میں بیان کیا گیا تھا کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر اکثر صحابہ تو جہاد کا حکم پاتے ہی فوراً تیار ہو گئے تھے۔ البتہ کچھ حضرات شروع شروع میں مُتردد رہے، ان کے دل متزلزل ہو رہے تھے مگر پھر سنبھل گئے، اور جہاد کے لئے سب کے ساتھ شریک ہو گئے —— اور دس حضرات ایسے تھے جو وقتی کاہلی اور سستی کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکے۔ ان میں سے سات نے تو باز پرس ہونے سے پہلے ہی اپنے آپ کو سزا دے لی۔ اس لئے آیت ۱۰۲ میں ان کی معافی کا اعلان کر دیا گیا، لیکن باقی تین حضرات کا معاملہ آیت ۱۰۶ میں ڈھیل میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اب ان کی توبہ بھی قبول کی جاتی ہے —— جن حضرات کے دل شروع میں ڈگمگانے لگے تھے اور پھر وہ سنبھل گئے تھے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان بھی انہی آیات میں ہے —— اور ان حضرات کا دل خوش کرنے کے لئے شروع میں نبی پاک ﷺ اور عام مہاجرین وانصار کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ جنھوں نے بغیر کسی تذبذب کے ساتھ دیا تھا۔ تا کہ وہ حضرات یہ خیال نہ کریں کہ ہم معاف بیشک کر دیئے گئے لیکن چونکہ ہمارا ریکارڈ خراب ہو گیا ہے اس لئے ہمارا مقام بھی فروتر ہو گیا ہوگا۔ ان کے اسی اندیشہ کو زائل کرنے کے لئے شروع میں نبی پاک ﷺ اور عام مہاجرین وانصار کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سب ایک ہی لڑی کے موتی ہیں —— قرآن کریم میں ایک جگہ اور بھی اس قسم کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ ﴾: (سورۃ الانفال آیت ۴۱) ترجمہ: اور یہ بات جان لو کہ جو چیز تم کو غنیمت کے طور پر حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے الخ۔ ظاہر ہے کہ یہاں اللہ پاک کا ذکر یہ معنی نہیں رکھتا کہ ان کا بھی مال غنیمت میں کوئی بندھا ہوا حصہ ہے کیونکہ سارا ہی مال اللہ پاک کا ہے۔

نبی ﷺ اور مہاجرین وانصار کا ذکر (بطور تمہید)

ارشاد فرماتے ہیں: —— یقیناً اللہ پاک مہربان ہو گئے نبی (ﷺ) پر، اور ان مہاجرین وانصار پر جنھوں نے تنگی کے وقت میں نبی (ﷺ) کی پیروی کی —— جبکہ گرمی سخت تھی، قحط سالی کا زمانہ تھا۔ سواریوں کا انتظام تھا نہ رسد کا۔ ایک کھجور روزانہ دو کی شرکت میں تقسیم ہوتی تھی۔ جب وہ بھی نہ رہی تو کئی کئی آدمی کھجور کی ایک گٹھلی چوس کر، پانی پی کر گزارہ کر لیتے تھے، دس دس اشخاص باری باری ایک ہی اونٹ پر اترتے چڑھتے تھے۔ ایسے کٹھن وقت میں جن مہاجرین وانصار نے نبی پاک ﷺ کی پیروی کی ہے اور جہاد میں شرکت فرمائی، اللہ پاک ان پر مہربان ہو چکے ہیں —— اور ان حضرات کا یہ پیروی کرنا —— اس کے بعد (تھا) کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل ڈگمگانے کے قریب ہو گئے تھے —— پھر جب وہ سنبھل گئے، اور دنیا کی دلچسپیوں سے ہاتھ اٹھا کر شریکِ جہاد ہو گئے —— تو اللہ پاک ان پر مہربان ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک ان پر شفقت ومہربانی فرمانے والے ہیں —— اس لئے اس بات پر ان سے مواخذہ نہیں فرمایا کہ ان کے

دلوں میں کجی کی طرف یہ میلان کیوں پیدا ہوا؟ اللہ پاک اس کمزوری پر کبھی گرفت نہیں فرماتے جس کی انسان نے خود اصلاح کرلی ہو —— ایک صاحب کا باغ لاکھ روپے سے بھی زیادہ قیمتی تھا، جوان کے دل کو مائل کررہا تھا۔ انھوں نے اس باغ سے خطاب کرکے کہا کہ ''او باغ! مجھے تیرے گھنے سائے نے گھر روکے رکھا ہے، تیرے پھلوں کے انتظار نے بٹھا دیا ہے جا تو فی سبیل اللہ ہے!'' یہ کہہ کر چل دیئے اور مجاہدین کے لشکر سے جا ملے —— ایک صاحب کا کچھ نہ تھا صرف اہل وعیال کی محبت دامن گیر ہوگئی تھی۔ انھوں نے ان سے کہہ دیا کہ ''اے گھر والو! سنو! میں تمہاری محبت میں پیچھے رہ گیا ہوں لیکن اب قسم بخدا ہر طرح کی دشواریاں سہتا ہوا رسول اللہ ﷺ سے جاملوں گا'' یہ کہہ کر اپنا زادِ راہ بغل میں دبایا اور چل دیئے —— حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ راستہ میں تھک گیا اور اس کی کوئی امید نہ رہی تو سامان خود ہی اٹھا کر روانہ ہوگئے جب لشکر کے قریب پہنچے اور لوگوں نے دور سے ان کی پرچھائیں دیکھیں تو قیاس آرائیاں شروع کیں کہ کون ہوسکتا ہے؟ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''الٰہی ابوذر ہوں!'' جب قریب ہوئے تو لوگوں نے پہچانا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ابوذرؓ ہی ہیں! —— حضرت ابو خَیْثَمَہ رضی اللہ عنہ بھی پیچھے رہ گئے تھے لشکر کے روانہ ہوجانے کے بعد وہ اپنے باغ میں پہنچے۔ ان کی ایک رشکِ قمر بیوی تھی جس نے ان کے لئے خوب گدے تکئے لگا کر باغ کی جھونپڑی سجا رکھی تھی، تازہ کھجوریں، اور ٹھنڈا پانی مہیا کررکھا تھا۔ جب ابوخیثمہؓ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا کہ دل لبھانے والا سایہ! پکی ہوئی کھجوریں، ٹھنڈا پانی، رشکِ قمر بیوی اور رسول اللہ ﷺ لق ودق میدان میں! قسم بخدا یہ چیز کبھی خیر نہیں ہوسکتی، پھر اٹھے، اونٹنی کسی اور سیف وسناں لے کر ہوا کی طرح اڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے جاملے۔ جب لشکرِ اسلام سے قریب پہونچے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ غبار اُڑاتا ہوا کوئی شخص آرہا ہے آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ ''الٰہی ابوخیثمہ ہوں!''(۱) —— اس طرح جب ان حضرات نے اپنے عمل کی خود اصلاح کرلی تو اللہ پاک بھی ان پر مہربان ہوگئے۔

تین پیچھے رہنے والوں کی توبہ کی قبولیت:

اور ان تین (حضرات) پر بھی (اللہ پاک مہربان ہوگئے) جو (معلق حالت میں) چھوڑ دیئے گئے تھے —— جن سے کہہ دیا گیا تھا کہ اللہ پاک کے فیصلے کا انتظار کرو، اور عام مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا تھا کہ جب تک اللہ پاک کا حکم نہ آئے، ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھا جائے، ان کے ساتھ سلام وکلام تک نہ کیا جائے —— یہ تین بزرگ مندرجۂ ذیل تھے:

(۱) یہ سب واقعات تفسیر ابوالسعود سے لئے گئے ہیں۔

① ـــــ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ـــــ آپ قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عقبہ ثانیہ کی بیعت میں آپ نے شرکت فرمائی ہے اور بدر اور تبوک کے علاوہ تمام اسلامی معرکوں میں جانبازی کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ آپؓ نغز گو شاعر تھے اور رسول اللہ ﷺ کے تین شاعروں میں سے ایک تھے۔ دوسرے دو حضرات: حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔ آپ نے اپنے پیچھے رہ جانے کا قصہ بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ جو بہت ہی سبق آموز ہے جسے ہم آگے بیان کریں گے۔

② ـــــ حضرت ہلال بن اُمَیَّہ رضی اللہ عنہ ـــــ آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ بنی واقف سے تھا، بدر اور بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ صرف تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ ہی کے ایک واقعہ میں لِعان کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

③ ـــــ حضرت مُرَارَۃُ بن الرَّبیع رضی اللہ عنہ ـــــ آپ کا تعلق انصار کے قبیلے اَوس کے بنی عمرو بن عوف خاندان سے تھا۔ آپ بھی بدر اور بعد کے تمام معرکوں میں شریک رہے ہیں۔ صرف تبوک میں بدقسمتی سے پیچھے رہ گئے تھے۔

ان تینوں صاحبوں کا مفصل قصہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے۔ ہم اس کا ضروری حصہ یہاں درج کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہا ہوں، البتہ غزوۂ بدر کا واقعہ چوں کہ اچانک پیش آیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے سب کو شرکت کا حکم بھی نہیں فرمایا تھا اس لئے میں اس میں شریک نہ ہو سکا تھا ـــــ ہاں شبِ عَقَبَہ کی بیعت میں شریک ہوا ہوں جس میں ہم نے اسلام کی حمایت و نصرت اور نبی پاک ﷺ کی حفاظت کا معاہدہ کیا تھا ـــــ اور مجھے یہ عقبہ کی حاضری غزوۂ بدر کی حاضری سے زیادہ محبوب ہے۔ اگرچہ غزوۂ بدر کی لوگوں میں زیادہ شہرت ہے ـــــ غزوۂ تبوک میں میری غیر حاضری کا واقعہ یہ ہے کہ جب بھی نبی پاک ﷺ نے مسلمانوں کو غزوہ کے لئے تیاری کا حکم دیا تو میں دل میں ارادہ کر لیتا تھا اور بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا، کیونکہ بحمد اللہ اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں ـــــ اسی طرح بات ٹلتی رہی یہاں تک کہ لشکر کی روانگی کا وقت آ گیا اور میں تیار نہ تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ لشکر کو چلنے دوں، دو ایک روز بعد میں راستہ ہی میں اس سے جا ملوں گا۔ مگر پھر وہی سستی سدِّ راہ بنی رہی حتی کہ وقت نکل گیا۔ (کسی نے سچ کہا ہے:

وَلَمْ اَرَ فِیْ عُیُوْبِ النَّاسِ شَیْئًا ۞ کَنَقْصِ الْقَادِرِیْنَ عَلَی التَّمَامِ

میں نے لوگوں میں اس سے بڑا کوئی عیب نہیں پایا ۞ کہ قدرت کے باوجود کام ادھورا چھوڑ دیا جائے

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں یہ دیکھ کر بے حد کُڑھتا تھا کہ مدینہ میں پیچھے رہ جانے والے یا تو وہ لوگ ہیں جو نفاق میں ڈوبے ہوئے ہیں یا پھر ایسے بیمار معذور ہیں جو قطعاً سفر کے قابل نہیں ہیں —— رسول اللہ ﷺ کو پورے راستہ میں میرا خیال کہیں نہیں آیا۔ تبوک پہنچ کر ایک مجلس میں آپؐ نے دریافت فرمایا کہ ''کعب بن مالک کو کیا ہوا؟'' میرے خاندان ہی کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! اس کو اس کی چادر نے اور چادر کے دونوں پلوں کے نظارے نے (عیش پسندی اور اعجاب وغرور نے) نکلنے کی اجازت نہ دی! —— حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کاٹی اور کہا کہ تو نے بری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا! نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی تائید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: مَا أَعْلَمُ اِلاَّ فَضْلاً وَّاِسْلاَمًا (ابوالسعود): میں بھی نیکی اور اسلام کے سوا اور کوئی بات نہیں جانتا ہوں۔

جب مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر دامن گیر ہوئی۔ اور دل نے طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کیے کہ آپؐ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچالوں گا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ خیر وعافیت سے واپس تشریف لے آئے ہیں تو دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے۔ اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دلانے والی نہیں —— حضور ﷺ مسجد میں رونق افروز تھے۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے۔ یہ اسّی سے زیادہ آدمی تھے پھر میری باری آئی میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپؐ نے غضب آمیز تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ''تشریف لائیے! آپ کو کس چیز نے روکا تھا؟'' —— میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے کو صاف بچا لیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی مقدس ذات سے ہے کہ جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد اللہ پاک اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دیں گے۔ البتہ اگر سچ کہوں تو گو تھوڑی دیر کے لئے آپ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی، لیکن میں امید کرتا ہوں کہ اس کا انجام بہتر ہوگا واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے جسے پیش کر سکوں۔ میں جانے پر پوری طرح قادر تھا، میں مجرم ہوں۔ آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔

اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی ہے۔ اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ پاک تمہارے معاملہ میں کوئی فیصلہ کریں'' —— میں اٹھا اور اپنے قبیلے کے لوگوں میں جا بیٹھا۔ یہاں سب کے سب میرے پیچھے پڑ گئے۔ اور مجھے بہت ملامت کی کہ تو نے کوئی عذر کیوں نہ کر دیا۔ یہ باتیں سن کر میرا نفس بھی کچھ آمادہ ہونے

لگا کہ پھر حاضر ہو کر کوئی بات بنادوں۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ دو اور نیک آدمیوں نے بھی وہی سچی بات کہی ہے جو میں نے کہی ہے تو مجھے تسکین ہوگئی اور میں اپنی سچائی پر جمارہا۔

نبی پاک ﷺ نے عام حکم دے دیا کہ ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے۔ سب لوگ علحدہ رہیں، چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا، نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ میرے دونوں ساتھی تو خانہ نشین ہوگئے اور شب وروز گھر میں وقفِ گریہ وبکا رہنے لگے۔ مگر میں نکلتا تھا۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، بازاروں میں چلتا پھرتا تھا لیکن کوئی مجھ سے بات نہ کرتا تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے جاتا تو حسبِ معمول نبی پاک ﷺ کو سلام کرتا اور دیکھتا کہ جواب میں لبِ مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ نماز میں نظریں چرا کر حضور ﷺ کو دیکھتا کہ آپ میری طرف دیکھتے ہیں یا نہیں؟ وہاں حال یہ تھا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوجاتا تو آپؐ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپؐ کی طرف دیکھتا تو آپ ﷺ نظریں ہٹالیتے:

یوں نظر مجھ پہ تو ڈالی جائے گی ❁ جب میں دیکھوں گا، ہٹالی جائے گی

جب لوگوں کی سرد مہری کا سلسلہ دراز ہوگیا تو ایک روز میں گھبرا کر اپنے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اور ان کے باغ کی دیوار پر چڑھ کر انھیں سلام کیا، خدا کی قسم انھوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ اے ابوقتادہ! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں اللہ پاک اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نہیں رکھتا؟ وہ خاموش رہے۔ میں نے بار بار یہ سوال دہرایا تو انھوں نے تیسری یا چوتھی مرتبہ میں بس اتنا کہا کہ ''اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں!'' اس پر میں رو پڑا۔ اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آ گیا۔

انہی دنوں ایک دفعہ میں بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک ملکِ شام کا ایک نبطی شخص ملا جو غلہ فروخت کرنے کے لئے ملکِ شام سے مدینہ شریف آیا تھا۔ وہ لوگوں سے میرا پتہ معلوم کر رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو میری طرف اشارہ کیا۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور شاہِ غسّان کا ایک خط دیا جو ایک ریشمی رومال میں تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ —— ''ہم نے سنا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے، تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہو، نہ اس لائق ہو کہ تمہیں ضائع کیا جائے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے'' —— میں نے جب یہ خط پڑھا تو دل میں کہا کہ ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے؟ میں نے یقین کرلیا کہ یہ میرا ایک اور امتحان ہے۔ میں نے اسی وقت اس خط کو ایک دوکان پر لگے ہوئے تنور میں جھونک دیا۔ اور کہا:

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری، راہ لگ اپنی ❁ تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں

جب چالیس دن اس حالت پر گزر گئے تو نبی پاک ﷺ کا قاصد آیا کہ اپنی بیوی سے بھی علحدہ ہو جاؤ۔ میں نے قاصد سے پوچھا کہ کیا طلاق دیدوں، جواب ملا نہیں، بس الگ رہو۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ، اور وہیں رہو جب تک اللہ پاک کوئی فیصلہ فرما دیں۔ اسی حالت میں ہم نے دس راتیں اور گزار دیں۔ جب پچاس راتیں مکمل ہو گئیں تو ایک تہائی رات گزرنے پر ہماری توبہ نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ اس رات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے وہ میرے حق میں خیر خواہ تھیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو اسی وقت کعب بن مالکؓ کو اطلاع کر دی جائے آپؐ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہو جائے گا اور رات کی نیند سب کی حرام ہو جائے گی۔

پچاسویں دن صبح کی نماز کے بعد میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی جان سے بیزار ہو رہا تھا۔ میری حالت ٹھیک وہی تھی جس کا اللہ پاک نے ذکر فرمایا ہے —— یہاں تک کہ جب ان پر زمین باوجود اپنی ساری وسعت کے تنگ ہو گئی، اور ان پر ان کی اپنی جانیں بھی بار ہونے لگیں، اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ پاک سے فرار ہو کر کوئی پناہ گاہ نہیں بجز اُن کے دامنِ رحمت کے (تو) پھر اللہ پاک ان پر مہربان ہوئے، تاکہ وہ اللہ پاک کی طرف پلٹ آئیں واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک ہی زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں —— جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو ان آیاتِ پاک کی خبر دی تو لوگ دوڑے کہ مجھے خوش خبری سنائیں۔ یکا یک کسی نے پکار کر کہا: ''مبارک ہو، کعب بن مالک!'' میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میں نے جان لیا کہ میری معافی کا حکم آ گیا ہے —— پھر تو فوج در فوج لوگ بھاگے چلے آتے تھے، ہر ایک دوسرے سے پہلے پہنچ کر مجھ کو مبارک باد دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اٹھا اور سیدھا مسجدِ نبوی کی طرف چلا۔ وہاں حضور ﷺ مہاجرین کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپؐ کا چہرۂ مبارک دَمک رہا تھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر میری طرف لپکے، مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی اور کوئی شخص نہیں اٹھا۔ طلحہؓ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا[۱] —— میں نے نبی اکرم ﷺ کو سلام کیا تو آپؐ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا: ''تمہیں مبارک ہو! یہ دن تمہاری زندگی میں سب سے بہتر دن ہے!'' —— میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کُل مال وجائداد اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سب نہیں، کچھ رہنے دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ میں نے حسبِ ارشاد اپنا خیبر کا حصہ رکھ لیا اور باقی سب صدقہ کر دیا —— چونکہ محض سچ بولنے کی وجہ سے مجھے نجات ملی تھی، اس

(۱) ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار میں جو بھائی چارہ کرایا گیا تھا اس میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھائی بھائی قرار دیئے گئے تھے اس لئے وہ فرطِ محبت میں اٹھ کر ملے اور دوسرے صحابہ مجلس نبوی کے ادب کی وجہ سے نہیں اٹھے۔

لئے میں نے عہد کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ چنانچہ اس عہد کے بعد بڑے بڑے سخت امتحانات پیش آئے، مگر میں بحمد اللہ سچ بولنے سے کبھی نہیں ہٹا، اور نہ انشاء اللہ تا زندگی ہٹوں گا''

آخر میں اللہ پاک نصیحت فرماتے ہیں کہ — اے ایمان والو! اللہ پاک سے ڈرتے رہو، اور سچوں کے ساتھی بنو! — یعنی سچوں کی صحبت رکھو، اور انہی جیسے کام کرو[1] دیکھ لو یہ تین شخص سچ ہی کی بدولت بخشے گئے ہیں اور مقبول ٹھہرے ہیں برخلاف منافقین کے کہ انھوں نے جھوٹ بولا، اللہ پاک کا ڈر دل سے نکال دیا تو وہ دوزخی ٹھہرے۔ اس آیت میں ان تین حضرات کو تنبیہ ہے کہ تم ایمان میں جھوٹوں (منافقوں) کے ساتھ کیوں رہے، ایمان میں سچوں (صحابہ) کے ساتھ غزوۂ تبوک میں کیوں نہیں نکلے؟

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مَا كَانَ	نہیں تھا	حَوْلَهُمْ	مدینہ والوں کے گرد	عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ	اللہ کے رسول کو چھوڑ کر
لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ	مدینہ کے باشندوں کیلئے		ونواح میں ہیں	وَلَا [4]	اور نہ (یہ بات زیبا تھی)
وَ مَنْ [2]	اور (ان لوگوں کے	مِّنَ الْاَعْرَابِ	بدوی عربوں میں سے	يَرْغَبُوْا [5]	(کہ) فکر میں لگ جائیں
	لئے) جو	اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا [3]	کہ گھر بیٹھے رہیں	بِاَنْفُسِهِمْ	اپنی ہی جانوں کی

(۱) اس موضوع پر حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ایک رسالہ ''فوائد الصحبة'' تصنیف فرمایا ہے جو قابل دید ہے
(۲) اَهْل پر عطف ہے (۳) تَخَلُّف (تفعُّل) سے مضارع کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں پیچھے رہ جانا
(۴) يَتَخَلَّفُوْا پر عطف ہے (۵) رَغِبَ (سمع) رَغَبًا و رُغْبًا و رَغْبَةً چاہنا۔ رَغِبَ عَنْهُ اعراض کرنا، منہ پھیر لینا، رَغِبَ بِهٖ پسند کرنا۔ رَغِبَ بِهٖ عَنْ غَيْرِهٖ: دوسرے پر فضیلت دینا۔

عَنْ نَّفْسِهٖ	رسول کی طرف سے	يَغِيْظُ (۷)	(جو) غصہ میں بھر دے	يُنْفِقُوْنَ	وہ خرچ کرتے ہیں
	بے پرواہ ہوکر	الْكُفَّارَ	کافروں کو	نَفَقَةً	کوئی رقم
ذٰلِكَ	یہ (باتیں نازیبا)	وَلَا	اور نہیں	صَغِيْرَةً	چھوٹی
بِاَنَّهُمْ	اس لئے (ہیں) کہ وہ لوگ	يَنَالُوْنَ (۸)	حاصل کرتے	وَّلَا	اور نہ
لَا يُصِيْبُهُمْ (۱)	نہیں لگتی انہیں	مِنْ عَدُوٍّ	کسی دشمن سے	كَبِيْرَةً	کوئی (رقم) بڑی
ظَمَاٌ (۲)	پیاس	نَّيْلًا	کوئی چیز	وَّلَا يَقْطَعُوْنَ (۹)	اور نہیں پار کرتے وہ
وَّلَا	اور نہیں (اٹھاتے)	اِلَّا كُتِبَ	مگر لکھ لیا جاتا ہے	وَادِيًا (۱۰)	کوئی میدان
نَصَبٌ (۳)	کوئی محنت	لَهُمْ	ان (مجاہدوں) کیلئے	اِلَّا كُتِبَ	مگر لکھ لیا جاتا ہے
وَّلَا	اور نہیں (سہتے)	بِهٖ	ان (سب کاموں) پر	لَهُمْ	ان کے لئے
مَخْمَصَةٌ (۴)	بھوک	عَمَلٌ صَالِحٌ	نیک عمل	لِيَجْزِيَهُمُ (۱۱)	تاکہ صلہ عطا فرمائیں ان کو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اللہ کی راہ میں	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ پاک	اللّٰهُ	اللہ پاک
وَلَا	اور نہیں	لَا يُضِيْعُ	مار نہیں لیتے	اَحْسَنَ	بہتر سے بہتر
يَطَئُوْنَ (۵)	چلتے ہیں	اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکیوں کاروں کا ثواب	مَا كَانُوْا	(ان کاموں کا) جو
مَوْطِئًا (۶)	کسی (ایسے) مقام (پر)	وَلَا	اور نہ	يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے!

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے سوچیں کہ وہ کتنی بڑی خیر سے محروم رہ گئے

اب منافقوں اور کچے ایمان والوں کی رَوِش پر، جوانھوں نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اختیار کی تھی، ایک عمومی تبصرہ کیا جاتا ہے اور انھیں سمجھایا جاتا ہے کہ تم لوگوں کی یہ روش کسی طرح مناسب نہ تھی۔ اس کی وجہ سے تم بڑی خیر سے محروم رہ

(۱) اِصَابَةٌ (پہنچنا) سے مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے (۲) ظَمَأٌ اسم ہے بمعنی پیاس ظَمِئَ (سمع) ظَمْأً: سخت پیاسا ہونا (۳) نَصَبٌ اسم ہے بمعنی تھکان، مشقت، کوفت۔ اس فعل کا باب ضرب اور نصر ہے نَصَبَهُ الْمَرَضُ: تھکانا، تکلیف دینا (۴) اسم ہے، ایسی بھوک جس سے پیٹ لگ جائے۔ خَمَصَهُ (نصر) اَلْجُوْعُ بھوک نے اس کا پیٹ لگادیا (۵) مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے وَطِئَ (سمع) وَطْأً: پیر سے روندنا، پامال کرنا (۶) وَطْأٌ سے اسم ظرف ہے، پاؤں رکھنے کی جگہ (۷) غَاظَ (ضرب) غَيْظًا: غضبناک بنانا، غصہ میں بھرجانا (۸) نَالَ (سمع) نَيْلًا: پانا۔ حاصل کرنا — نَيْلًا مفعول مطلق ہے (۹) قطع (فتح) قَطْعًا: کاٹنا، طے کرنا (۱۰) وَادِئ: دو پہاڑوں کے درمیان کا میدان جمع اَوْدِيَةٌ (۱۱) كُتِبَ سے متعلق ہے۔

گئے ، کیونکہ جہاد کے لئے جو بھی قدم اٹھتا ہے، جو بھی تکلیف سہنی پڑتی ہے اور جو بھی پیسہ خرچ ہوتا ہے وہ ''عمل صالح'' بن جاتا ہے۔ مجاہد کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی۔ اس کے گھوڑے کا چارہ، پانی، لید اور پیشاب تک قیامت کے دن میزانِ عمل میں تولے جائیں گے۔ پس جہاد سے جی چرانے والے سوچیں کہ وہ کتنی بڑی خیر سے محروم رہ گئے؟ ارشاد فرماتے ہیں:— مدینہ کے باشندوں کے لئے، اور گرد و نواح کے بدوی عربوں کے لئے زیبا نہ تھا کہ اللہ پاک کے رسول (ﷺ) کو چھوڑ کر گھر بیٹھے رہیں — اور خوشگوار سایوں میں، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹیں۔ اور رسول اللہ ﷺ سخت لو اور گرمی و تشنگی میں کوہ و بیابان طے کریں! — اور نہ یہ بات زیبا تھی کہ رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے بے پرواہ ہو کر اپنی ہی جانوں کی فکر میں لگ جائیں۔ یہ (باتیں نازیبا) اس لئے ہیں کہ اللہ پاک کی راہ میں جب بھی مجاہدین کو پیاس لگتی ہے، محنت اٹھاتے ہیں، بھوک برداشت کرتے ہیں، کسی ایسے مقام کو طے کرتے ہیں جس سے کافر غصہ میں بھر جائیں، اور کسی دشمن سے کوئی چیز حاصل کرتے ہیں تو ان کاموں پر ان کے لئے نیک عمل لکھ لئے جاتے ہیں — حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: **مَا اُغْبِرَتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ** (بخاری شریف): ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ پاک کے راستے میں کسی بندے کے قدم خاک آلود ہوں، پھر انھیں جہنم کی آگ چھو لے!

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''جس نے راہِ خدا میں جہاد کے لئے گھوڑا پالا، اور اس کا اللہ پر ایمان ہے اور اس کے وعدوں کو سچا سمجھتا ہے تو اس کا چارہ، پانی، لید اور پیشاب قیامت کے دن ترازو میں ہوگا'' (بخاری شریف) — واقعہ یہ ہے کہ اللہ پاک نیکو کاروں کے ثواب کو مارا نہیں کرتے — اور (جس طرح مجاہدین کو جسمانی تکلیفیں سہنے پر اجر ملتا ہے اسی طرح) جب بھی وہ کوئی چھوٹی رقم خرچ کرتے ہیں اور جب بھی وہ کوئی بڑی رقم خرچ کرتے ہیں، اور جب بھی وہ کوئی میدان پار کرتے ہیں، تو (وہ بھی) ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے، تاکہ اللہ پاک ان کو ان کے ان کاموں کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائیں جو وہ کیا کرتے تھے — ایک صحابیؓ نکیل کے ساتھ اونٹنی لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ راہِ خدا میں ہے۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں قیامت کے دن اس ایک کے بدلے ایسی سات اونٹنیاں ملیں گی جن کے ساتھ نکیلیں بھی ہوں گی (مسلم شریف) — ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''جس نے راہِ خدا میں کوئی پیسہ خرچ کیا تو اسے سات سو گنا بنا کر لکھ لیا جاتا ہے (ترمذی، نسائی) — نبی پاک ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لئے لوگوں سے چندہ کی اپیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مع ساز و سامان لکھوائے۔ نبی پاک ﷺ نے دوبارہ اپیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر سو اونٹ مع ساز و سامان لکھوائے۔ اس کے بعد نبی پاک

ﷺ منبر کا ایک پایہ نیچے اُتر آئے اور سہ بارہ چندے کی اپیل کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سہ بارہ بھی سو اونٹ مع سازوسامان لکھوائے۔ اس پر نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مَاعَلیٰ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذَا (ترمذی) (اگر آج کے بعد عثمان کوئی چندہ نہ دیں تو بھی ان کا کوئی نقصان نہیں!) —— اب سوچیں وہ لوگ جو تن آسانی اور آرام طلبی کے خواہش مند ہیں، جنھیں راہِ خدا میں خرچ کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے کیا دنیا کا یہ فانی مال اور معمولی راحتیں اچھی ہیں یا اللہ پاک کے یہاں ملنے والا بے حد وحساب اجر؟!

امت جب جہاد چھوڑ دے گی، ذلیل ہو کر رہ جائے گی اور غلامی کا طوق گلے میں پہن لے گی!

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾

وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے	نَفَرَ	(کہ) نکل آئیں	وَلِيُنْذِرُوْا[5]	اور تاکہ خبردار کریں
الْمُؤْمِنُوْنَ	مسلمان	مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ	ہر فرقے میں سے	قَوْمَهُمْ	اپنی قوم کو
لِيَنْفِرُوْا[1]	(کہ) ضرور نکل	مِّنْهُمْ	مؤمنین کے	اِذَا رَجَعُوْٓا	جب واپس لوٹیں
	کھڑے ہوں	طَآئِفَةٌ	کچھ لوگ	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
كَآفَّةً[2]	سارے ہی	لِّيَتَفَقَّهُوْا[4]	تاکہ سمجھ پیدا کریں	لَعَلَّهُمْ	تاکہ
فَلَوْلَا[3]	پس ایسا کیوں نہ ہو	فِي الدِّيْنِ	دین کی	يَحْذَرُوْنَ[6]	وہ بچیں

(۱) لام نفی کی تاکید کے لئے ہے (روح البیان) نَفَرَ (نصر، ضرب) نَفْرًا اِلَى الشيئ: دوڑنا (۲) كَآفَّةً: جماعت، کہا جاتا ہے جَاءَ النَّاسُ كَافَّةً سب آئے۔ یہ ہمیشہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ یہاں لِيَنْفِرُوْا کی ضمیر فاعل سے حال ہے (۳) لَوْلَا تحضیضیہ ہے۔ یہ جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تحضیض وعرض کے لئے ہوتا ہے یعنی کسی کام پر سختی کے ساتھ ابھارنے کے لئے یا نرمی سے کسی کام کی طلب کرنے کیلئے۔ اول تحضیض ہے۔ دوسرا عرض اور جب یہ ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ڈانٹنے اور توبیخ کرنے کے لئے ہوتا ہے مثلاً ﴿لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ﴾ (اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟) (۴) باب تَفَعُّلْ سے ہے جس کے معنی میں محنت ومشقت کا مفہوم شامل ہے یعنی دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں پوری محنت ومشقت برداشت کرنا (۵) اِنْذَارُ کے معنی ہیں نافرمانی کے برے نتائج سے خبردار کرنا، ڈرانا۔ (۶) حَذِرَ (سمع) حَذْرًا: بچنا، پرہیز کرنا۔

نبی ﷺ کے ساتھ جہاد کے لئے نکلنا ہم خرما ہم ثواب تھا

جہاد کے فضائل بھی حاصل ہوتے اور علم دین بھی

ربط: اس آیت میں بھی ان حضرات کو تنبیہ ہے جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے کہ تم نے اپنا دوہرا نقصان کرلیا، جہاد کے فضائل سے بھی محروم رہے اور تحصیلِ علم کی نعمت سے بھی، اس لئے کہ نبی ﷺ کی ذات ایک دار العلوم تھی، آپؐ کے ساتھ نکلتے تو آتے جاتے علم حاصل کرتے، اور لوٹ کر اپنی قوم کو سنبھالتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس سورت میں غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں پر لتاڑ پڑی ہے، اس لئے ممکن تھا کہ آئندہ جب کوئی جہاد کا موقع آئے تو سبھی نام لکھوائیں، یہ خیال کر کے کہ اگر پیچھے رہے تو پھر ڈانٹ پڑے گی، جبکہ جہاد فرض کفایہ ہے، سب کا نکلنا ضروری نہیں، خواہ مخواہ مصارف کا بار بڑھانے سے کیا فائدہ؟ اس لئے ایک آیت میں فرماتے ہیں کہ آئندہ کوئی جہاد کا موقع آئے تو سب نکل کھڑے نہ ہوں، بلکہ مطلوبہ تعداد تمام قبائل سے پوری کی جائے، تاکہ وہ علم حاصل کر کے لوٹیں تو سب لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

جاننا چاہئے کہ نَفَرَ: باب ضرب سے ہے، اور نفرَ الناسُ إلى العدو کے معنی ہیں: لوگوں کا لڑنے کے لئے دشمن کی طرف تیزی سے بڑھنا، اسی سورت کی (آیت ۴۱) میں ہے: ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾: جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوؤ خواہ ہلکے ہو یا بھاری، اس آیت میں بھی یہی لفظ ہے۔

جہاد اور قرآن وسنت کا پورا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے

پچھلی دو آیتوں میں جہاد اور اس کے لئے سفر کرنے اور مشقتیں جھیلنے کے فضائل بیان ہوئے تھے۔ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر دشمنوں سے دین کی حفاظت ناممکن ہے۔ اشاعتِ اسلام کی راہیں بھی اسی سے ہموار ہوتی ہیں۔ اس لئے قرآن وحدیث میں اس پر بے حد زور دیا گیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ اور محبوب ترین عمل قرار دیا گیا ہے — جہاد ہی کی طرح دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا بھی فرض کفایہ ہے۔ دشمن کے علمی حملوں سے اور قلمی چرکوں سے اسلام کی حفاظت دین کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔ علم دین ہی پر اسلام کی اشاعت موقوف ہے، بلکہ خود مسلمانوں کی اصلاح کا سارا مدار بھی دین کی صحیح سمجھ بوجھ پر ہے۔ اس لئے جہاد کے بعد اب دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لئے گھروں سے نکلنے اور سفر کرنے کا حکم دیا جاتا ہے

دین کا ضروری علم حاصل کرنا فرض عین ہے:

یہاں یہ جان لینا چاہئے کہ دین کا ضروری علم حاصل کرنا فرضِ کفایہ نہیں بلکہ فرضِ عین ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد

فرمایا گیا ہے کہ: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ: دین کا ضروری علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔
دین کے ضروری علم سے مراد دین کا وہ حصہ ہے جس کے بغیر آدمی کا نہ ایمان درست ہوسکتا ہے نہ عمل، نہ فرائض ادا کئے جاسکتے ہیں، نہ حرام چیزوں سے بچا جاسکتا ہے۔ یعنی ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اسلام کے صحیح عقائد کا علم حاصل کرے۔ پاکی ناپاکی کے احکام سیکھے۔ نماز روزہ اور تمام فرض و واجب عبادتوں کا علم حاصل کرے۔ جن چیزوں کو شریعت نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کو جانے۔ نصاب کے بقدر مال ہو تو زکوٰۃ کے مسائل معلوم کرے۔ حج کی قدرت ہو تو حج کے احکام جانے۔ تجارت وصنعت کرتا ہو تو اس کے احکام سیکھے۔ غرض شریعت نے جو جو کام انسان کے ذمے فرض اور واجب کئے ہیں ان کے احکام ومسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔
لیکن اس کے لئے سفر کرنا ضروری نہیں، نہ ہر مسلمان ایسی پوزیشن میں ہوتا ہے کہ اس کے لئے سفر کرے، بلکہ اس کے لئے ہر بستی میں دین کا ایک ایسا عالم موجود ہونا ضروری ہے جس سے ہر مسلمان دین کا ضروری علم سیکھ سکے اور اگر بستی میں ایسا عالم موجود نہیں ہے تو پھر تحصیل علم کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ دور نبوی میں قبائل کے مسلمان دین کا ضروری علم حاصل کرنے کے لئے، سفر کرکے مدینہ شریف میں حاضر ہوتے تھے، اور آپ ﷺ سے اور دوسرے اکابر صحابہ سے علم حاصل کرتے تھے۔

مکمل دین وشریعت کا علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے:

اس آیت میں دین کے جس علم کے لئے گھروں سے نکلنے کا حکم دیا جارہا ہے اس سے مراد دین کا وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا فرض عین نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر ہر علاقہ میں ایک بھی ایسا عالم موجود ہو، جو دین کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو، تو یہ فرض سب کی طرف سے ادا ہوجائے گا، ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔
دین کا یہ علم کونسا ہے؟ —— یہ علم ہے تمام قرآن پاک کے معانی ومسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا، ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال وآثار سے واقف ہونا، دین کی بنیادی تعلیمات کی حکمتوں کو جاننا، دین کے بنیادی عقائد کو دلائل سے ثابت کرنے کی اہلیت پیدا کرنا، گمراہ جماعتوں نے دین میں کیا کیا خربطے مچائے ہیں اور غت ربود کیا ہے، اس سے واقفیت پیدا کرنا وغیرہ —— یہ چیزیں ایسی ہیں کہ زندگی کا ایک بڑا حصہ اس کے لئے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ دور دراز کی مسافتیں طے کرنی پڑتی ہیں اور اس کے حاصل کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اس لئے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، فرض عین نہیں رکھا، یعنی اگر ہر علاقہ کے کچھ لوگ یہ علم حاصل کرلیں تو باقی ماندہ مسلمان اس سے سبک دوش ہوجائیں گے۔

احادیثِ نبویہ میں علم دین حاصل کرنے کی بے حد فضیلتیں آئی ہیں اور حاملینِ دین کے فضائل و مراتب بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ مبارک نقل فرماتے ہیں کہ ''جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ پاک اس کے بدلے جنت کا کوئی راستہ اس کے لئے آسان فرما دیتے ہیں اور فرشتے طالبِ علم کے کام سے خوش ہو کر پَر بچھا دیتے ہیں (اور پرواز بند کر دیتے ہیں جس طرح کسی عالم کے احترام میں راستہ چلتے لوگ رک جاتے ہیں) اور عالمِ دین کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی مخلوقات استغفار کرتی ہیں اور پانی میں مچھلیاں تک دعا کرتی ہیں۔ اور عالم دین کی فضیلت کثرت سے نفلی عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر۔ اور دین کے علماء حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور یاد رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سونے چاندی کی میراث نہیں چھوڑی، بلکہ وراثت میں علم چھوڑا ہے۔ پس جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بڑی دولت پائی''

نبی پاک ﷺ سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں دریافت کیا گیا، جن میں سے ایک دین کا عالم تھا جو فرائض و واجبات ادا کر کے لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول ہو جاتا تھا اور دوسرا دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا تھا، پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کونسا ہے؟ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس عالم کی اس عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر!'' —— نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والا ایک شخص شیطان پر ہزار عابدوں سے سخت تر ہے'' —— نبی پاک ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے سب اعمال بند ہو جاتے ہیں۔ البتہ تین عمل جاری رہتے ہیں۔ (۱) صدقۂ جاریہ (۲) علم، جس سے لوگ نفع اٹھاتے رہیں (۳) نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے (مشکوٰۃ ص ۳۲)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ پاک جس کے نصیب میں بھلائی مقدر فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں۔ میں تو صرف علم کو بانٹنے والا ہوں سمجھ بوجھ دینا اللہ پاک کا کام ہے'' —— حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگ تمہارے نقشِ قدم پر چلیں گے اور یقیناً بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کی دور دراز مسافتیں طے کر کے پہنچیں گے جو دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا چاہتے ہوں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا''

اور حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''جو علم دین حاصل کرنے کیلئے سفر میں نکلتا ہے وہ واپس آنے تک راہِ خدا میں ہوتا ہے'' —— آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو موت تک اس لئے علم حاصل کرتا رہے کہ اسلام کو زندہ

کرے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درجات میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا[1]

ان احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنا کس قدر اہم کام ہے۔اور یہ فریضہ گھروں میں رہ کر کبھی ادا نہیں ہوسکتا اس کے لئے سفر ناگزیر ہے اس لئے ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور مسلمان ایسے تو نہیں ہیں کہ سارے ہی ضرور نکل کھڑے ہوں ـــــ یعنی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر بار چھوڑ کر علم حاصل کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوں۔نہ سب فارغ ہوتے ہیں نہ سب کی ذہنی صلاحیتیں یکساں ہوتی ہیں۔مرد اگر نکل بھی سکتے ہیں تو عورتیں نہیں نکل سکتیں۔پھر اگر سارے مسلمان دین کا اعلیٰ علم حاصل کرنے میں لگ جائیں گے تو دین کے دوسرے کام ٹھپ ہوجائیں گے اس لئے نہ یہ مناسب ہے اور نہ ممکن، کہ سارے ہی مسلمان نکل کھڑے ہوں ـــــ پس ایسا کیوں نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے کچھ لوگ نکل کر آئیں تاکہ دین کی سمجھ پیدا کریں ـــــ یعنی ضرور ایسا ہی ہونا چاہئے کہ ہر قوم میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے وقف ہوجائیں۔اور تعلیم وتربیت کے مرکز میں (نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مدینہ شریف مرکز تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں ـــــ اور جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس جائیں تو انھیں (بدعملی کے نتائج سے) خبردار کریں تاکہ وہ (خلافِ شریعت کاموں کے ارتکاب سے) پرہیز کریں! ـــــ یعنی وہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرکے، اپنی آبادیوں میں واپس جا کر دوسروں کی تعلیم وتبلیغ کی فکر کریں۔تاکہ لوگ شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور خلافِ شرع کاموں کے ارتکاب سے پرہیز کریں۔

مسلمانوں کے تمام طبقات میں دین کی مہارت رکھنے والے ہونے چاہئیں:

اور یہ جو فرمایا کہ ''مسلمانوں کے ہر فرقے میں سے کچھ لوگ نکل کر آئیں'' یہ ایک بہت اہم بات ہے جسے خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے ـــــ پڑھنے پڑھانے اور دین کی سمجھ بوجھ اور مہارت پیدا کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں کے کسی مخصوص فرقے پر نہ ہونی چاہئے بلکہ مسلمانوں کے ہر فرقے میں دین کی مہارت رکھنے والے تیار ہونے چاہئیں، کیونکہ قوم کی اصلاح کا کام قوم کے افراد ہی اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔وہ قوم کے مزاج شناس ہوتے ہیں۔اس کی ذہنیت سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں۔زبان اور نفسانی میلانات سے خوب واقف ہوتے ہیں اس لئے اصلاح کا کام جس قدر عمدگی اور خوبی سے وہ انجام دے سکتے ہیں دوسری قوم کا عالم کماحقہ انجام نہیں دے سکتا ـــــ اسی لئے اللہ پاک نے لوگوں کی اصلاح کے لئے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو قوم ہی میں سے مبعوث فرمایا ہے کیونکہ لوگ اپنے آدمی کی بات جس قدر اہمیت سے سنتے ہیں دوسرے کی کم سنتے ہیں ـــــ افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی بہت سی قومیں اس بارے میں

(۱) یہ سب روایتیں مشکوٰۃ شریف کتاب العلم سے لی گئی ہیں۔

تغافل برت رہی ہیں انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ پڑھنا پڑھانا ہمارا کام نہیں بلکہ اس کے لئے اللہ پاک نے کوئی مستقل مخلوق پیدا فرمائی ہے جو یہ کام کرتی رہے گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، اللہ پاک نے یہ ذمہ داری سب مسلمانوں پر یکساں رکھی ہے پس ضرورت ہے کہ تمام قومیں اللہ پاک کے حکم کو سمجھیں اور اس کی تعمیل کریں۔

مدارسِ اسلامیہ عربیہ کا نصابِ تعلیم:

اور یہ جو فرمایا کہ "وہ نکل کر دین کی سمجھ پیدا کریں" اس سے ہمارے مدارس کا نصاب تعلیم مرتب کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے نصابِ تعلیم کے بنیادی عناصر ایسے ہونے چاہئیں کہ فضلاء قوم کی اصلاح کا کام کرسکیں اور اسلام پر ہونے والے نت نئے حملوں کا دفاع کرسکیں اس کے لئے انھیں محنت ومشقت اٹھا کر دین میں مہارت پیدا کرنی ہوگی، یہ بھی ان کے ذہن نشین کرنا ہوگا کہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ آدمی یقین کرلے کہ اس کے ہر قول وفعل اور حرکت وسکون کا آخرت میں اس سے حساب لیا جائے گا۔ اسے یہ بھی بتلانا ہوگا کہ اسے اس دنیا میں کس طرح رہنا ہے۔ لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات کس نوعیت کے ہونے چاہئیں، اسی کا نام "دین کی سمجھ بوجھ" ہے۔ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فقہ کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ "انسان ان تمام کاموں کو سمجھ لے جن کا کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ نیز وہ تمام کام بھی اچھی طرح سمجھ لے جن سے بچنا اس کے لئے ضروری ہے" — آج کل جو علم فقہ مسائل کے مجموعے کو کہا جاتا ہے یہ بعد کی اصطلاح ہے، قرآن وحدیث میں فقہ کی حقیقت وہی ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے۔ پس جس شخص نے دین کی سب کتابیں پڑھ ڈالیں مگر یہ سمجھ بوجھ پیدا نہیں کی تو وہ قرآن وسنت کی اصطلاح میں عالم نہیں ہے۔

اسی لئے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ اعمالِ باطنہ صبر وشکر، توکل وقناعت وغیرہ اور محرماتِ باطنہ غرور وتکبر، حسد وبغض اور بخل وحرص وغیرہ کی حقیقتیں جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر آدمی پوستِ بے مغز ہوتا ہے۔

علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کا فرض منصبی:

اور یہ جو فرمایا کہ جب وہ اپنی قوم کے پاس واپس جائیں تو انھیں بدعملی کے نتائج سے خبردار کریں، اس ارشادِ پاک میں علم دین حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض کی نشان دہی فرمائی گئی ہے یعنی ان کا کام واپس جا کر نوکری کرنا، تجارت کرنا یا کھیتی باڑی میں باپ کا ہاتھ بٹانا نہیں ہے ان کا کام قوم کی اصلاح ہے۔ علم کی اشاعت ہے، عوام کی تعلیم وتربیت ہے تاکہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں اسلامی شعور اور حدود اللہ کا علم پھیلے۔

افسوس ہے کہ علم دین حاصل کرنے والوں نے اس سلسلہ میں بھی تغافل برت رکھا ہے۔ وہ علم برائے علم حاصل

کرتے ہیں اور قوم کو جہالت اور بدعلمی میں ڈوبی ہوئی چھوڑ کر اپنے مشاغل میں لگ جاتے ہیں۔ یہ اللہ پاک کی نعمتِ علم کی بڑی ناقدر شناسی ہے۔ اللہ پاک کے یہاں ان سے اس نعمتِ علم کا حساب لیا جائے گا کہ انھوں نے اس سے دین کی کس قدر خدمت انجام دی ہے؟

عالمِ دین کا فریضہ ہے کہ قوم کی حالت سنوارنے کی بھرپور کوشش کرے، ورنہ قیامت کے دن نعمتِ علم کا حساب دینا بھاری ہو جائے گا!

> يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	يَلُوْنَكُمْ (۱)	قریب ہیں تم سے	غِلْظَةً (۳)	سختی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	مِّنَ الْكُفَّارِ	منکرینِ حق میں سے	وَاعْلَمُوْٓا	اور جان لو
قَاتِلُوا	جنگ کرو	وَلْيَجِدُوْا (۲)	اور چاہئے کہ پائیں وہ	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ پاک
الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	فِيْكُمْ	تمہارے اندر	مَعَ الْمُتَّقِيْنَ	متقیوں کے ساتھ ہیں

جنگ کا آغاز اس دشمن سے کیا جائے جو قریب تر ہے (اہم جنگی اصول)

ربط: اس سورت کے بنیادی مضامین دو ہیں: (۱) سورت کے آغاز سے آیت ۲۸ تک کفارِ مکہ اور مشرکین عرب سے جنگ کرنے کا بیان ہے پھر آیت ۲۹ سے اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ جنگ کے احکامات دیئے گئے ہیں۔ اور اسی سلسلہ بیان میں آیت ۳۸ سے غزوۂ تبوک کا ذکر شروع ہوا ہے، جو اہلِ کتاب ہی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ دوسرا مضمون اب اس آیتِ پاک پر تمام ہوتا ہے اور خاتمۂ کلام کی اس آیت میں فنِ جنگ کے ایک قیمتی قاعدے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

ارشاد فرماتے ہیں: —— اے مؤمنو! ان منکرینِ حق سے جنگ کرو جو تم سے قریب ہیں —— یعنی روم کے عیسائیوں سے اور عرب کے عیسائی قبائل سے جنگ کے لئے تیار رہو جو تمہاری سرحد سے متصل ہیں —— جس وقت یہ آیتِ پاک

(۱) وَلِيَ يَلِيْ وَلْيًا (باب سمع) فُلَانًا: قریب ہونا، متصل ہونا —— مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ (۲) امر غائب کا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ وَجَدَ (سمع، ضرب) يَجِدُ وَجْدًا الْمَطْلُوْبَ: پانا (۳) اسم مصدر ہے بمعنی سختی، قوت —— دراصل یہ رِقَّتٌ (نرمی ملایمت، پتلاپن) کی ضد ہے۔

نازل ہوئی ہے، عرب کا بیشتر علاقہ اسلامی سلطنت کے حدود واقتدار میں آچکا تھا۔ لیکن روم کی طرف سے اور سرحد کے عرب عیسائی قبائل کی طرف سے خطرے کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔ اس لئے اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا کہ گو تبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوا لیکن وہ پھر تیاریاں کررہے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لئے مستعد رہیں[1]۔

اس آیتِ پاک میں ''دفاعی جہاد'' کے ایک اہم ضابطے کی طرف اشارہ ہے کہ جنگ کا آغاز پہلے اس دشمن سے کیا جائے جو قریب ہے۔ پھر اس سے قریب رہنے والوں سے، اس طرح درجہ بدرجہ جہاد کا حلقہ وسیع کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل فرمایا ہے۔ اسی غزوۂ تبوک میں، جب تبوک کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹالی ہیں اور اب کوئی دشمن موجود نہیں ہے تو نبی اکرم ﷺ تبوک سے آگے بڑھ کر سرحدِ شام میں داخل نہیں ہوئے بلکہ تبوک ہی میں بیس دن ٹھہر کر ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنتِ روم اور دارالاسلام کے درمیان واقع تھیں، اور اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں، ترکیب سے ان کو اسلامی سلطنت کا باج گذار اور تابع فرمان بنالیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود واقتدار براہِ راست رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اور جن عرب قبائل کو روم کے قیاصرہ (قیصر کی جمع ہے اور قیصر روم کے بادشاہ کا لقب تھا) اب تک خود عربوں کے خلاف استعمال کرتے رہے تھے، اب ان کا بیشتر حصہ رومیوں کے مقابلہ پر مسلمانوں کا معاون بن گیا۔ اگر اس حکمتِ عملی سے کام نہ لیا جاتا اور نبی اکرم ﷺ تبوک سے آگے بڑھ کر سرحد شام میں داخل ہوجاتے تو دوطرف سے دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتے —— خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی ہمیشہ اسی ضابطہ پر عمل فرمایا ہے۔

جنگ میں نرم سلوک نہیں ہونا چاہئے:

آگے ارشاد پاک ہے:—— اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں —— چونکہ رومیوں سے مقابلہ اس عہد کی سب سے طاقتور اور متمدن شاہنشاہی سے مقابلہ تھا اس لئے فرمایا کہ اس قوت سے لڑو کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں —— مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی اس کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ معرکۂ یرموک میں ہرقل کی فوج بالاتفاق دولاکھ سے زیادہ تھی۔ اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے لیکن جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لئے شام میں رومی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

(۱) تبوک سے واپسی میں نبی ﷺ نے فوج کو چوکنا کیا تھا کہ **رجعنا من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر**: ہم چھوٹے مقابلہ سے بڑے مقابلہ کی طرف لوٹے ہیں، یعنی اس غزوہ میں تو رومی مقابلہ میں نہیں آئے، مگر آئندہ ان کے ساتھ بڑے بڑے مقابلے ہونگے، پس فوج لوٹ کر خوابِ خرگوش میں مبتلا نہ ہوجائے، بلکہ آئندہ کے لئے پوری تیاری کرتی رہے۔

جنگ میں کبھی نرم سلوک نہ ہونا چاہئے اور کفار کے ساتھ برتاؤ کی کوئی ایسی صورت کبھی بھی اختیار نہ کرنی چاہئے کہ وہ کسی حیثیت سے مسلمانوں کی کمزوری محسوس کریں۔ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾: ترجمہ: تم کم ہمت نہ بنو، اور غمگین نہ ہو، اور تم ہی برتر رہوگے اگر تم سچے مؤمن ہوئے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی جنگوں کا جس نے مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انھوں نے کبھی بھی اپنی کمزوری ظاہر نہیں ہونے دی۔ غزوۂ موتہ میں ایک اور ۳۳ کا مقابلہ تھا لیکن رومی کامیاب نہ ہوسکے۔

پھر آگے ارشاد پاک ہے: ـــــ اور جان لو کہ اللہ پاک متقیوں کے ساتھ ہیں ـــــ یعنی سختی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ سختی کرنے میں اخلاق وانسانیت کی ساری حدیں توڑ ڈالی جائیں۔ حدود اللہ کی نگہداشت تو بہرحال مسلمانوں کی ہر کارروائی میں ملحوظ رہنی چاہئے۔ اس کو اگر مسلمان چھوڑ دیں گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ پاک مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیں!

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

وَاِذَا مَآ [1]	اور جب بھی	مَّنْ	(ایسے ہیں) جو	هٰذِهٖۤ	اس سورت نے
اُنْزِلَتْ	نازل کی جاتی ہے	يَّقُوْلُ	پوچھتے ہیں	اِيْمَانًا	ایمان؟
سُوْرَةٌ	کوئی سورت	اَيُّكُمْ	(کہ) تم میں سے کس کا	فَاَمَّا	سو رہے
فَمِنْهُمْ	تو ان میں سے کچھ لوگ	زَادَتْهُ	زیادہ کردیا اس کا	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو

(۱) مَا شرط وجزاء کے تعلق کو پختہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے (روح البیان)

اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں	وَهُمْ	اس حالت میں کہ وہ	اُنْزِلَتْ	نازل کی جاتی ہے
فَزَادَتْهُمْ	پس اس سورت نے	كٰفِرُوْنَ	کفر ہی میں مبتلا رہے	سُوْرَةٌ	کوئی سورت
	زیادہ کردیا ہے ان کا	اَوَ(۲)	کیا (ٹھٹھا کرتے ہیں) اور	نَّظَرَ	(تو) دیکھتا ہے
اِيْمَانًا	ایمان	لَا يَرَوْنَ	وہ دیکھتے نہیں	بَعْضُهُمْ	ان کا ایک
وَّهُمْ	اور وہ	اَنَّهُمْ	کہ وہ	اِلٰى بَعْضٍ	دوسرے کو
يَسْتَبْشِرُوْنَ	خوشیاں منا رہے ہیں	يُفْتَنُوْنَ	آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں	هَلْ	کیا
وَ اَمَّا	اور رہے	فِيْ كُلِّ عَامٍ	ہر سال	يَرٰىكُمْ	دیکھ لیا ہے تمہیں
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جن کے	مَّرَّةً	ایک بار	مِّنْ اَحَدٍ	کسی نے؟
فِيْ قُلُوْبِهِمْ	دلوں میں	اَوْ مَرَّتَيْنِ	یا دو بار	ثُمَّ	پھر
مَّرَضٌ	روگ (نفاق) ہے	ثُمَّ	پھر (بھی)	انْصَرَفُوْا	منہ پھیر کر چل دیتے ہیں
فَزَادَتْهُمْ	پس اس سورت نے	لَا يَتُوْبُوْنَ	وہ نہ توبہ کرتے ہیں	صَرَفَ اللّٰهُ	پھیر دیئے ہیں اللہ نے
	زیادہ کردیا ہے ان کیلئے	وَلَا	اور نہ (ہی)	قُلُوْبَهُمْ	ان کے دل
رِجْسًا(۱)	گندگی کو	هُمْ	وہ	بِاَنَّهُمْ	اس وجہ سے کہ وہ
اِلٰى رِجْسِهِمْ	انکی (سابقہ) گندگی پر	يَذَّكَّرُوْنَ	کوئی سبق لیتے ہیں!	قَوْمٌ	ایسے لوگ ہیں
وَمَاتُوْا	اور مرے وہ	وَاِذَا مَآ	اور جب	لَّا يَفْقَهُوْنَ	جو سمجھتے نہیں

ربط: سورۂ انفال کی دوسری آیت میں مؤمنوں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾

ترجمہ: سچے ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ پاک کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں۔ اور جب اللہ پاک کی آیتیں انکے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو انکا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔

یعنی جب بھی اللہ پاک کا کوئی حکم مؤمن کے سامنے آتا ہے اور وہ سر اطاعت جھکا دیتا ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ

---

(۱) اکثر رِجْسٌ کا استعمال عقلی گندگی میں ہوتا ہے اور نَجَسٌ کا استعمال طبعی گندگی میں (روح البیان) (۲) ہمزہ انکار و توبیخ کے لئے ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور عطف فعل مقدر پر ہے۔

ہوتا ہے۔اسی طرح جب اس کی مرضی کے خلاف، اس کی مانوس عادتوں کے خلاف، اس کے مفادات اور لذت وآسائش کے خلاف اللہ پاک کی کتاب میں کوئی ہدایت ملتی ہے اور وہ اس کو مان کر اپنے آپ کو بدلنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے تو اس کے ایمان کو تازگی اور بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔اور اگر ایسا کرنے میں مؤمن دریغ کرتا ہے تو اس کے ایمان کی روح مضمحل ہونی شروع ہو جاتی ہے —— اس آغاز کے ساتھ پہلے سورۂ انفال میں اور پھر سورۂ توبہ میں ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو نفس پر بھاری ہو سکتے ہیں۔لیکن اگر دولتِ ایمان نصیب ہو تو پھر معاملہ نہ صرف آسان ہے بلکہ امید اور خوشیوں کا سبب بھی ہے۔کیونکہ انہی احکام کی بجاآوری کے نتیجہ میں مؤمنوں کو دنیا وآخرت میں عزتیں اور عظمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے مضامین اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ انھیں ایک سورت بھی کہا جا سکتا ہے گویا مضامین کے لحاظ سے دو مختلف حصوں کے دو الگ الگ نام تجویز کئے گئے ہیں۔اسی وجہ سے ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ شریف نہیں لکھی گئی —— اس لئے سورۂ انفال کے شروع میں جو بات بیان فرما کر احکام کا سلسلہ شروع کیا گیا اب اسی بات پر سورۂ توبہ کا اختتام فرمایا جاتا ہے۔

قرآنِ پاک سے مؤمنین کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے

قرآن پاک کی وہی تاثیر دوبارہ بیان فرمائی جاتی ہے کہ اس سے مؤمنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا ہے کہ نام کے مسلمان (منافقین) قرآن پاک کے بارے میں کیا تصورات رکھتے ہیں؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور جب کوئی (نئی) سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے —— (یعنی کفار میں سے کیونکہ منافقین بھی حقیقت میں کافر ہیں بلکہ بدترین کافر!) —— کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ "تم میں سے کس کا ایمان اس نے زیادہ کر دیا؟" —— یعنی منافقین آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے ٹھٹھے اور مذاق کے طور پر کہتے ہیں کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کا ایمان اس سورت نے بڑھا دیا؟ اب اس کا ایمان کے مَن کا ہو گیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے! اللہ پاک جواب ارشاد فرماتے ہیں —— سو جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا ایمان تو اس نے زیادہ کر دیا، اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں —— رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ (نفاق) ہے تو اس نے ان کی ناپاکی پر مزید ناپاکی بڑھا دی، اور وہ حالتِ کفر ہی میں مر گئے! —— یعنی بیشک کلامِ الٰہی سن کر مؤمنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے اور قرآن پاک میں وہ اپنے فائدے کی باتیں سن کر خوش ہوتے ہیں۔ہاں جن کے دلوں میں کفر ونفاق کی بیماری اور گندگی ہے تو ان کی بیماری اور گندگی ہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر اس میں قصور قرآن پاک کا کچھ بھی نہیں:

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ❁ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

(بارش کے پانی کی پاکیزگی میں کچھ شبہ نہیں ❁ (مگر) باغ میں لالہ اور زمین شور میں کوڑا اگتا ہے)

کیا (وہ لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں) اور دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر (بھی) نہ تو وہ توبہ کرتے ہیں اور نہ کوئی سبق لیتے ہیں —— یعنی کوئی سال ایسا نہیں گزرتا کہ وہ مختلف قسم کی مصیبتوں میں مبتلا نہ ہوتے ہوں، کبھی ان کے دوست ہار گئے کبھی ان کی منافقانہ باتیں کھل گئیں، کبھی کوئی اور سزا مل گئی لیکن یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، نہ نفاق سے توبہ کرتے ہیں، نہ سبق ہی لیتے ہیں۔

قرآنِ پاک کے ساتھ منافقین کا رویہ:

منافقین کا یہ رویہ تو قرآنِ پاک کی عام سورتوں کے ساتھ تھا لیکن خاص ان سورتوں کے ساتھ، جن میں ان کی خبر لی جاتی ہے یہ ہوتا ہے: —— اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی (ایسی) سورت (جس میں منافقین کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ "تمہیں کسی نے دیکھ تو نہیں لیا؟" —— یعنی اپنا ذکر سن کر جو تم چونک پڑے ہو، اس پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی؟ کسی نے تمہیں بھانپ تو نہیں لیا؟ —— پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں!

جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے اجتماع کا اعلان کراتے۔ اور مجمع میں اس سورت کو سناتے۔ اس محفل میں اہل ایمان تو ہمہ تن گوش ہو کر قرآن پاک سنتے، اور اس میں مستغرق ہو جاتے۔ لیکن منافقین کا رنگ ڈھنگ کچھ اور ہوتا، وہ حاضر ضرور ہوتے ورنہ ان کے نفاق کا راز فاش ہو جاتا، مگر قرآنِ پاک سے ان کو کوئی دلچسپی نہ ہوتی، نہایت بددلی کے ساتھ اکتائے ہوئے بیٹھے رہتے۔ اور مجلس ختم ہوتے ہی جلد سے جلد وہاں سے بھاگ نکلتے —— اللہ پاک نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں کیونکہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں! —— یعنی یہ بیوقوف خود اپنے فائدے کو بھی نہیں سمجھتے، ان کو احساس تک نہیں کہ وہ کتنی بڑی نعمت سے محروم ہیں۔ ان کی اس حماقت اور نادانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ پاک نے انھیں قرآن پاک سے استفادہ کی توفیق سے محروم کر دیا۔

قرآن پاک سے مؤمن کو دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور منافق کو بھی —— مؤمن کے ایمان میں تازگی اور دل میں خوشی ہوتی ہے —— اور منافق کی گندگی بالائے گندگی اور کفر پر موت ہوتی ہے!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾ ع

لَقَدْ	البتہ تحقیق	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں پر	لَآ	نہیں ہے
جَآءَكُمْ	آئے تمہارے پاس	رَءُوْفٌ	بے حد شفیق	اِلٰهَ	کوئی معبود
رَسُوْلٌ	عظیم المرتبت رسول	رَّحِيْمٌ	نہایت مہربان (ہیں)	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تم ہی میں سے	فَاِنْ	پس اگر	عَلَيْهِ	انھیں پر
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ (١)	شاق گذرتا ہے ان پر	تَوَلَّوْا	لوگ منہ پھیریں	تَوَكَّلْتُ	بھروسہ کیا میں نے!
مَا عَنِتُّمْ (٢)	تمہارا دشواری میں پڑنا	فَقُلْ	تو فرما دیجئے	وَهُوَ رَبُّ	اور وہ مالک ہیں
حَرِيْصٌ	بڑے خواہش مند ہیں	حَسْبِيَ	(کہ) کافی ہیں میرے لئے	الْعَرْشِ	عرش
عَلَيْكُمْ	تمہاری فلاح کے	اللّٰهُ	اللہ پاک (کا سہارا)	الْعَظِيْمِ	عظیم (کے)

عظیم المرتبت رسول ﷺ کی صفات

ربط: یہ آیاتِ پاک سورۂ توبہ کی آخری آیات ہیں۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے بموجب، نزول کے اعتبار سے، قرآن پاک کی آخری آیات ہیں ان میں ایک الوداعی پیغام ہے جو تمام انسانیت کو دیا گیا ہے اور اس عظیم المرتبت رسول (ﷺ) کی صفات بیان کی گئی ہیں جن کے ذریعہ انسانیت کو قرآنِ کریم جیسی لازوال دولت نصیب ہوئی ہے اور جن کے لائے ہوئے دین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی فلاح و بہبودی وابستہ کردی گئی ہے۔

اور چونکہ اس سورت میں امت کو ایسے اہم احکام دیئے گئے ہیں جو عام طبیعتوں کو ناگوار اور کچے مسلمانوں پر بھاری ہوسکتے ہیں اس لئے آخر سورت میں پہلے تو قرآنِ پاک کی یہ تاثیر دوبارہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اس سے اہل ایمان کے ایمان کو بالیدگی اور تازگی نصیب ہوتی ہے اور اس کے بعد قرآن پاک لانے والے رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان کی ہیں تاکہ امت قرآن پاک، رسولِ اکرم ﷺ اور احکامِ الٰہی کی قدر پہچانے۔ ارشاد فرماتے ہیں —— **بلاشبہ تمہارے پاس**

(۱) عَزَّ (ضرب) عِزًّا وَعِزَّةً: قوی ہونا، اسی سے اللہ پاک کی صفت عَزِيْز ہے لیکن جب اس کا صلہ عَلٰی آتا ہے تو معنی شاق اور گراں گذرنے کے ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے عَزَّ عَلَّی اَنْ تَفْعَلَ كَذَا: میرے اوپر سخت اور دشوار ہے کہ تم ایسا کرو —— ترکیب: عَزِيْزٌ، حَرِيْصٌ اور رَءُوْفٌ صفتیں ہیں رَسُوْلٌ کی۔ اور عَلَيْهِ متعلق ہے عَزِيْزٌ سے اور مَا عَنِتُّمْ بتاویل مصدر ہوکر (ما مصدریہ ہے) عَزِيْزٌ کا فاعل ہے۔ اور بِالْمُؤْمِنِيْنَ کا تعلق رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ سے ہے (۲) عَنِتَ (سمع) عَنَتًا: دشواری میں پڑنا، مصیبت سے ہلاک ہونا۔

تم ہی میں سے عظیم المرتبت رسول (ﷺ) تشریف لائے ہیں —— جن کے حسب ونسب، اخلاق وعادات اور دیانت وامانت سے تم خوب واقف ہو۔ وہ تم ہی میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے اول سے لے کر آخر تک ان کی ساری باتیں تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ان کا لڑکپن بھی تم میں گزرا، ان کی جوانی کے دن بھی تم میں بسر ہوئے، پھر جب انھوں نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے چھپ کر زندگی بسر نہیں کی، بلکہ ان کی ساری باتیں تم اپنی کھلی آنکھوں دیکھتے رہے ہو۔ پھر جو حالات گزرنے تھے وہ بھی گزرے۔ ان کی مظلومی اور بے کسی کے دور بھی تم نے دیکھے اور فتح وکامرانی کا ان کے قدم چومتے بھی دیکھ لیا، غرض تم میں کوئی نہیں جو ان کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو، اور کوئی نہیں جس نے ان کی ایک ایک بات کی سچائی آزمانہ لی ہو۔

وہ صفات جو قیادت کے لئے ضروری ہیں:

بلاشبہ وہ عظیم المرتبت رسول ہیں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کے سردار ہیں، انھوں نے خود اپنا مقام اس طرح واضح فرمایا ہے۔

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْن، وَلاَفَخْرَ، وَاَنَا خَاتم النّبیین وَلاَفَخْرَ، وَاَنَا اَوَّل شافع ومشفع ولافخر.

(دارمی عن جابر رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: میں رسولوں کا پیشوا ہوں، میں نبیوں کا خاتم ہوں، میں سب سے پہلے سفارش کرنے والا ہوں اور میری سفارش پہلے قبول کی جائے گی۔ اور یہ باتیں فخریہ بیان نہیں کررہا بلکہ بطور اظہار حقیقت کہہ رہا ہوں۔

ترجمان القرآن والسنۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ پاک نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر اور تمام آسمانوں کے رہنے والوں پر برتری اور فضیلت بخشی ہے" لوگوں نے دریافت کیا کہ آسمان والوں پر فضیلت کیسے معلوم ہوئی؟ حضرتؓ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے آسمان والوں کے حق میں فرمایا ہے کہ:

﴿ وَ مَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾

(سورۃ الانبیاء آیت ۲۹)

ترجمہ: اور فرشتوں میں سے جو شخص کہے کہ "میں خدا کے علاوہ معبود ہوں" تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اور نبی پاک ﷺ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ (سورہ فتح ۱و۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح بخشی، تاکہ اللہ پاک آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادیں!

لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کی فضیلت انبیاء پر کیسے معلوم ہوئی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تو ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (ابراہیم۴)

ترجمہ: اور ہم نے تمام (پہلے) پیغمبروں کو ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا، تا کہ وہ انہیں کھول کر سمجھا دیں، پھر جس کو اللہ پاک چاہیں گمراہ کرتے ہیں۔

اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ (سورۂ سبا آیت ۲۸) ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

اس طرح حضور ﷺ کی بعثت تمام انس و جن کے لئے ہے (لہٰذا عموم بعثت سے فضیلت ثابت ہوئی)

(مشکوٰۃ ص ۵۱۵)

اور اس عظیم المرتبت رسول ﷺ کی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

① ــــ جنھیں تمہارا دشواری میں پڑنا شاق گزرتا ہے ــــ یعنی جس چیز سے تم کو تکلیف یا سختی پہنچے وہ ان پر بہت بھاری ہے وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتے۔ تمہاری ہر تکلیف ان کے دل کا غم بن جاتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو وہ دنیا میں سرخرو ہو۔ اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہے۔

② ــــ جو تمہاری فلاح کے بڑے خواہش مند ہیں ــــ یعنی تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ تم دوزخ کی طرف دوڑے جا رہے ہو اور وہ تمہاری کمریں پکڑ کر روکتے ہیں۔ ان کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ اللہ کے بندے بھلائی اور کامیابی سے ہم کنار ہو جائیں۔ تمہاری ہدایت کے لئے ان کا دل ہمیشہ مضطرب رہتا ہے اگر ان کے بس میں ہوتا تو ہدایت و سعادت گھونٹ کر تمہیں پلا دیتے۔

③ ــــ جو مسلمانوں پر بے حد شفیق، نہایت مہربان ہیں ــــ پس اے لوگو! ایمان لا کر ان کی شفقت و مہربانی کے سزاوار بنو!۔

قوم کی رہنمائی اور قیادت کے لئے تین وصف ضروری ہیں: سردار اپنی قوم کے لئے سراپا شفقت و رحمت ہو، ان کی فلاح و بہبود کی خواہش سے اس کا دل لبریز ہو، اور ان کی ہر تکلیف اس کے دل کا درد و غم بن جائے

پس اگر لوگ منہ موڑیں تو آپؐ (ان سے) فرمادیں کہ ”میرے لئے اللہ پاک (کا سہارا) کافی ہے۔ ان کے سوا کوئی معبود نہیں، انھیں پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہ عرشِ عظیم کے مالک ہیں“ ـــــ یعنی اگر لوگ آپؐ کی شفقت و مہربانی کی قدر نہ کریں تو آپؐ پروانہ کریں، اگر ساری دنیا بھی آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں جس کے سوا نہ کسی کی بندگی ہے، نہ کسی پر بھروسہ، زمین و آسمان کی سلطنت اور عرش عظیم کا مالک وہی ہے، سب نفع و نقصان، ہدایت و ضلالت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

”جو شخص صبح و شام سات مرتبہ حَسْبِیَ اللّٰہُ ،لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پڑھ لیا کرے گا، اللہ پاک اس کے تمام کام آسان فرمادیں گے

(حدیث شریف)
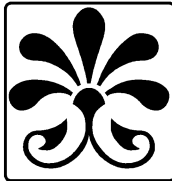
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورہ یونس (علیہ السلام)

نمبر شمار ۱۰ نزول کا نمبر ۵۱ نزول کی نوعیت مکی رکوع ۱۱ آیات ۱۰۹

آیت نمبر اٹھانوے میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام نامی آیا ہے۔اس وجہ سے اس سورت کا نام یونس (علیہ السلام) رکھا گیا ہے۔سورۃ کا موضوع حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ نہیں —— جمہور ائمہؒ کے نزدیک یہ پوری سورت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔اور نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر اکیاون ہے۔یعنی مکہ شریف کے آخری دور میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔

مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔اور گفتگو کا انداز دعوت، فہمائش اور تنبیہ والا ہے۔کیونکہ یہ ایسے وقت میں نازل ہوئی ہے جبکہ مخالفین اسلام کی طرف سے پوری شدت وقوت کے ساتھ مزاحمت شروع ہو چکی تھی۔

سورت کا آغاز قرآن ورسالت کے موضوع سے ہوا ہے، اور فوراً ہی توحید و معاد کا ذکر چھڑ گیا ہے۔ساتھ ساتھ اچھے اور برے اعمال اور ان کے اخروی انجام کی تفصیل بھی ہے۔پھر خدا بیزار بندوں کو فہمائش کی ہے اور ان کی دوغلی پالیسی کا تذکرہ کر کے اس کے انجام بد سے انہیں آگاہ کیا ہے—— پھر آیت ۱۵ سے دوبارہ قرآن ورسالت کے مسئلہ کو لیا ہے۔اور آیت ۲۱ سے اللہ پاک نے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کر کے بندوں کو سمجھایا ہے کہ دیکھو ہمارا تمہارے ساتھ برتاؤ کیسا ہے اور تمہارا ہمارے ساتھ معاملہ کیسا ہے؟

پھر دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ہے اور ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ دنیا ڈھلتی چھاؤں ہے۔کُل چار دن کی بہار ہے۔اور اللہ پاک جس گھر کی طرف بلا رہے ہیں وہ سلامتی کا گھر ہے—— اس کے بعد توحید کا تذکرہ ہے۔اور اللہ پاک کے جو بندے اس کی بے بس مخلوقات کو خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں ان کا دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔اس کے بعد قرآن پاک کی حقانیت بیان کر کے، نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر اب بھی تم نہیں سمجھتے تو پھر تمہیں

خدا سمجھے! لیکن یاد رکھو یہ دنیا چار دن کی بہار ہے۔ پھر اپنے اعمال کی دردناک جزاء سے تمہیں دوچار ہونا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ اس دنیا میں بھی اپنی سزا کا کچھ مزہ چکھ لو! —— اور اگر وہ اس بات کا مذاق اڑائیں تو اعلان فرمادیں کہ وقت آنے پر سب پتہ چل جائے گا اور اس وقت تمہاری کوئی تدبیر پیش نہیں جائے گی۔

اس کے بعد ایک عمومی خطاب فرماتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ قرآن پاک بڑی نعمت ہے۔ جو لوگ اس کی بات پر کان دھرتے ہیں ان کی دنیا اور آخرت سنور جاتی ہیں، اور جو مرغ کی ایک ٹانگ گاتے رہتے ہیں وہ اپنے اعمال کا مزہ چکھیں گے، وہ چاہے دنیا کی کتنی ہی بہاریں لوٹ لیں لیکن انھیں آنا ہمارے پاس ہے —— پھر نوح علیہ السلام کا قصہ مختصراً اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے اور سمجھایا ہے کہ ان کی قوموں نے دنیا سے خوب فائدہ اٹھایا لیکن ان کا آخری انجام کیا ہوا؟ رہنے دے جامِ جَم، مجھے انجامِ جَم سنا! خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو وقت پر سنور جائیں، اللہ پاک ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے۔ دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو، جب آخر وقت میں وہ راہِ راست پر آگئی تو اللہ پاک نے اسے مہلت دے دی۔

اس تمام گفتگو کے بعد نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہدایت کی رسی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے جو شخص سمجھ سے کام لیتا ہے اللہ پاک اسے ہدایت کی دولت سے نوازتے ہیں۔ لیکن بے عقلوں کی گندگی ہی میں اضافہ فرماتے ہیں —— آخر میں پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو بیان کرکے مضمون کو تمام کردیا ہے۔

پس بنیادی مسائل تو اس سورت میں کل چار ہیں۔ توحید، معاد، قرآن اور رسالت۔ اور ضمنی مباحث یہ ہیں —— اچھے اور برے اعمال کا فرق اور ان کے انجام کا بیان۔ دنیا کی بے ثباتی اور دارِ آخرت کی سلامتی۔ شرک کا رد اور مشرکوں سے بیزاری۔ توبہ اور انابت الی اللہ کی دعوت و تلقین اور نبی پاک ﷺ کو تسلی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴

الٓرٰ	الف۔لام۔را	عَجَبًا	عجیب بات	وَبَشِّرِ	اور خوشخبری دیدے
تِلْكَ	یہ	اَنْ اَوْحَيْنَآ	کہ وحی بھیج دی ہم نے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
اٰيٰتُ	آیتیں (ہیں)	اِلٰى رَجُلٍ	ایک آدمی کے پاس	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے
الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ	حکمت سے لبریز کتاب کی	مِّنْهُمْ	انہیں میں سے	اَنَّ لَهُمْ	کہ ان کے لئے
اَكَانَ	کیا ہوگئی	اَنْ اَنْذِرِ	کہ چونکا دے	قَدَمَ صِدْقٍ (۲)	سچا بلند مرتبہ (ہے)
لِلنَّاسِ (۱)	لوگوں کے لئے	النَّاسَ	لوگوں کو	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے رب کے پاس

(۱) محذوف سے متعلق ہوکر عَجَبًا سے حال ہے — اور عَجَبًا کان کی خبر مقدم ہے — اور اَنْ اَوْحَيْنَا اسم مؤخر ہے — اَنْ اَنْذِر میں اَنْ مفسرہ ہے، اِیْحاء کے مفعول کی تفسیر کرتا ہے (۲) موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے جیسے مَقْعَدَ صِدْقٍ، مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ أی: محققة مقررة یعنی قدم کے اصلی معنی تو پاؤں کے ہیں لیکن سعی وعمل اور ترقی کا ذریعہ چونکہ قدم ہوتا ہے اس لئے مجازاً بلند مرتبہ کو قَدَم کہہ دیا جاتا ہے اور پھر اس کی اضافت صِدْق کی طرف کر کے بتلایا گیا ہے کہ یہ بلند مرتبہ جو انکو ملنے والا ہے وہ یقینی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال بھی ہے۔ دنیا کے منصبوں اور عہدوں کی طرح نہیں ہے۔

قَالَ	کہا	اِلَّا	مگر	ثُمَّ	پھر
الْكٰفِرُوْنَ	منکرین نے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	يُعِيْدُهٗ(۴)	وہی دوبارہ پیدا کریں
اِنَّ هٰذَا	بلاشبہ یہ شخص	اِذْنِهٖ	ان کی اجازت کے		گے ان کو
لَسٰحِرٌ	یقیناً جادوگر (ہے)	ذٰلِكُمُ	یہی	لِيَجْزِيَ	تا کہ جزاء دیں
مُّبِيْنٌ	کھلا	اللّٰهُ	اللہ پاک	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
اِنَّ	تحقیق	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار ہیں	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں
رَبَّكُمُ	تمہارے پروردگار	فَاعْبُدُوْهُ	پس تم انہی کی عبادت کرو	وَعَمِلُوا	اور کئے ہیں انھوں نے
اللّٰهُ	اللہ پاک (ہیں)	اَفَلَا	کیا پس نہیں	الصّٰلِحٰتِ	اچھے کام
الَّذِيْ خَلَقَ	جنھوں نے پیدا کئے	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوتے تم؟	بِالْقِسْطِ(۵)	پورے انصاف کیساتھ
السَّمٰوٰتِ	آسمان	اِلَيْهِ	انہی کی طرف	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
وَالْاَرْضَ	اور زمین	مَرْجِعُكُمْ	تم کو پلٹ کر جانا (ہے)	كَفَرُوْا	انکار کی روش اختیار کی
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ	چھ دنوں میں	جَمِيْعًا	سب کو	لَهُمْ	ان کے لئے
ثُمَّ اسْتَوٰى(۱)	پھر جم کر بیٹھے	وَعْدَ	وعدہ کر رکھا ہے	شَرَابٌ مِّنْ	کھولتا ہوا پانی ہے
عَلَى الْعَرْشِ	تخت شاہی پر	اللّٰهِ	اللہ پاک (نے)	حَمِيْمٍ	
يُدَبِّرُ(۲)	تدبیر فرماتے ہیں	حَقًّا	سچا	وَّعَذَابٌ	اور عذاب
الْاَمْرَ	ہر کام کی	اِنَّهٗ	بے شک وہی	اَلِيْمٌ	دردناک
مَا مِنْ	نہیں کوئی	يَبْدَؤُا(۳)	ابتداء پیدا کرتے ہیں	بِمَا كَانُوْا	اس انکار کے بدلہ میں جو
شَفِيْعٍ	سفارش کرنے والا	الْخَلْقَ	مخلوقات کو	يَكْفُرُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے

اللہ پاک کے نامِ نامی سے شروع کرتا ہوں، جو بے حد مہربان، نہایت رحم والے ہیں

ارتباط: سورۂ توبہ قرآنِ کریم کی تاثیر اور رسولِ اکرم ﷺ کے ذکرِ مبارک پر ختم ہوئی تھی۔ یہ سورت انہی دو باتوں

(۱) اِسْتَوٰى عَلَيْهِ: غالب ہونا۔ اِسْتَوٰى عَلَى ظَهْرِ الدَّابَّةِ: جم کر بیٹھنا اِسْتَوٰى عَلَى سَرِيْرِ الْمُلْكِ کنایہ ہے کامل قبضہ و تصرف سے (۲) دَبَّرَ الْاَمْرَ: انتظام کرنا۔ (۳) بَدْءٌ سے مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے بَدَءَ (فتح) الشَّيْءَ: شروع کرنا۔ پیدا کرنا (۴) اِعَادَةٌ (افعال) سے مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے (۵) الْقِسْطُ: انصاف، قَسَطَ (نصر، ضرب) قِسْطًا الوالِيُّ: منصف ہونا۔

سے شروع ہوئی ہے۔اُس میں قرآنِ کریم کے مقابل منافقین کے موقف کا بیان تھا اور اِس میں کفار کے موقف کا بیان ہے۔اُس میں منافقین کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ بار بار کی تنبیہات کے باوجود سنبھلتے نہیں،اس سورت کی آیت ۱۱ و ۱۲ اور ۲۲ و ۲۳ میں یہی بات کفار کے بارے میں کہی گئی ہے۔اُس میں کفار سے بیزاری اور ان کو الٹی میٹم دیا تھا۔اس سورت کی آیت ۴۱ میں بھی کفار سے براءت اور علاحدگی کا اعلان ہے اُس میں توبہ کی ترغیب تھی،اِس میں بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے تذکرے کے ضمن میں توبہ کی دعوت ہے۔

حروفِ مقطعات:

ارشاد فرماتے ہیں ـــ اَلِف،لام،رَا ـــ یہ حروف مقطعات ہیں یعنی ان کو ایک ساتھ ملا کر نہیں پڑھا جاتا،بلکہ حروفِ ہجاء کی طرح علحدہ علحدہ پڑھا جاتا ہے ـــ یہ حروف خاص رموز ہیں،جس کے معنی غالبًا نبی پاک ﷺ کو بتلائے گئے تھے،مگر آپ ﷺ نے امت کو نہیں بتلائے۔کیونکہ آپ ﷺ نے امت کو صرف وہی باتیں بتلائی ہیں جو ان کے ذہن کی سمائی میں آسکتی تھیں،اور جن کے معلوم نہ ہونے سے امت کے کاموں میں کوئی حرج واقع ہوتا تھا،آپ ﷺ نے اپنے سارے علوم بیان نہیں فرمائے،نہ وہ بیان ہو سکتے ہیں،نہ وہ کسی دفتر میں سما سکتے ہیں ـــ لہٰذا ہمیں بھی اس کی تفتیش میں نہیں پڑنا چاہئے۔کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اگر ان کے معانی جاننے میں ہماری مصلحت ہوتی اور کچھ بھی فائدہ ہوتا تو رحمتِ عالم ﷺ اس کے بیان کرنے میں ہرگز تامل نہ فرماتے۔پس

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❁ کہ جاہا سپر باید انداختن

(سب جگہ تحقیق کا گھوڑا نہیں دوڑانا چاہئے ❁ بہت سی جگہوں میں ڈھال ڈال دینا ہی مناسب ہوتا ہے)

البتہ ایک موٹی بات یہ ہے کہ حروفِ ہجاء سے کلمات بنتے ہیں،اور حروفِ ہجاء کے بھی معانی ہیں،جن کا کلمات کی ترکیب میں لحاظ کیا جاتا ہے،عام طور پر لوگ حروفِ ہجاء کے معانی نہیں جانتے،بس اتنا جانتے ہیں کہ اِن سے کلمات بنتے ہیں،البتہ خواص ان کے معانی جانتے ہیں،حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے الفوز الکبیر کے آخر میں اور ان کی کتاب الخیر الکثیر میں حروفِ مقطعات کے معانی بیان کئے ہیں۔

البتہ قرآنِ کریم میں غور کرنے سے دو باتیں واضح ہیں:

ایک: ہر جگہ حروفِ مقطعات کے بعد قرآنِ کریم کا تذکرہ آیا ہے۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ کریم بھی انہی حروفِ ہجا سے مرکب ہے،اس کے کلمات بھی حروفِ مقطعات سے مرکب ہیں،پھر وہ معجزہ کیوں ہے؟ تم ایسا کلام کیوں نہیں بنا سکتے؟ سوچو! اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے،کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

دوم: جن سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات ہیں، ان سورتوں میں ایسے مضامین ہیں جن کی تمام حقیقت انسان نہیں سمجھ سکتا۔

اس لئے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآنِ کریم بے شک اللہ پاک کا کلام ہے، جو نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے، لیکن کلام کی اور نزول کی پوری حقیقت سمجھنا مشکل ہے، اسی طرح اس سورت میں بعض ایسے مضامین آئیں گے جن کی پوری حقیقت نہیں سمجھی جاسکے گی، مثلاً: اسی سورت میں اللہ تعالیٰ کے عرشِ اعظم پر قائم ہونے کا ذکر آئے گا، مگر ہم اس کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکتے، ایسے مضامین میں عقل کا گھوڑا نہیں دوڑانا چاہئے، ان کو ایک حد تک سمجھنے پر ہی اکتفا کرنی چاہئے۔

قرآنِ کریم حکمت بھری کتاب ہے، جادوگری نہیں

ارشادِ پاک ہے:— یہ حکمت سے لبریز کتاب کی آیتیں ہیں— یعنی یہ آیتیں محض زبان کی جادوگری، شاعرانہ پروازِ تخیل اور کاہنوں کی طرح کی باتیں نہیں، بلکہ حکمت سے لبریز کتاب کی آیتیں ہیں۔ جس سے مؤمنین کے ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ پس جو لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے وہ حکمت سے محروم رہ جائیں گے — کیا لوگوں کے لئے یہ بات عجیب ہوگئی کہ ہم نے انہیں میں سے ایک آدمی کے پاس یہ وحی بھیجی کہ انسانوں کو (غفلت سے) چونکا دیجئے، اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دیجئے کہ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سچا بلند مرتبہ ہے (کہ) منکرینِ حق نے کہہ دیا کہ "بلاشبہ یہ شخص کھلا جادوگر ہے"— یعنی آخر اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ اور "جادوگر" کی پھبتی کسنے کی ضرورت کیا ہے؟ انسانوں کی ہدایت کے لئے انسان کو رسول نہ بنایا جاتا تو کیا فرشتے، جن یا جانور کو بنایا جاتا؟ اگر انسان حقیقتِ حال سے غافل ہوکر غلط طریقے سے زندگی بسر کررہے ہوں تو تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کا پروردگار انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور کوئی ہدایت نہ دے، نہ یہ بات کہ وہ ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کوئی انتظام کرے۔ پس تعجب کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ آخر وہ بات کیا ہے جس پر وہ تعجب کررہے ہیں؟

مؤمنین کو نہایت اونچے مرتبہ کی خوش خبری:

اور اس آیت میں مؤمنین کو جس اونچے مرتبے کی خوش خبری دی گئی ہے وہ حق اور یقینی بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا اور لازوال بھی۔ وہ دنیا کے مرتبوں کی طرح نہیں ہے جن کا حاصل ہونا اول تو یقینی نہیں اور اگر حاصل ہو بھی جاویں تو باقی رہنے والے نہیں۔ خواب کی خوشی سے زیادہ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

اور منکرینِ حق نے "جادوگر" کی جو پھبتی کسی ہے اس سے اتنی بات کا اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ قرآن پاک کی بے مثال

اور حیرت انگیز تاثیر کے وہ خود بھی قائل تھے، عِنادو جحود کے باوجود کسی طرح انکار نہیں کر سکتے تھے، اور جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور تھے۔ اور یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ قرآن پاک حکمت سے لبریز کتاب ہو۔ اس میں غایت درجے کا اعتدال ہو۔ حق وصداقت کا التزام ہو۔ لفظ لفظ جچا تلا ہو۔ اور بات کانٹے کے تول پوری ہو۔ یہ تاثیر اس کتاب میں کبھی نہیں ہوسکتی جو شاعرانہ تخیلات کا مجموعہ، کاہنوں کی ہانکی ہوئی باتوں کا دفتر بے معنی اور بے لگام مقرر کے غل غپاڑے ہوں۔

تخلیق وربوبیت سے توحید پر استدلال:

ارشادِ پاک ہے: —— واقعہ یہ ہے کہ تمہارے پروردگار اللہ پاک ہیں، جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پھر تختِ حکومت پر جم کر بیٹھے، ہر کام کا انتظام فرماتے ہیں۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں! یہی اللہ پاک تمہارے پروردگار ہیں، لہٰذا تم انہی کی عبادت کرو۔ پھر کیا تم نصیحت پذیر نہیں ہوتے؟ —— یعنی تمہارے پاس وحی تمہارے پروردگار نے بھیجی ہے، اسی نے کتاب نازل فرمائی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے تاکہ تم صرف اپنے پرودگار کی عبادت کرو، دوسروں کی چوکھٹ پر جبہ سائی نہ کرو۔

آیتِ پاک میں توحید کو ایک ناقابل انکار حقیقت کے طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور پورے عالم کے کاموں کے انتظام کرنے میں کوئی اللہ پاک کا شریک اور ساجھی نہیں تو پھر عبادت واطاعت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہوسکتا ہے؟ اس سے بڑی ناانصافی کیا ہوگی کہ جو نہ خالق ہو نہ مالک، اسے معبود بنالیا جائے؟

اور یہ جو فرمایا کہ: ''چھ دنوں میں'' تو اس سے مراد ہمارا عرفی دن نہیں کیونکہ کائنات کی تخلیق کے وقت نہ سورج تھا نہ اس کا طلوع وغروب، پھر ''دن'' کہاں تھا؟ پھر کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں بھی کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی، نہ ہمیں اس مسئلہ کی زیادہ ضرورت ہے! یہ معاملہ عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے اللہ پاک ہی اپنی مراد بہتر جانتے ہیں! ہم اپنے علم وادراک کے ذریعہ حقیقتِ حال معلوم نہیں کر سکتے۔ اور قرآن پاک کا مقصود تخلیقِ عالم کی شرح وتحقیق نہیں ہے بلکہ اللہ پاک کی قدرت وحکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔

آیتِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پاک نے کائنات کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا کہ خود جس طرح چاہے چلتی رہے نہ دوسروں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ اس میں جیسا چاہیں تصرف کریں۔ بلکہ وہ خود اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہیں اور سارے جہان کا انتظام انہی کے دستِ قدرت میں ہے۔ سارے اختیارات کے تنہا وہی مالک ہیں اور کائنات کے گوشے گوشے میں ہر وقت اور ہر آن جو کچھ ہورہا ہے وہ انہی کے حکم واشارے سے ہورہا ہے۔ نہ کائنات کے انتظام میں دوسرا کوئی دخیل ہے نہ یہ اختیار رکھتا ہے کہ سفارش کر کے اللہ پاک کا فیصلہ بدلوادے۔

مخلوقات میں اتنا زوردار کوئی نہیں جس کی بات چل سکتی ہو اور اس کی سفارش ٹل نہ سکے۔ وہ عرش الٰہی کا پایہ پکڑ کر بیٹھ جائے اور بات منوا کر اٹھے، ایسا کوئی نہیں ـــــ ہاں جن مقبول بندوں کو اجازت ملے گی اور اشارہ ہوگا کہ فلاں فلاں بندوں کے حق میں ہم سفارش کے روادار ہیں تو وہ مقبولانِ بارگاہ ان کے حق میں ضرور سفارش کریں گے، مگر اس کا قبول کرنا نہ کرنا اللہ پاک کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ ان پر کسی کا دباؤ کچھ نہیں ہوگا ـــــ جب انسانوں کے لئے یہ حقیقت کھول دی گئی تو اب انھیں آنکھیں کھولنی چاہئیں۔ اور سوچنا چاہئے کہ صحیح طرزِ عمل اور زندگی کا رویہ کیا ہو۔ کیا وہ اب بھی آنکھوں پر پٹیاں باندھے رہیں گے؟

بعث بعد الموت کی دو دلیلیں

ارشادِ پاک ہے:ـــــ تم سب کو پلٹ کر انھیں کے پاس جانا ہے۔ اللہ پاک نے (یہ) سچا وعدہ فرما رکھا ہے ـــــ وہاں تمہیں اپنے پروردگار کے سامنے جواب دہ ہونا ہوگا۔ پس جو وقت پر چوکنا ہو جائے اور حساب پیش کرنے کی تیاری شروع کردے وہی ''فرزانہ'' ہے ـــــ یقیناً وہی مخلوقات کو ابتداءً پیدا کرتے ہیں، پھر وہی ان کو دوبارہ پیدا فرمائیں گے، تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں پورے انصاف کے ساتھ جزاء دیں۔ اور جن لوگوں نے انکارِ حق کی رَوِش اختیار کی ہے، ان کو پینے کے لئے سخت کھولتا پانی ملے گا اور دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا، اُس انکارِ حق کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے ـــــ اس آیت میں بعث (دوسری زندگی) کی دو دلیلیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلی دلیل سے دوسری زندگی کا امکان ثابت کیا ہے اور دوسری دلیل سے اس کی ضرورت واضح کی ہے۔

پہلی دلیل:ـــــ کائنات کو ابتداء اللہ پاک ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ پس جو شخص یہ بات تسلیم کرلے ـــــ اور اس سے بجز دہریوں کے کسی کو انکار نہیں ـــــ وہ اس بات کو ناممکن کیسے قرار دے سکتا ہے کہ وہی اللہ پاک اس کائنات کو دوبارہ پیدا فرمائیں؟

دوسری دلیل:ـــــ جو لوگ اللہ پاک کو اپنا واحد رب مان کر بندگی کرتے ہیں وہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کو ان کے اعمال کی پوری جزاء ملے۔ اور جو لوگ حق کا انکار کر کے زندگی بسر کرتے ہیں وہ بھی اس کے مستحق ہیں کہ اپنے غلط طرزِ عمل کا برا نتیجہ بھگتیں۔ لیکن یہ نتائج موجودہ زندگی میں ظہور پذیر نہیں ہو رہے، پس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دوسری زندگی ضروری ہے۔

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں انھیں انصاف کے ساتھ پوری جزاء ملے گی۔ اور
جو لوگ حق کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اپنے غلط طرزِ عمل کا نتیجہ ضرور بھگتیں گے!

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

هُوَ الَّذِیْ	وہی (ہیں) جنھوں نے	وَ الْحِسَابَ	اور حساب (روزمرہ کا)	فِی اخْتِلَافِ	الٹ پھیر میں
جَعَلَ	بنایا	مَا خَلَقَ	نہیں بنایا	الَّیْلِ	شب
الشَّمْسَ	سورج (کو)	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	وَ النَّهَارِ	وروز (کے)
ضِیَآءً (۱)	چمک دار	ذٰلِكَ	یہ (سب کچھ)	وَمَا	اور (ہر اُس چیز میں) جو
وَّ الْقَمَرَ	اور چاند (کو)	اِلَّا	مگر	خَلَقَ	پیدا کی ہے
نُوْرًا	نورانی	بِالْحَقِّ (۳)	بامقصد	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)
وَّ قَدَّرَهٗ	ٹھیک ٹھیک ٹھہرائیں اس کی	یُفَصِّلُ	وہ کھول کر پیش کرتے ہیں	فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
مَنَازِلَ (۲)	منزلیں	الْاٰیٰتِ	نشانیاں	وَالْاَرْضِ	اور زمین میں
لِتَعْلَمُوْا	تا کہ تم جان لو	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	لَاٰیٰتٍ	البتہ نشانیاں (ہیں)
عَدَدَ	گنتی	یَّعْلَمُوْنَ	جو علم رکھتے ہیں	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے جو
السِّنِیْنَ	برسوں (کی)	اِنَّ	یقیناً	یَّتَّقُوْنَ	اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں

اللہ نے انسان کو بامقصد پیدا کیا ہے: سورج چانداور رات دن کی گردش سے استدلال

ارشاد فرماتے ہیں —— وہی ہیں جنھوں نے سورج کو چمکدار، اور چاند کو نورانی بنایا، اور اس کی ٹھیک ٹھیک منزلیں ٹھہرادیں، تا کہ تم برسوں کی گنتی اور (روزمرہ کا) حساب جان لو، اللہ پاک نے یہ سب کچھ بامقصد ہی بنایا ہے —— یعنی

(۱) ضَوْءٌ کی جمع ہے جیسے سَوْطٌ کی جمع سِیَاطٌ اور حَوْضٌ کی حِیَاضٌ یا پھر ضَآءَ یَضُوْءُ کا مصدر ہے جیسے قَامَ قِیَامًا وَصَامَ صِیَامًا —— واصل الکلام: ذَاتَ ضِیَآءٍ وذَا نُوْرٍ (۲) مفعول سے محول کر کے تمیز بنالی گئی ہے والاصل: قَدَّرْنَا مَنَازِلَهٗ (۳) المراد بـ "الحق" هنا: خلاف الباطل والعبث (روح)

کائنات میں اللہ پاک کے جو کام تمہیں ہر طرف نظر آ رہے ہیں، جن کے بڑے بڑے نشانات سورج، چاند اور رات دن کی گردش کی صورت میں ہر شخص کے سامنے موجود ہیں وہ سب اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ کائنات گہری حکمت سے رچی ہوئی ہے، سورج کو دیکھو، جب وہ نکلتا ہے تو اس کی چمک سے سارا جہان جگمگا اٹھتا ہے۔ چاند پر نظر ڈالو، اس کی نور کی چادر کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے! اس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ جن سے لوگ مہینوں اور دنوں کا حساب کرتے ہیں، اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہیں یہ سب کچھ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے، یہ عظیم الشان کارگاہِ ہستی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ محض کھیلنے کے لئے یہ گھروندا بنایا گیا ہو، جسے دل بھر لینے کے بعد توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جاتا ہے —— پھر جب یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض اور مصلحت کے ہو؟ وہ صرف اس لئے پیدا کیا گیا ہو کہ کھائے پیئے اور مر کر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے؟ اس کا خالق حکیم ہے۔ اس نے انسان کو خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، اور یہ مقصد موت کے بعد دوسری زندگی ہی میں ظاہر ہوگا۔

منازلِ قمر کا بیان:

سورۂ یٰسٓ شریف کی آیت ۳۹ میں بھی چاند کی منزلوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾

ترجمہ: اور چاند کی ہم نے ٹھیک ٹھیک منزلیں ٹھہرا دی ہیں یہاں تک کہ وہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی!

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کی مدار کو ۲۷ دن ۷ گھنٹے اور ۴۳ منٹ میں طے کرتا ہے، وہ اپنی گردش کی ہر رات میں کسی نہ کسی ستارے یا ستاروں کے جھرمٹ کے پاس دکھائی دیتا ہے، گویا وہ اس کی گردش کے لئے ہر روز کی منزلیں ہیں، اس طرح ۲۷ دن اور ۷ گھنٹے کی مدت سے ۲۸ منزلیں بن گئیں، جب ہم ۳۶۰ درجوں کو (جو کامل دورہ کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجے مسافت طے کرتا ہے۔

انسان کی نگاہ کے لئے آسمان کی کوئی بھی چیز اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں ہے جس قدر سورج اور چاند کا طلوع وغروب ہے، انہی دو ستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اُسے اوقات شماری کا راز بتلایا ہے۔ انسان نے دیکھا کہ سورج نکلتا ہے اور چھپ جاتا ہے، جس سے اسے یہ اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ایک معین وقت ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہوتا، اس لئے اسے ایک دن ٹھہرا لینا چاہئے، پھر اس نے چاند کو دیکھا اور فوراً معلوم کر لیا کہ اس کے طلوع وغروب کا بھی ایک خاص اندازہ مقرر ہے، وہ ایک خاص زمانہ تک دکھائی دیتا ہے پھر غائب ہو جاتا ہے اور

پھر نمایاں ہو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ہے، اس سے انسان کو اوقات شماری کا ایک دوسرا اندازہ بھی معلوم ہو گیا اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینہ ٹھہرا لیا۔ یہی مطالعہ جب آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ ہر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارے کے پاس دکھائی دیتا ہے اور اس میں کبھی فرق نہیں پڑتا تو انسان نے ان ستاروں کو چاند کی منزلیں قرار دے دیا، اور ہر منزل کے لئے ان ستاروں کے ناموں سے ۲۸ نام تجویز کر لئے —— لیکن قرآن کریم میں یہ اصطلاحی نام مراد نہیں ہیں بلکہ صرف وہ فاصلے مراد ہیں جو چاند روزانہ طے کرتا ہے —— اللہ تعالیٰ نشانیاں ان لوگوں کے لئے کھول کھول کر پیش کر رہے ہیں جو علم رکھتے ہیں —— یعنی بیان کی ہوئی دلیل کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو علم و بصیرت سے یکسر محروم نہیں ہیں۔

شب و روز کی تبدیلی دلیلِ بعثت ہے:

اس کے بعد بعث کی دلیل پیش فرماتے ہیں —— یقیناً شب و روز کے الٹ پھیر میں اور ہر اس چیز میں جو اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمائی ہے، عظیم الشان نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو (گناہوں سے) پرہیز کرنا چاہتے ہیں —— یعنی کیا تم اللہ پاک کی قدرت کا نظارہ روزانہ شب و روز کے الٹ پھیر میں نہیں کرتے؟ جب کائنات کے ذرے ذرے پر ''دن'' اپنا قبضہ جما لیتا ہے تو تم نہیں دیکھتے کہ چند ہی گھنٹوں کے بعد اللہ پاک اس کا راج ختم کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ ''رات'' کو لے آتے ہیں؟ اسی طرح جب ''رات'' اپنی کالی کملی ہر چیز کو اوڑھا دیتی ہے تو چند ہی گھنٹوں کے بعد اسے بھی اپنی بساط لپیٹ لینی پڑتی ہے، اور اس کی جگہ ''دن'' آ موجود ہوتا ہے روزانہ یہ الٹ پھیر اللہ پاک کر رہے ہیں، تو کیا پھر وہ اس دنیا کو الٹ کر دوسری دنیا برپا نہیں کر سکتے؟

زندگی کے مظاہر میں، اور آسمان و زمین کی مخلوقات میں غور کرو! تمہیں ہر طرف وہ آثار دکھائی دیں گے جو ان کی زوال کی غمازی کرتے ہیں اور اپنے پیچھے چھپی ہوئی حقیقتوں کی صاف نشان دہی کرتے ہیں، تمہیں یہ بھی نظر آ جائے گا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ تغیر پذیر اور بے قرار ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس کی بے قراری کو کبھی قرار آئے اور وہ دوسری زندگی ہی میں آنے والا ہے۔

لیکن نفس کے غلاموں اور فسق و فجور کے متوالوں کے دماغوں میں یہ دلیلیں کبھی نہیں اتر سکیں گی، کیونکہ: ﴿ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴾: (سورۃ القیامہ آیت ۵) منکرین قیامت چاہتے ہیں کہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی فسق و فجور کرتے رہیں۔ اس لئے اگر وہ آخرت کو مان لیں تو انھیں اخلاق و شریعت کے ضابطوں میں جکڑ جانا پڑے گا اور بے راہ روی کا موقع ہاتھوں سے نکل جائے گا جس کے لئے وہ آمادہ نہیں۔

یہ دلائل اسی شخص کے لئے کارآمد ہیں جو گناہوں سے پرہیز کرنا چاہتا ہے —— اس کے لئے یہ دلیلیں بالکل کافی

ہیں، کیونکہ ان دلیلوں کے بعد اگر کسی چیز کی کسر باقی رہ جاتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اس کو آنکھوں سے دکھا دیا جائے کہ جو چیز ممکن ہے، جس کے وجود میں آنے کی ضرورت بھی ہے، جس کو وجود میں لانا اللہ پاک کی حکمت کا تقاضا بھی ہے، اور جس کے وجود پذیر کرنے پر اللہ تعالیٰ ہر طرح قدرت بھی رکھتے ہیں دیکھو وہ یہ تیرے سامنے موجود ہے! —— لیکن یہ کسر بہر حال موجودہ دنیوی زندگی میں پوری نہیں کی جائے گی کیونکہ دیکھ کر ایمان لانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اللہ پاک انسان کا جو امتحان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حس اور مشاہدہ سے بالاتر حقیقتوں کو وحی الٰہی اور استدلال صحیح سے بندہ مانتا ہے یا نہیں؟

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۞ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۞ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۞ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۞

ع

إِنَّ الَّذِينَ (۱)	بلاشبہ جو لوگ	هُمْ	کہ وہ	إِنَّ الَّذِينَ (۲)	تحقیق جو لوگ
لَا يَرْجُونَ	توقع نہیں رکھتے	عَنْ آيَاتِنَا	ہماری آیتوں سے	آمَنُوا	ایمان لائے
لِقَاءَنَا	ہم سے ملنے کی	غَافِلُونَ	غافل ہیں	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
وَرَضُوا	اور وہ مگن ہیں	أُولَٰئِكَ	یہ لوگ	الصَّالِحَاتِ	نیک کام
بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی پر	مَأْوَاهُمُ	ان کا آخری ٹھکانہ	يَهْدِيهِمْ	سیدھی راہ چلائے گا ان کو
وَاطْمَأَنُّوا	اور مطمئن ہیں	النَّارُ	جہنم (ہے)	رَبُّهُم	ان کا پروردگار
بِهَا	اُس (زندگی) پر	بِمَا	ان برائیوں کی پاداش میں جو	بِإِيمَانِهِمْ	اُن کے ایمان کی وجہ سے
وَالَّذِينَ	اور وہ لوگ جو	كَانُوا يَكْسِبُونَ	وہ کمایا کرتے تھے	تَجْرِي	بہیں گی

(۱) ترکیب: إِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ مع اپنے معطوفات کے اسم ہے، اور أُولٰئِكَ مَأْوٰهُمُ الخ خبر ہے۔ (۲) ترکیب: اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ إِنَّ کا اسم ہے اور يَهْدِيْهِمْ اور تَجْرِيْ دو خبریں ہیں

مِنْ تَحْتِهِمُ	ان کے نیچے سے	سُبْحٰنَكَ(۳)	آپ تمام نقائص سے	وَاٰخِرُ(۴)	اور آخر
الْاَنْهٰرُ	نہریں		پاک ہیں	دَعْوٰىهُمْ	ان کی گفتگوؤں کا
فِيْ جَنّٰتِ(۱)	باغوں میں	اللّٰهُمَّ	خدایا!	اَنِ الْحَمْدُ(۵)	بلاشبہ ساری خوبیاں
النَّعِيْمِ	نعمت کے	وَتَحِيَّتُهُمْ	اور ان کی ملاقات کی دعا	لِلّٰهِ	اللہ پاک کیلئے (ہیں)
دَعْوٰىهُمْ(۲)	ان کی صدا	فِيْهَا	اس (جنت) میں	رَبِّ	(جو) پروردگار (ہیں)
فِيْهَا	اس (جنت) میں	سَلٰمٌ	سلامتی ہو!	الْعٰلَمِيْنَ	سارے جہانوں (کے)

عقیدۂ آخرت کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا اخروی انجام

عقیدۂ آخرت کو پیش کرنے کے بعد اب واضح فرماتے ہیں کہ جو لوگ اس عقیدے کو مان کر زندگی بسر کرتے ہیں ان کا دوسری زندگی میں کیا حال ہوگا؟ اور جو لوگ اس کا انکار کر کے زندگی بسر کرتے ہیں ان کا آخری انجام کیا ہوگا؟ ارشاد فرماتے ہیں ـــ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر مگن ہیں، اور اسی میں جی لگائے بیٹھے ہیں، اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں، یقیناً ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے ان برائیوں کی پاداش میں جو وہ کمایا کرتے تھے!

آیتِ پاک کا مدعا واضح ہے لیکن اس میں تین باتیں یاد رکھنے کی ہیں:

① ـــ اس آیت میں منکرینِ آخرت کی ذہنیت کی سچی تصویر کھینچی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کی چار حالتیں ہیں: (۱) انھیں اللہ پاک سے ملنے کی توقع نہیں ہے (۲) وہ دنیوی زندگی ہی پر خوش ہو رہے ہیں (۳) ان کے اندر اس حالت کے خلاف کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اسی پر مطمئن ہیں۔ (۴) اور ان کا ذہن و ادراک اس درجہ معطل ہو گیا ہے کہ اللہ پاک کی تمام آیتیں، قدرت کی تمام نشانیاں اور عقیدۂ آخرت کے تمام سچے پکے دلائل انھیں بیدار نہیں کر سکتے، وہ یک قلم غافل ہو گئے ہیں ـــ سبحان اللہ! ان کی کس قدر سچی اور کامل تصویر ہے!

② ـــ آیت کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ عقیدۂ آخرت کے منکر یا اس سے خالی الذہن ہیں وہ برائیوں میں ہر وقت سرشار رہتے ہیں، کیونکہ جب آدمی اللہ پاک کے سامنے اپنے آپ کو ذمہ دار اور جواب دہ نہیں سمجھتا

(۱) تَجری سے متعلق ہے (۲) مبتداء ہے اور اسی کے ساتھ فیها کا تعلق ہے اور سُبْحٰنَکَ اس کی خبر ہے اور دَعْوىٰ باب نصر کا مصدر ہے دَعَا (نصر) دُعَاءً و دَعْوی: پکارنا جیسے شَکَا یَشْکُوْ شِکَایَةً وَشَکْوٰی (۳) مبتداء ہے اور فِیْهَا اسی سے متعلق ہے اور خبر سَلٰمٌ ہے (۴) مبتداء ہے اور اَنِ الْحَمْدُ الخ خبر ہے (۵) اَنّ حرف مشبہ بالفعل سے ہلکا کرنے کے لئے نون کی تشدید ہٹادی گئی ہے۔ اس کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اور خبر جملہ اَلْحَمْدُ الخ ہے۔ پھر اَنْ جملہ اسمیہ ہو کر آخِرُ کی خبر ہے۔

اور حساب دینے کا اندیشہ نہیں رکھتا بلکہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی کو سمجھ لیتا ہے تو اس کی پوری زندگی غلط ہوکر رہ جاتی ہے اور وہ دنیا میں شتر بے مہار بن جاتا ہے، نہایت برے اخلاق واوصاف والا ہوجاتا ہے اور اللہ پاک کی زمین کو ظلم وفساد اور فسق وفجور سے بھر دیتا ہے اور ایسے شخص کی سزا جہنم کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے؟!

(۳) —— آیت کے آخری حصے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص ونتائج ہیں۔ پس اچھے عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے عمل کا نتیجہ برائی! —— اور یہ اچھے اور برے نتائج کس شکل میں سامنے آئیں گے؟ قرآن پاک بیان کرتا ہے کہ بدعمل لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں ان کے لئے بدحالیاں ہوں گی اور دیدارِ خداوندی کی نعمت سے محروم ہوں گے اور نیک عمل والے جنت میں جائیں گے اور وہاں ان کے لئے خوش حالیاں ہوں گی، اور لقاءِ الٰہی اور دیدار خداوندی کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں —— جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، یقیناً ان کو ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہ چلائے گا —— یعنی ہر ہر قدم پر، زندگی کے ہر موڑ اور ہر دوراہے پر ان کو صحیح اور غلط، حق اور باطل، راست اور ناراست کی تمیز بخشے گا، اور راست روی پر ثابت قدمی اور کج روی سے پرہیز کی انھیں طاقت عطا فرمائے گا، اور یہ ہدایت اور یہ توفیق اللہ پاک ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے بخشے گا —— پھر جب یہ زندگی ختم ہوجائے گی اور دوسری زندگی شروع ہوگی تو اللہ پاک انھیں اسی ایمان کی بدولت جنت کی راہ بھی چلائیں گے اور سیدھے منزلِ مقصود تک پہنچا دیں گے —— اگر بندہ بالکل پاک صاف زندگی گزار کر وہاں پہنچا ہے تو جنت تک پہنچنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں لگے گی، ورنہ اس کا ایمان دیر سویر ضرور اسے جنت تک پہنچا کر دم لے گا۔ اور وہاں —— نعمت بھرے باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہیں گی —— اور ہمہ قسم کی خوش حالیاں میسر آئیں گی —— وہاں ان کی صدا یہ ہوگی کہ ”خدایا! آپ تمام نقائص سے ہر طرح پاک وصاف ہیں!“ اور وہاں ان کی ملاقات کی دعا ہے ”سلامتی ہو!“ —— اور ان کی گفتگو کا آخر ہے ”ساری خوبیاں یقیناً اللہ پاک کے لئے ہیں، جو سارے جہانوں کے پروردگار ہیں!“ —— یعنی وہ نعمت بھری جنت میں پہنچ کر سامانِ عیش پر بھوکوں کی طرح ٹوٹ نہیں پڑیں گے بلکہ ان کے پاک جذبات، بلند افکار، برتر اخلاق اور پاکیزہ سیرت وکردار، جنت کے پاکیزہ ماحول میں اور زیادہ نکھر جائیں گے اور ان کے وہی اوصاف جو انھوں نے دنیا میں اپنے اندر پیدا کئے تھے وہاں اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے، وہاں ان کا محبوب ترین مشغلہ اللہ پاک کی حمد وتقدیس ہوگا، جس سے وہ دنیا میں مانوس رہے ہیں —— اور ان کے درمیان وہی ایک دوسرے کی سلامتی چاہنے کا جذبہ کارفرما ہوگا جسے دنیا میں انھوں نے اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی روح بنالیا تھا، وہاں ان کے دلوں میں کوئی میل نہیں رہے گا اور ہر طرف سے سلام ہی سلام کی

صدائیں بلند ہوں گی، اور ان کی ہر گفتگو اللہ پاک کی حمد پر تمام ہوا کرے گی۔

اہلِ جنت کی زبانوں پر اللہ پاک کی طرف سے، اللہ پاک کی حمد و تقدیس اس طرح جاری ہوگی جس طرح سانس جاری رہتا ہے (حدیث شریف)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

وَلَوْ يُعَجِّلُ(۱)	اور اگر جلدی پہنچاتے	بِالْخَيْرِ	فائدہ (نعمت) کیلئے	لَا يَرْجُوْنَ	امید نہیں رکھتے
اللّٰهُ	اللہ پاک	لَقُضِيَ(۳)	تو یقیناً پہنچا دی جاتی	لِقَآءَنَا	ہم سے ملنے کی
لِلنَّاسِ	لوگوں کو	اِلَيْهِمْ	ان تک	فِيْ طُغْيَانِهِمْ(۴)	ان کی بے راہی میں
الشَّرَّ	نقصان (سختی)	اَجَلُهُمْ	ان کی مدت (عمر)	يَعْمَهُوْنَ(۵)	سرگرداں رہے ہیں
اسْتِعْجَالَهُمْ(۲)	(جس طرح) وہ جلدی	فَنَذَرُ	سو ہم چھوڑے رہتے ہیں	وَاِذَا	اور جب (کبھی)
	مچاتے ہیں	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	مَسَّ	پہنچتی ہے

(۱) ترکیب: لَوْ حرف شرط، يُعَجِّلُ شرط، لَقُضِيَ جزاء، فَنَذَرُ کی ف عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے۔ أی: ولکن لاَ نُعَجِّلُ وَلاَ نَقْضِيْ بَلْ نَذَرُهُمْ اور فِيْ طُغْيَانِهِمْ کا تعلق نَذَرُ سے بھی ہوسکتا ہے اور يَعْمَهُوْنَ سے بھی، اور يَعْمَهُوْنَ حال ہے اَلذِيْنَ سے جو نَذَرُ کا مفعول ہے۔ (۲) کاف تشبیہ حذف کرنے کی وجہ سے منصوب ہوا ہے پورے جملے کی عبارت اس طرح ہے وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ (بِاسْتِعْجَالِهِمْ لَهُ كَتَعْجِيْلِهِ الْخَيْرَ بـ) اسْتِعْجَالِهِمْ لَهُ بین القوسین والی عبارت حذف کردی گئی ہے، یعنی جملۂ مُشبہ کا آخیری حصہ حذف کیا گیا ہے اور جملہ مشبہ بہ کے آخیری حصہ کو اول کی جگہ پر رکھا گیا ہے (بیان القرآن) (۳) قَضی (ض) الامر الیه: پہنچانا (۴) الطغیان: مجاوزة الحد (حد سے نکل جانا) (۵) عَمَهَ ←

الْاِنْسَانَ	انسان (کو)	مَسَّهٗ	(جو) اُسے پہنچی تھی	رُسُلُهُمْ	ان کے پیغامبر
الضُّرُّ	تکلیف	كَذٰلِكَ	اس طرح	بِالْبَيِّنٰتِ (۵)	روشن دلیلیں
دَعَانَا	(تو) پکارنے لگتا ہے ہمیں	زُيِّنَ	خوشنما کردیئے گئے ہیں	وَمَا كَانُوْا	اور (آمادہ) نہ تھے وہ
لِجَنْۢبِهٖٓ (۱)	کروٹ پر	لِلْمُسْرِفِيْنَ	حد سے گذرنے والوں	لِيُؤْمِنُوْا (۶)	کہ ایمان لائیں وہ
اَوْ قَاعِدًا	یا بیٹھے		کے لئے	كَذٰلِكَ	اسی طرح
اَوْ قَآئِمًا	یا کھڑے	مَا	(وہ کام) جو	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
فَلَمَّا	پھر جب	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	الْقَوْمَ	گنہ گاروں کو
كَشَفْنَا	ہم دور کردیتے ہیں	وَلَقَدْ	اور قسم بخدا! یقیناً	الْمُجْرِمِيْنَ	
عَنْهُ	اس سے	اَهْلَكْنَا	ہم نے ہلاک کردی ہیں	ثُمَّ	پھر
ضُرَّهٗ	اس کی تکلیف	الْقُرُوْنَ	(کتنی ہی) امتیں	جَعَلْنٰكُمْ	بنایا ہم نے تم کو
مَرَّ	(تو) چل دیتا ہے	مِنْ قَبْلِكُمْ (۴)	تم سے پہلے	خَلٰٓئِفَ (۷)	ان کا جانشیں
كَاَنْ (۲)	گویا	لَمَّا	جب	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
لَّمْ يَدْعُنَآ	اس نے کبھی ہمیں	ظَلَمُوْا	انھوں نے شرک وکفر	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد
	پکارا ہی نہیں		کی راہ اختیار کی	لِنَنْظُرَ	تا کہ دیکھیں ہم
اِلٰى ضُرٍّ (۳)	کسی تکلیف کے (ہٹا	وَجَآءَتْهُمْ	حالانکہ لائے تھے	كَيْفَ	(کہ) کیسے
	نے) کے لئے		ان کے پاس	تَعْمَلُوْنَ	کام کرتے ہو تم

دینِ حق کے انکار کی سزا مؤخر کیوں کی ہے؟

ساتویں اور آٹھویں آیت میں منکرین آخرت کی دوسری زندگی کا نقشہ پیش کیا گیا تھا کہ آخرت میں ان کا ٹھکانہ

← (ف،س) عَمَهًا متحیر ہونا، گمراہی میں بھٹکنا۔

(۱) في موضع الحال أي: مضطجعا او مُلْقيً لجنبه اور ذوالحال دعانا کی ضمیر فاعل ہے (۲) كَاَنْ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے اور پورا جملہ مَرَّ کے فاعل سے حال ہے (۳) أي: الى كشف ضر (۴) من قبلكم متعلق ہے اهلكنا سے اور لَمَّا ظَلَمُوْا بھی اسی کا ظرف ہے اور جَاءَتْهُمْ ظَلَمُوْا کی ضمیر سے حال ہے اور قَدْ محذوف ہے (۵) باء تعدیہ کے لئے ہے (۶) لام نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ (۷) جمع خليفةٍ.

دوزخ ہے، جہاں ان کے لئے دائمی عذاب ہے، پھر نویں اور دسویں آیت میں مؤمنوں کا اخروی حال بیان ہوا تھا، جس کا مقصد مؤمنوں کی تسلی کے علاوہ منکرین آخرت کے انجام کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرنا تھا، اب ان آیات پاک میں انھیں منکرین آخرت کے ایک شبہ کا جواب ارشاد فرمایا جارہا ہے۔

قرآن پاک جب لوگوں کو دین حق کے انکار کی سزا سے ڈراتا ہے تو دنیا کی نعمتوں میں سرشار لوگ جواب میں کہا کرتے ہیں کہ تم جس عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہو وہ آخر آ کیوں نہیں جاتا؟ اس کے آنے میں دیر کیوں لگ رہی ہے! خدا ہم کو ہمارے برے کاموں کی سزا ابھی کیوں نہیں دے دیتا؟ یہ سزا حشر کے لئے کیوں اٹھا رکھی ہے! اللہ پاک ان کی اس ہنسی کا جواب ارشاد فرماتے ہیں — اور اگر اللہ پاک لوگوں کو (ان کے جلدی مچانے پر) نقصان پہنچانے میں اتنی ہی جلدی کرتے جتنی لوگ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں (جس پر دنیا ہی میں اللہ پاک ان کی حاجتیں پوری فرما دیتے ہیں) تو ان کا وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا! — یعنی اللہ پاک لوگوں پر رحم وکرم فرمانے میں جتنی جلدی کرتے ہیں، ان کو سزا دینے میں اتنی جلدی نہیں کرتے، وہ لوگوں کی دعائیں سن کر تو جلدی دنیا ہی میں ان کی حاجتیں پوری فرما دیتے ہیں، لیکن ان کی سرکشیوں پر سزا دینے میں ڈھیل سے کام لیتے ہیں، لوگ تو چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ ان کی دعائیں سن کر رحمتیں برسا دیا کرتے ہیں اسی طرح ان کا مطالبہ سن کر اور سرکشیاں دیکھ کر عذاب بھی نازل فرما دیا کریں۔ حالانکہ:

﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ ﴾ (سورۃ النحل آیت ۶۱)

ترجمہ: اگر ایسا ہوتا کہ اللہ پاک لوگوں کو انکے جرم پر (فوراً) پکڑ لیا کرتے تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک بھی حرکت کرنے والی ہستی باقی رہتی!

سو (ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے بلکہ) ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑے رہتے ہیں — یعنی ہم دنیا میں مجرموں کی رسی ڈھیلی چھوڑے رکھتے ہیں، پاداش عمل کا قانون ہم نے دوسری زندگی کے لئے اٹھا رکھا ہے، دنیا ہی میں بدکاروں کو فوراً پکڑ نہیں لیتے تاکہ وہ غفلت کے نشہ میں پیمانۂ شرارت لبریز کرلیں اور دائمی عذاب کے مستحق بن جائیں۔

جس طرح منکرین آخرت اپنے پیغمبر کو تنگ کرنے کے لئے اور اس کو نیچا دکھانے کے لئے عذابِ الٰہی کو کھیل سمجھ کر دعوت دے رہے ہیں، اسی طرح بہت سے لوگ رنج وغم یا دل تنگی کی حالت میں اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے یا اپنے مال ودولت کی تباہی کے لئے بددعائیں کرنے لگتے ہیں مصیبتیں چاہنے لگتے ہیں اور لعنت تک کے الفاظ کہہ ڈالتے ہیں۔ اب غور فرمائیں! اگر اللہ پاک بھی ان کی بددعاؤں کو اسی طرح جلد قبول فرمانے لگیں جس طرح ان کی اچھی دعاؤں کو قبول فرما

لیتے ہیں تو اس میں خسارہ کس کا ہوگا؟ اور انسان کے دن پنپ سکے گا؟ اس لئے اللہ پاک جو ارحم الراحمین ہیں اپنے فضل وکرم سے ایسی دعائیں قبول فرمانے میں جلدی نہیں کرتے، امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست، عزیز کی بددعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرماویں" — کیونکہ بعض اوقات قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، اس گھڑی میں انسان کی زبان سے جو اچھی بری بات نکلتی ہے فوراً قبول ہو جاتی ہے، اس لئے نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد یا مال وجائداد کے حق میں بددعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو، اور تمہاری دعا قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے)[1]

عذاب سہارنے کا انسان میں دل گردہ کہاں؟

بے باک انسان اپنے منہ سے عذاب طلب کرتا ہے اور اپنی زبان سے برائی مانگتا ہے مگر وہ اس قدر کمزور اور بودا بھی ہے کہ جہاں ذراسی تکلیف پہنچی اور اس نے بلبلانا اور گڑگڑانا شروع کر دیا، عذاب سہارنے کا اس میں دل گردہ کہاں؟ ارشاد فرماتے ہیں — اور جب کبھی انسان کو ذرا تکلیف چھو لیتی ہے تو لیٹے بیٹھے اور کھڑے ہمیں پکارنے لگتا ہے! — یعنی اس قدر گھبرا جاتا ہے کہ واویلا کرنے لگتا ہے — پھر جب ہم اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تو وہ اس طرح چل دیتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہم سے اس کا سابقہ ہی نہیں پڑا! — یعنی رنج ومصیبت کے وقت خود انسان کے دل میں یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی ہے جو دکھ درد، دور کر سکتی ہے، اس لئے اسی کو پکارنا چاہئے۔ چنانچہ وہ اللہ کے سامنے اپنا دکھڑا روتا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تو عیش وراحت کی غفلتوں میں پڑ کر اللہ کو اس طرح بھول جاتا ہے، گویا کبھی اس نے اللہ کو پکارا ہی نہیں — اسی طرح حد سے گزر جانے والوں کے لئے ان کے (سارے) کرتوت خوشنما بنا دئے گئے ہیں — جس کی وجہ سے ان کے دل میں کبھی خلش پیدا نہیں ہوتی کہ ہم کس راہ پر چلے جا رہے ہیں!۔

انسان کی فطری حالت سے توحید پر استدلال:

آیت پاک میں انسان کی فطری حالت سے توحید پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں اللہ کا یاد آنا، اور آڑے وقت اس کو پکارنے کا ولولہ اٹھنا، اس بات کا بڑا ثبوت ہے کہ انسان کی فطرت میں خدا کی ہستی کا اعتقاد موجود ہے، چاہے وہ اعراض وغفلت کی حالت میں اسے بالکل ہی بھول جائے!۔

(۱) رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ عنہ ص ۴۱۶ ج ۲۔

مؤمن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے:

نیز ایک خاص مضمون آیت پاک میں یہ بھی ہے کہ مصیبت پڑنے پر اللہ پاک کو یاد کرنا اور راحت کا دور آنے پر اسے بھول جانا خدا فراموش بندوں ہی کے لچھن ہیں، مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ کسی وقت اللہ پاک کو نہ بھولے، سختی پر صبر کرے اور راحت پر شکر بجالائے، مؤمن کے سوا اس چیز کی توفیق کسی کو نہیں ملتی، نبی پاک ﷺ نے بنی اسرائیل کے تین شخصوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے، جن میں سے ایک کوڑھی، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا تھا، اللہ پاک نے ان تینوں کے امتحان کے لئے ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا یہ کوڑھ جس سے لوگ گھن کرتے ہیں دور ہو جائے اور مجھے خوبصورت چمڑی اور گورا رنگ مل جائے، فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور فوراً ہی اس کی خواہش پوری ہوگئی، وہ نہایت خوبصورت ہو گیا، فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے اونٹ بتلائے، فرشتے نے اسے ایک حاملہ اونٹنی دی اور برکت کی دعا دے کر چل دیا۔

پھر وہ گنجے کے پاس گیا اور اس کی خواہش دریافت کی، اس نے کہا کہ میرا یہ گنج جس سے لوگ گھن کرتے ہیں، دور ہو جائے اور مجھے خوبصورت بال مل جائیں، فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کی خواہش برآئی، اسے نہایت خوبصورت بال مل گئے۔ فرشتے نے اس سے بھی دریافت کیا کہ تجھے کس قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے گائیں بتلائیں، فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دی اور برکت کی دعا دے کر چل دیا۔

پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس گیا، اس سے بھی اس کی خواہش پوچھی، اس نے چاہا کہ اللہ پاک اسے اس کی آنکھیں واپس فرمادیں تاکہ وہ لوگوں کو دیکھ سکے۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ فوراً بینا ہو گیا، پھر فرشتے نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے کونسا مال پسند ہے؟ اس نے بکریاں بتلائیں، فرشتے نے اسے ایک بچے دار بکری دی ـــــ پھر تینوں کے مال میں برکت شروع ہوئی اور بڑھتے بڑھتے ان کے جانوروں سے میدان بھر گئے۔

اب وہی فرشتہ دوبارہ پہلے شخص کے پاس اسی جیسا کوڑھی بن کر پہنچا اور کہا کہ "میں ایک بے کس مسافر ہوں، سامان راہ نہیں رکھتا، اللہ پاک کے سوا اور اس کے بعد تیرے سوا کوئی سہارا نہیں، میں تجھ سے اس اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت چمڑی، گورا رنگ اور بے شمار اونٹ دئے ہیں، مجھے میری منزل تک پہنچادے!" اس نے جواب دیا کہ "ذمہ داریاں بہت ہیں!" (تجھے کہاں سے دوں!) سائل نے کہا کہ میں تجھے کچھ کچھ پہچانتا ہوں، کیا تو کوڑھی محتاج نہیں تھا؟ اللہ پاک نے تجھے یہ سب کچھ عنایت نہیں فرمایا؟ وہ کہنے لگا کہ "یہ سب کچھ تو میرے باپ دادا سے مجھے ملا ہے"! سائل نے کہا کہ اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو ویسا ہی ہو جا جیسا پہلے تھا! ـــــ پھر وہ فرشتہ گنجا بن کر دوسرے شخص کے

پاس پہنچا۔ یہاں بھی وہ ویسا ہی جواب پاتا ہے اور اسے بھی وہی بد دعا دے کر چل دیتا ہے ـــ اب اندھا، مسکین، سائل بن کر تیسرے شخص کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ ''میں ایک بے کس مسافر ہوں، سامان راہ سے تہی دامن ہو چکا ہوں، اللہ پاک کے سوا اور اس کے بعد تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رہا، میں تجھ سے اس اللہ پاک کے واسطے سے ایک بکری کا سوال کرتا ہوں جس نے تجھ کو بینائی عطا فرمائی ہے!'' ـــ وہ بندۂ بینا اعتراف کرتا ہے کہ واقعۃً وہ اندھا تھا اللہ پاک نے اسے آنکھیں عنایت فرمائیں۔ وہ سائل سے کہتا ہے کہ ''تیرا جو جی چاہے لے لے اور جس قدر جی چاہے چھوڑ دے، میں تیرا ہاتھ نہیں پکڑوں گا'' ـــ فرشتے نے جواب دیا کہ آپ کا مال آپ کو مبارک! اللہ پاک نے تم تینوں کو آزمایا، آپ سے وہ راضی ہوا اور آپ کے دونوں ساتھیوں سے وہ ناراض ہوا، چنانچہ وہ دونوں برباد ہو گئے اور بدستور کوڑھی، گنجے بن گئے (۱)

مؤمن بندے کی شان یہی ہوتی ہے، جو اس تیسرے بندے کی آپ نے دیکھی جب اسکے حالات سازگار ہوتے ہیں، اس کی چاہتیں اس کو مل رہی ہوتی ہیں تو وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہیں سمجھتا، بلکہ اس وقت اپنے دل میں وہ اس یقین کو تازہ کرتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ پاک کا فضل وکرم اور اس کی بخشش ہے، وہ جب چاہیں اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین سکتے ہیں، اس لئے ہر نعمت پر اللہ پاک کا شکر بجالانا چاہئے۔

منکرین آخرت کی ہنسی کا باقی جواب:

منکرین آخرت کی ہنسی کا جواب ابھی تمام نہیں ہوا، انھیں اب آگاہ کیا جا رہا ہے کہ دیر سویر ظالموں کو ہلاکت سے دو چار ہونا ہے، ارشاد فرماتے ہیں ـــ اور قسم بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے، جب انھوں نے ظلم (کفر وشرک) کی روش اختیار کی، اور ان کے پاس پیغامبر روشن دلائل لے کر پہنچے مگر وہ کسی طرح آمادہ ہی نہ ہوئے کہ ایمان لائیں ـــ پس اللہ پاک کے ڈھیل دینے سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا میں عذاب آئے گا ہی نہیں پچھلی قوموں پر ان کی سرکشی اور نافرمانی کی سزا میں مختلف قسم کے عذاب اسی دنیا میں آچکے ہیں ـــ اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں ـــ یعنی لوگوں کے جلدی مچانے پر تو عذاب نہیں بھیجا کرتے مگر ظلم وشرارت اور بے ایمانی کی سزا بہر حال دیتے ہیں۔

سنت اللہ یہی ہے کہ جب لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم وتکذیب پر کمر بستہ رہیں اور کسی طرح ایمان وتسلیم کی طرف نہ جھکیں تو آسمانی عذاب انھیں ہلاک کر ڈالتا ہے، مجرموں کو ہمیشہ کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہتی ہے ـــ پھر ہم نے تمہیں زمین میں ان کے بعد ان کا جانشین بنایا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو!

(۱) رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۴۰۸

ـــــہمارے پیغمبر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو، نیک وبد، جیسا برتاؤ کروگے، تمہارے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے گا ـــــ گویا تم امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رو ناکام ہو کر نکالے جاچکے ہیں، پس تمہیں چاہئے کہ جو موقع تمہیں دیا جارہا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ، اور پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو، اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو ان کی تباہی کا سبب بنی ہیں۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٧﴾

وَإِذَا	اور جب	لِقَاءَنَا	ہم سے ملنے کی	مَا	(کہ) نہیں
تُتْلَىٰ (۱)	پڑھ کر سنائی جاتی ہیں	ائْتِ	لے آیئے	يَكُونُ (۴)	حق پہنچتا ہے
عَلَيْهِمْ	انہیں	بِقُرْآنٍ (۳)	کوئی اور قرآن	لِي	مجھے
آيَاتُنَا	ہماری آیتیں	غَيْرِ	بجائے	أَنْ أُبَدِّلَهُ	کہ ترمیم کروں اس میں
بَيِّنَاتٍ (۲)	صاف صاف (واضح)	هَٰذَا	اس کے	مِنْ تِلْقَاءِ (۵)	جانب سے
قَالَ	کہتے ہیں	أَوْ	یا	نَفْسِي	اپنی
الَّذِينَ	جو لوگ	بَدِّلْهُ	اسی میں ترمیم کردیجئے	إِنْ	نہیں
لَا يَرْجُونَ	نہیں توقع رکھتے	قُلْ	آپ فرمادیجئے	أَتَّبِعُ	اتباع کرتا ہوں میں

(۱) تَلَا (ن) تِلَاوَةً عَلَيْهِ: پڑھ کر سنانا ـــــ تلاوت کے معنی ہیں واجب الاتباع کلام کو پڑھنا، چنانچہ یہ لفظ آسمانی کتابوں کے لئے خاص ہے، اور ''قراءت'' سے اخص ہے، پس ہر تلاوت قراءت ہے لیکن ہر قراءت تلاوت نہیں چنانچہ تَلَوْتُ رُقْعَتَکَ (میں نے آپ کی چھٹی کی تلاوت کی) نہیں کہا جائے گا (راغب) (۲) حال ہے آیات سے (۳) باصلہ کی ہے (۴) کان تامہ ہے اور جملہ مصدر یہ اس کا فاعل ہے (۵) التلقاء: لِقَاء کا اسم ہے: ملاقات کی جگہ، پھر طرف اور جہت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے، فَعَلَ الامْرَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِه، اس نے اس کام کو خود بخود بغیر کسی کے مجبور کئے ہوئے کیا۔

اِلَّا	مگر	مَا	(تو) نہ	تَعْقِلُوْنَ	سمجھے تم؟
مَا	(اسی کا) جو	تَلَوْتُهٗ	پڑھ کر سناتا میں اس کو	فَمَنْ	اب (بتلاؤ) کون
يُوْحٰٓى	وحی کے ذریعہ پہنچا ہے	عَلَيْكُمْ (۲)	تمہیں	اَظْلَمُ	بڑا ظالم ہے
اِلَيَّ	میرے پاس	وَلَآ	اور نہ	مِمَّنِ	اس شخص سے جو
اِنِّيْٓ اَخَافُ	میں واقعۃً ڈرتا ہوں	اَدْرٰىكُمْ (۳)	خبردار کرتے وہ تمہیں	افْتَرٰى	گھڑ کر منسوب کرے
اِنْ عَصَيْتُ	اگر نافرمانی کروں میں	بِهٖ	اس سے	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف
رَبِّيْ	اپنے پروردگار کی	فَقَدْ	کیونکہ واقعہ یہ ہے	كَذِبًا	جھوٹ
عَذَابَ	عذاب سے	لَبِثْتُ	(کہ) میں بسر کر چکا ہوں	اَوْ كَذَّبَ	یا (جو) جھٹلائے
يَوْمٍ عَظِيْمٍ	ہولناک دن (کے)	فِيْكُمْ	تمہارے درمیان	بِاٰيٰتِهٖ	اس کی آیتوں کو
قُلْ (۱)	آپ فرمادیجئے	عُمُرًا (۴)	ایک عمر	اِنَّهٗ	یقیناً
لَّوْ	(کہ) اگر	مِّنْ قَبْلِهٖ	اس سے پہلے	لَا يُفْلِحُ (۵)	(کبھی) فلاح نہیں پاتے
شَآءَ اللّٰهُ	چاہتے اللہ پاک	اَفَلَا	کیا پس نہیں	الْمُجْرِمُوْنَ	مجرم لوگ

کافروں کا قرآن بدلنے کا یا اس میں ترمیم کرنے کا مطالبہ

اب منکرین آخرت کے ایک نامعقول مطالبے اور بے جا فرمائش کا جواب ارشاد فرمایا جارہا ہے —— اور جب انھیں ہماری صاف صاف آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ "(یا تو) اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے یا اسی میں ترمیم کردیجئے" —— قرآن پاک نے جب لوگوں کو توحید اور آخرت کی دعوت دینی شروع کی تو چونکہ یہ باتیں لوگوں کے اعتقادات اور نظریات کے خلاف تھیں اس لئے انھیں شدت سے ناگوار ہوتی تھیں، وہ اور ان کے باپ دادا جن بتوں کی ہمیشہ سے تعظیم کرتے رہے تھے اور جنھیں حاجت روا مانتے رہے تھے قرآن پاک ان سب کو باطل اور لغو قرار دیتا تھا، قرآن پاک انہیں بتاتا تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور حساب دینا ہے، وہ

(۱) جملہ مستانفہ ہے (۲) عَلٰی حرف جار صلہ کا ہے (۳) اَدْرٰی (باب افعال) الرجلَ بکذا: جتلانا، آگاہ کرنا فعل ماضی کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے، فاعل ضمیر غائب ہے جو اللہ پاک کی طرف راجع ہے اور کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے اور مفعول بہ ہے، اس کا مجرد ہے دَرَی (ض) دِرَایَةً الشیئَ حیلہ اور تدبیر سے جاننا (۴) مفعول فیہ ہے۔ (۵) اِفْلاح باب افعال سے ہے اور اس کا مجرد اس معنی میں مستعمل نہیں۔

انھیں اخلاقی ضابطوں میں جکڑ تا تھا اور جن کاموں کو وہ برابر کرتے آئے تھے قرآن کریم ان میں سے بہت سی باتوں کو حرام قرار دیتا تھا، اس لئے قرآن پاک کی تعلیمات ان کے گلے نہیں اترتی تھیں۔

مشرکین مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ یہ توحید، آخرت اور اخلاقی پابندیوں اور حلال وحرام کی بحث تم نے کیا چھیڑ دی، اگر قوم کی رہنمائی کے لئے اٹھے ہو تو کوئی ایسی بات پیش کرو جسے قوم برضا ورغبت قبول کرے، تمہارا یہ قرآن تو اس مقصد سے ہم آہنگ نہیں، اس لئے تم کوئی اور قرآن لاؤ، اور اگر اس کے لئے تم آمادہ نہیں ہو تو کم از کم اسی میں کچھ لچک پیدا کرو، توحید میں کچھ شرک کے لئے، خدا پرستی میں کچھ نفس پرستی اور دنیا پرستی کے لئے اور عقیدۂ آخرت کے ساتھ قطعی نجات کے لئے —— چاہے وہ جو کچھ بھی کرتے رہیں —— جگہ نکالو تو ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہیں۔

ان لوگوں کا یہ نامعقول مطالبہ اس خیال پر مبنی تھا کہ قرآن کریم خود آپ ﷺ کا کلام اور آپؐ کی اپنی تصنیف ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ حضور پاک ﷺ جو کچھ پیش فرمارہے ہیں وہ اللہ پاک کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی اپنے دماغ کی اپج ہے اور اسے اللہ پاک کی طرف منسوب کرکے صرف اس لئے پیش کیا جارہا ہے کہ اس سے آپؐ کی بات کا وزن بڑھ جائے —— اللہ پاک آپ ﷺ کی طرف سے جواب ارشاد فرماتے ہیں: —— آپ فرمادیجئے کہ ”مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی طرف سے اس میں ترمیم کردوں (دوسرا لانا تو درکنار!) میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کے ذریعے پہنچا ہے۔ میں تو واقعۃً ڈرتا ہوں، اگر اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں، ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے —— یعنی یہ قرآن اور اس کے مضامین کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں کہ تمہاری فرمائش کے مطابق بنادوں۔ اگر اس کے حکم کی نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے؟ —— آیت پاک کے آخری حصے میں ان بیہودہ فرمائش کرنے والوں پر چوٹ کی گئی ہے کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تمہیں بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرنا چاہئے!

قرآن اللہ کی وحی ہے، آپؐ کی تصنیف نہیں:

آگے اس پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے کہ قرآن پاک کے مصنف حضور پاک ﷺ نہیں ہیں بلکہ یہ وحی کے ذریعہ آپؐ تک پہنچا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ —— آپؐ (یہ بھی) فرمادیجئے کہ: ”اگر اللہ پاک چاہتے تو میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناتا ہی نہیں اور نہ وہ تمہیں اس سے خبردار کرتے“ —— یعنی اگر اللہ پاک چاہتے تو نہ میرے ذریعے یہ قرآن تمہارے پاس بھیجتے، نہ کسی اور ذریعے سے تمہیں اس سے آگاہ کرتے۔

نبی ﷺ کی پوری زندگی شہادت دیتی ہے کہ قرآن وحی ہے:

لیکن اللہ پاک نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ضروری سمجھا کہ ان کے پاس ہدایات بھیجی جائیں اور اس کا طریقہ یہ رکھا ہے کہ خود انسانوں ہی میں سے رسول چنے جائیں، اسی سنۃ اللہ کے مطابق انھوں نے میرا انتخاب فرمایا ہے اور میرے ذریعے یہ قرآن کریم تم تک بھیجا ہے — کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ میں اس سے پہلے ایک عمر تمہارے درمیان بسر کر چکا ہوں — تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں، جس کے حالات کی تمہیں خبر نہ ہو، اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں، اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی ہے، بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی ہے؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہوسکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں، تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں کہ مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ — پس کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟! — کیا اتنی موٹی سی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

یہ ایک زبردست دلیل ہے اس بات کی کہ آپ ﷺ قرآن پاک کو خود اپنے دل سے گھڑ کر اللہ پاک کی طرف منسوب نہیں کر رہے ہیں بلکہ وہ اللہ پاک کی طرف سے بذریعہ وحی آپؐ پر نازل ہوا ہے، آپؐ نے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے درمیان گزارے ہیں، ان کے شہر میں پیدا ہوئے، ان کی آنکھوں کے سامنے پلے بڑھے، آپؐ کا رہنا سہنا، ملنا جلنا، شادی بیاہ، لین دین، غرض ہر قسم کا معاشرتی تعلق انہی کے ساتھ رہا، اور آپؐ کی زندگی کا کوئی پہلو ان سے چھپا ہوا نہیں تھا، ایسی جانی بوجھی اور دیکھی بھالی چیز سے بڑھ کر کھلی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟

آپؐ کی اس چالیس سالہ زندگی میں کئی چیزیں بالکل نمایاں تھیں۔ سب سے:

پہلی بات: تو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کوئی ایسی تعلیم و تربیت اور صحبت نہیں پائی تھی جس سے آپؐ کو وہ معلومات حاصل ہوتیں جو دعوئے نبوت کے ساتھ ہی آپؐ نے لوگوں کے سامنے پیش فرمانی شروع کی تھیں۔

دوسری بات: یہ ہے کہ اس سے پہلے کبھی آپ ﷺ ان مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، ان مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے اور ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے، جواب پے در پے قرآن کی صورت میں ان کے سامنے لا رہے ہیں۔ اور انسانی دماغ اپنی عمر کے کسی بھی مرحلے میں ایسی کوئی چیز پیش نہیں کرسکتا جس کے واضح نشانات اس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں۔

تیسری بات: یہ ہے کہ اس سے پہلے آپ کا پورا دور اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھا کہ لوگ آپ کو اَلصَّادِقُ الْاَمِیْن (سچا اور دیانت دار) کہہ کر پکارنے لگے تھے دعوئے نبوت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی تعمیر

نو کا ارادہ کیا، جب نئی تعمیر میں حجر اسود کے نصب کا وقت آیا تو لوگوں میں شدید اختلاف ہوا، چار پانچ دن تک یہ اختلاف جاری رہا اور قریب تھا کہ تلواریں چل جائیں بالآخر طے یہ پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو کل صبح سب سے پہلے بیت اللہ میں داخل ہوگا۔ دوسرے دن لوگوں نے جب سب سے پہلے داخل ہونے والے انسان کو دیکھا تو پکار اٹھے هٰذَا الامینُ رَضِینا (یہ امانت دار ہیں ہم سب ان کے فیصلے پر رضا مند ہیں)—— یہ آپؐ ہی تھے جن کے حکیمانہ فیصلہ پر سب بدل و جان راضی ہوگئے تھے—— نبوت ملنے کے بعد جب آپؐ نے پہلی بار صفا پہاڑ کے دامن میں لوگوں کو جمع کر کے اپنی دعوت پیش کی تھی اس وقت آپؐ نے بات پیش کرنے سے پہلے حاضرین سے سوال کیا تھا کہ تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے؟ جواب میں بالاتفاق یہ آواز آئی مَاجَرَّبْنَا عَلَیْکَ اِلَّا صِدْقاً! (آپؐ کے اندر ہم نے سچائی کے سوا کبھی کوئی اور بات نہیں دیکھی!)

آپ ﷺ نے پیغمبری کا اعلان کیا تو مکہ کے لوگ جو آپؐ کو اچھی طرح جانتے تھے ان کے لئے یہ سوال خارج از بحث تھا کہ آپؐ کو نعوذ باللہ جھوٹا یا جعل ساز سمجھیں، کیونکہ یہ آپؐ کی اب تک کی پوری زندگی کے بالکل خلاف تھا، اس لئے انھوں نے کبھی آپؐ پر اس قسم کا الزام نہیں لگایا بلکہ کہا تو یہ کہا کہ اس شخص کی عقل کھوگئی ہے! یہ شاعرانہ مبالغہ کر رہے ہیں! ان پر کسی کا جادو چل گیا ہے! ان پر جنات سوار ہیں! مخالفین نے یہ سب کچھ کہا مگر کسی کی جرأت یہ نہ ہوئی کہ وہ آپؐ کی صداقت اور دیانتداری پر شبہ ظاہر کرے۔

حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ ساری قوم آپؐ کی دشمن ہوچکی تھی، وطن میں آپؐ کا رہنا انھیں گوارا نہ تھا، لیکن مکہ میں جس کسی کے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی جس کے بارے میں اسے کسی قسم کا اندیشہ ہوتا تو وہ اسے آپؐ کے پاس رکھ دیتا، کیونکہ ہر ایک کو آپؐ کی سچائی اور دیانتداری کا یقین تھا[1]—— روم کے بادشاہ ہرقل کو جب آپؐ کا دعوت نامہ پہنچا ہے تو اس نے حکم دیا کہ عرب کے لوگ اگر یہاں موجود ہوں تو حاضر کئے جائیں، اس زمانے میں قریش کے چند لوگ تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ دربار میں پہنچے تو ہرقل نے پوچھا: ''تمہارے شہر میں جس شخص نے خدا کے رسول ہونے کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے کوئی اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''وہ میرے خاندان کا ہے!''۔ اس کے بعد ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسکے چند فقرے یہ ہیں—— ہرقل: اس دعوے سے پہلے کبھی تم نے اس کو جھوٹ بولتے ہوئے سنا ہے؟ ابوسفیان: کبھی نہیں! ہرقل: کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرتا ہے؟ ابوسفیان! ابھی تک اس نے کسی عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہرقل نے یہ سنکر کہا کہ: ''جب یہ تجربہ ہوچکا ہے کہ وہ آدمیوں کے معاملہ

(۱) سیرت ابن ہشام ص ۹۸ ج ۲۔

میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے خدا کے معاملے میں اتنا بڑا جھوٹ گھڑ لیا ہے!''—— اب بتلاؤ کہ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو جھوٹی بات گھڑ کر اللہ پاک کی طرف منسوب کرے یا جو اسکی سچی آیتوں کو جھٹلائے؟ —— یعنی صورتِ حال نے اب دو فریق پیدا کر دیئے ہیں، ایک داعیٔ قرآن ہے جو کہتا ہے کہ میں اللہ پاک کی طرف سے مامور ہوں، دوسرا فریق منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے اب فیصلہ سن لو: جو خدا تعالیٰ پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں۔ اور جو سچے کو جھٹلائے اس کی بدبختی میں بھی کلام نہیں اور —— یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے —— اگر میں مفتری ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا اور اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ آئندہ نتائج فیصلہ کریں گے کہ کون فریق مستحق عذاب ہے اور کون کامیابی اور ارجمندی کا حقدار! —— آج اللہ پاک کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے جو مکذب تھے ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا اور جو صادق تھا اسکی بات آج تک قائم و دائم ہے۔

دانا کے لئے کافی ہے صرف ایک اشارہ ❁ ناداں کو نہیں کافی دفتر نہ رسالہ

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

وَ يَعْبُدُوْنَ	اور پوجتے ہیں	وَلَا	اور نہ	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ پاک کے حضور میں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱)	اللہ پاک سے نیچے	يَنْفَعُهُمْ	نفع پہنچائیں انھیں	قُلْ	آپ کہئے
مَا	(ایسی چیزوں کو) جو	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں	اَتُنَبِّـُٔوْنَ (۳)	کیا تم بتاتے ہو
لَا	نہ	هٰٓؤُلَآءِ	یہ	اللّٰهَ	اللہ پاک کو
يَضُرُّهُمْ	نقصان پہنچائیں انہیں	شُفَعَآؤُنَا (۲)	ہمارے سفارشی (ہیں)	بِمَا	(ایسی چیز) جسے

(۱) دُوْنَ ظرف ہو کر استعمال ہوتا ہے اور فَوْقَ کی نقیض ہے اور حالت کا فرق بتانے کے لئے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، جیسے زَيْدٌ دُوْنَ عَمْرٍو: زید عمرو سے نیچے ہے یعنی شرافت اور علم میں اس سے نیچے ہے (اتقان) (۲) شَفِيْعٌ کی جمع ہے: سفارش کرنے والا (۳) تُنَبِّـُٔوْنَ مضارع کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے نَبَّأَ تَنْبِئَةً وَتَنْبِيْئًا فُلَانًا الْخَبَرَ: خبر دینا۔

لَا يَعْلَمُ	نہیں جانتے وہ	وَمَا كَانَ النَّاسُ	اور نہیں تھے لوگ	سَبَقَتْ	پہلے سے طے شدہ
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں	اِلَّآ	مگر	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے رب کی طرف سے
وَلَا فِي الْاَرْضِ	اور نہ زمین میں	اُمَّةً	امت	لَقُضِيَ	(تو یقیناً) فیصلہ کر دیا جاتا
سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے ان کی ذات	وَّاحِدَةً	ایک	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
وَتَعٰلٰى	اور برتر ہے	فَاخْتَلَفُوْا	پھر وہ مختلف ہو گئے	فِيْمَا	ان باتوں میں
عَمَّا	اس سے جو	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتی	فِيْهِ	جن میں
يُشْرِكُوْنَ	وہ شریک کرتے ہیں	كَلِمَةٌ	ایک بات	يَخْتَلِفُوْنَ	وہ اختلاف کر رہے ہیں

شرک کی تردید

اور (ان کا جرم یہ ہے کہ) وہ اللہ پاک سے نیچے ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع —— کیونکہ ہر قسم کا نفع اور نقصان اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں، انسانوں کے خود تراشیدہ خدا نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں، نہ برا کر سکتے ہیں نہ بھلا، ان کی عبادت بے سود محض ہے۔

شرک کا اصلی سبب یہی نفع کی امید، اور نقصان کا اندیشہ ہے، انسان دیکھتا ہے کہ چاند، سورج، آگ، ستارے، پانی، دریا اور پہاڑ ہر وقت اس کے کاموں میں مشغول ہیں، اس لئے وہ ان کی اس فیض رسانی پر ایسا ر سمجھتا ہے کہ ان میں سے ہر نعمت کو منعم کا درجہ دے کر اس کی عبادت شروع کر دیتا ہے، اسی طرح مخلوقات میں جو چیزیں اسے خطرناک اور ہولناک نظر آتی ہیں ان کو بھی خدا کی خدائی میں شریک بنا لیتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ سانپ ڈستے ہیں، بچھو ڈنک مارتے ہیں، شیر پھاڑ کھاتے ہیں، اس لئے اس نے ان کو جنگل کے دیوتا قرار دے کر ان کی پرستش شروع کر دی تا کہ اس طرح ان کو راضی کر کے ان کے خطرات سے مامون رہ سکے۔

مقرب بندوں کو سفارشی ماننا بھی شرک ہے:

غضب کی بات تو یہ ہے کہ مشرکین جہاں مخلوقات کو خدائی کا مقام دیتے ہیں وہاں اللہ پاک کو مخلوقات کی سطح پر اتار لاتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ پاک ہمارے حالات نہیں جانتے، ہماری دعائیں اور التجائیں بھی ان تک نہیں پہنچتیں، وسیلہ کے بغیر ان تک رسائی ممکن نہیں۔ ان سے اپنی بات منوانے کے لئے سفارشی چاہئیں، اس لئے وہ اللہ پاک کے مقرب بندوں کو، فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ پاک کی نزدیکی کا ذریعہ اور اپنا سفارشی قرار دے کر انھیں چڑھاووں اور پوجا پاٹ سے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں —— اور کہتے ہیں کہ "یہ اللہ پاک کے حضور ہمارے سفارشی ہیں" —— اس لئے

مشرکین نے فرشتوں اور بزرگوں کو، جو اللہ پاک کے مقرب بندے ہیں، قربت ونزدیکی کا وہ مقام دیا ہے جو عبدیت اور بندگی کے مقام سے بالاتر اور الوہیت کے مقام سے قریب تر ہے — آپؐ کہئے: ''کیا تم اللہ پاک کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں؟!'' — اور اللہ پاک کا نہ جاننا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے کیونکہ وہ سب کچھ جو موجود ہے اللہ پاک کے علم میں ہے — یہ ایک لطیف انداز بیان ہے کہ سفارشیوں کا کوئی وجود نہیں — ان کی ذات پاک ہے اور وہ برتر ہیں اس سے جو یہ لوگ شریک کر رہے ہیں۔

کسی مخلوق کو حاجت روا، مشکل کشا اور فریادرس سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ زندگی، موت، نفع، نقصان، تندرستی، بیماری، رزق، اولاد، عزت، ذلت یا قسمت اس کے ہاتھ میں ہے، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کی سفارش اور مرضی کے بغیر اللہ پاک کچھ نہیں کرتے شرک ہے جو سب سے بڑا، نا قابل عفو گناہ ہے

شرک مسلک قدیم نہیں، توحید مسلک قدیم ہے

آگے مشرکین کے ایک خلجان کو دور کیا جاتا ہے — مشرکین سمجھتے ہیں کہ یہ دستور آج سے نہیں قدیم سے چلا آرہا ہے ہمیشہ سے لوگ فرشتوں، بزرگوں اور ان گنت چیزوں کو پوجتے رہے ہیں، انھوں نے کوئی نیا طریقہ ایجاد نہیں کیا، اس لئے ان کے باپ دادا کا جو مذہب ہے وہی صحیح ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: — اور تمام لوگ ایک ہی امت تھے پھر وہ مختلف ہو گئے — یعنی ایک مدت دراز تک حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد راہِ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے — خود عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد عرصۂ دراز تک راہ راست پر گامزن رہے اور صرف اللہ پاک کی عبادت کرتے رہے، پھر ایک شیطان عَمرو بن لُحَیّ پیدا ہوا اور اس نے مورتیاں درآمد کر کے بت پرستی اور شرک کی داغ بیل ڈالی — پس اصل مذہب شرک نہیں بلکہ توحید ہے، شرک تو بہت بعد کی پیداوار ہے۔ تم جن باپ دادا کا حوالہ دے رہے ہو، ان کے باپ دادا کا مذہب تو توحید ہی تھا؟

قانونِ امہال مشرکوں کو سزا دینے میں مانع ہے:

آگے مشرکوں کے ایک دوسرے شبہ کا جواب ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اگر شرک غلط اور اس قدر بڑا گناہ ہے تو پھر مشرکوں کو سزا کیوں نہیں دی جاتی؟ — اور اگر ایک بات آپ کے پالنہار کی طرف سے پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو یقیناً لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں — یعنی دوٹوک عملی فیصلہ کر دیا جاتا اور لوگوں

کے باہمی اختلافات کو زبردستی مٹادیا جاتا۔ مگر ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ پہلے سے اللہ پاک کے علم میں یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ دنیا دارِ عمل ہے، قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں ہے، یہاں انسانوں کو اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہِ عمل چاہیں اختیار کریں اگر یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا اور جو سزا کے مستحق ہیں وہ کیفر کردار کو پہنچ جاتے!

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱

ع ۲

وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں	اِنِّيْ	میں (بھی) بلاشبہ	مَّكْرٌ	چال بازیاں
لَوْلَآ	(کہ) کیوں نہیں	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ	فِيْٓ اٰيَاتِنَا	ہماری آیتوں میں!
اُنْزِلَ	اتاری گئی	مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ	راہ دیکھنے والوں میں ہوں	قُلِ	آپ فرما دیجئے
عَلَيْهِ	اس پر	وَاِذَآ اَذَقْنَا	اور جب چکھائی ہم نے	اللّٰهُ	(کہ) اللہ پاک
اٰيَةٌ	(فرمائشی) نشانی	النَّاسَ	لوگوں کو	اَسْرَعُ (۵)	تیز تر (ہیں)
مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے	رَحْمَةً	رحمت	مَكْرًا	چال (میں)
فَقُلْ	سو آپ فرما دیجئے	مِّنْۢ بَعْدِ	بعد	اِنَّ	بالیقین
اِنَّمَا	(کہ) بس	ضَرَّآءَ	ایک تکلیف (کے)	رُسُلَنَا	ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)
الْغَيْبُ	چھپی بات	مَسَّتْهُمْ (۲)	(جو) ان کو پہنچی	يَكْتُبُوْنَ	قلم بند کر رہے ہیں
لِلّٰهِ (۱)	اللہ پاک جانیں	اِذَا (۳)	(تو) فوراً ہی	مَا	جو کچھ
فَانْتَظِرُوْا	سو تم راہ دیکھو	لَهُمْ (۴)	ان کے لئے (ہیں)	تَمْكُرُوْنَ	چال بازیاں کرتے ہو تم

(۱) اللام للاختصاص العلمی دون التکوینی (روح البیان) (۲) مَسَّتْهُمْ جملہ صفت ہے ضَرَّآءَ کی۔

(۳) اِذَا جواب شرط بھی ہے اور اس میں مفاجات کے معنی بھی ہیں۔

(۴) لَهُمْ خبر مقدم ہے (۵) اَسْرَعُ اسم تفضیل ہے۔

مشرکوں کو ان کی فرمائشی نشانیاں کیوں نہیں دکھائی گئیں؟

اب ان آیاتِ پاک میں وہی "مرغ کی ایک ٹانگ" گانے والوں کا جواب ہے—— پہلے تو انھیں انسان کے رسول ہونے میں حیرت تھی، پھر انھوں نے قرآن پاک میں ترمیم کرانا چاہی تھی —— اور (اب) وہ کہتے ہیں کہ: "اس پر اس کے پالنہار کی طرف سے (فرمائشی) نشانی کیوں نہیں اتاری گئی"—— یعنی اس بات کی نشانی کے وہ واقعی نبی برحق ہے۔ اور جو کچھ پیش کر رہا ہے وہ بالکل درست ہے—— اسکا یقین کرنے کیلئے جن نشانیوں کی وہ فرمائش کرتے تھے ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟!—— انھوں نے فرمائش کیا کی تھی؟—— یہ کی تھی کہ نبی پاک ﷺ ان کے لئے زمین پھاڑ کر ایک چشمہ جاری فرمادیں یا آپؐ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، جس میں آپؐ نہریں رواں کر دیں یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان پر گرادیں یا انکے سامنے رودررو اللہ پاک اور فرشتوں کو لے آویں یا آپؐ کے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا نبی پاک ﷺ آسمان پر چڑھ کر وہاں سے ایک ایسی تحریر لے آویں جسے وہ لوگ پڑھیں (۱)

اس قسم کی نشانیوں کا مطالبہ کچھ اس لئے نہیں تھا کہ وہ لوگ سچے دل سے ایمان لانا چاہتے تھے اور بس اس وجہ سے ہچکچار ہے تھے کہ ابھی تک انھوں نے نبی پاک ﷺ کی تائید میں کوئی ایسی نشانی نہیں دیکھی جس سے انھیں آپؐ کی نبوت کا یقین آجائے بلکہ نشانیوں کا یہ مطالبہ محض ایمان نہ لانے کے لئے ایک بہانے کے طور پر تھا، اس لئے اگر ان کو یہ نشانیاں دکھلا بھی دی جاتیں تو بھی وہ یہی کہتے کہ "ہم کو کوئی نشانی تو دکھائی ہی نہیں گئی!"—— آپ فرمادیجئے کہ "غیب کا حال اللہ پاک ہی کو معلوم ہے! سو تم انتظار کرو، میں بھی یقیناً تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں"—— یہ ایک ذومعنی جواب ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میری سچائی کے نشان اب تک بہتیرے دیکھ چکے ہو، فرمائشی نشان دکھلانا کچھ ضروری نہیں، نہ چنداں مفید ہے، اب آئندہ جو اللہ پاک کی مصلحت ہوگی وہ نشان دکھلائیں گے، اور اس کا علم اللہ پاک ہی کو ہے، سو تم منتظر رہو ہم بھی انتظار کرتے ہیں—— دوسرا پہلو یہ ہے کہ نشانیاں دکھلانے میں تو اللہ پاک نے کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر تم ہو کہ مرغ کی ایک ہی ٹانگ گائے جا رہے ہو، پس اب پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہے اس کا حال وہی جانیں، تم راہ دیکھو، ہم بھی راہ دیکھتے ہیں!—— مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کس منہ سے نشانیوں کی فرمائش کرتے ہو؟ ماضی میں جب بھی تمہاری فرمائش پر نشانی دکھلائی گئی ہے تو فوراً ہی تمہاری شرارت کا پارہ چڑھ گیا ہے، دیکھو—— اور جب ہم نے (مکہ کے) لوگوں کو ان پر مصیبت پڑنے کے بعد رحمت کا مزا چکھایا تو فوراً ہی ہماری آیتوں میں ان کی چال بازیاں شروع ہوگئیں!—— ان پر اللہ پاک نے مسلسل سات سال قحط مسلط

(۱) سورۂ بنی اسرائیل آیات ۹۰-۹۳ میں کفار کے ان فرمائشی معجزات کا تذکرہ ہے۔

فرمایا، جب وہ ہلاکت کے منہ میں پہنچ گئے اور اپنے معبودوں سے مایوس ہو گئے جنہیں اللہ پاک کے حضور میں اپنا سفارشی ٹھہرا رکھا تھا تو گھبرا کر ان کا سردار ابوسفیان دربارِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب اٹھ جائے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے ـــــ نبی پاک ﷺ نے دعا فرمائی اور ان پر سے قحط کی بلا دور ہوئی، مگر ایمان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا بلکہ ان کی شرارتیں فزوں ہو گئیں، وہی اللہ پاک کی آیتوں کو جھٹلانا، اس کی قدرت و رحمت سے نظر پھیر لینا اور اللہ پاک کے انعامات کو ظاہری اسباب اور تدبیروں کی طرف منسوب کرنا ان کا وتیرہ رہا، قحط کی بلا دور ہونے کے متعلق ہزار قسم کی توجیہیں اور تاویلیں کرنی شروع کر دیں تا کہ اللہ پاک کی آیات کے ماننے سے بچ سکیں اور اپنے شرک پر جمے رہ سکیں ـــــ جن لوگوں نے اپنے ضمیر کو اس درجہ خراب کر لیا ہو انہیں آخر کونسی نشانی دکھائی جائے اور اس کے دکھانے سے حاصل کیا؟ اور نشانیوں کی فرمائش کرنے کا ان کا منہ کہاں؟ ـــــ خیر اب ـــــ

آپ فرما دیجئے کہ "اللہ پاک کا داؤ تیز تر ہے، ہمارے مقرر کردہ فرشتے بالیقین وہ سب چال بازیاں قلم بند کر رہے ہیں جو تم کر رہے ہو!" ـــــ یعنی تم جس قدر چاہو مکر و فریب اور حیلے بازیاں کر لو مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں، ہمارے فرشتے خاموشی کے ساتھ بیٹھے لکھتے رہتے ہیں، وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا اور موت کا پیغام آتے ہی اپنے کرتوتوں کا حساب دینے کے لئے دھر لئے جاؤ گے ـــــ اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری کوئی چال کارگر نہیں ہو سکتی اور اللہ پاک کے دین کا کچھ بگڑ نہیں سکتا، کیونکہ اللہ پاک کا جوابی داؤ تمہاری چالوں سے کہیں زیادہ تیز اور سریع الاثر ہے، وہ مجرم کی باگ چاہے کتنی ہی ڈھیلی چھوڑ دیں مگر پیمانۂ شرارت لبریز ہوتے ہی دفعۃً پکڑ کر گلا دبا دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

هُوَ الَّذِىۡ	وہی (ہیں) جو	الۡمَوۡجُ	لہریں	فَلَمَّآ	پھر جب
يُسَيِّرُكُمۡ(۱)	چلاتے ہیں تمہیں	مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ	ہر طرف سے	اَنۡجٰهُمۡ	بچالیا ان کو (اللہ) نے
فِى الۡبَرِّ	خشکی میں	وَّظَنُّوۡۤا	اور سمجھ لیا انھوں نے	اِذَا	(تو) فوراً ہی
وَالۡبَحۡرِ	اور دریا (میں)	اَنَّهُمۡ	(کہ) یقیناً وہ	هُمۡ	وہ
حَتّٰۤى اِذَا(۲)	پھر جب	اُحِيۡطَ(۸)	گھیر لیا گیا	يَبۡغُوۡنَ(۱۳)	سرکشی کرنے لگے
كُنۡتُمۡ	ہوتے ہو تم	بِهِمۡ	انہیں	فِى الۡاَرۡضِ	زمین میں
فِى الۡفُلۡكِ(۳)	کشتیوں میں	دَعَوُا(۹)	(تو) پکارنے لگے	بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ(۱۴)	ناحق
وَجَرَيۡنَ	اور لے کر چلتی ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ پاک کو	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!
بِهِمۡ(۴)	انہیں	مُخۡلِصِيۡنَ(۱۰)	خالص کرتے ہوئے	اِنَّمَا	بس
بِرِيۡحٍ طَيِّبَةٍ(۵)	بادموافق کے ذریعہ	لَهُ	اس کے لئے	بَغۡيُكُمۡ(۱۵)	تمہاری سرکشی
وَّفَرِحُوۡا	اور خوش ہوتے ہیں مسافر	الدِّيۡنَ	بندگی کو	عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ(۱۶)	تمہارے ہی لئے وبال ہے
بِهَا	اس کی وجہ سے	لَئِنۡ(۱۱)	قسم بخدا! اگر	مَّتَاعَ(۱۷)	برت لو
جَآءَتۡهَا(۶)	پہنچتی ہے اُسے	اَنۡجَيۡتَنَا	بچالیں آپ ہمیں	الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا	دنیاوی زندگانی (میں)
رِيۡحٌ	ہوا	مِنۡ هٰذِهٖ	اس (مصیبت) سے	ثُمَّ	پھر
عَاصِفٌ(۷)	تند	لَنَكُوۡنَنَّ(۱۲)	تو ضرور ہوں گے ہم	اِلَيۡنَا	ہماری طرف
وَّجَآءَهُمُ	اور پہنچیں انھیں	مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ	حق شناس لوگوں میں سے	مَرۡجِعُكُمۡ	تمہیں لوٹنا ہے

(۱) چلانا یا چلانے کا سامان کرنا تَسۡيِيۡر ہے (۲) حَتّٰى ابتدائیہ ہے، جیسے حَتّٰى اِذَا فَشِلۡتُمۡ (آل عمران آیت ۱۵۲) میں ہے (۳) اَلۡفُلۡکُ میں مفرد اور جمع کا وزن ایک ہے اور یہاں جمع استعمال ہوا ہے (۴) جَرَی به: لے چلنا (۵) یہ دونوں باسببیہ ہیں (۶) اِذَا کا جواب ہے اور ضمیر کا مرجع الفلک ہے (۷) عَاصِفٌ چور چور کر دینے والی ہوا (۸) فعل مجہول ہے اَحَاطَ بِهٖ گھیر لینا (۹) جَاءَ تۡهَا سے بدل اشتمال ہے (۱۰) مُخۡلِصٌ اسم فاعل ہے، اَخۡلَصَ لَهُ القَوۡلَ کھوٹ سے خالی کرنا یہ دَعَوُا کی ضمیر فاعل سے حال ہے۔ (۱۱) اللام موطئة لقسم مقدر (روح) (۱۲) جواب قسم ہے (۱۳) بَغۡیٌ کے معنی سرکشی کے ہیں، جب فی الارض کے ساتھ کہا جائے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جو دنیا کی دولت وطاقت کے گھمنڈ میں آ کر ظلم وفساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں (۱۴) مضمون جملہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے (۱۵) مبتداء ہے (۱۶) خبر ہے (۱۷) فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے أی: تَتَمَتَّعُوۡنَ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الخ.

فَنُنَبِّئُكُمْ	سو ہم جتلائیں گے تمہیں	بِمَا	(وہ سب کچھ) جو	كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	تم کیا کرتے تھے

توحید کی دلیل کے ساتھ مشرکین کا طرزِ عمل

پچھلی آیت میں آپ نے پڑھا کہ منکرین رسالت کے سامنے اللہ پاک وقتاً فوقتاً جونشانیاں ظاہر فرماتے رہے، وہ اس کی ہزار تاویلیں کرتے رہے مگر کسی طرح ایمان نہ لائے ـــــ اب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ توحید کے دلائل کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہوتا ہے، وہ لوگ وقتی طور پر اگر چہ ان نشانیوں سے متأثر ہوجاتے ہیں مگر مستقل کوئی اثر قبول نہیں کرتے، جب تک پریشانیوں میں گھرے رہتے ہیں اللہ پاک یاد رہتے ہیں، مگر جوں ہی بلاؤں کے بادل چھٹتے ہیں کہ وہ اپنی پرانی چال چلنے لگتے ہیں۔ گویا کتے کی دم جب تک نلکی میں رہی سیدھی رہی لیکن جب نکلی تو ٹیڑھی نکلی! ارشاد فرماتے ہیں ـــــ وہی (اللہ پاک) ہیں جنہوں نے تمہارے لئے خشکی اور دریا میں سفر کا سامان کیا ہے! ـــــ طرح طرح کی سواریاں اور مختلف قسم کے اسباب سفر مہیا فرمائے ہیں ـــــ پھر جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ لوگوں کو بادِ موافق کے ذریعہ لے چلتی ہیں اور مسافر اس کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں ـــــ کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے اور وہ ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جاتے ہیں ـــــ کہ (یکا یک) تند ہوا کے جھکڑ آنے لگتے ہیں ـــــ یعنی وہ بادِ موافق ہی تیز ہوجاتی ہے یا بادِ مخالف چلنے لگتی ہے ـــــ اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگنے شروع ہوجاتے ہیں، اور مسافر اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں کہ طوفان میں گھر گئے، تو اللہ پاک کو خالص اعتقاد سے پکارنے لگتے ہیں: ''قسم بخدا! اگر آپ نے ہم کو اس بلا سے بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار بندے بن کر رہیں گے!'' ـــــ یہ توحید کی وِجدانی دلیل ہے ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک اسباب سازگار رہتے ہیں انسان اللہ پاک کو بھولا اور دنیا کی زندگی پر پھولا رہتا ہے اور جب تک اسباب کا کوئی ادنیٰ سہارا بھی باقی رہتا ہے اس کا وجدان بیدار نہیں ہوتا اور ایک تنکے کا بھروسہ بھی اللہ پاک سے غافل کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے، لیکن جہاں اسباب نے ساتھ چھوڑا اور وہ سب سہارے ایک ایک کر کے ختم ہوئے جن پر تکیہ تھا تو اچانک اسکا سویا ہوا وجدان بیدار ہوجاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش پورے اخلاص کے ساتھ اسکے اندر ابھر آتا ہے اور وہ بے اختیار اللہ پاک کو پکار نے لگتا ہے اور اسکے دل سے یہ شہادت ابلنی شروع ہوجاتی ہے کہ اس سارے عالم اسباب پر اللہ پاک کی کارفرمائی ہے جو ہر طرح غالب وقادر ہیں اور ان کے سوا سارے رشتے، تمام بھروسے اور سب ہستیاں بے بس ہیں۔

قرآنِ پاک نے جا بجا توحید کی اس وجدانی دلیل کو بحری سفر کی مثال سے سمجھایا ہے، کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لئے اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی، لیکن اگر ہم غور کریں تو اس حالت کی مثالیں ہمیں خود اپنی زندگی میں ہر طرف مل جائیں گی ـــــ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ بیمار ہوئے ہوں اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہو؟ یا کسی دوسری مصیبت

میں پھنسے ہوں اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے ہوں؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو اس وقت آپ کی خدا پرستی اور خدا پرستی میں اخلاص کا کیا حال ہوتا ہے؟ ـــــ لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا یہ حالت قائم رہتی ہے؟ نہیں! سنئے ـــــ پھر جب اللہ پاک ان کو نجات دیدیتے ہیں تو وہ فوراً ہی زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں ـــــ یعنی جونہی ان کی ڈوبتی کشتی بھنور سے نکلی، اور ساحل مراد سے لگی کہ پھر وہی ان کی غفلتیں ہوتی ہیں، اور وہی سرکشیاں؟! ـــــ اے لوگو! تمہاری یہ سرکشی تمہارے ہی لئے وبالِ جان ہے، دنیا کی زندگی کے چندروزہ مزے ہیں (جو تم لوٹ رہے ہو!) بالآخر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے، پھر ہم تمہیں تمہارا کیا ہوا سب کچھ جتلا دیں گے! ـــــ یعنی تمہیں اپنی شرارت کا خمیازہ خود بھگتنا پڑے گا، چندروز شرارتیں کر کے ـــــ فرض کرو ـــــ کچھ دنیا کا نفع حاصل کر بھی کر لیا تو کیا ہوا؟ آخر کار تمہیں اللہ پاک ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہاں تمہارا سب کیا کرایا آگے آئے گا اور تمہیں وہاں جتلا دیا جائے گا کہ تمہارے کرتوت کیسے تھے؟

ملحوظہ: یہاں ایک خاص بات یہ یاد رکھنی چاہئے کہ توحید کی یہ وجدانی دلیل ان لوگوں کے لئے ہے جن کا وجدان غفلت کی نیند سویا ہوا ہے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا وجدان مُردہ ہو چکا ہے، ان کے دلوں پر مُہر لگ چکی ہوتی ہے وہ جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو پکارنے کے بجائے غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں کوئی یا غوث کی دہائی دیتا ہے، کوئی مولیٰ علیؓ کی صدا لگاتا ہے، کوئی شیخ سدو کو پکارتا ہے، کوئی کسی دیوی دیوتا کو یاد کرتا ہے ان لوگوں کی اس حالت سے آیت پاک کے مضمون پر کوئی حرف نہیں آتا، البتہ ان حضرات کی یہ زبوں حالی نوحہ کرنے کے قابل ہے۔

خاص خاص حالتوں میں جو خدا پرستی کا جذبہ ابھرتا ہے وہ ایمانی حالت نہیں، ایمانی حالت یہ ہے کہ مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت و سرور کی، دل پر اللہ پاک کی یاد سے غفلت طاری نہ ہو!

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتّٰٓى إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰىهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

إِنَّمَا مَثَلُ (۱)	بس حال	الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگانی (کا)	كَمَآءٍ	جیسے پانی

(۱) مَثَلُ مبتداء ہے اور كَمَآءٍ الخ خبر ہے۔

اَنۡزَلۡنٰهُ	اتارا ہم نے اس کو	اَخَذَتِ	لے لی	اَوۡ نَهَارًا	یا دن (میں)
مِنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	الۡاَرۡضُ	زمین (نے)	فَجَعَلۡنٰهَا	پس کر ڈالا ہم نے اس کو
فَاخۡتَلَطَ (۱)	پھر رَلا ملا نکلا	زُخۡرُفَهَا (۵)	اپنی رونق	حَصِيۡدًا (۸)	کٹی ہوئی کھیتی
بِهٖ (۲)	اس کی وجہ سے	وَازَّيَّنَتۡ (۶)	اور بناؤ سنگھار کرلیا اس نے	كَاَنۡ لَّمۡ	گویا نہ
نَبَاتُ	سبزہ	وَظَنَّ	اور سمجھنے لگے	تَغۡنَ (۹)	بستی تھی (وہاں)
الۡاَرۡضِ	زمین (کا)	اَهۡلُهَاۤ	زمین والے	بِالۡاَمۡسِ (۱۰)	پہلے
مِمَّا (۳)	اس سے جو	اَنَّهُمۡ	کہ وہ	كَذٰلِكَ	اسی طرح
يَاۡكُلُ	کھاتے ہیں	قٰدِرُوۡنَ	قابو پانے والے (ہیں)	نُفَصِّلُ	کھول کھول کر بیان
النَّاسُ	لوگ	عَلَيۡهَاۤ	اس پر		کرتے ہیں ہم
وَالۡاَنۡعَامُ	اور جانور	اَتٰٮهَاۤ (۷)	(یکا یک) پہنچا اسے	الۡاٰيٰتِ	نشانیاں
حَتّٰۤى (۴)	پھر	اَمۡرُنَا	ہمارا حکم	لِقَوۡمٍ	ان لوگوں کے لئے
اِذَاۤ	جب	لَيۡلًا	رات (میں)	يَّتَفَكَّرُوۡنَ	جو غور وفکر کرتے ہیں

دنیوی زندگی کی مثال جس کا انسان پر نشہ چڑھا ہوا ہے

پچھلی آیتِ شریفہ میں انسان کی جس سرکشی کا ذکر ہے اس کا اصلی سرچشمہ دنیوی زندگی کے سروسامان کا غرور ہے، اس لئے اب دنیا کی زندگی کی مثال بیان فرماتے ہیں کہ انسان پر جس دنیا کی زندگی کا نشہ چڑھا ہوا ہے اس —— دنیا کی زندگی کی مثال بس ایسی ہے جیسے ہم نے بادل سے پانی برسایا، پھر اس کی وجہ سے زمین کا وہ سبزہ رَلا ملا نکلا جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں —— یعنی ہر طرح کا سبزہ، اچھا برا، انسانوں کے کام کا یا جانوروں کے کھانے کا، ایک ساتھ ایک ہی جگہ

(۱) الخلط هو الجمع بين اجزاء الشيئين فصاعدًا (راغب) دو یا زیادہ چیزوں کو باہم رلا دینا خلط ہے۔ اختلط بعضها ببعض فی تجاورها وتقاربها، علی كثرتها واختلاف انواعها (المنار) (۲) با سببیہ ہے (۳) جملہ مِمَّا يَاۡكُلُ حال ہے نبات سے (۴) حَتّٰى ابتدائیہ ہے جیسے ابھی آیت ۲۲ میں گزرا (۵) الزخرف: كمالُ حُسنِ الشيئ، ومنه قيل للذهب زخرف (التفسیر الواضح) (۶) اِزَّيَّنَتۡ کی اصل تَزَيَّنَتۡ ہے پہلے تاء کو زاء بنا کر زاء میں ادغام کیا، پھر سکون سے ابتداء محال ہونے کی وجہ سے ہمزۂ وصل بڑھایا۔ (۷) اَتٰهَا جواب ہے اِذَا کا (۸) حَصِيۡد بمعنی مَحۡصُوۡد ہے، درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی (۹) غَنِيَ (س) غِنًى وَمَغۡنًى بالمكان: کسی جگہ قیام کرنا بسنا (۱۰) الامس کے معنی ہیں مطلق زمانۂ ماضی اور کل گذشتہ کے معنی میں اَمۡسِ بغیر الف لام تعریف کے آتا ہے (المنار وحقانی)

اگ آیا اور باہم دگرمل کر بڑھنے لگا، اور ایک دوسرے کے ساتھ گتھ کر گنجان سبزہ زار تیار ہو گیا اور اس پر طرح طرح کے پھول کھل آئے —— پھر جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا، اور اس نے خوب بناؤ سنگار کر لیا، اور اس کے مالک سمجھنے لگے کہ اب فصل ہمارے قابو میں ہے کہ یکا یک رات میں یا دن میں ہمارا حکم آ پہنچا اور ہم نے اسے اس طرح کاٹ کر ڈھیر کر دیا کہ گویا پہلے یہاں بستی ہی نہیں تھی —— کھیتی کھڑی ہی نہیں تھی، یعنی دنیا کی زندگی کی ساری کامرانیاں اور تمام دلفریبیاں بے ثبات اور ہنگامی ہیں، یہاں کی کسی چیز اور کسی حالت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ضرور ایسی ہی رہے گی۔

اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے۔ پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں، صبح ہے تو شام نہیں، شام کو تھی تو صبح کو نہیں، پھر زندگی کے عیش و عشرت کی جتنی دلفریبیاں ہیں وہ بھی چار دن کی چاندنی ہیں، ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت اور گمراہی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ انسان حق و راستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے، اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسہ پر، جسے چند لمحوں کے لئے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہا جاسکتا —— اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برستا ہے، جس کی وجہ سے ہر قسم کا سبزہ رلا ملا اگ آتا ہے اور زمین لہلہانے لگتی ہے، طرح طرح کی پتیوں اور پھولوں سے پر رونق اور مزین ہو جاتی ہے، دُلہن بن جاتی ہے، پیا سمجھتا ہے کہ اب سہاگن میرے بس میں ہے اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آ گیا ہے کہ اچانک کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے، بگولا آ جاتا ہے، اولا پڑ جاتا ہے، ٹڈی دل پہنچ جاتا ہے، برف گر جاتا ہے، پالا مار جاتا ہے، یا سیل رواں بہالے جاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے کہ گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا، نام و نشان مٹ جاتا ہے —— ٹھیک اسی طرح دنیا کی زندگی کی مثال سمجھ لو، وہ چاہے کتنی ہی حسین اور تروتازہ نظر آئے مگر اس کی رونق اور دل ربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش نہ کرو، کیونکہ دنیا کی یہ شادابی اور زینت چند روزہ ہے جو بہت جلد فنا ہونے والی ہے۔

قرآن پاک انسان کی غفلت کو دور کرنا چاہتا ہے وہ دنیا اور اس کی کامرانیوں سے نہیں روکتا، مگر غرور باطل اور بے جا انہماک کی راہیں بند کر دینا چاہتا ہے، کیونکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے سارے فتنوں کی جڑ اور اصل سرچشمہ یہی غرور باطل ہے اس لئے قرآن پاک طرح طرح سے دنیا کی اصل حقیقت انسان کو سمجھاتا ہے، فرماتے ہیں —— اس طرح ہم نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں —— اور صحیح غور و فکر کے ذریعہ سراغ پالینے والے ہیں، کیونکہ انسانی غفلت کا عجیب حال ہے، کوئی نہیں جو دنیا کی حقیقت سے بے خبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی سرگرانیوں سے اپنی نگہداشت کر سکے! رات ہی رات طاری ہے انسان کے ادراک پر:

عقل کے میدان میں ظلمت کا ڈیرا ہی رہا ۞ دل میں تاریکی، دماغوں میں اندھیرا ہی رہا

رات غفلت کا وقت ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں مگر جب خدائے پاک کا حکم آ پہنچتا ہے تو پھر چاہے سوتا ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار، کوئی شخص کسی حال میں ہو اس کو روک نہیں سکتا ـــــ اس لئے فرمایا: "یکا یک رات میں یا دن میں"

غور فرمائیے! زمین اور کھیتی کا جو حال ہے ٹھیک وہی حال انسانوں کا بھی ہے۔ اللہ پاک روح اتارتے ہیں اور حیات بخشتے ہیں، پھر ہر طرح کے انسان، جنت کے مہمان اور جہنم کے ایندھن رلے ملے وجود میں آ جاتے ہیں اور اچھے برے ہر قسم کے لوگوں سے زمین خوب آباد ہو جاتی ہے، تمدنی ترقیاں اور دنیا کی دل فریبیاں بام عروج پر پہنچ جاتی ہیں اور دنیا کا بندہ سمجھنے لگتا ہے کہ بس یہ دنیا یوں ہی چلتی رہے گی اور ہم ہر طرح اس پر قابو پا چکے ہیں، اور اس کے غرور کا پارہ بے حد چڑھ جاتا ہے کہ اچانک حکم خداوندی آ پہنچتا ہے اور انسانوں کی آبادیاں کی آبادیاں اور پوری پوری امتیں اس طرح ملیامیٹ کر دی جاتی ہیں کہ کوئی نام لینے والا بھی باقی نہیں رہتا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

وَاللّٰهُ (۱)	اور اللہ پاک	اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ	سلامتی کے گھر کی طرف	مَنْ	جس کی
يَدْعُوْٓا (۲)	بلاتے ہیں	وَيَهْدِيْ	اور راہنمائی کرتے ہیں	يَّشَاۗءُ	چاہتے ہیں

(۱) اَللّٰهُ مبتداء ہے، يَدْعُو خبر ہے، يَهْدِيْ معطوف ہے يدعوا پر اور مَن يشاء مفعول ہے يهدى کا (۲) يَدْعُوْا فعل مضارع واحد مذکر غائب ہے، اس کے آخر میں واؤ جمع کا نہیں ہے بلکہ مادہ کا ہے، دَعَا يَدْعُوْ (ن) دُعَاءً: پکارنا ـــ لیکن چونکہ یہ واؤ آخر کلمہ میں ہونے کی وجہ سے جمع کے واؤ کے مشابہ ہے اس لئے قرآنی رسم الخط میں اس کے بعد الف لکھا جاتا ہے (نثر المرجان، ج ۱ ص ۳۰۳)

اِلٰى صِرَاطٍ	طرف راہ	فِيْهَا	اس میں	مِنْ عَاصِمٍ (۹)	کوئی بچانے والا
مُّسْتَقِيْمٍ	راست (کے)	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	كَاَنَّمَآ	گویا
لِلَّذِيْنَ (۱)	انہیں کے لئے جنھوں نے	وَالَّذِيْنَ (۶)	اور ان لوگوں کے لئے	اُغْشِيَتْ	اوڑھا دیئے گئے ہیں
اَحْسَنُوا	نیکی کی		جنھوں نے	وُجُوْهُهُمْ	ان کے منہ
الْحُسْنٰى	بھلائی ہے	كَسَبُوا	کمائی	قِطَعًا (۱۰)	ٹکڑے
وَزِيَادَةٌ (۲)	اور بہت کچھ زائد	السَّيِّاٰتِ	برائیاں	مِّنَ الَّيْلِ (۱۱)	شب
وَلَا يَرْهَقُ (۳)	اور نہ ڈھانکے گی	جَزَآءُ	بدلا ہے	مُظْلِمًا (۱۲)	تار (کے)
وُجُوْهَهُمْ (۴)	ان کے چہروں کو	سَيِّئَةٍ	برائی (کا)	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
قَتَرٌ (۵)	کسی قسم کی سیاہی	بِمِثْلِهَا	اسی کے مانند	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخی (ہیں)
وَّلَا ذِلَّةٌ	اور نہ کسی قسم کی رسوائی	وَتَرْهَقُهُمْ	اور ڈھانکے گی ان کو	هُمْ	وہ
اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	ذِلَّةٌ (۷)	بڑی رسوائی	فِيْهَا	اس میں
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	جنتی (ہیں)	مَا لَهُمْ	نہیں ان کے واسطے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں
هُمْ	وہ	مِّنَ اللّٰهِ (۸)	اللہ پاک کے سوا	۞	۞

آخرت کی زندگی کے احوال

پچھلی آیت میں دنیا کی زندگی اور اس کی ناپائیداری کی مثال بیان ہوئی ہے، اب ان آیاتِ پاک میں اس کے

(۱) للذین خبر مقدم ہے اور الحسنی مبتداء مؤخر ہے اور خبر کو حصر پیدا کرنے کے لئے مقدم کیا گیا ہے۔(۲) التنوین للتعظیم، والعطف علی الحسنی (۳) رَهِقَ (س) رَهْقًا السَّفَرُ: قریب ہونا، وقت آنا وَرَهِقَهُ الشیئُ: غشیه وغلب علیه حتی غطاه وحجبه (المنار) یعنی ڈھانک لینا، چھا جانا (۴) وجوههم مفعول مقدم ہے والتقدیم للاهتمام (روح) (۵) القتر: گرد وغبار، سیاہ دھواں والتنوین للتقلیل. (۶) پہلے الذین پر عطف ہے اور خبر مقدم ہے اور جَزَاءُ مبتداء مؤخر ہے اور بِمِثْلِهَا متعلق ہے جزاء سے (۷) التنوین للتعظیم (۸) من اللّٰه متعلق ہے عاصم سے (۹) مِنْ زائدة لتعميم النفی (روح) (۱۰) قِطَعًا جمع ہے قطعة کی اور اُغْشِيَتْ کا مفعول ثانی ہے، اس کا پہلا مفعول نائب فاعل بن گیا ہے (۱۱) لام تعریف کا حروف شمسی (جو چودہ ہیں اور جن میں خود لام بھی ہے) میں ادغام ہوتا ہے لیکن رسم الخط میں علحدہ باقی رہتا ہے مگر الذی اور التی اور ان کے مشتقات میں رسم الخط میں بھی مدغم ہو جاتا ہے۔ اَلیْلُ قرآنی رسم الخط میں الذی کے ساتھ ملحق ہے اس لئے لام مدغم ہو گیا ہے (۱۲) مظلمًا حال ہے اللیل سے اور اسم فاعل ہے باب افعال سے۔

بالمقابل آخرت کی زندگی اوراس کے احوال بیان کئے جاتے ہیں —— یاد کیجئے ایک شیطان ہے جو دنیا کی زندگی اوراس کی خواہشات کی طرف دعوت دیتا ہے، وہ دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشاتِ نفسانی کے جال میں پھنساتا ہے —— اور اللہ پاک سلامتی کے گھر کی طرف بلاتے ہیں۔اور جو ہدایت یاب ہونا چاہتے ہیں انھیں سیدھی راہ پر لگاتے ہیں—— ''سلامتی کا گھر'' جنت ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج وغم، پریشانی، تکلیف، نقصان، آفت اور فنا وزوال سے محفوظ رہیں گے، وہاں فرشتے ان کو سلام کریں گے اور خود اللہ پاک رب العزت کی طرف سے تحفۂ سلام پہنچے گا—— اللہ پاک جل شانہ اس گھر کیلئے دعوتِ عام دے رہے ہیں، پس خوش نصیب ہے وہ جو لبیک کہے اور اس کی تیاری میں مشغول ہوجائے، کیونکہ آج اس دعوت عام کو قبول کرنے کا وقت ہے، اس دنیا کی عمر کو ضائع کرنے کے بعد کل قبر میں پہنچ کر لبیک پکارنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا!

نبی پاک ﷺ کی خدمتِ مبارکہ میں فرشتے حاضر ہوئے۔آپؐ سے کہا گیا کہ سوجائیں مگر کان متوجہ رہیں اور دل سمجھتا رہے! چنانچہ آپؐ سر کی آنکھوں سے تو سو گئے مگر کان برابر متوجہ رہے اور دل خوب سمجھتا رہا۔ان میں سے ایک فرشتہ نے کہا—— سردار نے ایک گھر بنایا پھر اس میں ایک دسترخوان لگایا اور ایک بلانے والا بھیجا، سو جس نے بلانے والے کی بات مان لی اور گھر میں آیا اس نے خوان نعمت سے کھایا اور سردار کی خوشنودی کا سزاوار بنا، لیکن جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی اور گھر میں نہ آیا اسے نہ صرف یہ کہ کھانا نہ ملا بلکہ سردار کی طرف سے لتاڑ پڑی—— یہ سردار اللہ پاک جل شانہ ہیں بلانے والے نبی پاک ﷺ ہیں، وہ گھر دین اسلام ہے اور خوان نعمت جنت ہے[1]—— جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں انہیں کے لئے بھلائی ہے اور بہت کچھ زائد بھی—— اور جو لوگ خوابِ خرگوش میں مبتلا ہیں ان کے لئے وہاں حسرت کے سوا کچھ نہیں! سب سے بڑی نیکی ایمان ہے، پھر عمل صالح پر جو لوگ قائم رہے ہیں ان کو ان کے عمل کا عمدہ اور بہتر بدلہ ملے گا، اور صرف بدلہ ہی نہیں بلکہ بدلہ سے کچھ زیادہ بھی—— وہاں نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا تو ملے ہی گا سات سو گنا بلکہ زائد بھی ملے گا—— وہاں حق تعالیٰ کی رضا اور ان کا دیدار بھی نصیب ہوگا اور یہ دیدار ''بہت کچھ زائد'' کا مصداق ہے۔حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے یہ آیتِ شریفہ پڑھی اور فرمایا کہ ''جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوچکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا: اے جنت والو! تمہارے لئے ایک وعدہ اللہ پاک کا باقی ہے جسے اب وہ پورا کرنا چاہتے ہیں''۔ جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا اللہ پاک نے اپنے فضل سے ہماری نیکیوں کا پلہ بھاری نہیں کردیا؟! کیا انھوں نے ہمارے چہروں کو نوارنی نہیں بنادیا؟ کیا دوزخ سے بچا کر جنت جیسے پر بہار

(۱) رواه الدارمی عن رَبِيْعَة الجُرَشِي ورواه الإمام البخاری عن جابر رضی الله عنه بمعناه.

مقام میں نہیں پہنچادیا؟(جب یہ سب کچھ ہو چکا تو اب آگے کون سی چیز باقی رہ گئی ہے؟) یکا یک حجاب (پردہ) اٹھادیا جائے گا اور جنتی اللہ پاک جل شانہ کا دیدار کریں گے۔ قسم بخدا! اب تک جو جو نعمتیں انہیں عطا ہوئی ہیں ان میں سے کوئی نعمت دیدار خداوندی کی نعمت سے زیادہ محبوب نہ ہوگی، نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی[1] —— ان کے چہروں پر نہ کالک لگے گی نہ ذلت چھائے گی! —— وہاں سیاہی اور رسوائی کیسی؟ وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہی رونق ہوگی، وہاں مؤمنوں کے لئے سرخ روئی اور شادمانی ہوگی —— یہی لوگ جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں —— ان کے بالمقابل جہنم والوں کا حال سنئے —— اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں انہیں کے لئے ہے برائی کا بدلہ اسی کے مثل —— یعنی برائی کا بدلہ برا لیکن برابر سرابر ہوگا کیونکہ جو بیری بوئے وہ انگور کہاں سے کھائے؟ جن لوگوں نے اس دنیا میں برے کام کئے ہیں وہاں ان کو اس کا بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا، البتہ اس میں کوئی زیادتی نہ ہوگی، ملنے والا بدلہ ان کی بدی سے زائد نہ ہوگا، البتہ کم سزا دیں یا بالکل معاف کردیں تو وہ اللہ پاک کا فضل ہے —— اوران پر خواری چھا جائے گی —— اوران کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے —— اللہ پاک کے عذاب سے انہیں کوئی بچانے والا نہیں، گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت لپیٹ دئے گئے ہیں! —— یعنی ان کے چہرے اس قدر سیاہ اور تاریک ہوں گے، گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر جمادی گئی ہیں —— یہ وہ تاریکی ہے جو مجرموں کے چہروں پر پکڑے جانے اور بچاؤ سے مایوس ہوجانے کے بعد چھا جاتی ہے —— یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾

وَيَوْمَ[2]	اور (ہر شخص جانچ لے گا اس دن) جس دن	نَحْشُرُهُمْ[3] جَمِيعًا[4]	جمع کریں گے ہم ان کو سب کو اکٹھا	ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ	پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنھوں نے

(۱) أخرجه مسلم والترمذی وابن ماجه والامام احمد وغیرهم رحمهم الله تعالى. (۲) عامل تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ محذوف ہے جس کا قرینہ آئندہ آنے والا تَبْلُوْا ہے اور يَوْمَ مابعد کی طرف مضاف ہے (۳) ضمیر نَحْشُرُهُمْ لکلا الفریقین من الذین أحسنو الحسنى، والذین کسبوا السیئات (روح) (۴) حالٌ من ضمیر هم.

اَشْرَكُوْا	شریک کیا (اللہ پاک	اِيَّانَا(۵)	ہماری	كُلُّ نَفْسٍ	ہر نفس
	کے ساتھ)	تَعْبُدُوْنَ	عبادت کرتے	مَّآ	(اس کا) جو
مَكَانَكُمْ(۱)	لازم پکڑو اپنی جگہ	فَكَفٰى بِاللّٰهِ(۶)	سو کافی ہے اللہ پاک	اَسْلَفَتْ	آگے بھیجا اس نے
اَنْتُمْ(۲)	تم	شَهِيْدًا(۷)	گواہ	وَرُدُّوْٓا	اور پھیرے جائیں گے وہ
وَشُرَكَاۗؤُكُمْ	اور تمہارے (خودساختہ)	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	اِلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کی طرف
	شریک	وَبَيْنَكُمْ	اور تمہارے درمیان	مَوْلٰىهُمُ	(جو) انکے مالک ہیں
فَزَيَّلْنَا(۳)	پس ہم جدائی کردیں گے	اِنْ كُنَّا(۸)	یقیناً تھے ہم	الْحَقِّ	حقیقی (سچے)
بَيْنَهُمْ(۴)	ان کے درمیان	عَنْ عِبَادَتِكُمْ(۹)	تمہاری زندگی سے	وَضَلَّ	اور گم ہوجائے گا
وَقَالَ	اور کہیں گے	لَغٰفِلِيْنَ(۱۰)	بے خبر	عَنْهُمْ	ان سے
شُرَكَاۗؤُهُمْ	ان کے شریک	هُنَالِكَ(۱۱)	وہاں	مَّا	(وہ سب کچھ) جو
مَّا كُنْتُمْ	نہیں تھے تم	تَبْلُوْا	امتحان کرلے گا	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ	وہ تراشا کرتے تھے

قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال کی جانچ ہوگی

پچھلی آیتوں میں اچھے اور برے کام کرنے والوں کا اخروی انجام بیان ہوا ہے۔ لیکن کون ہے وہ جو اس دنیا میں تسلیم کرتا ہے کہ وہ برے کام کررہا ہے؟ ہر شخص اس خیال میں مگن ہے کہ وہی سب سے اچھے کام کررہا ہے، دوسرے کے بارے میں وہ چاہے جو کچھ بھی فیصلہ کرے مگر خود اپنے متعلق مشکل ہی سے کوئی فیصلہ کرے گا کہ وہ غلط کام کررہا ہے —— پھر یہ مشکل اس وقت سوا ہوجاتی ہے جب فیصلہ دینی کاموں کے بارے میں کرنا ہو، جنھیں مذہب کا مطالبہ سمجھ کر کیا گیا ہو، ہر شخص اپنے ہی مذہب کو صحیح مانتا ہے اور اپنے ہی کاموں کو اللہ پاک کی مرضی کے مطابق جانتا ہے، اور دوسروں کے بارے میں دوٹوک فیصلہ کرتا ہے کہ وہ گمراہ ہے —— اس لئے اب ان آیاتِ پاک میں بتلایا جاتا ہے کہ تم اپنے کاموں کے متعلق

---

(۱) درحقیقت فعل محذوف کا مفعول فیہ ہے أی: **الزموا مکانکم** اور اب اس فعل کے قائم مقام ہے (۲) **اَنْتُمْ** تاکید ہے ضمیر کم کی (۳) **زَيَّلَهُ تَزْيِيلاً**: متفرق کرنا، جدا کرنا، مجرد: **زَالَ يَزَالُ زَيْلاً**، ہٹانا علاحدہ کرنا (۴) ضمیر (**بَيْنَهُمْ**) **لکلا الفریقین کما تقدم.** (۵) **اِيَّانَا** مفعول مقدم ہے (۶) **الباء للصلة** (۷) **شهيدًا** تمیز ہے (۸) **اِنْ** مخففہ **من المثقلہ** ہے (۹) **غافلين** سے متعلق ہے (۱۰) لام فارقہ ہے، **اِنْ** مخففہ اور **اِنْ** نافیہ میں امتیاز کرنے کے لئے **اِنْ** مخففہ کے ساتھ لایا جاتا ہے (۱۱) **قوله هنالک تبلوا الخ اعتراض فی أثناءِ، المقررُ لمضمونها** (روح البیان)

یہاں جو چاہو خیال باندھے رہو مگر ایک وقت آ رہا ہے جب ان کی پوری جانچ ہوجائے گی، ارشاد فرماتے ہیں — اور (اس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے کام جانچ لے گا) جس دن ہم ان (نیک کام کرنے والوں اور برائیاں کمانے والوں) کو سب کو یک جا جمع کریں گے — یعنی میدان محشر میں جس طرح برائیاں کرنے والوں کو جمع کیا جائے گا، اچھے کام کرنے والوں کو بھی جمع کیا جائے گا، اللہ پاک کے مقبول ترین بندے، انبیاء اور اولیاء تک وہاں جمع کئے جائیں گے — اور وہ سب وہاں باہم رَلے ملے ہوں گے جس طرح اس دنیا میں ملے جلے رہتے ہیں — پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنھوں نے (اللہ پاک کے ساتھ کسی کو) شریک کیا ہے کہ "تم اور تمہارے شریک (میدان محشر میں) اپنی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلو!" — ان سے کہا جائے گا ﴿ وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴾ اے گناہ گارو! آج تم (مؤمنوں سے) الگ ہوجاؤ — سو ہم ان (نیک کام کرنے والوں اور برائیاں کمانے والوں) کے درمیان جدائی کردیں گے [1] — یعنی میدانِ محشر میں مؤمنوں کو مشرکوں سے الگ کردیا جائے گا اور اچھے کام کرنے والوں کو اور برے کام کرنے والوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جائے گا۔

مقبول بندے جو معبود بنائے گئے ہیں وہ مشرکوں سے الگ ہوجائیں گے:

اللہ پاک کے حکم کے مطابق مشرکوں کے معبودوں کو اپنے پرستاروں کے حلقہ میں ہونا چاہئے لیکن اللہ پاک کے جو مقبول بندے معبود بنائے گئے ہیں مثلاً وہ فرشتے جن کو دنیا میں دیوی دیوتا قرار دے کر پوجا گیا ہے یا وہ انبیاء، اولیاء اور شہداء جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھہرا کر ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا ہے جس کے درحقیقت اللہ پاک مستحق ہیں وہ سب حضرات مشرکوں کا ساتھی ہونا پسند نہیں کریں گے، چنانچہ وہ مشرکوں سے الگ ہوکر مؤمنوں کے گروہ میں جا شامل ہوں گے، مشرکین ان سے کہیں گے کہ ہم تو زندگی بھر تمہاری بندگی اس امید پر کرتے رہے کہ تم ہماری سفارش کروگے، اب آڑے وقت تم ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ اس وقت اللہ کے وہ مقبول بندے جو جواب دیں گے اس سے مشرکوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر جائے گا۔ سنئے — اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے — یعنی ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں، تم گو نام ہمارا لیتے تھے لیکن درحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنی خواہش نفس کے پجاری تھے یا پھر شیطان کی بندگی کرتے تھے — سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ پاک کی گواہی کافی ہے — وہ جانتے ہیں کہ تم نے ہماری بندگی نہیں کی — اور آج فیصلہ فرمانے والے خود اللہ پاک ہیں، پھر جب وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں تو ہمیں کوئی اور گواہ پیش کرنے کی حاجت کیا ہے؟ — ہم تمہاری بندگی سے یک قلم بے خبر تھے — اور اس کے شاہد

(۱) (فَزَيَّلۡنَا) مَيَّزۡنَا (بَيۡنَهُمۡ) وبين المؤمنين (جلالين شريف)

بھی اللہ پاک ہیں کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجالا رہے ہو، تمہاری کوئی دعا کوئی پکار، کوئی نذر ونیاز، ہمارے نام کی کوئی تسبیح، سجدہ ریزی، آستانہ بوسی یا درگاہ گردی ہم تک نہیں پہنچی —— جب یہ منظر آنکھیں دیکھیں گی اور یہ جواب کان سنیں گے اور سارے نیک کام کرنے والے الگ ہو جائیں گے اور برے کام کرنے والے تنہارہ جائیں گے اور جن کی سفارش کے بھروسے پر ان کو پوجتے تھے وہ ان سے بیزاری ظاہر کریں گے تو —— اس دن ہر آدمی اپنے کئے ہوئے کاموں کی جانچ کرلے گا —— اور خود ہی فیصلہ کرلے گا کہ کون تھا وہ جس نے نیک کام کئے ہیں، اور کس کے کام اللہ پاک کی مرضی کے مطابق ہیں —— اور وہ (مقبول بندے) اللہ پاک کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کے حقیقی مالک ہیں —— یعنی وہ مقبول بندے نہ خدا ہیں نہ اللہ پاک کی خدائی میں شریک ہیں بلکہ وہ اللہ پاک کے نہایت فرمانبردار بندے ہیں اور اللہ پاک ہی انکے حقیقی مالک ہیں —— وہ مشرکوں سے الگ ہوکر مومنین سے جا ملیں گے —— اور ان (شرک کرنے والوں) سے وہ سب کچھ کھویا جائے گا جو وہ تراشا کرتے تھے —— ﴿وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ﴾ (اور اس وقت اہل باطل خسارہ میں رہ جاویں گے!) اور انھیں روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ زندگی کی شب دیجور (دنیا) میں عشق وعبادت کی پینگیں کس سے لڑائیں؟

بوقت صبح شود، ہمچوروز معلومت ❁ کہ با کہ باختہ ای عشق در شب دیجور(۱)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۳۲ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَي الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳

قُلْ مَنْ	آپ پوچھئے: کون	وَالْاَرْضِ	اور زمین سے؟	السَّمْعَ	سماعت کا
يَّرْزُقُكُمْ	تمہیں روزی دیتا ہے	اَمَّنْ (۲)	یا کون	وَ الْاَبْصَارَ	اور آنکھوں کا؟
مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	يَّمْلِكُ	مالک ہے	وَ مَنْ يُّخْرِجُ	اور کون نکالتا ہے

(۱) جب صبح ہوگی تو تجھے دن کی طرح معلوم ہو جائے گا ÷ کہ رات کی تاریکی میں تو نے کس کے ساتھ عشق بازی کی تھی؟ (۲) یہ دو لفظ ہیں اَمْ اور مَنْ —— وأم منقطعة بمعنى بل، والاضراب انتقالى لا ابطالى (روح

الْحَيَّ	زندہ (کو)	فَقُلْ	پس آپ فرمائیے	إِلَّا الضَّلٰلُ	بجز گمراہی کے؟
مِنَ الْمَيِّتِ	مردے سے؟	اَفَلَا	کیا پھر (بھی) نہیں	فَاَنّٰى	پھر کہاں
وَيُخْرِجُ	اور (کون) نکالتا ہے	تَتَّقُوْنَ (۲)	ڈرتے تم؟	تُصْرَفُوْنَ	پھیرے جاتے ہو تم؟
الْمَيِّتَ	مردے (کو)	فَذٰلِكُمُ (۳)	پس یہی	كَذٰلِكَ حَقَّتْ	اسی طرح صادق آ گیا
مِنَ الْحَيِّ	زندہ سے؟	اللّٰهُ	اللہ پاک	كَلِمَتُ	ارشاد
وَمَنْ	اور کون	رَبُّكُمُ	تمہارے پروردگار ہیں	رَبِّكَ	تیرے پالنہار کا
يُّدَبِّرُ	انتظام کرتا ہے	الْحَقُّ	حقیقی (سچے)	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جنھوں نے
الْاَمْرَ	تمام کاموں کا؟	فَمَاذَا	پھر کیا (رہا)	فَسَقُوْٓا	نافرمانی کی
فَسَيَقُوْلُوْنَ	سو بول اٹھیں گے وہ	بَعْدَ	بعد	اَنَّهُمْ (۴)	(کہ) وہ یقیناً
اللّٰهُ (۱)	اللہ پاک!	الْحَقِّ	حق (کے)	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائیں گے

توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال

خیر اس بات کا عملی اور مشاہداتی فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا کہ کون اچھے کام کرنے والا تھا اور کون غلط راہ چل رہا تھا جیسا کہ ابھی پچھلی آیتوں میں آپ نے پڑھا، البتہ علمی فیصلہ دلیلوں سے ابھی یہیں کئے دیتے ہیں —— ان سے پوچھو، وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے؟ —— آسمان کی طرف سے بارش کون برساتا ہے؟ چاند سورج اور ستاروں کی دھوپ اور روشنی زمین تک کون پہنچاتا ہے؟ زمین میں روئیدگی (اگانے) کی صلاحیت کس نے پیدا کی ہے؟ زمین کی بخشائشوں کے ذریعہ تمہیں روزی کون دیتا ہے؟ —— یا وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سماعت اور آنکھیں ہیں؟ —— کہ جب چاہتا ہے ان میں شنوائی اور بینائی پیدا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اسے چھین لیتا ہے —— اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے —— یعنی نیست سے ہست کرتا ہے اور عدم کا پردہ چیر کر صفحۂ وجود پر مخلوقات کو جلوہ گر کرتا ہے اور ایک چیز سے اس کی ضد پیدا کرتا ہے —— اور (وہ کون ہے جو) مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ —— یعنی ہست کو نیست کرتا ہے، موجود چیز کا وجود چھین کر اسے پردۂ عدم میں چھپا دیتا ہے۔ یعنی وہ ضدین پر مساوی قدرت رکھتا ہے؟ —— اور وہ کون ہے جو تمام کارخانۂ ہستی کا انتظام کرتا ہے؟ —— اگر

(۱) اَللّٰهُ مبتداء، اور خبر محذوف ہے أی: اللّٰه يفعل ذلك (۲) تَتَّقُوْنَ کا مفعول محذوف ہے (۳) فَذٰلِكُم مبتداء ہے اور اللّٰهُ اس کی صفت (مشارالیہ) ہے اور رَبُّكُمُ خبر ہے اور اَلْحَقُّ خبر کی صفت ہے (۴) جملہ انهم الخ بدل ہے کلمت سے۔

آپ یہ باتیں ان لوگوں سے پوچھیں —— تو وہ بول اٹھیں گے کہ: ''اللہ پاک!'' —— یہ سب کام کرتے ہیں —— اب آپ فرمائیے کہ: ''کیا پھر بھی تم (شریک کرتے ہوئے) ڈرتے نہیں؟ —— کیونکہ جب یہ سارے کام اللہ پاک کے ہیں جیسا کہ تم خود مانتے ہو، تو تمہارے حقیقی پروردگار، مالک، آقا اور تمہاری بندگی اور عبادت کے حق دار وہی ہیں یہ دوسرے جن کا ان کاموں میں کوئی حصہ نہیں آخر خدائی میں کہاں سے شریک ہو گئے؟ —— تو (خلاصہ یہ کہ) یہی اللہ پاک تمہارے حقیقی پروردگار ہیں —— یہ ''توحیدِ ربوبیت'' سے ''توحید الوہیت'' پر استدلال ہے، مشرکوں سے پانچ ایسے سوالات کئے ہیں جن سے دوٹوک فیصلہ ہو جاتا ہے کہ صرف اللہ پاک ہی پروردگار ہیں، وہی جلاتے ہیں، وہی مارتے ہیں، وہی ساری قوتیں انسان کو بخشتے ہیں، وہی تمام عالم کا انتظام فرماتے ہیں، وہی انسان کے لئے روزی مہیا فرماتے ہیں اور کوئی نہیں جو یہ کام کرتا ہو یا ان کاموں کے کرنے میں کم از کم حصہ دار ہو، اور معبود صرف وہی ذات ہو سکتی ہے جو پروردگار، پالنہار اور رب ہو، اس لئے لازماً معبود بھی صرف انہی کی ذات ہے —— پھر حق کے بعد بجز گمراہی کے کیا رہ گیا؟ پھر تم کدھر پھرائے جا رہے ہو؟ —— یعنی حق وہ ہے جو ہم نے واضح کیا، اس کے سوا دوسرا جو بھی راستہ ہے وہ گمراہی کا راستہ ہے، اور تمہارے یہ راہ نما تمہیں صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ پر پھیر رہے ہیں پھر تم اندھے بن کر ان غلط راہ نمائی کرنے والوں کے پیچھے کیوں چلے جا رہے ہو؟ اپنی گرہ کی عقل سے کام لے کر سوچتے کیوں نہیں کہ جب حقیقت وہ ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں تو آخر یہ تم کو کدھر چلایا جا رہا ہے؟[1] —— اس طرح نافرمانی کرنے والوں پر آپ کے پروردگار کا ارشاد صادق آ گیا کہ ''وہ یقیناً ایمان لانے والے نہیں!'' —— یعنی اللہ پاک نے جو جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں کو ہدایت ملنے والی نہیں، ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے وہ لوگ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں، تو ان لوگوں کا یہ ایمان نہ لانا کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ قرآن پاک کے دلائل ناکافی ہیں یا وہ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہے۔ ابھی توحید کے برحق ہونے پر اور شرک کے باطل ہونے پر جو دلیل بیان فرمائی گئی ہے وہ کس قدر واضح، صاف، سچی اور دل کی آواز ہے مگر پھر بھی کچھ لوگ ایمان لانے والے نہیں جس کی وجہ درحقیقت یہ ہے کہ غلط راہنمائی کرنے والے اور گمراہ کرنے والے ان کو غلط رخ پر پھیر رہے ہیں اور یہ اندھے بن کر ان کے پیچھے چل رہے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اور اس طرح اللہ پاک کا ارشاد پورا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ بہر حال ایمان لانے

(۱) یہاں یاد رکھنے کے قابل ایک خاص بات یہ ہے کہ گمراہ کرنے والوں کا نام لینے کے بجائے اُن کو صیغۂ مجہول کے پردے میں چھپا دیا گیا ہے، تاکہ اُن کے معتقدین ٹھنڈے دل سے اپنے معاملہ پر غور کریں اور کسی کو یہ کہہ کر اشتعال دلانے کا موقع نہ ملے کہ دیکھو یہ تمہارے بزرگوں اور پیشواؤں پر چوٹیں کی جا رہی ہیں۔

والے نہیں، وہ جہنم کا ایندھن بننے والے ہیں!

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

قُلْ هَلْ	آپ پوچھئے کیا	ثُمَّ	پھر	ثُمَّ	پھر
مِنْ شُرَكَآئِكُمْ	تمہارے شریکوں میں	يُعِيْدُهٗ	وہ اسے دوبارہ پیدا کرے	يُعِيْدُهٗ	وہ اسے دوبارہ پیدا کریں گے
	سے کوئی ہے	قُلِ اللّٰهُ	آپ فرمائیے اللہ پاک	فَاَنّٰى	پھر کہاں
مَّنْ يَّبْدَؤُا (۱)	جو ابتداء کرے	يَبْدَؤُا	ابتداء کرتے ہیں	تُؤْفَكُوْنَ (۲)	تم الٹی راہ پر چلائے
الْخَلْقَ	آفرینش کی	الْخَلْقَ	آفرینش (کی)		جا رہے ہو؟

پہلی مرتبہ پیدا کرنے اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے توحید پر استدلال

توحید کے برحق ہونے کی اور شرک کے باطل ہونے کی دوسری دلیل بیان فرماتے ہیں — ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی ہے جو تخلیق کائنات کی ابتداء کرے پھر اسے دوہرائے؟ — آپ فرمائیے کہ: ”اللہ پاک تخلیق کائنات کی ابتدا کرتے ہیں پھر وہ اسے دوہرائیں گے!“ — اور تمہارے معبودوں میں سے کوئی نہیں جو یہ کام کرتا ہو یا کرسکتا ہو — تخلیق کی ابتدا کے بارے میں مشرکین مانتے تھے کہ یہ صرف اللہ پاک کا کام ہے، ان کے شریکوں میں سے کسی کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں۔ رہا کائنات کا دوہرانا تو ظاہر ہے کہ جو ابتداء پیدا کرنے والا ہے وہی دوہرا بھی سکتا ہے، اور جو ابتداء پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ دوہرانے پر کس طرح قادر ہوسکتا ہے؟ — یہ بات اگرچہ ایک معقول بات ہے اور خود مشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے ہیں کہ بات بالکل ٹھکانے کی ہے لیکن انہیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تأمل ہوگا کہ اسے مان لینے کے بعد آخرت کا انکار مشکل ہوجائے گا، اس لئے اوپر کے پانچ سوالات پر تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا کہ وہ خود بول اٹھیں گے کہ یہ کام اللہ پاک کے ہیں، مگر یہاں اس کے بجائے نبی پاک ﷺ سے

(۱) يَبْدَؤُا فعل مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اور واؤ کے بعد الف اس قاعدہ سے لکھا گیا ہے جو آیت ۲۵ کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے (۲) تُؤْفَكُوْنَ فعل مضارع مجہول کا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے اِفْکٌ سے بنا ہے جس کے اصلی معنی ہیں: کسی چیز کو اُس کے اصلی رُخ سے پھیرنا اور ”اعتقاد“ میں حق سے باطل کی طرف اور ”بات“ میں سچ سے دروغ بیانی کی طرف اور ”کام“ میں نکوکاری سے بدکاری کی طرف پھیرا جانا مراد ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ آپ فرمادیں کہ یہ تخلیق کائنات کی ابتداء اور پھر اس کا دوہرانا بھی اللہ پاک ہی کا کام ہے — پھر تم کدھر پھیرے جا رہے ہو؟ — یعنی جب تمہاری ابتدا اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے اور انتہاء بھی، تو ذرا سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باور کرایا جا رہا ہے کہ ان دونوں کے بیچ میں اللہ پاک کے سوا کسی اور کو تمہاری بندگیوں اور نیاز مندیوں کا حق پہنچتا ہے!

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

قُلْ هَلْ	آپ پوچھئے کیا	اَحَقُّ	زیادہ لائق ہے	يَتَّبِعُ	پیروی کرتے
مِنْ شُرَكَآئِكُمْ	تمہارے شریکوں میں	اَنْ يُّتَّبَعَ	کہ اسکی پیروی کیجائے	اَكْثَرُهُمْ	ان میں سے زیادہ تر
	میں سے کوئی ہے	اَمَّنْ لَّا (۲)	یا وہ جو نہیں	اِلَّا ظَنًّا	مگر اٹکل پچو (کی)
مَنْ يَّهْدِيْٓ	جو راہ بتائے	يَهِدِّيْٓ (۳)	راہ پاتا	اِنَّ الظَّنَّ	بلاشبہ اٹکل کے تیر
اِلَى الْحَقِّ (۱)	دین حق کی؟	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	لَا يُغْنِيْ	نہیں کام آتے
قُلِ اللّٰهُ	آپ فرمایئے اللہ پاک	يُّهْدٰى	راہ بتائی جائے اسے	مِنَ الْحَقِّ	دین کے معاملہ میں
يَهْدِيْ	راہ بتاتے ہیں	فَمَا	سو کیا (ہو گیا ہے)	شَيْـًٔا	کچھ بھی
لِلْحَقِّ (۱)	دین حق کی	لَكُمْ	تمہیں	اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً اللہ پاک
اَفَمَنْ	کیا پس جو	كَيْفَ	کیسے	عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں
يَّهْدِيْٓ	راہ بتاتا ہے	تَحْكُمُوْنَ	فیصلے کر رہے ہو تم؟	بِمَا	جو کچھ
اِلَى الْحَقِّ	دین حق کی	وَمَا	اور نہیں	يَفْعَلُوْنَ	وہ کر رہے ہیں

(۱) اِلٰی اور لامؔ صلہ کا ہے (۲) اَمَّنْ دو لفظ ہیں، اَمْ حرف استفہام اور مَنْ موصولہ (۳) اس کی اصل یَهْتَدِیْ ہے کیونکہ یہ اِهْتَدَاءٌ (راہ پانا) سے مضارع کا واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے تاء اور دال کا مخرج ایک ہونے کی وجہ سے تاء کو دال بنا کر ادغام کیا ہے پھر دو ساکن اکٹھا نہ ہوں اس لئے ھاء کو کسرہ دیا ہے۔

معبود وہی ہوتا ہے جو دینی راہ نمائی کرے (توحید کی تیسری دلیل)

یہ توحید کی تیسری دلیل ہے، فرماتے ہیں ـــ ان سے پوچھو، تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو (دین) حق کی راہ بتائے؟ ـــ دنیا میں انسان کی ضرورتوں کا دائرہ صرف کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، زندگی بسر کرنے، آفات ومصائب اور نقصانات سے محفوظ رہنے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو یعنی اس کا بنیادی مسئلہ اس کا اخلاقی مسئلہ ہے، انسان کے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ انسان بنے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو محسوس کرے اور احساس ذمہ داری کے تحت زندگی کے سارے کام انجام دے، ہر حال میں انصاف اور حق پر قائم رہے اور ہر حال میں حق اور انصاف ہی کا ساتھ دے، صرف جائز اور صحیح مقاصد کو اپنا مطمح نظر بنائے اور اس کے حصول کے لئے جائز ذرائع استعمال کرے، مختصر یہ کہ وہ اخلاق، کردار اور انسانیت کا پیکر بنے۔

انسان اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے کسی ایسے راہنما کا محتاج ہے جو اسے دنیا میں زندگی بسر کرنے کے صحیح اصول بتائے اور وہ اس کے دیئے ہوئے قوانین کی پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ پیروی کرے۔ اس لئے قرآن پاک مشرکین سے پوچھتا ہے کہ تم اللہ پاک کے سوا جن کی بندگی کرتے ہو ان میں کوئی ہے جو اس طرح کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہو یا دے سکتا ہو؟ اگر وہ واقعی معبود ہیں تو کیا وہ اپنے بندوں کی یہ ضرورت پوری کرتے ہیں؟ ـــ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی کے سوا اور کچھ نہیں، تاہم اگر وہ یہ جواب دینے میں ہچکچائیں تو ڈنکے کی چوٹ ـــ آپ فرمادیں کہ "اللہ پاک (دین) حق کی راہ بتاتے ہیں!" ـــ یعنی تمہارے معبودوں میں ایسا کوئی نہیں، صرف اللہ پاک ہی اپنے بندوں کی اس طرح کی راہ نمائی فرماتے ہیں ـــ اب بتاؤ جو (دین) حق کی راہ بتائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو (خود ہی) راہ نہ پائے جب تک کہ اسے راہ نہ دکھائی جائے؟ ـــ مشرکین جن کی بندگی کرتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک بے جان مورتیں، دریا، پہاڑ، اور درخت یا پھر وہ بے سمجھ حیوانات ہیں۔ دوسرے دیوی، دیوتا، فرشتے، انبیاء یا اولیاء ـــ اول کے راہ پانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں، البتہ دوسری قسم کے معبود راہ یاب ہوسکتے ہیں اگر اللہ پاک ان کی راہ نمائی فرمائیں۔ سورۂ والضحیٰ میں پیغمبروں کے سردار، محبوب رب العالمین ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾: اللہ پاک نے آپؐ کو (شریعت اور دین حق سے) بے خبر پایا سو آپؐ کو خبردار کیا۔

غرض کوئی ہو، چھوٹا ہو یا بڑا، سب اللہ پاک کی راہ نمائی کے محتاج ہیں پھر وہ معبود کیونکر ہوسکتے ہیں؟ ـــ پھر تمہیں کیا ہوگیا؟ ـــ کہ کسی طرح بات تمہارے دماغوں میں نہیں اترتی! ـــ تم کیسے (الٹے) فیصلے کرتے ہو؟ ـــ اور کسی طرح شرک سے توبہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے!

توحید کے برحق ہونے پر اور شرک کے باطل ہونے پر جو دلائل بیان کئے جا رہے تھے وہ یہاں پر پورے ہو گئے، آگے اس کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ شرک کے غیر عقلی نظریہ ہونے کے باوجود انسانوں کی بہت بڑی اکثریت شرک میں مبتلا کیوں ہے؟ فرماتے ہیں — ان میں سے اکثر محض اٹکل پچو کی پیروی کرتے ہیں — اور یہی ان کی گمراہی کا اصل سبب ہے، وہ عقل سے اس قدر کورے ہیں کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتے ہیں۔ حالانکہ — اٹکل کے تیر حق وصداقت کے معاملہ میں کچھ کام نہیں دے سکتے — وہاں ٹھوس اور واقعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے — مگر انسان کی یہ خطرناک کمزوری ہے کہ وہ محض گمان پر بنیادی مسائل کی تعمیر کرتا چلا جاتا ہے، وہ محض اس گمان پر شرک میں مبتلا رہتا ہے کہ جب بڑے بڑے لوگ اس میں مبتلا ہیں، باپ دادا اس کو مانتے چلے آ رہے ہیں اور ایک دنیا کی دنیا اس کو مذہب بنائے ہوئے ہے تو ضرور وہ ٹھیک ہی ہوگا — حالانکہ شرک کی بنیاد کسی عقلی استدلال، کسی منطقی برہان اور کسی سائنٹفک اکتشاف پر نہیں، اس کی بنیاد درحقیقت وہم، جہالت اور اعجوبہ پرستی پر ہے، اور ان تینوں کے اجتماع سے جو مشرکانہ میتھالوجی ترتیب پاتی ہے اسے کوئی صاحبِ عقل آدمی بسلامتی ہوش وحواس قبول نہیں کر سکتا مگر یہ کہ اس کے نزدیک مذہب کی حدود میں عقل وخرد کا داخلہ ہی ممنوع ہو — خیر انہیں جو کرنا ہے کریں — اللہ پاک اچھی طرح جانتے ہیں جو کچھ وہ کر رہے ہیں — وقت آنے پر انہیں دیکھ لیں گے!

اور یہ جو فرمایا کہ "ان میں سے اکثر لوگ ظن وتخمین کی پیروی کرتے ہیں" اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کچھ لوگ اس کمزوری سے پاک ہیں ان کے سامنے جب صحیح بات آتی ہے تو وہ سوچتے ہیں اور راہِ راست پر آ جاتے ہیں۔ وہی ہر زمانہ میں قرآنِ پاک کی تعلیمات سے متأثر ہوتے ہیں اور شرک سے توبہ کر کے اسلام کا رخ کرتے ہیں، پس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں عقل وبینش سے بیر نہیں اور وہ قرآن پاک کے دلائل پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہیں اور وقت کے ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے تلافی مافات کر لیتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

وَمَا كَانَ (۱)	اور (ایسا تو) نہیں	مِنْ رَّبِّ (۷)	پروردگار کی طرف سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
هٰذَا	یہ	الْعٰلَمِيْنَ	تمام جہانوں کے ہے	صٰدِقِيْنَ	سچے
الْقُرْاٰنُ	قرآن	اَمْ	کیا	بَلْ كَذَّبُوْا	بلکہ جھٹلایا انھوں نے
اَنْ يُّفْتَرٰى (۲)	کہ گڑھ لیا جائے	يَقُوْلُوْنَ	یہ لوگ کہتے ہیں	بِمَا لَمْ	اس چیز کو نہیں
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے نیچے	افْتَرٰىهُ	کہ: اس نے اسے گڑھ	يُحِيْطُوْا (۱۱)	گھیرا انھوں نے
وَلٰكِنْ (۳)	بلکہ		کر اللہ کے نام لگا دیا ہے؟	بِعِلْمِهٖ (۱۲)	اس کے علم کو
تَصْدِيْقَ (۴)	تصدیق (ہے)	قُلْ	آپ فرمایئے	وَلَمَّا	اور اب تک نہیں
الَّذِيْ	ان (وحیوں) کی جو	فَاْتُوْا	تو لے آؤ	يَاْتِهِمْ	پہنچا انہیں
بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں	بِسُوْرَةٍ	ایک سورت	تَاْوِيْلُهٗ (۱۳)	اس کا آخری انجام
وَتَفْصِيْلَ (۵)	اور تفصیل (ہے)	مِّثْلِهٖ (۸)	اس کے مانند	كَذٰلِكَ كَذَّبَ	اسی طرح جھٹلایا
الْكِتٰبِ (۶)	کتاب الٰہی (کی)	وَادْعُوْا	اور بلا لو	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو
لَا رَيْبَ	نہیں کوئی شبہ والی بات	مَنِ اسْتَطَعْتُمْ (۹)	جسے (بلا) سکو تم	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے
فِيْهِ	اس میں	مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۱۰)	اللہ پاک کے سوا	فَانْظُرْ	سو دیکھئے

(۱) النفی ھنا للشأن الذی ھو أبلغ وآکد من نفی الشی مباشرۃ (المنار) (۲) أن یفتری الخ بتاویل مصدر ہو کر کَانَ کی خبر ہے (۳) لکن حرف ابتداء ہے اور استدراک کے لئے ہے (۴) تصدیق خبر ہے کَانَ محذوف کی اور اسم اسی کان کی ضمیر ہے جو قرآن پاک کی طرف لوٹتی ہے (۵) تَفْصِيْلَ کا تَصْدِيْقَ پر عطف ہے (۶) الکتاب بمعنی المکتوب اور المکتوب کے معنی یہاں مفروض کے ہیں (۷) خبر ہے مبتداء محذوف کی أی: نازلٌ من الخ (۸) مِثْلِهٖ کی ضمیر قرآن پاک کی طرف لوٹتی ہے (۹) اِسْتَطَعْتُمْ کا مفعول محذوف ہے أی: دعاءہ والاستعانۃ بہ (۱۰) مِنْ دُوْنِ الخ ادْعُوْا سے متعلق ہے (۱۱) اَحَاطَ بِهٖ: گھیرنا، احاطہ کرنا (۱۲) بِعِلْمِهٖ کی ضمیر مَا کی طرف لوٹتی ہے جس سے مراد قرآن پاک ہے (۱۳) تاویل کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک فعلی — تاویل علمی: بات کو اس کی اصل مراد کی طرف لوٹانا۔ علم تفسیر کو علم تاویل اسی معنی میں کہتے ہیں۔ تاویل رویا (تعبیر بتانا) میں بھی یہی معنی ہیں اور سورۂ آل عمران (آیت ۷) ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ﴾ میں بھی یہی معنی ہیں — اور تاویل فعلی نام ہے بات کے ٹھیک پڑنے اور اس کے آخری نتیجہ کا، یہاں اور سورۂ اعراف (آیت ۵۳) ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ﴾ میں یہی تاویل فعلی مراد ہے اور قرینہ يَنْظُرُوْنَ اور يَاْتِهِمْ ہیں اور وہاں قرینہ يَعْلَمُ تھا۔

ظالموں کا؟	الظّٰلِمِیْنَ	انجام	عَاقِبَةُ	کیسا ہوا	کَیْفَ کَانَ

قرآنِ کریم نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے

پچھلی آیتوں میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ پاک ہی اپنے بندوں کی دینی راہنمائی فرماتے ہیں اور بندے اللہ پاک کی راہ نمائی ہی سے راہ پاتے ہیں —— اب واضح فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو دین حق کی جو راہ ملی ہے، جس کی طرف آپؐ تمام لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں وہ بھی اللہ پاک ہی کے راہ دکھانے سے ملی ہے۔ اس طور سے کہ اللہ پاک نے آپؐ پر اپنی کتابِ مقدس نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو دین حق سے آگاہ فرمایا، کیونکہ قرآن پاک جیسی عظیم الشان کتاب اللہ پاک سے نیچے کوئی تصنیف نہیں کر سکتا، ارشاد فرماتے ہیں—— اور یہ قرآن پاک ایسا تو نہیں کہ اللہ پاک سے نیچے گڑھ لیا جائے! —— یعنی قرآنِ پاک جس قسم کی کتاب ہے ایسی کتاب اللہ پاک کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا، اگر تمام انسان اور جن اکھٹے ہو کر چاہیں کہ قرآن پاک کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی پیش نہیں کر سکتے، اگر چہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو[1]

قرآنِ کریم کی چار خصوصیات جو اس کی صداقت کی دلیل ہیں:

قرآن پاک کی وہ کیا خصوصیات ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ وہ اللہ پاک کی طرف سے اترا ہے اور وہ نبی پاک ﷺ کے رسول برحق ہونے کی دلیل ہے؟—— وہ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

① —— وہ ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں—— یعنی قرآن پاک پچھلی تمام آسمانی کتابوں کے مطابق ہے اور ہر زمانہ میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اصولی تعلیمات پیش کرتے رہے ہیں قرآن پاک نہ صرف ان کی تصدیق کرتا ہے بلکہ وہ بھی وہی تعلیمات پیش کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان تعلیمات کے اندر کوئی ایک ہی ثابت وقائم حقیقت کام کرتی ہے، کیونکہ اگر مختلف وقتوں، مختلف گوشوں، مختلف قوموں، مختلف ناموں، مختلف پیرایوں اور مختلف زبانوں سے کوئی بات کہی گئی ہو، اور باوجود ان تمام اختلافات کے بات ہمیشہ ایک ہی ہو اور ایک ہی مقصد پر زور دیتی ہو تو قدرتی طور پر ماننا پڑے گا کہ یہ باتیں ایک ہی سرچشمہ سے ظہور میں آئی ہیں—— اب اگر تمام کائنات مل کر چاہے کہ قرآنِ پاک جیسی کوئی کتاب بنالائے تو وہ کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟ وہ اپنے کلام میں یہ بات کیسے پیدا کر سکتی ہے کہ وہ پچھلی تمام وحیوں کے مطابق ہو، اس سے سرمو مختلف نہ ہو؟—— علاوہ ازیں پچھلی تمام وحیوں نے قرآن پاک کی پیشین

(۱) دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸۔

گوئیاں کی ہیں۔تورات،انجیل اور زبور وغیرہ تمام آسمانی کتابوں نے قرآن پاک کے نزول کی خبر دی ہے،اب ان پیشین گوئیوں کے عین مطابق قرآنِ پاک نازل ہوا ہے،اور اس نے پچھلی تمام وحیوں اور انبیاء علیہم السلام کی پیش کردہ کتابوں پر مہر تصدیق ثبت کی ہے کیونکہ اگر ان پیشین گوئیوں کے مطابق قرآن پاک نازل نہ ہوتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ تمام کتابیں جھوٹی ثابت ہوتیں ــــ الحاصل قرآن پاک اپنی پشت پر ماضی کی بے شمار پیشین گوئیوں کی تائید رکھتا ہے یہ تائیدات کسی اور کے کلام کو کہاں سے حاصل ہوسکتی ہیں؟

۲ ــــ اور وہ کتاب الٰہی کی تفصیل ہے ــــ یعنی ہر زمانے کے مناسب خاص خاص احکام ہوتے ہیں،اللہ پاک جس حکم کو چاہتے ہیں موقوف فرمادیتے ہیں اور جس حکم کو چاہتے ہیں برقرار رکھتے ہیں،اور اصل کتاب انہی کے پاس ہے[1] یہ قرآن پاک اس اصل کتاب کی تفصیل ہے،اس میں ہمارے زمانے کے مناسب احکام بیان فرمائے گئے ہیں ــــ یہ احکامِ الٰہی جو ہدایت انسانی کیلئے قرآن پاک میں بیان فرمائے گئے ہیں وہ قرآن پاک کے منجانب اللہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہیں کیونکہ نفوس انسانی کو سنوارنے کے لئے جن جن تعلیمات کی ضرورت ہے وہ سب مکمل طور پر قرآن پاک میں موجود ہیں[2] ــــ اب اگر سارے انسان مل کر چاہیں کہ کوئی ایسی کتاب پیش کریں جس میں اس قدر مکمل احکام موجود ہوں تو کیا یہ بات ممکن ہے؟ کسی طرح بھی ممکن نہیں کیونکہ ان میں سے کسی کا بھی علم ان تمام حقائق پر حاوی نہیں جن کا جاننا انسانی زندگی کے صحیح اصول وضع کرنے کیلئے ضروری ہے،نہ ان میں سے کسی کی نظر اس پورے دائرے پر محیط ہے جس میں انسانی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل پھیلے ہوئے ہیں۔نہ وہ ان اغراض وخواہشات سے،اور ان رجحانات ومیلانات سے پاک وبالاتر ہیں جو انسانی معاشرے کیلئے منصفانہ قوانین بنانے میں مانع ہوسکتے ہیں،پھر وہ کیوں کر ایسی کتاب تصنیف کرسکتے ہیں؟

۳ ــــ اس میں کوئی شبہ والی بات نہیں ہے ــــ اس کا حرف حرف کانٹے کے تول پورا ہے،کسی مضمون پر انگلی اٹھانے کی گنجائش نہیں ــــ یہ ایک زبردست دلیل ہے کہ قرآن پاک اللہ پاک کا کلام ہے،کیونکہ قرآن پاک علمی ترقی سے بہت پہلے نازل ہوا ہے مگر اس کی کوئی بات آج تک غلط ثابت نہ ہوسکی۔اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ایسا ہونا ناممکن تھا۔

قرآن پاک ایک ایسے زمانہ میں اترا ہے جب انسان کائنات کے بارے میں بہت کم جانتا تھا،اس وقت بارش کے متعلق یہ تصور تھا کہ آسمان میں کوئی دریا ہے جس سے پانی بہہ کر زمین پر گرتا ہے اور اسی کا نام بارش ہے،زمین کے بارے میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ چپٹی فرش کے مانند ہے اور آسمان اس کی چھت ہے جو پہاڑ کی چوٹیوں کے اوپر کھڑی کی گئی ہے،

(۱) دیکھئے سورۃ الرعد آیت ۳۸و۳۹ (۲) دیکھئے الفوز الکبیر مبحث اعجاز القرآن۔

ستاروں کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ چاندی کی چمکتی ہوئی کیلیں ہیں جو آسمان کے گنبد میں جڑی ہوئی ہیں، یا وہ چھوٹے چھوٹے چراغ ہیں جو رات کے وقت رسیوں کی مدد سے لٹکائے جاتے ہیں، پرانے ہندوستانی یہ سمجھتے تھے کہ زمین ایک گائے کے سینگ پر ہے اور جب گائے زمین کو ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر منتقل کرتی ہے تو اس کے سر کی جنبش سے زلزلہ آتا ہے —— اس کے بعد علم کی ترقی ہوئی، انسان کے مشاہدے اور تجربے کی قوت بڑھ گئی، جس کی وجہ سے بے شمار نئی نئی معلومات حاصل ہوئیں، زندگی کا کوئی شعبہ اور علم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا جس میں پہلے کے مسلمات بعد کی تحقیق سے غلط ثابت نہ ہو گئے ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کا کوئی بھی انسانی کلام ایسا نہیں ہو سکتا جو آج بھی اپنی صحت کو پوری طرح باقی رکھے ہوئے ہو کیونکہ آدمی اپنے وقت کی معلومات کی روشنی ہی میں بولتا ہے وہ شعور کے تحت بولے یا بے شعور، بہر حال وہ وہی کچھ دوہرائے گا جو اس نے اپنے زمانہ میں پایا ہے۔ چنانچہ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی کوئی بھی انسانی کتاب آج ایسی موجود نہیں، جو غلطیوں سے پاک ہو، مگر قرآن پاک کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ جس طرح ڈیڑھ ہزار برس پہلے برحق تھا، آج بھی وہ اسی طرح برحق ہے، زمانہ کے گزرنے سے اس کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا، یہ واقعہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ اللہ پاک کا کلام ہے جن کی نگاہ ازل سے ابد تک محیط ہے، جو سارے حقائق کو اس کی اصل شکل میں جانتے ہیں، جن کی واقفیت زمانے اور حالات کی پابند نہیں، اگر یہ محدود نظر رکھنے والے انسان کا کلام ہوتا تو بعد کا زمانہ اسی طرح اسکو غلط ثابت کر دیتا جس طرح ہر انسانی کلام بعد کے زمانہ میں غلط ثابت ہو چکا ہے —— پس کیا تمام انسان اور جنات مل کر ایسا کوئی کلام پیش کر سکتے ہیں جس میں کبھی کوئی شبہ والی بات نہ ہو؟

④ —— تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے —— جس کی وجہ سے قرآن پاک کی تعلیمات میں ساری کائنات کی رعایت ملحوظ ہے —— انسان کا تعلق جہاں اپنی ذات کے ساتھ، اپنی قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ ہے وہاں اس سرو سامان کے ساتھ بھی ہے جو روئے زمین پر اس کے تصرف میں ہے، اسے سارے ہی نظام کائنات کے ساتھ سابقہ پڑتا ہے، جس کے ماتحت رہ کر ہی بہر حال اس کو کام کرنا ہے، اس لئے انسان کے لئے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ وہ پوری کائنات کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کرے، جس سے اس کی زندگی بحیثیت مجموعی کامیاب ہو اور اس کی کوششیں اور محنتیں غلط راہوں میں صرف ہو کر تباہی اور بربادی پر منتج نہ ہوں؟ —— اور اللہ پاک کے سوا وہ کون ہے جو اپنے کلام میں اور اپنے بیان کردہ احکامات میں ساری کائنات کی رعایت ملحوظ رکھ سکے؟

یہ ہیں قرآن پاک کی وہ خصوصیات اور وجوہِ اعجاز جن کی وجہ سے اللہ پاک کے سوا کوئی دوسرا شخص قرآن پاک جیسی کتاب بنا کر کبھی پیش نہیں کر سکتا —— اب بھی —— کیا یہ لوگ —— ایسی کتاب کے بارے میں —— کہتے ہیں کہ: ”اس

نے ـــ یعنی محمد ﷺ نے ـــ اسے خود گڑھ کر اللہ پاک کے نام لگادیا ہے؟، آپ فرمائیے کہ: ''اگر تم سچے ہو تو اس (قرآن) کے مانند ایک سورت بنا کر پیش کردو' اور اللہ پاک کے سوا جن کو تم اپنی مدد کے لئے بلاسکتے ہو بلالو!ـــ قرآن پاک کا یہ چیلنج چودہ سو برس سے دنیا کے سامنے ہے، مگر آج تک اس کا جواب نہیں دیا جاسکا ـــ قرآن پاک میں بار بار یہ اعلان کیا گیا ہے کہ جو لوگ قرآن پاک کے کتابِ الٰہی ہونے کے بارے میں شک میں ہیں اور اس کو محض اپنے جیسے ایک انسان کی تصنیف سمجھتے ہیں وہ ایسی ایک کتاب بنا کر پیش کریں، بلکہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھادیں۔

یہ ایک حیرت انگیز دعویٰ ہے جو ساری انسانی تاریخ میں کسی بھی مصنف نے نہیں کیا، اور نہ بقید ہوش وحواس کوئی مصنف ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت کرسکتا ہے کیونکہ کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک ایسی کتاب لکھ دے جس کے ہم پایہ کتاب دوسرے انسان نہ لکھ سکیں، کیونکہ ہر انسانی تصنیف کے جواب میں اسی درجہ کی دوسری انسانی تصنیف تیار کی جاسکتی ہے۔

قرآن پاک کا یہ کہنا کہ وہ ایک ایسا کلام ہے جیسا کلام انسانی ذہن تخلیق نہیں کرسکتا اور ڈیڑھ ہزار برس تک کسی انسان کا اس پر قادر نہ ہونا قطعی طور پر ثابت کرتا ہے کہ یہ ایک غیر انسانی کلام ہے، یہ اللہ پاک کا کلام ہے، اور اللہ پاک کے کلام کا جواب کون دے سکتا ہے؟

تاریخ میں چند مثالیں ملتی ہیں جب کہ اس چیلنج کو قبول کیا گیا، سب سے پہلا واقعہ لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا ہے، جو عربوں میں اپنی قوت کلام اور تیزی طبع کے لئے مشہور تھے، انھوں نے اسلام لانے سے پہلے قرآن پاک کے جواب میں ایک نظم لکھی تھی جو کعبہ شریف کے پھاٹک پر آویزاں کی گئی تھی، مگر جلد ہی کسی مسلمان نے قرآن پاک کی ایک سورت لکھ کر اس کے قریب آویزاں کردی لبید جب اگلے روز کعبہ کے دروازے پر آئے اور سورت کو پڑھا تو اس کے ابتدائی فقروں ہی سے وہ غیر معمولی طور پر متأثر ہوئے اور اعلان کیا کہ بلاشبہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں، اور میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔

دوسرا اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ ابن المُقَفَّعْ (م ۷۲۷ء) کا ہے۔ منکرین اسلام کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہ قرآن پاک لوگوں کو بڑی شدت سے متأثر کررہا ہے، یہ طے کیا کہ اس کے جواب میں ایک کتاب تیار کی جائے، انھوں نے اس مقصد کے لئے ابن المقفع سے رجوع کیا، جو اس زمانہ کا ایک زبردست ادیب اور غیر معمولی ذہین وطباع آدمی تھا، اسے بھی اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ وہ راضی ہوگیا، اس نے کہا کہ میں ایک سال میں یہ کام کردوں گا، البتہ اس نے یہ شرط رکھی کہ اس پوری مدت میں اس کی تمام ضروریات کا مکمل انتظام ہونا چاہئے تاکہ وہ کامل یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن کو اپنے کام میں مرکوز رکھے۔

آدھی مدت گزر گئی تو اسکے ساتھیوں نے یہ جاننا چاہا کہ اب تک کیا کام ہوا ہے، وہ جب اسکے پاس گئے تو انھوں نے اس کو اس حال میں پایا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے، قلم اس کے ہاتھ میں ہے، گہرے مطالعہ میں مستغرق ہے، اس کے سامنے ایک سادہ کاغذ پڑا ہوا ہے، اس کی نشست کے پاس لکھ لکھ کر پھاڑے ہوئے کاغذات کا ایک انبار ہے، ساتھیوں کے دریافت کرنے پر اس نے پریشانی کے عالم میں اعتراف کیا کہ صرف ایک فقرہ لکھنے کی جدوجہد میں اسکے چھ مہینے بیت گئے مگر وہ نہ لکھ سکا، چنانچہ ناامید اور شرمندہ ہو کر وہ اس خدمت سے دست بردار ہو گیا۔

قرآن پاک کا یہ چیلنج آج بھی بدستور قائم ہے، آج بھی صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے۔ لیکن اگر وہ ایسی ایک سورت بھی نہ بنا سکیں — اور یہ بات یقینی ہے کہ ہرگز نہ بنا سکیں گے — تو پھر ڈریں اور بچیں جہنم کی آگ سے جو سب آگوں سے تیز ہے، جس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں — اور بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ کلامِ الٰہی پر ایمان لائیں!

کفار قرآن کو آپؐ کی تصنیف کیوں بتلاتے تھے؟ (اصل وجہ):

آگے اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرآن پاک کو حضور ﷺ کی تصنیف بتلاتے ہیں اس کی — اصل حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلایا ہے، جس کے علوم پر وہ حاوی نہیں ہوئے — یعنی اگر وہ پہلے قرآن پاک کے علوم کو، اس کی پیش کردہ باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیتے، پھر کوئی فیصلہ کرتے تو ایک بات بھی تھی مگر یہ لوگ تو اس بات کے جھٹلانے پر تل بیٹھے ہیں جس کے تمام علوم کو، جس کی تعلیمات کو وہ ابھی تک سمجھے ہی نہیں — اور یہ ان کی بڑی بھول ہے، نہ تو ظن و گمان کی بنا پر کوئی بات ماننی چاہئے اور نہ ظن و گمان کی بنا پر کسی بات کی تکذیب کرنی چاہئے، جو کچھ کرنا چاہئے وہ علم و بصیرت کی بنا پر ہونا چاہئے — اگر یہ لوگ پہلے قرآن پاک کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کے تمام علوم پر حاوی ہو جائیں تو پھر ناممکن ہے کہ وہ اس کو انسان کی تصنیف بتلائیں۔

لوگوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلایا ہے:

ارشادِ پاک ہے:— اور انہیں اب تک اس کا آخر نتیجہ نہیں پہنچا — یعنی وہ لوگ قرآن پاک کی تکذیب کے انجام بد سے ابھی تک دوچار نہیں ہوئے، اللہ پاک کے کلام کے انکار کے وبال کا انھوں نے ابھی تک مزہ نہیں چکھا، ورنہ ان کی تکذیب کا سارا نشہ ہرن ہو جاتا — ٹھیک اسی طرح — اللہ پاک کی وحیوں کو بغیر سمجھے — ان لوگوں نے بھی جھٹلایا، جو ان سے پہلے گزر چکے — پھر دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ — پس یہ لوگ بھی اسی انجام کے منتظر رہیں — کیونکہ اللہ پاک کا قانونِ جزا و سزا سب لوگوں کے لئے یکساں ہے، پچھلی قوموں کو تکذیب کی جو سزا مل چکی ہے وہی ان

لوگوں کے لئے بھی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

وَمِنْهُمْ (۱)	اوران میں سے بعض	كَذَّبُوْكَ	وہ جھٹلاتے ہیں آپ کو	وَمِنْهُمْ	اوران میں سے بعض
	(ایسے ہیں)	فَقُلْ	تو آپ فرمایئے		(ایسے ہیں)
مَّنْ يُّؤْمِنُ	جو (آئندہ) ایمان	لِّيْ	(کہ) میرے لئے	مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ (۲)	جوکان لگاتے ہیں
	لائیں گے	عَمَلِيْ	میرے کام (ہیں)	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
بِهٖ	اس (قرآن) پر	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے	اَفَاَنْتَ	کیا تو آپ
وَمِنْهُمْ	اوران میں سے بعض	عَمَلُكُمْ	تمہارے کام (ہیں)	تُسْمِعُ	سنائیں گے
	(ایسے ہیں)	اَنْتُمْ	تم	الصُّمَّ	بہروں (کو)
مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ	جونہیں ایمان لائیں گے	بَرِيْٓـُٔوْنَ	بری (ہو)	وَلَوْ كَانُوْا	اگرچہ وہ
بِهٖ	اس (قرآن) پر	مِمَّآ	ان (کاموں) سے جو	لَا يَعْقِلُوْنَ	وہ نہ سمجھتے ہوں
وَرَبُّكَ	اور آپ کے پروردگار	اَعْمَلُ	میں کرتا ہوں	وَمِنْهُمْ	اوران میں سے کچھ (ایسے ہیں)
اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	وَاَنَا بَرِيْٓءٌ	اور میں بری (ہوں)	مَّنْ يَّنْظُرُ	جو دیکھتے ہیں
بِالْمُفْسِدِيْنَ	مفسد لوگوں کو	مِّمَّا	ان (کاموں) سے جو	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
وَاِنْ	اور اگر	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	اَفَاَنْتَ	کیا تو آپ

(۱) هُمْ ضمیر مکذبین کی طرف راجع ہے اور مِنْهُمْ خبر مقدم ہے اور مَنْ الخ مبتدا مؤخر ہے (۲) اِسْتَمَعَ له و الیه: کان لگانا۔

بلکہ	وَّلٰکِنَّ	بلا شبہ اللہ پاک	اِنَّ اللّٰہَ	راہ دکھائیں گے	تَھْدِیْ
لوگ	النَّاسَ	ظلم نہیں کرتے	لَا یَظْلِمُ	اندھوں کو	الْعُمْیَ
اپنے اوپر	اَنْفُسَھُمْ	لوگوں (پر)	النَّاسَ	اگر چہ وہ	وَلَوْکَانُوْا
ظلم کرتے ہیں	یَظْلِمُوْنَ	ذرا بھی	شَیْئًا	نہ دیکھتے ہوں؟	لَا یُبْصِرُوْنَ

قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کی درگت بنے گی

پچھلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ اللہ پاک کی وحی کو بغیر سمجھے ٹھکرا رہے ہیں، لہٰذا اس کے انجام بد کا انتظار کریں، اب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب جھٹلانے والے انجام بد سے دوچار نہیں ہوں گے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ تو آئندہ ایمان لانے والے ہیں باقی لوگوں کی درگت بنے گی، ارشاد فرماتے ہیں —— اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو (آئندہ) قرآن پاک پر ایمان لائیں گے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے، اور آپ کے پروردگار مفسد لوگوں کو خوب جانتے ہیں —— یعنی ایمان نہ لانے والوں کو، وہی زمین میں بگاڑ پھیلانے والے ہیں، پس وہ زیادہ دنوں تک پنپ نہیں سکیں گے۔

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے:

ارشاد فرماتے ہیں —— اور اگر یہ لوگ (اس قدر سمجھانے پر بھی) آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپؐ (ان سے) فرما دیجئے کہ: ''میرا عمل میرے ساتھ ہے اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ! میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری ہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری ہوں!'' —— یعنی آپؐ فرما دیں کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا، تم سمجھانے پر بھی نہیں مانتے تو اب میرا اور تمہارا راستہ الگ ہے، اگر میں افترا پردازی کر رہا ہوں تو اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہوں تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں، اور اگر تم سچی بات کو جھٹلا رہے ہو تو میرا کچھ نہیں بگاڑتے، اپنا ہی بگاڑتے ہو۔

لوگ ہر چند سمجھانے پر بھی ایمان کیوں نہیں لاتے؟

کیا وہ نبی پاک ﷺ کی بات سنتے نہیں؟ یا آپؐ کی ذات شریفہ کو دیکھتے نہیں؟ یا پھر کیوں متأثر نہیں ہوتے؟ ارشاد فرماتے ہیں —— اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (ظاہراً تو) آپؐ کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں —— مگر ان کے دل کے کان بند ہیں —— پھر کیا آپؐ بہروں کو بات سنائیں گے گو ان کو سمجھ نہ ہو؟! —— یعنی ایک سننا تو اس

طرح کا ہوتا ہے جس طرح جانور بھی آواز سن لیتے ہیں، دوسرا سننا وہ ہوتا ہے جس میں معنی کی طرف توجہ ہو، اور دل میں یہ آمادگی ہو کہ اگر بات معقول ہوگی تو اسے مان لیا جائے گا، یہ لوگ پہلی قسم کا سننا تو سنتے ہیں لیکن اس سے فائدہ کچھ نہیں۔ مفید دوسری قسم کا سننا ہے لیکن وہ اس سے محروم ہیں ــــ جو لوگ کسی تعصب میں مبتلا ہوں یا جنہوں نے ٹھان رکھی ہو کہ اپنے عقیدوں اور طریقوں کے خلاف، اپنے نفس کی رغبتوں اور دلچسپیوں کے خلاف کوئی بات، خواہ وہ کیسی ہی معقول ہو، مان کر نہیں دینا تو وہ سب کچھ سن کر بھی کچھ نہیں سنتے، ایسے لوگ کانوں کے تو بہرے نہیں ہوتے مگر دل کے بہرے ہوتے ہیں ــــ اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو (ظاہراً تو) آپؐ کی طرف دیکھتے ہیں ــــ مگر ان کے جیسے کی آنکھیں پھوٹی ہوئی ہیں ــــ پھر کیا آپؐ اندھوں کو راہ دکھائیں گے، گو انہیں کچھ نہ دکھتا ہو؟! ــــ یعنی سر کی آنکھیں کھلی ہونے سے کچھ فائدہ نہیں، اس سے تو جانور بھی دیکھتا ہے، اصل چیز دل کی آنکھوں کا کھلا ہوا ہونا ہے، اگر یہ چیز کسی کو حاصل نہ ہو تو وہ سب کچھ دیکھ کر بھی کچھ نہیں دیکھتا۔

ان دونوں آیتوں میں گو خطاب نبی پاک ﷺ سے ہے مگر ملامت ان لوگوں کو کی جارہی ہے جن کی اصلاح کے درپے آپؐ تھے، اور ملامت اس لئے کی جارہی ہے کہ ان کا سویا ہوا ضمیر بیدار ہو اور ان کی آنکھوں، کانوں سے دل تک جانے والا راستہ کھلے، تا کہ دردمندانہ نصیحت اور خیر خواہانہ تعلیمات وہاں تک پہنچ سکیں ــــ ان آیتوں کا منشا یہ نہیں ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنی اصلاح کی سعی نہ فرمائیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے تو انہیں کان بھی دیئے ہیں اور آنکھیں بھی اور دل بھی، انھوں نے اپنی طرف سے کوئی ایسی چیز ان کو دینے میں بخل نہیں کیا جو حق و باطل کا فرق دیکھنے اور سمجھنے کے لئے ضروری ہو ــــ یقیناً اللہ پاک انسانوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے ــــ مگر لوگوں نے خواہشات کی بندگی اور دنیا کے عشق میں مبتلا ہو کر آپ ہی اپنی آنکھیں پھوڑ لی ہیں، اپنے کان بہرے کر لئے ہیں اور اپنے دلوں کو اتنا مسخ کر لیا ہے کہ ان میں بھلے برے کی تمیز، صحیح اور غلط کا فہم، اور ضمیر کی زندگی کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، ارشاد فرماتے ہیں ــــ بلکہ لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں ــــ یعنی یہ حالت اس لئے پیش نہیں آئی کہ اللہ پاک نے کسی کو اس پر مجبور کیا ہے، اگر ایسا ہوتا تو یہ ظلم ہوتا اور اللہ پاک کسی جان پر ظلم نہیں فرماتے، بلکہ خود انسان ہی اللہ پاک کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرہ بن جاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝

وَيَوْمَ[1]	اور (گھاٹے میں رہیں گے)	مِّنَ النَّهَارِ	دن کی	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
	جس دن	يَتَعَارَفُوْنَ[3]	پہنچان کرتے ہونگے وہ	بِلِقَآءِ اللّٰهِ	اللہ پاک سے ملنے کو
يَحْشُرُهُمْ	جمع فرمائیں گے ان کو	بَيْنَهُمْ	آپس میں	وَمَا	اور نہیں
كَاَنْ[2]	گویا وہ	قَدْ	بلاشبہ	كَانُوْا	تھے وہ
لَّمْ يَلْبَثُوْٓا	نہیں ٹھہرے	خَسِرَ[4]	گھاٹے میں رہے	مُهْتَدِيْنَ	کامیابی کی راہ پانے
اِلَّا سَاعَةً	مگر ایک گھڑی	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے		والے

لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کیوں کر رہے ہیں؟ دنیا کی زندگی کے غرور میں!

لوگ اپنے نفس کی رغبتوں اور دلچسپیوں کے خلاف کوئی بات، خواہ وہ کیسی ہی معقول ہو، ماننا نہیں چاہتے، لیکن جب بدمستی کے یہ چند لمحے گزر جائیں گے اور آخرت کی بے پایاں زندگی سامنے آئے گی اور پلٹ کر وہ اپنی دنیا کی زندگی پر نظر ڈالیں گے تو انہیں اپنا ماضی نہایت حقیر محسوس ہوگا، اس وقت ان کو اندازہ ہوجائے گا کہ انہوں نے اپنی دنیا کی زندگی میں تھوڑی سی لذتوں اور فائدوں کی خاطر اپنے اس دائمی مستقبل کو خراب کر کے کتنی بڑی حماقت کا ارتکاب کیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں — اور (اس دن بڑے گھاٹے میں رہیں گے) جس دن (اللہ پاک) انہیں (اپنے حضور میں) اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ گویا وہ (دنیا میں) گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے، درانحالیکہ وہ آپس میں جان پہچان کرتے ہوں! — یا مثلاً سایہ لینے کے لئے سفر میں کسی درخت کے نیچے کچھ دیر کیلئے ٹھہر گئے ہوں! — یعنی آخرت کی بے پایاں زندگی اور میدان محشر کے ہولناک مناظر دیکھ کر عمر بھر کا عیش و آرام اس قدر حقیر نظر آئے گا کہ گویا دنیا میں صرف ایک گھڑی آپس میں صاحب سلامت کرنے کیلئے ٹھہرے تھے، جس طرح چلتے چلتے کسی راہ رو سے جان پہچان کرنے کے لئے ذرا دیر کے لئے رک جایا کرتے ہیں — اس دن — بلاشبہ گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جنھوں نے اللہ پاک کی ملاقات کو جھٹلایا — یعنی اس بات کو جھٹلایا کہ ایک دن اللہ پاک کے سامنے حاضر ہونا ہے — اور نہیں تھے وہ کامیابی کی

(۱) يَوْمَ فعل محذوف کا مفعول فیہ ہے أی: يَخْسَرُ يَوْمَ الخ (۲) كَاَنْ دراصل كَاَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے ہلکا کرنے کے لئے نون کی تشدید ہٹادی گئی ہے، اس کا اسم ضمیر هُمْ محذوف ہے اور لَمْ يَلْبَثُوْا الخ خبر ہے اور پورا جملہ تشبیہ حال ہے يحشرهم کی ضمیر هم سے (۳) تَعَارُف: ایک دوسرے سے جان پہچان کرنا آپس میں صاحب سلامت کرنا اور یہ جملہ اگلے جملہ تشبیہ کا بیان ہے (روح البیان) (۴) خَسِرَ اور كَانُوا فعل ماضی ہیں مگر مستقبل کے معنی میں ہیں۔ تحقق وقوع کے لئے ماضی لائے گئے ہیں۔

راہ پانے والے — اس کا موقعہ تو ہاتھ سے چلا گیا، اب تو ہمیشہ کے لئے حسرت ہی حسرت رہے گی کہ ہائے! ساری عمر کیسی فضول اور بے کار گزری! مگر اب پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ۭ آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڤ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

وَاِمَّا (۱)	اور اگر	الَّذِيْ	(ان باتوں میں سے) جن کا	فَاِلَيْنَا (۳)	بہر صورت ہماری طرف
نُرِيَنَّكَ	دکھائیں ہم آپ کو	نَعِدُهُمْ	وعدہ کرتے ہیں ہم ان سے	مَرْجِعُهُمْ	انہیں لوٹنا (ہے)
بَعْضَ (۲)	کچھ	اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ	یا وفات دیدیں ہم آپ کو	ثُمَّ اللّٰهُ	پھر اللہ پاک

(۱) یہ دو لفظ ہیں اِنْ شرطیہ اور مَا زائدہ جو شرط کی تاکید کرتا ہے چنانچہ نُرِيَنَّكَ میں نون تاکید ثقیلہ بغیر لام تاکید کے لائی گئی ہے (۲) بَعْضَ مفعول ثانی ہے نُرِيَنَّ کا، اور ما بعد کی طرف مضاف ہے (۳) فَاِلَيْنَا شرط کا جواب ہے اور اِلَيْنَا ظرف ہے مَرْجِعُهُمْ کا۔

شَهِيْدٌ	مطلع (ہیں)	لِنَفْسِىْ	اپنے لئے	مِنْهُ	اس میں سے
عَلٰى مَا [1]	ان (کاموں) سے جو	ضَرًّا	کسی نقصان (کا)	الْمُجْرِمُوْنَ	گنہ گار؟
يَفْعَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں	وَّلَا نَفْعًا	اور نہ کسی نفع (کا)	اَثُمَّ	کیا پھر
وَلِكُلِّ	اور واسطے ہر	اِلَّا مَا	مگر جو	اِذَا مَا	جب
اُمَّةٍ	امت (کے)	شَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ پاک	وَقَعَ	ہو پڑے گا وہ
رَّسُوْلٌ	ایک پیغمبر (ہے)	لِكُلِّ	واسطے ہر	اٰمَنْتُمْ	(تب) ایمان لاؤ گے تم
فَاِذَا	پھر جب	اُمَّةٍ	امت (کے)	بِهٖ	اس پر؟
جَآءَ	آجاتا ہے	اَجَلٌ	مقررہ وقت ہے	آٰلْئٰنَ	کیا اب؟
رَسُوْلُهُمْ	ان کا پیغمبر	اِذَا جَآءَ	جب آپہنچتا ہے	وَقَدْ	اور بالتحقیق
قُضِىَ	(تو) فیصلہ کر دیا جاتا ہے	اَجَلُهُمْ	ان کا مقررہ وقت	كُنْتُمْ	تھے تم
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ [3]	تو نہ پیچھے رہتے ہیں وہ	بِهٖ	اسے
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	سَاعَةً	ایک گھڑی	تَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مانگتے!
وَهُمْ	اور وہ	وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ [4]	اور نہ آگے بڑھتے ہیں وہ	ثُمَّ قِيْلَ	پھر کہا جائے گا
لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جاتے	قُلْ	آپ فرمائیے:	لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	اَرَءَيْتُمْ	مجھے بتلاؤ	ظَلَمُوْا	ظلم کیا
مَتٰى [2]	کب (ہوگا)	اِنْ اَتٰىكُمْ	اگر پہنچے تمہیں	ذُوْقُوْا	چکھو
هٰذَا الْوَعْدُ	یہ وعدہ	عَذَابُهٗ	ان کا عذاب	عَذَابَ	سزا
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	بَيَاتًا [6]	رات میں	الْخُلْدِ	دائمی
صٰدِقِيْنَ	سچے؟	اَوْ نَهَارًا	یا دن میں	هَلْ	نہیں
قُلْ	آپ فرمائیے!	مَّاذَا	(تو) کیا چیز	تُجْزَوْنَ	بدلہ دیئے جاؤ گے تم
لَآ اَمْلِكُ	نہیں مالک ہوں میں	يَسْتَعْجِلُ	جلدی لیں گے	اِلَّا	مگر

(۱) علٰی ما الخ متعلق ہے شھید سے (۲) مَتٰی اسم ہے اور وقت دریافت کرنے کے لئے مستعمل ہوتا ہے (۳) اِسْتَاخَرَ بمعنی تَاَخَّر ہے یعنی پیچھے رہنا (۴) اِسْتَقْدَمَ آگے بڑھنا۔ (۵) بیَاتًا اور نَهَارًا مفعول فیہ ہیں۔

بِمَا	انہیں (کاموں) کا جو	ظَلَمَتْ (۳)	جس نے ظلم کیا	اِنَّ	بلاشبہ
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ	تم کمایا کرتے تھے	مَا (۴)	وہ (سب کچھ) جو	لِلّٰهِ	اللہ پاک ہی کیلئے (ہے)
وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ (۱)	اور پوچھتے ہیں وہ آپ سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے	مَا	وہ (سب کچھ) جو
اَحَقٌّ	کیا سچ (ہے)	لَافْتَدَتْ (۵)	(تو) یقیناً جان چھڑانے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں (ہے)
هُوَ	وہ؟		کے لئے دیدے وہ	وَالْاَرْضِ	اور (جو) زمین (میں ہے)
قُلْ	آپ فرمایئے	بِهٖ	اس کو	اَلَآ	سنو!
اِيْ	ہاں!	وَاَسَرُّوا	اور چھپائیں گے وہ	اِنَّ	بلاشبہ
وَ	قسم ہے	النَّدَامَةَ	پشیمانی (کو)	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ پاک کا وعدہ
رَبِّيْٓ	میرے پروردگار کی!	لَمَّا رَاَوُا	جب دیکھیں گے وہ	حَقٌّ	سچا (ہے)
اِنَّهٗ	بلاشبہ وہ	الْعَذَابَ	عذاب (کو)	وَّلٰكِنَّ	مگر
لَحَقٌّ	یقیناً سچ ہے	وَقُضِيَ	اور فیصلہ کر دیا جائے گا	اَكْثَرَهُمْ	بہت لوگ
وَمَآ اَنْتُمْ	اور نہیں (ہو) تم	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے!
بِمُعْجِزِيْنَ	عاجز کرنے والے	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	هُوَ يُحْيٖ	وہی جلاتے ہیں
وَلَوْ اَنَّ	اور اگر ہو	وَهُمْ	اور وہ	وَيُمِيْتُ	اور مارتے ہیں
لِكُلِّ (۲)	واسطے ہر	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے	وَاِلَيْهِ	اور انہی کی طرف
نَفْسٍ	شخص (کے)	اَلَآ	سنو!	تُرْجَعُوْنَ	پھیرے جاؤ گے تم!

انکار قرآن کی سزا دنیا اور آخرت میں ضرور ملے گی

انتالیسویں آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لوگ قرآن پاک کی تکذیب کے انجام بد سے ابھی تک دوچار نہیں ہوئے، اب اسی سلسلہ میں مزید وضاحت کی جا رہی ہے کہ اس کے انکار کا وبال دنیا ہی میں دیر سویر ضرور آنے والا ہے اور پوری سزا آخرت میں اس کے وقت پر عمل کر رہنے والی ہے، فرماتے ہیں — اور جن باتوں کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں خواہ اس میں سے کچھ ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دیدیں بہر صورت انھیں آنا ہمارے پاس ہی ہے، پھر اللہ پاک ان

(۱) اِسْتِنْبَاءٌ: خبر پوچھنا۔ نَبَأٌ بمعنی خبر سے بنا ہے (۲) لِكُلٍّ خبر مقدم ہے اَنَّ کی (۳) ظَلَمَتْ صفت ہے نفس کی (۴) مَافِي الخ اسم مؤخر ہے اَنَّ کا (۵) لَافْتَدَتْ جواب شرط ہے۔

سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں جو وہ کر رہے ہیں!— یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب کرنے کے جو وعدے کئے ہیں خواہ ان میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ ﷺ کی زندگی میں پورے کر کے دکھلا دئے جائیں، جیسے ''بدر'' وغیرہ میں دکھلا دیا، یا آپؐ کی وفات ہو جائے اور آپؐ کے سامنے ان میں سے بعض کا ظہور نہ ہو، بہرصورت یہ یقینی بات ہے کہ وہ سب وعدے پورے ہو کر رہیں گے— یعنی یہ کچھ ضروری نہیں کہ دعوتِ حق کی فتح مندی اور منکروں کی نامرادی نبی پاک ﷺ کی زندگی ہی میں ہو جائے، پس منکروں کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار نبی پاک کی زندگی پر ہے، آپؐ نہ رہیں گے تو کچھ نہ ہوگا۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا غلبہ کچھ تو نبی پاک ﷺ کے روبرو ہوگا، اور کچھ آپؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے نامی گرامی خلفائے راشدینؓ کے ذریعہ ہوگا— بہر حال آپؐ حیات رہیں یا نہ رہیں اللہ پاک کے کئے ہوئے وعدے ضرور پورے ہو کر رہیں گے، اور منکرین دنیا ہی میں دیر سویر ضرور سزا پائیں گے پھر انہیں اللہ پاک ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہ بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں؟ پھر وہاں ان کے سب اعمال اللہ پاک کے روبرو ہوں گے، جن کا بھرپور بدلہ چکایا جائے گا— اور یہی اللہ پاک کا دائمی قانون ہے، فرماتے ہیں— اور ہر ایک امت کے لئے رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آ جاتا ہے، تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا— یعنی جب کسی قوم کی ہدایت کے لئے رسول تشریف لاتے ہیں، اور لوگ ظلم وتشدد اور تکذیب وانکار کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس کی دعوت کو روک دیتے ہیں تو اللہ پاک دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیتے ہیں، یعنی حق فتح مند اور باطل سرنگوں ہو جاتا ہے، اور یہ فیصلہ حق وانصاف کا فیصلہ ہوتا ہے کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا— کیونکہ رسول کی دعوت کا کسی امتی تک پہنچنا اس پر اللہ پاک کی حجت کا پورا ہو جانا ہے، اس کے بعد صرف فیصلہ ہی باقی رہ جاتا ہے مزید کسی اتمام حجت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس لئے یہ فیصلہ نہایت درجہ انصاف والا فیصلہ ہوتا ہے کہ جو لوگ رسول کی بات مان لیتے ہیں اور اپنا رویہ درست کر لیتے ہیں وہ اللہ پاک کی رحمت کے حقدار قرار پاتے ہیں، اور جو لوگ اس کی بات ٹھکرا دیتے ہیں وہ عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں— اور لوگ پوچھتے ہیں کہ: ''اگر تم سچے ہو تو (بتلاؤ) یہ بات کب ہوگی؟''— یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں تم دے رہے ہو اور اسلام کی فتح مندی کے جو خواب تم دیکھ رہے ہو یہ سب جھوٹ اور بے اصل خیالات ہیں، اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے؟ بتلاؤ، آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟— آپؐ فرمائیں کہ: ''میں تو خود اپنے لئے کسی نفع نقصان کا مالک نہیں! ہاں جو اللہ پاک چاہیں''— یعنی وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں کچھ نہیں، پس مجھ سے کیا پوچھتے ہو کہ فیصلہ کب ہوگا؟ تمہیں دھمکیاں اللہ پاک نے دی ہیں اور ہم سے

وعدے بھی اللہ پاک نے فرمائے ہیں۔ پس یہ بات انہی کے اختیار میں ہے کہ فیصلہ کب فرمائیں گے اور کس صورت میں اسے تمہارے سامنے لائیں گے!

اللہ پاک کا قانونِ امہال

اور اللہ پاک کا قانون اس سلسلہ میں یہ ہے کہ — ہر ایک امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا مقررہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر وہ نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی پہلے پکڑے جاتے ہیں! — یعنی اللہ پاک جلد باز نہیں، ان کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ رسول کی دعوت پہنچنے پر جو فوراً ایمان لے آئیں وہ تو رحمت کے مستحق بنیں اور جو ماننے سے انکار کریں یا تأمل کریں ان پر فوراً عذاب کا فیصلہ نافذ فرما دیں بلکہ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اپنا پیغام پہنچانے کے بعد سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لئے کافی وقت دیتے ہیں، کبھی مہلت کا یہ زمانہ صدیوں تک دراز ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ پاک ہی یہ بات بہتر جانتے ہیں کہ کس امت کو اور کس شخص کو کتنی مہلت ملنی چاہئے، پھر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے جو سراسر انصاف کے ساتھ ان کے لئے رکھی گئی ہے، اور وہ امت اپنی باغیانہ روش سے باز نہیں آتی، تو اللہ پاک اس پر اپنا فیصلہ نافذ فرما دیتے ہیں اور یہ فیصلہ مقرر کی ہوئی مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آ سکتا ہے، اور نہ وقت آ جانے کے بعد ایک لمحہ کے لئے ٹل سکتا ہے، یہ تو اللہ پاک کا اس سلسلہ میں قانون ہے اور اسی کے مطابق عمل درآمد ہوگا مگر — آپؐ ان (جلدی مچانے والوں) سے پوچھیں کہ: ”مجھے یہ تو بتلاؤ، کہ اگر اس کا عذاب راتوں رات یا دن دہاڑے تم پر آ پڑے تو گنہگار لوگ اس میں سے کیا چیز جلدی لیں گے؟“ — کیا زمین میں دھنسنے کو پسند کریں گے یا پانی میں ڈوبنے کو؟ کیا زلزلہ کی خواہش کریں گے یا سنگ بار ہوا کو پسند کریں گے؟ — اس وقت تو وہ ہر چیز سے پناہ چاہیں گے، پھر آج ایسی کونسی خوشی اور مزے کی بات ہے کہ جس کی وجہ سے گنہگار لوگ جلدی مچا رہے ہیں؟ — کیا پھر جب وہ واقع ہو جائے گا تب تم اس کا یقین کرو گے؟ — لیکن اس وقت کا یقین کیا سودمند ہوگا؟ اس وقت تو تم سے کہا جائے گا کہ — ہاں، اب! — تمہاری عقل ٹھکانے آئی! — حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضہ کر رہے تھے! — پس اب بتلاؤ ہمارے عذاب کا مزہ کیسا ہے؟ — پھر ظلم (شرک وکفر) کرنے والوں سے کہا جائے گا کہ: ”اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو! تمہیں تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے!“ — یعنی جونہی دنیا کے عذاب نے ان کی زندگی کا قصہ نمٹایا کہ فوراً ہی آخرت کا دائمی عذاب انہیں آ پکڑے گا! — اور وہ لوگ (چونک کر) آپؐ سے دریافت کرتے ہیں کہ: ”کیا وہ — یعنی دائمی عذاب، آخرت اور مر کر زندہ ہونے کی — بات سچ ہے؟“ — یعنی بات تو چل رہی تھی دنیاوی عذاب کی، اب جو تم آخرت اور اس کے عذاب کی خبریں دینے لگے تو کیا یہ مذاق کر رہے ہو یا سچ کہہ رہے

ہو؟ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد زندہ کئے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعی ریزہ ریزہ ہونے اور خاک میں مل جانے کے بعد پھر ہمیں از سرنو زندہ کیا جائے گا؟ —— آپ فرمائیں کہ: ’’ہاں، میرے رب کی قسم! وہ بات بالکل سچ ہے! اور تم کسی طرح (اللہ پاک کو) عاجز نہیں کر سکتے‘‘ —— یعنی تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے، تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا اللہ پاک کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دیں اور شرارتوں کا مزہ چکھائیں، یہ ناممکن ہے کہ تم ان کے قبضہ سے بھاگ نکلو اور فرار ہو کر انہیں عاجز کر دو —— اور (آخرت کا عذاب اس قدر سخت ہے کہ) اگر ہر ایک ظلم (شرک وکفر) کرنے والے شخص کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ ضرور اسے اپنی جان چھڑانے کے لئے پیش کر دے —— یعنی اگر روئے زمین کے خزانے، فرض کرو، اس کے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر اللہ پاک کے عذاب سے اپنے کو بچالے —— اور جب وہ لوگ اس عذاب کو دیکھیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے —— یعنی جس آخرت اور اس کے عذاب کو عمر بھر جھٹلاتے رہے، جسے جھوٹ سمجھ کر ساری زندگی غلط کاموں میں کھپا گئے، وہی چیز جب ان کی توقعات کے بالکل خلاف اچانک سامنے آ کھڑی ہوگی تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے گی، ندامت وحسرت سے دل اندر ہی اندر بیٹھے جا رہے ہوں گے، مگر جس نے خیر خواہ کی بات مان کر نہ دی ہو، وہ دیوالہ نکلنے کے بعد اپنے سوا اور کس کی شکایت کر سکتا ہے؟ —— اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا —— اے لوگو! —— سنو! آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب بلاشبہ اللہ پاک ہی کا ہے —— اور اے لوگو! —— یاد رکھو! اللہ پاک کا وعدہ واقعی سچا ہے (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا) لیکن بہت سے آدمی یقین ہی نہیں کرتے! —— وہی جلاتے ہیں اور مارتے ہیں، اور انہی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے! —— یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ پاک کی ہے، انصاف ہو کر رہے گا، کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکے گا، نہ رشوت دے کر چھوٹ سکے گا، مگر اکثر لوگ ان باتوں کا یقین ہی نہیں کرتے، اور جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں اور جو جی میں آئے کرتے رہتے ہیں —— جلانا اور مارنا اللہ پاک ہی کا کام ہے پس ان کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے!

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	فِي الصُّدُوْرِ(۵)	دلوں میں (ہیں)	وَبِرَحْمَتِهٖ	اور اس کی مہربانی پر
قَدْ(۱)	بلاشبہ	وَهُدًى	اور راہ نمائی	فَبِذٰلِكَ	تو اسی پر
جَآءَتْكُمْ	تمہارے پاس آگئی ہے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی	فَلْيَفْرَحُوْا	چاہئے کہ خوشی منائیں
مَّوْعِظَةٌ(۲)	وعظ ونصیحت	لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	یقین کرنے والوں کیلئے	هُوَ	وہ
مِّنْ رَّبِّكُمْ(۳)	تمہارے رب کی طرف سے	قُلْ	آپ فرمائیے	خَيْرٌ	بہتر (ہے)
وَشِفَآءٌ(۴)	اور دوا	بِفَضْلِ(۶)	(خوشی مناؤ) انعام پر	مِّمَّا	ان (چیزوں) سے جو
لِّمَا	ان (بیماریوں) کی جو	اللّٰهِ	اللہ پاک کے	يَجْمَعُوْنَ	وہ اکٹھا کرتے ہیں

لوگو! قرآن پر خوشی مناؤ، ایمان لاؤ اور اس پر عمل کرو

انتالیسویں آیت میں یہ فرمایا تھا کہ لوگ اُس کتاب کو جھٹلانے پر تل بیٹھے ہیں، جسے وہ بخوبی سمجھے نہیں۔ اب ان دو آیتوں میں قرآن پاک کی خصوصیات بیان فرماتے ہیں کہ وہ کن اوصاف کی حامل کتاب ہے ارشاد فرماتے ہیں —— اے لوگو! بلاشبہ تمہارے پاس آپہنچی ہے تمہارے رب کی طرف سے:

① —— وعظ ونصیحت —— یہ قرآن پاک کا سب سے پہلا وصف ہے یعنی وہ دل میں اتر جانے والی دلیلوں دلنشیں اسلوبوں اور روح کو متأثر کرنے والے طریقوں سے اپنی بات پیش کرتا ہے، جن سے انسان کا دل نرم ہوجاتا ہے اور اللہ پاک کی طرف جھک جاتا ہے، غفلت کا پردہ چاک ہوتا ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

---

(۱) قَدْ یہاں شک کو دور کرنے اور مضمون کلام کو پختہ کرنے کے لئے آیا ہے (۲) الموعظة اسم ہے وَعَظَ (ض) وَعْظًا سے، جمع مَوَاعِظ ہے۔ موعظة: ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جس میں ڈراوا شامل ہو، دلوں میں رقت پیدا کرے اور دماغوں میں بیٹھ جائے (۳) من ربکم جَاءَ سے بھی متعلق ہوسکتا ہے اور محذوف سے متعلق ہوکر موعظة کی صفت بھی بن سکتا ہے (۴) الشفاء: الدواء جمع اَشْفِيَةٌ اور جمع الجمع اَشَافِيُ (روح) (۵) صَدْرٌ کی جمع ہے، جس کے معنی سینہ کے ہیں مگر یہاں مراد دل ہے۔ (۱) بِفَضْلِ اللّٰهِ اور برحمته درحقیقت فعل محذوف سے متعلق ہیں أی: لِيَفْرَحُوْا بِفَضْلِ الخ پھر جار مجرور کو حصر کا مفہوم پیدا کرنے کے لئے فعل پر مقدم کیا گیا ہے، پھر ليفرحوا پر فاء سببیہ داخل کی گئی ہے پس تقدیر عبارت بفضل اللّٰه وبرحمته فليفرحوا ہوگئی، پھر تاکید کے لئے اسی کے ہم معنی دوسرا جملہ لایا گیا یعنی فبذلک فليفرحوا، پھر پہلے جملے میں سے فعل فليفرحوا کو حذف کردیا گیا ہے —— پس اس ارشاد میں حصر بھی ہے اور مضمون مؤکد بھی ہے —— اور فضل خداوندی اور رحمت ربانی دونوں سے مراد قرآن پاک ہے اور اسی کی طرف ذٰلِکَ کا اشارہ ہے اور اسی کی طرف هُوَ خَيْرٌ کی ضمیر راجع ہے۔

۲ ـــ اور دل کی بیماریوں کی دوا ـــ ایک نسخۂ شفا! ـــ جو بھی اس نسخۂ اکسیر پر عمل کرے گا اس کا دل ہر قسم کی گندگیوں اور خرابیوں سے پاک صاف ہو جائے گا ـــ دل کی بیماریاں کیا ہیں؟ شرک و کفر، شک و نفاق، کینہ و حسد، ظلم وعدوان سے محبت، شر و باطل کی طرف رغبت اور بھلائیوں سے نفرت انسان کی فکری اور اخلاقی بیماریاں ہیں، جن کے لئے قرآن پاک نسخۂ شفا ہے۔

۳ ـــ اور راہ نمائی ـــ یعنی قرآن پاک لوگوں کو اللہ پاک تک پہنچنے کا اور اس کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔

۴ ـــ اور مہربانی ـــ یعنی ایک پیامِ رحمت! ـــ یقین کرنے والوں کے لئے ـــ یعنی یہ چاروں فائدے یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتے ہیں، منکرین نہ تو قرآن پاک کی نصیحتوں سے متأثر ہوتے ہیں، نہ اس سے ان کی دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے، نہ انہیں اس سے کوئی راہ ملتی ہے اور نہ ہی وہ ان کے لئے پیامِ رحمت ہے ـــ یہ فائدے صرف اس شخص کو حاصل ہوتے ہیں جو قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مان کر پڑھتا ہے ـــ اور یہ قرآن پاک کے اوصاف کا محض مدعیانہ اعلان نہیں ہے بلکہ اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل بھی خود قرآن ہے ـــ اگر ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ طبیب ہے تو اس کے دعوے کو جانچنے کا سہل ترین راستہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ ـــ اگر ہم دیکھیں کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ میں داخل ہوئے اور تندرست ہو کر نکلے تو ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے ـــ اب اس کسوٹی پر قرآن پاک کے دعوے کو جانچئے، اس کے دار الشفاء میں مؤمنوں اور متقیوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اور مسلسل ہوتی رہتی ہے اسے دیکھئے کہ وہ سب تندرست ہو گئے یا نہیں؟ عرب جاہلیت کے مریضانِ قلب و روح میں سے ابوبکر، عمر، عثمان، علی، خالد، سلمان، ابوذر، بلال، رضی اللہ عنہم وغیرہ لاکھوں روحیں تندرست ہو گئیں یا نہیں؟ پھر اب اس کے نسخۂ شفا ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے؟ پس اب ـــ آپ فرما دیجئے کہ: "لوگوں کو انعامِ الٰہی اور رحمت خداوندی پر ضرور خوشی منانی چاہئے ـــ کیونکہ ـــ وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں ـــ یعنی قرآن پاک انعامِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اس کی قدر کریں، دنیا کے چند روزہ مال و منال کی خاطر اس سے صرفِ نظر نہ کریں، حیاتِ فانی کی دلچسپیوں اور خواہشوں کی وجہ سے قرآن پاک کو پس پشت نہ ڈالیں، بلکہ تا بحدِ امکان اس پر خوشیاں منائیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ط

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰

قُلْ	آپ پوچھئے	قُلْ (۴)	پوچھو	يَفْتَرُوْنَ	باندھتے ہیں
اَرَءَيْتُمْ (۱)	تم (مجھے) بتلاؤ	آٰللّٰهُ (۵)	کیا اللہ پاک (نے)	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک پر
مَّآ اَنْزَلَ (۲)	جو اتاری (ہے)	اَذِنَ	اجازت دی ہے	الْكَذِبَ	جھوٹ
اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	لَكُمْ	تمہیں	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن کو؟
لَكُمْ	تمہارے لئے	اَمْ	یا	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
مِّنْ رِّزْقٍ (۳)	روزی	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک پر	لَذُوْ فَضْلٍ	بڑے انعام فرمانے والے ہیں
فَجَعَلْتُمْ	پھر ٹھیرا لیا ہے تم نے	تَفْتَرُوْنَ	تم جھوٹ باندھتے ہو؟	عَلَى النَّاسِ	لوگوں پر
مِّنْهُ	اس میں سے کچھ (کو)	وَمَا (۶)	اور کیا	وَلٰكِنَّ	مگر
حَرَامًا	حرام	ظَنُّ (۷)	سمجھ رکھا ہے	اَكْثَرَهُمْ	اکثر لوگ
وَّحَلٰلًا	اور (کچھ کو) حلال	الَّذِيْنَ	ان لوگوں نے جو	لَا يَشْكُرُوْنَ	شکر نہیں کرتے!

نص کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہرا لینا اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے

(قرآنِ کریم کے انعام ورحمت ہونے کی مثال)

پچھلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ قرآن پاک اللہ جل شانہ کا بہت بڑا انعام اور اس کی رحمت ہے، اللہ پاک نے اس کے ذریعہ انسانیت پر فضل وکرم فرمایا ہے، اب ایک مثال سے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) اَرَءَيْتُمْ فعل اور فاعل ہیں (۲) ما موصولہ ہے اور اَرَءَيْتُمْ کا پہلا مفعول ہے اور شرط کے معنیٰ کو متضمن ہے اس لئے فَجَعَلْتُمْ پر فاء جزائیہ آئی ہے (۳) من بیانیہ ہے (۴) قُلْ تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے (۵) جملہ آللّٰهُ الخ دوسرا مفعول ہے اَرَءَيْتُمْ کا۔ (۶) مَا استفہامیہ ہے اور مبتداء ہے۔ (۷) ظَنّ مصدر ہے اور خبر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور یوم القیامۃ اس کا مفعول ثانی ہے اور پہلا مفعول ما استفہامیہ ہے مگر چونکہ وہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے شروع میں آکر مبتدا بن گیا ہے لہٰذا اب پہلا مفعول اس کے قرینہ سے يَوْمَ القيامة سے پہلے ما محذوف مان لیں گے۔

نزول قرآن سے پہلے اقوامِ عالم کی ایک عالم گیر گمراہی یہ تھی کہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں طرح طرح کے فرضی اور وہمی قاعدے بنا لیتے تھے، اس وقت حلت وحرمت کی بنیاد علم کی کسی روشنی پر نہیں تھی بلکہ محض اوہام وخرافات پر تھی، عرب کے مشرکوں نے اپنے اوہام وخرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھہرالیا تھا۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۰۳ اور سورۃ الانعام آیات (۱۳۶-۱۴۴) میں اس کا مفصل تذکرہ ہے، ہمارے اپنے ہندوستان کے لوگوں نے اہنسا کا نام لے کر کیا کیا کچھ حرام نہیں کرلیا تھا۔ سنت، سنیاسی اور جوگیوں نے تو حرام چیزوں کی فہرست کچھ اور بڑھادی تھی اور یہی حالت دنیا کی دوسری تمام اقوام کی بھی تھی۔

ایسے میں قرآن پاک نے نازل ہوکر نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی، اس نے اعلان کیا کہ زمین میں جتنی اچھی چیزیں اللہ پاک نے پیدا فرمائی ہیں، وہ سب اس لئے ہیں کہ انسان انہیں برتے، قرآن پاک نے واضح کیا کہ کھانے پینے کی تمام چیزوں میں اصل اباحت ہے نہ کہ حرمت یعنی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں، الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز کو حرام ٹھہرادیا ہو، اور اللہ پاک نے صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو خبائث یعنی مضر اور گندی ہیں باقی سب چیزیں طیبات یعنی پاکیزہ اور ستھری ہیں، اور اللہ پاک کے سوا اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو حرام ٹھہرادے — پس یہ کس قدر عظیم انعام خداوندی اور رحمت ربانی ہے، جو قرآن پاک کی شکل میں لوگوں کو ملی ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں — آپ ان لوگوں سے پوچھیں: ''بتلاؤ جو روزی اللہ پاک نے تمہارے لئے اتاری ہے، پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال ٹھہرالیا ہے، آپ پوچھیں: — کیا اللہ پاک نے تم کو (اس کی) اجازت دی ہے یا تم اللہ پاک کے نام پر جھوٹ باندھتے ہو؟'' — یعنی کیا اللہ پاک نے تم کو اپنی بخشی ہوئی روزی میں اس کے استعمال کی حدود وقوانین اور ضوابط بنا لینے کا مجاز کردیا ہے، یا تم نے محض اپنے اوہام وخیالات سے کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام ٹھہرا لیا ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو براہِ کرم اس کی سند دکھاؤ، ورنہ پھر تمہاری یہ حرکت بجز افترا پردازی کے اور کیا ہوسکتی ہے؟

شریعت سازی کرنے والے قیامت سے ڈریں

ارشاد فرماتے ہیں: — اور جو لوگ اللہ پاک کے پر نام جھوٹ باندھتے ہیں انھوں نے قیامت کے دن کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ — کیا بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے؟ انہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ اس دن ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ — انھیں کچھ احساس بھی ہے کہ یہ کتنا سخت جرم ہے، روزی اللہ پاک کی ہے وہ خود بھی اللہ پاک کے ہیں، پھر یہ حق آخر انھیں کہاں سے حاصل ہوگیا کہ اللہ پاک کی بخشی ہوئی روزی میں خود حد بندیاں شروع کردیں — کیا ان کی یہ آزادی اور خود مختاری قیامت کے دن بخش دی جائے گی؟ اور ان کی من مانی حرکتوں سے درگزر کردیا جائے گا؟ کیا ان کی سخت پکڑ نہیں کی جائے

گی؟— بلاشبہ اللہ پاک لوگوں پر بڑے انعام فرمانے والے ہیں— انہوں نے اپنے فضل وکرم ہی سے انسانوں کی راہنمائی کے لئے ہمیشہ وحی بھیجی ہے، اور اب قرآن پاک جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی ہے اور اس کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا ہے— مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے— اللہ پاک کی وحی نے علم ویقین کی جو روشنی پیش کی ہے اسے اپنے سامنے نہیں رکھتے بلکہ ہدایت وبصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر اپنے اوہام وخیالات کے اندھیروں میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اللہ پاک کے فضل وانعام کی ناقدری کرتے ہیں!

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

وَمَا	اور نہیں	مِنْ قُرْاٰنٍ (۵)	قرآن میں سے	شُهُوْدًا	معائنہ کرنے والے
تَكُوْنُ (۱)	ہوتے آپ	وَّلَا	اور نہیں	اِذْ (۹)	جب
فِيْ شَاْنٍ (۲)	کسی بڑے کام میں	تَعْمَلُوْنَ (۶)	کرتے تم لوگ	تُفِيْضُوْنَ	مصروف ہوتے ہو تم
وَّمَا	اور نہیں	مِنْ عَمَلٍ	کوئی کام	فِيْهِ	اس (کام) میں
تَتْلُوْا (۳)	تلاوت فرماتے آپ	اِلَّا كُنَّا (۷)	مگر ہوتے ہیں ہم	وَمَا يَعْزُبُ (۱۰)	اور نہیں اوجھل ہوتی
مِنْهُ (۴)	اس (بڑے کام) کیلئے	عَلَيْكُمْ (۸)	تمہارا	عَنْ رَّبِّكَ	آپ کے پروردگار سے

(۱) تَكُوْنُ کا اسم ضمیر ہے اور خبر فی شأن ہے (۲) شأن مصدر ہے باب فتح کا اور اسم مفعول کے معنی میں ہے، شَأَنَهُ يَشْأَنُه شَأْنًا: ارادہ کرنا (۳) تتلوا جمع کا صیغہ نہیں ہے بلکہ فعل مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور آخر میں الف اسی قاعدہ سے لکھا گیا ہے جسکا تذکرہ آیت ۲۵ کے حاشیہ میں کیا گیا ہے (۴) منه کی ضمیر شأن کی طرف راجع ہے اور من اجلیہ ہے (۵) من قرآن مفعول ہے تتلوا کا (۶) فعل مضارع کی نفی جب ما کے ذریعہ کی جاتی ہے تو وہ حال کے معنی کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے اور جب لا کے ذریعہ کی جاتی ہے تو وہ استقبال کے معنی کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے (روح) (۷) پچھلی تینوں نہیوں کے لئے یہ اثبات ہے جس کا مقصد حصر کا مفہوم پیدا کرنا ہے (۸) علیکم متعلق ہے شهود سے (۹) اِذْ ظرف ہے شهودًا کا (۱۰) عَزَبَ (ن،ض) عُزُوْبًا: دور ہونا، غائب ہونا پوشیدہ ہونا۔

وَلَا	اور نہ	وَلَآ	اور نہ	مُّبِيْنٍ	(لکھی ہوئی ہے)
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنْ ذٰلِكَ	اُس (ذرہ) سے	فِيْ كِتٰبٍ	روشن کتاب میں
ذَرَّةٍ		وَلَآ اَصْغَرَ [2]	اور نہ کوئی چھوٹی چیز	اِلَّا [3]	مگر
مِنْ مِّثْقَالِ [1]	کوئی ذرہ برابر چیز	فِي السَّمَآءِ	آسمان میں	اَكْبَرَ	بڑی (اس سے)

لوگوں کی ہر بھلائی برائی اللہ پاک کے سامنے ہے،

پس نیکوکار خوشیاں منائیں اور بدکار اپنی خیر منائیں

پچھلی آیتوں میں آپ نے پڑھا کہ قرآن پاک کی صورت میں اللہ پاک نے لوگوں پر بہت بڑا کرم فرمایا ہے نیز اللہ پاک کا یہ ارشاد بھی آپ نے سنا کہ: "اکثر لوگ شکر نہیں کرتے!" اب ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اور آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والے امتی قرآن پاک کے ذریعہ جو بھی دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہیں وہ سب اللہ پاک کے حضور میں ہے اور لوگ جو بھی اچھی یا بری روش اختیار کرتے ہیں وہ بھی اللہ پاک کی نظر میں ہے، اللہ پاک کائنات کے ذرے ذرے سے پوری طرح باخبر ہیں، پس کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہماری محنتوں کو کوئی دیکھنے والا نہیں، اور کوئی اس زعم باطل میں مبتلا نہ رہے کہ ہم پر کوئی پاسبان نہیں ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں، ارشاد فرماتے ہیں — اور آپ جس بڑے کام میں بھی (مشغول) ہوتے ہیں، اور اس مقصد کی خاطر جب بھی قرآن پاک میں سے کچھ تلاوت فرماتے ہیں، اور (لوگو!) تم جو بھی کام کرتے ہو، تو ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں جب تم ان کاموں میں مصروف ہوتے ہو! — یعنی ہمارے رسول اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مؤمنین، قرآن پاک کی تبلیغ اور لوگوں کی اصلاح کے لئے جس تن دہی، جاں فشانی اور صبر وتحمل سے کام کرتے ہیں وہ سب ہماری نظر میں ہے، نیز لوگ داعیٔ حق اور خیر خواہ خلق کی اصلاحی کوششوں کے مقابلے میں جو بھی موقف اختیار کرتے ہیں وہ بھی ہماری نظر کے سامنے ہے، ہم سب کے احوال سے پوری طرح باخبر ہیں — اس میں نبی پاک ﷺ اور مؤمنوں کی تسکین کا سامان ہے اور مخالفوں کو دھمکی دی گئی ہے، یعنی ایسے پر خطر کام پر مأمور کر کے اللہ پاک نے نبی پاک ﷺ اور مؤمنوں کو تنہا نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ پاک اس سے باخبر ہیں، پس مخالفین یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کی حرکتوں کو کوئی دیکھنے والا نہیں اور کبھی ان کے کرتوتوں پر باز پرس نہ ہوگی — اور آپ کے پروردگار سے کوئی

(۱) من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے ہے اور یَعْزُبُ کا فاعل ہے (۲) لا نفی جنس کا ہے اَصْغَرَ اور اَكْبَرَ اس کے اسم ہیں، فِيْ كِتٰبٍ محذوف متعلق ہو کر اس کی خبر ہے (۳) اِلَّا نفی کے بعد اثبات ہے جو حصر کر رہا ہے۔

ذرہ برابر چیز او جھل نہیں، زمین میں نہ آسمان میں، اور اس سے چھوٹی یا بڑی جو بھی چیز ہے وہ روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے — یعنی مؤمنوں کی ہر چھوٹی بڑی قربانی اور مخالفوں کی ہر حرکت اللہ پاک کے سامنے ہے، وہاں کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا، ہر عمل کی جزاء وسزا مل کر رہے گی، پس اللہ پاک کے دوست خوش ہو جائیں! اور دشمن اپنی خیر منائیں!

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

اَلَآ اِنَّ	سنو! بلاشبہ	وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ	اور پرہیز گار بنے رہے	الْعَظِيْمُ	بڑی
اَوْلِيَآءَ [1]	دوست	لَهُمُ [3]	ان کے لئے (ہے)	وَلَا يَحْزُنْكَ	اور نہ رنجیدہ کریں آپکو
اللّٰهِ	خدا تعالیٰ کے	الْبُشْرٰى	خوشخبری	قَوْلُهُمْ	ان کی باتیں
لَا خَوْفٌ	نہیں خوف (ہے)	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں	اِنَّ الْعِزَّةَ	بلاشبہ عزتیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	وَفِي الْاٰخِرَةِ	اور آخرت میں	لِلّٰهِ	اللہ پاک کے واسطے (ہیں)
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	لَا تَبْدِيْلَ [4]	نہیں بدلنا ہے	جَمِيْعًا [5]	ساری
يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہوں گے	لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ	ارشادات خداوندی (کو)	هُوَ السَّمِيْعُ	وہ خوب سننے والے
الَّذِيْنَ [2]	(یہ وہ لوگ ہیں) جو	ذٰلِكَ هُوَ	یہ (ہے) وہ	الْعَلِيْمُ	اچھی طرح جاننے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	الْفَوْزُ	کامیابی		والے (ہیں)

قرآنِ کریم کے ذریعہ دین کی محنت کرنے والوں کا تذکرہ

پچھلی آیتوں میں دو طرح کے لوگوں کا اجمالی تذکرہ آیا ہے، ایک قرآن پاک کے ذریعہ دین کی محنت کرنے والوں کا، دوسرے قرآن پاک کے منکروں کا — اب ان آیتوں میں پہلی قسم کے لوگوں کا مفصل حال بیان کیا جاتا ہے —

(۱) وَلِيٌّ کی جمع ہے: دوست، مقرب، وَلِيَ (س) وَلْيًا: قریب ہونا، متصل ہونا (۲) الَّذِيْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، أی هم الذين (۳) لَهُمْ خبر مقدم ہے (۴) تَبْدِيْل مصدر ہے اور لا کا اسم ہے (۵) جميعًا حال ہے العزة سے۔

سنو! بلاشبہ مقربانِ الٰہی کے لئے نہ تو کسی قسم کا اندیشہ ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے — یعنی آخرت میں انہیں محشر کے ہولناک احوال کا کوئی خوف نہیں ہوگا، اور نہ موت کے وقت اور موت کے بعد دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے — غور کیجئے! کیا ارشاد فرمایا؟ یہ فرمایا کہ: ''مقربانِ الٰہی کے لئے کسی قسم کا اندیشہ نہیں'' یہ نہیں فرمایا کہ وہ ڈریں گے نہیں، کیونکہ جب وہ خوفناک احوال سے دوچار ہوں گے تو قدرتی طور پر ڈریں گے، مگر چونکہ نفس الامر میں ان کے لئے کوئی اندیشہ والی بات نہیں، اس لئے اللہ پاک اپنے فرشتوں کے ذریعہ ان کی تسلی فرمائیں گے۔

موت کا منظر اتنا ڈراؤنا ہے کہ پتّا پانی ہوجاتا ہے، قبر کی منزل اس سے بھی زیادہ سخت ہے، قیامت کی بڑی گھبراہٹ پھر میزان وحساب اور پل صراط کی منزل انسان کو وارفتہ بنادے گی، لیکن اللہ پاک کے مقرر کئے ہوئے فرشتے ان تمام مواقع میں مقربانِ الٰہی کو تسلی دیں گے کہ آپ لوگ مطمئن رہیں، آپ لوگوں کے لئے ڈر اور اندشیہ والی کوئی بات نہیں — یہ لوگ دنیا کے چھوٹ جانے پر بالکل رنجیدہ نہیں ہوں گے، یعنی آزردگی کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوگا۔

مقربانِ الٰہی کون لوگ ہیں؟

(یہ وہ لوگ ہیں) — جو ایمان لائے اور پرہیز گار بنے رہے — یعنی ہر متقی مؤمن اللہ پاک کا ولی ہے — پرہیز گار بنے رہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کبھی بھی ان سے کسی گناہ کا صدور نہ ہو، یہ شان تو معصوموں کی ہے، بلکہ گناہ ہوجانے پر اگر بندہ توبہ واستغفار کرے اور اس پر انابت وندامت طاری ہوجائے تو اس گناہ کا دھبہ دھل جاتا ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: ''گناہ سے توبہ کرنے والا بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہیں'' (ابن ماجہ) بعض روایات میں ہے کہ: ''آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہوجاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت تھا''

بلکہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور گناہوں کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھل جاتے ہیں بلکہ توبہ کرنے والا بندہ اللہ پاک کا محبوب اور پیارا ہوجاتا ہے اور اس کی توبہ سے اللہ پاک کو بے حد خوشی ہوتی ہے — انہیں کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے! — دنیا میں تو انہیں سب سے بڑی خوش خبری یہ دی گئی ہے کہ آخرت میں ان کے لئے نہ تو کسی قسم کا اندیشہ ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، پھر موت کے قریب فرشتے ان کو جنت کی بشارت سناتے ہیں، نیز سچے اور مبارک خواب بھی انہیں نظر آتے ہیں یا ان کے لئے دوسرے بندگانِ خدا کو دکھائے جاتے ہیں، تائید ربانی اور امدادِ خداوندی سے ان کی بگڑی بنا کرے گی اور لوگوں میں ان کی نیک نامی کا شہرہ ہوگا — اور آخرت میں ان کے لئے جنت کی خوش خبری ہے اور دیدارِ خداوندی کی بشارت۔

ایمان وتقویٰ کی راہ سعادت کی راہ ہے، جس کے قدم بھی اس راہ میں جم گئے اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی!

اللہ پاک کے ارشادات اٹل ہیں —— ان کی باتیں سچی، اوران کے وعدے پکے ہیں، پس وہ جو بشارتیں اپنے دوستوں کو دیتے ہیں وہ ضرور پوری ہوکر رہیں گی —— یہی بڑی کامیابی ہے! —— اس سے بڑھ کر کوئی فیروزمندی نہیں، پس جولوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔

لیکن اس ماحول میں جہاں لوگوں کی اکثریت اللہ پاک کی نعمتِ قرآن کی ناشکری کرنے والی ہو، کچھ لوگوں کا پرہیزگار بنے رہنا کس قدر مشکل کام ہے؟! ایسے ماحول میں دیندار بنے رہنا اپنے آپ کو لوگوں کے طعن وتشنیع اور تمسخر واستہزاء کا نشانہ بنالینا ہے، سارا ماحول ایسے لوگوں کو ذلیل وحقیر سمجھنے لگتا ہے، اس لئے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں —— اور آپ لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہوں —— ان احمقوں اور شریروں کی حرکتوں سے رنجیدہ نہ ہوں —— عزتیں ساری اللہ پاک ہی کے لئے ہیں —— پس وہ جسے عزت بخشیں وہی معزز ہے اور جو ان کی نگاہ میں ذلیل ہے وہ کبھی عزت مآب نہیں ہوسکتا —— عزت نام ہے مقبولیت عنداللہ کا، جو اللہ پاک کے یہاں مقبول ہے وہی معزز ہے، قبولیت عندالناس کا نام عزت نہیں کہ لوگ اچھا سمجھیں تو ہم اچھے ہوجائیں اور وہ برا سمجھنے لگیں تو ہم برے ہوجائیں، کیونکہ عزت ہماری اور تابع دوسروں کے، اور تابع بھی ان کے تخیل کے، ایسی عزت کیا خاک عزت ہے! یہ تو اپنے تخیل کا پیٹ بھرنا ہے —— وہ خوب سننے والے اچھی طرح جاننے والے ہیں —— پس وہ خود ہی مقربانِ الٰہی کے ساتھ نازیبا برتاؤ کرنے والوں سے وقت پر نمٹ لیں گے۔

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِي ٱلْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُرَكَآءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ ٱلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَٱلنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا۟ ٱتَّخَذَ ٱللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَٰنَهُۥ ۖ هُوَ ٱلْغَنِيُّ ۖ لَهُۥ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلْأَرْضِ ۚ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَٰنٍۭ بِهَٰذَآ ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَٰعٌ فِي ٱلدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا

مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ع ۱۲

اَلَآ اِنَّ	سنو! بلاشبہ	لَكُمُ	تمہارے لئے	مَا	جو
لِلّٰهِ (۱)	اللہ پاک کے لئے (ہیں)	الَّيْلَ	رات	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے
مَنْ	جو	لِتَسْكُنُوْا	تاکہ چین پاؤ تم	وَمَا	اور جو
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	فِيْهِ	اس میں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہے
وَمَنْ (۲)	اور جو	وَالنَّهَارَ	اور دن	اِنْ	نہیں (ہے)
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	مُبْصِرًا	دکھلانے والا (روشن)	عِنْدَكُمْ	تمہارے پاس
وَمَا يَتَّبِعُ (۳)	اور نہیں پیروی کرتے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	بلاشبہ اس میں	مِّنْ سُلْطٰنٍ (۶)	کوئی دلیل
الَّذِيْنَ	(وہ لوگ) جو	لَاٰيٰتٍ	یقیناً نشانیاں (ہیں)	بِهٰذَا	اس (قول) کی
يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں	لِّقَوْمٍ	ان کے لئے جو	اَتَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہو تم
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے سوا	يَّسْمَعُوْنَ	سنتے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک کے متعلق
شُرَكَآءَ	شریکوں (کو)	قَالُوا	کہتے ہیں وہ	مَا	(وہ بات) جو
اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	نہیں پیروی کرتے وہ	اتَّخَذَ	بنالی	لَا تَعْلَمُوْنَ	تم جانتے نہیں؟
اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان (کی)	اللّٰهُ	اللہ پاک (نے)	قُلْ	فرمایئے:
وَاِنْ هُمْ	اور نہیں (ہیں) وہ	وَلَدًا	اولاد	اِنَّ الَّذِيْنَ	بلاشبہ جو لوگ
اِلَّا يَخْرُصُوْنَ	مگر اٹکلیں دوڑاتے	سُبْحٰنَهٗ (۴)	اللہ پاک ہیں	يَفْتَرُوْنَ	باندھتے ہیں
هُوَ الَّذِيْ	وہی جنھوں نے	هُوَ الْغَنِيُّ	وہ تو بے نیاز (ہیں)	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
جَعَلَ	بنائی	لَهٗ (۵)	انہی کی ملک (ہے)	الْكَذِبَ	جھوٹ

(۱) لِلّٰهِ خبر مقدم ہے اِنَّ کی (۲) مَنْ مبتدا ہے اور فِي السَّمٰوٰتِ محذوف سے متعلق ہوکر خبر ہے، پھر پورا جملہ اِنَّ کا اسم مؤخر ہے (۳) مَا نفی ہے اور اِلَّا الظَّنَّ اثبات کے لئے ہے، دونوں سے حصر پیدا ہوا ہے، اور جملہ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ فاعل ہے يَتَّبِعُ کا اور شُرَكَآءَ مفعول ہے يَدْعُوْنَ کا اور اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ تکرار ہے مَا يَتَّبِعُ کی۔ (۴) سُبْحَان مصدر ہے اور لازم الاضافت ہے اور اس کے عامل کا محذوف رکھنا واجب ہے (۵) لَهٗ خبر مقدم ہے اور جملہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ مبتداء مؤخر ہے (۶) مِن زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور مِنْ سُلْطٰنٍ مبتدا مؤخر ہے اور عِنْدَكُمْ خبر مقدم ہے اور بِهٰذَا متعلق ہے سُلْطٰنٍ سے۔

سزا	اَلۡعَذَابَ	ہماری طرف (ہے)	اِلَيۡنَا	کامیاب نہیں ہوں گے وہ	لَا يُفۡلِحُوۡنَ
سخت	الشَّدِيۡدَ	انہیں پلٹنا	مَرۡجِعُهُمۡ	چند روزہ مزے ہیں	مَتَاعٌ
اس کفر کے بدلے میں جو	بِمَا	پھر	ثُمَّ	دنیا میں	فِى الدُّنۡيَا
وہ کیا کرتے تھے!	كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ	چکھائیں گے ہم انہیں	نُذِيۡقُهُمُ	پھر	ثُمَّ

جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے

جو لوگ قرآن پاک کے ذریعہ دین کی محنت کرتے ہیں یعنی اسکے ذریعہ خود سنورتے ہیں اور دوسروں کو سنوارتے ہیں ان کا مفصل حال آپ نے پڑھ لیا، اب دوسرے لوگوں کا حال پڑھئے جو قرآن پاک کے مخالف اور منکر ہیں —— جس طرح اُنہیں دنیوی اور اخروی بشارتیں دی گئی تھیں، اسی طرح اِنہیں بھی مژدہ سنایا جاتا ہے کہ تم کبھی بھی فلاح نہیں پاؤ گے اور آخرت میں تمہیں سخت سزا ملنے والی ہے —— کس جرم میں؟ شرک وکفر کی پاداش میں! کیونکہ یہ ایک غیر علمی عقیدہ ہے، پھر اس میں شان ربانی میں گستاخی بھی ہے اس لئے وہ اسی سزا کے حقدار ہیں —— سنو! بلاشبہ آسمانوں میں اور زمین میں بسنے والے سبھی اللہ پاک کے مملوک ہیں اور جو لوگ اللہ پاک کے علاوہ شریکوں کو پوجتے ہیں وہ نرے وہم وگمان کے پیرو ہیں، اور وہ اٹکلیں ہی دوڑاتے ہیں —— یعنی کل زمین وآسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے، سب جن وانس اور فرشتے اسی کے مملوک اور مخلوق ہیں، مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انہیں خدائی کا حصہ دار بنانا محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں، کیونکہ جو چیزیں مملوک ہیں، بندے ہیں، نوکر ہیں، اور زیردست ہیں وہ مالک، خدا، آقا اور زبردست کیسے بن سکتی ہیں؟ —— اور مشرکوں کی میتھالوجی (مذہبیات) میں شرک کے جواز پر جو دلائل دیئے گئے ہیں وہ دلائل نہیں ہیں، صرف قیاس آرائیاں ہیں، شرک یعنی یہ ماننا کہ کچھ قوتیں ایسی ہیں جو اگر چہ ہیں تو مخلوق مگر تخلیق وفرمانروائی، رزق رسانی وحاجت روائی میں خالق کائنات کے ساتھ شریک ہیں، اس کا کوئی عقلی ثبوت موجود نہیں، اس کی بنیاد در حقیقت وہم، جہالت اور اعجوبہ پرستی پر ہے، بھلا یہ بات کس طرح عقل میں آسکتی ہے کہ اللہ پاک کی پیدا کردہ اور پروردہ ہستیاں اس کے اقتدار وفرمانروائی میں شریک ہو جائیں؟ جب کہ وہ اس کے آگے دست نگر بھی ہوں! —— انہی نے تمہارے لئے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں چین پاؤ، اور روشن دن بنایا ہے، بلاشبہ ان میں یقیناً بڑی بڑی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کیلئے جو سنتے ہیں! —— یعنی رات اور دن کا یہ انقلاب دراصل سورج اور زمین کی نسبتوں میں باضابطہ تغیر کی وجہ سے رونما ہوتا ہے اور اس میں بڑی حکمت ہے، زمینی مخلوقات کی بے شمار مصلحتیں اسی گردش لیل ونہار کے ساتھ وابستہ ہیں، اس میں ربوبیت، رحمت اور پروردگاری کی علامتیں بھی پائی جاتی ہیں، کیونکہ اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ جس

ہستی نے زمین پر یہ موجودات پیدا کی ہیں وہی خود ان کے وجود کی ضروریات بھی فراہم کرتی ہے، شب و روز کا یہ نظام ساری کائنات پر غالب اقتدار رکھنے والی ہستی کے وجود کی صریح علامت بھی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذات حکیم ہے اور بامقصد کام کرتی ہے، پس جب وہی محسن و مربی ہے تو عبادت کی مستحق ذات بھی وہی ہے ــــ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گردش لیل ونہار کے تحت جو کوئی بھی ہے، وہ پروردگار نہیں ہے بلکہ پروردہ ہے، آقا نہیں ہے بلکہ غلام ہے ــــ لیل ونہار کے اس نظام سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح کام کرنے کیلئے روشن دن بنایا ہے اور آرام کرنے کیلئے رات رکھی ہے، اسی طرح یہ دنیا جو کام کرنے کا وقت ہے اس کا مسلسل باقی رہنا کسی طرح حکمت کا تقاضا نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے بعد سکون پانے کے لئے آخرت کی جاودانی زندگی ضروری ہے ــــ لیکن یہ بڑی بڑی نشانیاں اور پکے دلائل صرف انہی لوگوں کی سمجھ میں آسکتے ہیں جو قرآن پاک کی باتوں کو کھلے کانوں سنیں اور آنکھوں پر سے تعصب کی پٹیاں اتاریں!

لیکن مشرکوں کی حالت یہ ہے کہ وہ پہلے تو تلاش حقیقت کی بنیاد وہم وگمان پر رکھتے ہیں اور پھر تعصب کی وجہ سے کسی کی معقول بات سننے کیلئے بھی آمادہ نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے خود ان کیلئے حقیقت کو پالینا تو ناممکن تھا ہی، نبی پاک ﷺ کی پیش کردہ باتوں کو جانچ کر صحیح رائے پر پہنچنا بھی ناممکن ہوگیا ہے! ــــ وہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ پاک نے اولاد بنا رکھی ہے'' ــــ مکہ شریف کے مشرک کہتے تھے کہ اللہ پاک نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا رکھا ہے، عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ پاک نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے، کچھ یہودی عُزیر علیہ السلام کو اللہ پاک کا بیٹا قرار دیتے ہیں ــــ سبحان اللہ! ــــ کیسی سخت بات کہی ہے؟ اللہ پاک تو ہر عیب سے منزہ ہیں! ــــ سبحان اللہ کلمہ تعجب کے طور پر بھی اظہار حیرت کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی اسکے لغوی معنی مراد ہوتے ہیں، یہاں یہ دونوں باتیں مراد ہیں، لوگوں کے قول پر حیرت کا اظہار بھی کرنا ہے اور انکی بات کا جواب بھی دینا ہے کہ اللہ پاک تو بے عیب ہیں، ان کی طرف اولاد کی نسبت کس طرح صحیح ہوسکتی ہے (روح)

جو لوگ اللہ پاک کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں وہ یا تو ان کے لئے صُلبی اولاد مانتے ہونگے یا گود لی ہوئی اولاد مانتے ہوں گے، پہلی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ پاک بھی انسانوں کی طرح جنسی میلانات رکھتے ہیں، ان کا بھی کوئی جوڑا ہے، اور ان دونوں کے جنسی تعلق سے انکی اولاد ہوئی ہے، اور دوسری صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ پاک نے کسی کو گود یا تو اس لئے لیا ہے کہ وہ ان کا وارث بنے، اور اس نقصان کی کچھ تلافی کردے جو انہیں بے اولاد رہنے کی وجہ سے پہنچ رہا ہے یا اس لئے گود لیا ہے کہ اللہ پاک بھی جذباتی میلانات رکھتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں اپنے بے شمار بندوں میں سے بعض

کے ساتھ کچھ ایسی محبت ہوگئی ہے کہ انہیں اولاد بنالیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس عقیدے کی صورت میں اللہ پاک پر بہت سے عیوب، بہت سی کمزوریوں اور بہت سے احتیاجوں کی تہمت لگ جاتی ہے حالانکہ اللہ پاک تمام عیوب اور کمزوریوں سے پاک ہیں —— وہ تو بے نیاز ہیں! —— کسی کے محتاج نہیں ہیں بلکہ سب انہیں کے ہر وقت محتاج ہیں پھر انہیں اولاد کی کیا حاجت ہے؟ —— آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب انہی کی ملک ہے! —— پس مالک اور مملوک کے درمیان خالق اور مخلوق کے مابین ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے؟ —— تمہارے پاس اس بات کی کوئی بھی دلیل نہیں —— محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بے سند بات کہتے ہو —— کیا تم اللہ پاک کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟! —— یعنی اول تو بات بے دلیل اور محض جھوٹی اور پھر وہ بھی اللہ پاک کی شان میں! سوچو، یہ کیسے روا ہے؟ —— آپؐ (انہیں) مطلع کردیں کہ: ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے!'' —— یعنی اللہ پاک پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں، اور اپنے سازوسامان پر مغرور ہوں لیکن انہیں حقیقی بھلائی اور سچی کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی —— اور تم جو انہیں دنیا میں خوب کامیاب اور راحت وآرام میں دیکھتے ہو تو —— (یہ) دنیا میں چند روزہ مزے کرنا ہے! —— جو بہت جلد ختم ہوجائے گا —— پھر انہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے، پھر ہم انہیں اس کفر کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے سخت سزا چکھائیں گے! —— پس یہ چند روزہ عیش کیا خاک کامیابی ہے؟ کیف ومستی کے یہ چند لمحے، جب طلسمِ خیال ٹوٹے گا، اور خود فریبی سے پیچھا چھوٹے گا تو یہ ایک خواب معلوم ہوں گے! اور اس کے بعد پھر وہی جہنم ہے، اسی میں سسکتے رہنا ہوگا!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

وَاتْلُ	اور پڑھ کر سنایئے	فَاَجْمِعُوْٓا (۵)	سو تم جمع کرلو	مِّنْ اَجْرٍ (۱۶)	کوئی اجرت!
عَلَيْهِمْ	انہیں	اَمْرَكُمْ (۶)	اپنی چالیں	اِنْ اَجْرِيَ	نہیں میرا حق محنت
نَبَاَ	اہم واقعہ	وَشُرَكَآءَكُمْ (۷)	تمہارے شریکوں کے	اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	مگر اللہ پاک پر
نُوْحٍ	نوح (علیہ السلام) کا		ساتھ (مل کر)	وَاُمِرْتُ	اور مجھے حکم دیا گیا ہے
اِذْ قَالَ (۱)	جب (انھوں نے) کہا	ثُمَّ لَا يَكُنْ	پھر نہ رہے	اَنْ اَكُوْنَ	کہ رہوں میں
لِقَوْمِهٖ	اپنی برادری سے:	اَمْرُكُمْ (۸)	تمہارا منصوبہ	مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	فرمانبرداروں میں
يٰقَوْمِ	اے برادرانِ قوم!	عَلَيْكُمْ (۹)	تم پر	فَكَذَّبُوْهُ	پھر ان لوگوں نے اس
اِنْ كَانَ	اگر ہوا (ہے)	غُمَّةً (۱۰)	ڈھکا چھپا		کو جھٹلایا
كَبُرَ (۲)	دشوار	ثُمَّ (۱۱) اقْضُوْٓا (۱۲)	پھر چکا دو تم	فَنَجَّيْنٰهُ	تو ہم نے نجات دی
عَلَيْكُمْ	تم پر	اِلَيَّ	مجھے		اس کو
مَّقَامِيْ (۳)	میرا قیام	وَلَا	اور نہ	وَمَنْ	اور (ان لوگوں کو) جو
وَتَذْكِيْرِيْ	اور میرا نصیحت کرنا	تُنْظِرُوْنِ (۱۳)	مہلت دو تم مجھے!	مَّعَهٗ (۱۷)	اس کے ساتھ (تھے)
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ پاک کی آیتوں کے	فَاِنْ (۱۴)	پھر اگر	فِي الْفُلْكِ	کشتی میں
	ذریعہ	تَوَلَّيْتُمْ	تم نے منہ موڑا	وَجَعَلْنٰهُمْ	اور بنایا ہم نے ان کو
فَعَلَى اللّٰهِ (۴)	تو اللہ تعالیٰ (ہی) پر	فَمَا (۱۵)	تو نہیں	خَلٰٓئِفَ	جانشیں
تَوَكَّلْتُ	بھروسا کیا میں نے	سَاَلْتُكُمْ	مانگی میں نے تم سے	وَاَغْرَقْنَا	اور ڈبو دیا ہم نے

(۱) اِذْ بدل اشتمال ہے نَبَاَ سے (۲) كَبُرَ خبر مقدم ہے کان کی اور مَقَامِيْ مع اپنے معطوف کے اسم مؤخر ہے (۳) مَقَام مصدر میمی ہے (۴) عَلَى اللّٰهِ متعلق ہے تَوَكَّلْتُ سے اور جملہ اِنْ كَانَ کی جزاء ہے (۵) أَجْمَعَ أَمْرَهُ: جعله مجموعا بعد ماكان متفرقا (روح) اور یہ معطوف ہے جزاء پر (۶) المراد بالامرهنا نحو المكروالكيد (روح) (۷) واو بمعنی مَعَ ہے اور یہ اجمعوا کا مفعول معہ ہے (۸) اَمرکم اسم ہے لایکن کا (۹) علیکم متعلق ہے غُمَّةً سے (۱۰) غُمَّة: تاریک، مشتبہ، پوشیدہ۔ غَمَّ الشيئ: اس چیز کو چھپادیا — اور یہ خبر ہے لایکن کی (۱۱) ثُمَّ معطوف ہے سابق ثُمَّ پر (۱۲) من قضٰى دينه: اذا اَدّاه (۱۳) یاء متکلم محذوف ہے جس کی علامت نون کا کسرہ ہے اصل لاتنظرونی تھا (۱۴) الفاء لترتب الشرط على الجزاء قبله (۱۵) فَمَا کی فاء جزائیہ ہے (۱۶) مِنْ زائدہ ہے نفی کی تاکید کے لئے آیا ہے (۱۷) مَعَهٗ اور فی الفلک محذوف سے متعلق ہیں أی استقر معه فی الفلک.

اَلَّذِیْنَ	(ان لوگوں کو) جنھوں نے	فَانْظُرْ	پس دیکھ لو	عَاقِبَةُ	انجام
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	كَيْفَ	کیسا	الْمُنْذَرِيْنَ	متنبہ کئے ہوئے
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کو	كَانَ	ہوا		لوگوں کا؟

نوح علیہ السلام کی سرگذشت دلیل ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پاتے

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے فلاح نہیں پاسکتے، ان کی اچھل کود اور چمک دمک محض چند روزہ ہے جو انجام کار ہلاکتِ ابدی پر منتہی ہوتی ہے، دلیل میں انہیں نوح علیہ السلام کی سرگزشت سنائی جاتی ہے:

قرآن پاک کا عام اسلوبِ خطاب یہ ہے کہ وہ پہلے معقول دلائل اور دل کو لگنے والی نصائح سے بات سمجھاتا ہے، پھر واقعات وایام کے ذریعہ فہمائش کرتا ہے — یہ سورت مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دس گیارہ سال تک مسلسل سمجھایا گیا، مگر وہ بجائے اس کے کہ اپنی گمراہیوں پر نظرِ ثانی کرتے، الٹے نبی پاک ﷺ کے دشمن ہوگئے، حالانکہ آپ کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ انہیں کی بھلائی کے لئے جدوجہد فرمارہے تھے، مگر انھوں نے دلیلوں کا جواب پتھروں سے اور نصیحتوں کا جواب گالیوں سے دیا، انہیں مکہ شریف میں نبی پاک ﷺ کا وجود سخت ناگوار گزرنے لگا بلکہ ناقابلِ برداشت ہوگیا، ان کے اس طرزِ عمل کے جواب میں اللہ پاک اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہیں:

— اور آپ انہیں نوح (علیہ السلام) کا اہم واقعہ سنائیں! — وہ اس سرگزشت میں اپنے اور تمہارے معاملہ کا جواب پالیں گے — جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا: ”اے برادرانِ قوم! اگر تمہیں میرا قیام — یعنی تمہارے درمیان میرا وجود — اور اللہ پاک کی آیتوں سے پند ونصیحت کرنا شاق گزر رہا ہو تو میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک متفقہ فیصلہ کرلو، پھر تمہارا منصوبہ تمہارے لئے مبہم نہ رہے — بلکہ خوب سوچ کر واضح پلان بنالو اور ایسی تدبیر اختیار کرو جس میں تمہیں ناکامی کا وہم بھی نہ ہو — پھر مجھے وہ چکادو — یعنی میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو، اپنا منصوبہ پوری طرح مجھ پر نافذ کردو — اور مجھے ذرا بھی مہلت مت دو — کسی طرح بھی سنبھلنے کا موقعہ مت دو پھر دیکھو کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ — نوح علیہ السلام نے قوم سے یہ فرمایا کہ لوگو! تمہاری خوشی وناخوشی اور مخالفت وموافقت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں، تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے، اگر تم میری نصیحت وفہمائش سے برا مانو تو مانا کرو، میں اپنے فرائضِ منصبی کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرسکتا تم برا مان کر مجھ سے دشمنی کرنے لگو، اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں، جو کچھ تمہارے امکان میں ہو شوق سے کر گزرو، میرے خلاف باہم مشورے کرکے کوئی متفقہ فیصلہ کرلو، بلکہ اپنے فرضی معبودوں سے بھی مدد لے لو — یہ ایک لطیف طنز ہے — اور کوئی دھندلا

خاک نہیں بلکہ واضح پلان بنالو، پھر متفقہ طاقت سے اسے نافذ کرڈالو، اور مجھے ایک منٹ کی بھی مہلت مت دو، پھر نتیجہ دیکھو! اگر میں صادق ہوں تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کامیاب نہیں ہوسکے گی۔

یہ آیت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے یعنی ان کے اندر اپنے مُرسَل من اللہ اور صادق ہونے کا کامل یقین ہوتا ہے، حضرت نوحؑ کا ارشاد ایک بار پھر پڑھو، کیا یہ ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افتراپردازی کی زندگی سے ایسا یقین ابل سکے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص پوری قوم کو اس طرح مقابلہ کی دعوت دے، درانحالیکہ اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو؟ — نوح علیہ السلام کا ارشاد ابھی اور سنئے! — پھر اگر تم نے (میری نصیحت سے) منہ موڑا تو (میرا کیا نقصان کیا؟) میں تم سے کسی اجر کا طلب گار تو نہیں ہوں — یعنی میں نے خدمتِ تبلیغ ودعوت کا کچھ معاوضہ تم سے کبھی طلب نہیں کیا، جو مجھے یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہوجائے گی — میرا اجر تو اللہ پاک ہی کے ذمہ ہے — کیونکہ جب میں ان کا فرمانبردار ہوں اور مفوضہ خدمت بے خوف وخطر انجام دے رہا ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھے اپنے فضل وکرم سے محروم رکھیں! — اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے) میں خود فرمانبردار بندوں میں شامل رہوں — اور میں اپنے اس عہد وپیمان پر مضبوطی سے قائم ہوں، اگر تم نہ مانوگے تو میرا کیا نقصان کروگے؟ — بہرحال ان لوگوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (ڈوبنے سے) بچالیا اور ان کو (زمین میں غرق ہونے والی قوم کا) جانشین بنایا، اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان (سب) کو ہم نے غرقاب کردیا، پس دیکھ لو کہ متنبہ کئے ہوئے لوگوں کا انجام کیا ہوا؟ — کیا انھوں نے فلاح پائی؟ دیکھو! جو دیدۂ عبرت پذیر ہو!

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭكَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

ثُمَّ بَعَثْنَا	پھر ہم نے بھیجے	فَجَآءُوْهُمْ	سو آئے وہ ان کے پاس	بِمَا كَذَّبُوْا (۲)	(وہ باتیں) جو جھٹلاچکے وہ
مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد	بِالْبَيِّنٰتِ (۱)	کھلی نشانیوں کے ساتھ	بِهٖ (۳)	اس کو
رُسُلًا	پیغامبر	فَمَا كَانُوْا	پھر نہ تھے وہ	مِنْ قَبْلُ	بیشتر
اِلٰى قَوْمِهِمْ	ان کی قوموں کی طرف	لِيُؤْمِنُوْا	کہ مان لیں	كَذٰلِكَ	یوں

(۱) باء صلہ کی ہے، جَاءَ بِہ: لانا۔ (۲) بَاء صلہ کی ہے آمَنَ بِہ: ماننا، تصدیق کرنا (۳) بَاء صلہ کی ہے، کذب بِہ: جھٹلانا، اور ضمیر موصول کی طرف عائد ہے۔

نَطْبَعُ	مہر کر دیتے ہیں ہم	عَلٰی قُلُوْبِ	دلوں پر	الْمُعْتَدِيْنَ	حد سے نکلنے والوں (کے)

قوم نوح کے بعد دیگر اقوام کی اجمالی سرگذشت

مکہ شریف کے مشرکین اپنی بات کی پچ، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی طرح حضور پاک ﷺ کی بات مان کر نہیں دیتے تھے، ایک دفعہ جس بات کو ماننے سے انکار کر چکے اب اسے معقول سے معقول دلیل سے بھی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہی نفسیات تمام اقوام کی ہیں ــــ پھر ہم نے نوح (علیہ السلام) کے بعد بہت سے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف مبعوث کیا ــــ حضرات ہود، صالح، لوط، ابراہیم، شعیب علیہم السلام کو اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجا ــــ سو وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے ــــ اور معقول سے معقول دلائل کے ذریعہ انہیں سمجھایا ــــ پھر جس چیز کو انہوں نے پیشتر جھٹلا دیا تھا اسے (کسی طرح) مان کر نہ دیا ــــ یعنی شروع میں جن چیزوں کے بارے میں ان کے منہ سے 'نا' نکل گیا، پھر ان کی ہامی بھر کر نہ دی، یا یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے پہلے جن باتوں (توحید و رسالت اور اعمالِ صالحہ وغیرہا) کو جھٹلا چکے تھے یعنی ترک کر چکے تھے، ان کو انبیاء کے آنے اور سمجھانے پر بھی مان کر نہ دیا ــــ یوں ہم حد سے بڑھنے والوں کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں! ــــ یعنی ایسے لوگوں پر آخر کار اللہ پاک کی ایسی پھٹکار پڑتی ہے کہ انہیں پھر کبھی راہِ راست پر آنے کی توفیق نہیں ملتی۔ کیونکہ ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دی جائے، جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے خواہ کتنی ہی نشانیاں انہیں دکھلا دی جائیں، ایسا ہی ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور اب بھی یہی ہو رہا ہے!

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

ثُمَّ بَعَثْنَا	پھر بھیجا ہم نے	مِنْ بَعْدِهِمْ	ان پیغمبروں کے بعد	مُّوْسٰى	موسیٰ

وَهٰرُوْنَ	اور ہارون کو	لَسِحْرٌ	یقیناً جادو (ہے)	اَجِئْتَنَا	کیا آئے ہو تم ہمارے پاس
اِلٰی فِرْعَوْنَ	فرعون کی طرف	مُّبِيْنٌ	کھلا!	لِتَلْفِتَنَا (۵)	تاکہ پھیر دو تم ہمیں
وَمَلَاۡئِهٖ (۱)	اور سرداران قوم (کی	قَالَ	کہا	عَمَّا	اس طریقہ سے جو
	طرف)	مُوْسٰی	موسیٰ (علیہ السلام) نے	وَجَدْنَا	پایا ہم نے
بِاٰيٰتِنَا	اپنی نشانیوں کے ساتھ	اَتَقُوْلُوْنَ	کہتے ہو تم (یہ بات)	عَلَيْهِ (۶)	اس پر
فَاسْتَكْبَرُوْا (۲)	پس گھمنڈ کیا انھوں نے	لِلْحَقِّ	سچی باتوں کے بارے میں	اٰبَآءَنَا	اپنے بزرگوں (کو)
وَكَانُوْا قَوْمًا	اور تھے وہ لوگ	لَمَّا	جب	وَتَكُوْنَ	اور ہو جائے
مُّجْرِمِيْنَ	جرائم کے خوگر!	جَآءَكُمْ	پہنچی وہ تمہیں!	لَكُمَا (۷)	تم دونوں کے لئے
فَلَمَّا	پھر جب	اَسِحْرٌ (۳)	کیا جادو (ہے)	الْكِبْرِيَآءُ	بڑائی
جَآءَهُمُ	پہنچی انہیں	هٰذَا	یہ؟!	فِي الْاَرْضِ	سرزمین (مصر) میں؟
الْحَقُّ	سچی باتیں	وَلَا (۴)	اور نہیں	وَمَا	اور نہیں (ہیں)
مِنْ عِنْدِنَا	ہماری جانب سے	يُفْلِحُ	کامیاب ہوتے	نَحْنُ	ہم
قَالُوْٓا	(تو) کہنے لگے:	السّٰحِرُوْنَ	جادوگر	لَكُمَا (۸)	تم دونوں کی بات
اِنَّ هٰذَا	بلاشبہ یہ	قَالُوْٓا	انھوں نے کہا	بِمُؤْمِنِيْنَ	ماننے والے!

قوم فرعون کی مفصل سرگذشت بھی دلیل ہے کہ حق کو جھٹلانے والے کامیاب نہیں ہوتے

اس سورت کی دوسری آیت میں آپ نے پڑھا ہے کہ منکرین حق نے نبی پاک ﷺ کے متعلق کہا تھا کہ: ''یہ شخص کھلا جادوگر ہے!'' ـــــ اب ان لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت سنائی جاتی ہے، جن کے پیغام کے بارے میں بھی فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے یہی فیصلہ کیا تھا، الغرض گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے عنوان سے مکہ کے مشرکوں کو

(۱) اَلْمَلَاءُ: اسم جمع ہے اور الاَمْلَاءُ اس کی جمع: سرداروں اور بڑے لوگوں کی جماعت: الذین یملاؤن العُیونَ رُوَاءً ا والنفوس جلالةً وَبَهَاءً (روح) جو آنکھوں کو ظاہری حسن و جمال سے اور دلوں کو ہیبت و عظمت سے بھر دیں (۲) الاستکبار: ادعاء الکبر من غیر استحقاق اور فَا فصیحیہ ہے (۳) سِحْرٌ خبر مقدم ہے (۴) جملہ حالیہ ہے (۵) لَفَتَ (ض) فُلانًا عن رایه: رائے سے پھیرنا (۶) ضمیر ۂ اسم موصول کی طرف راجع ہے (۷) لکما خبر مقدم ہے تکون کی اور الکبریاء اسم مؤخر ہے (۸) لکما کا لام صلہ کا ہے اور مؤمنین سے متعلق ہے۔ آمَنَ لَهٗ: اس کی بات مان لی۔

وہ سب کچھ سنایا جا رہا ہے جس کے حالات متقاضی تھے اور جس کا سورت کی موعظت سے تعلق ہے، فرماتے ہیں ـــ پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا، مگر انہوں نے گھمنڈ کیا ـــ اور اپنی دولت وحکومت اور شوکت وحشمت کے نشے میں چور ہو کر اپنے آپ کو بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھا اور اطاعت میں سر جھکانے کے بجائے اکڑ دکھائی، ان کا تکبر مانع ہوا کہ اللہ پاک کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کے رسولوں کے سامنے گردن جھکائیں بلکہ یہ کہہ کر اپنا تفوق جتلایا کہ ہم نے تجھے بچپن میں پرورش کیا، اور عرصہ تک تیری کفالت کی، پس تو ہمارا ممنون کرم کیوں نہیں ہوتا؟ تجھے ہماری بات ماننی چاہئے نہ کہ ہمیں تیری! ـــ بلکہ تو ہمارا مجرم ہے، ہمارے ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگا ہے، اور دیکھ مصر کی سلطنت میری ہے۔ یہ نہریں میرے محل کے پائین میں بہہ رہی ہیں۔ ارے تو، تو بے قدر ہے، تجھے بولنا تک نہیں آتا، اور دیکھو! میں شعلہ بیان مقرر ہوں، پس موسیٰ کو میری ماننی چاہئے، الٹی گنگا نہیں بہانی چاہئے ـــ اس طرح کی باتیں کر کے انکار کرتا رہا مگر انکار کی حقیقی وجہ یہ نہیں تھی، بلکہ اللہ پاک اس کی اصلی وجہ بیان فرماتے ہیں ـــ اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے ـــ یعنی ان لوگوں کے انکار کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہیں اور ویسے ہیں، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کی دعوت قبول کرنے کے بعد ان پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد ہو جائیں گی، جو انہیں شدت سے ناگوار ہیں، کیونکہ وہ جرائم پیشہ لوگ ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ شتر بے مہار، اور بے نتھی کے بیل بنے رہیں، ظلم، بے ایمانیاں، فسق وفجور اور بد کرداریاں انہیں اس قدر محبوب ہیں کہ کسی طرح داعیٔ حق کی بات پر کان دھرنے کے لئے تیار نہیں! ـــ پھر جب انہیں ہماری جانب سے سچی باتیں پہنچیں تو کہنے لگے کہ: ''بلاشبہ یہ کھلا جادو ہے!'' ـــ اس میں واقعیت کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں ـــ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ: ''کیا سچی باتوں کی نسبت تم یہ رائے رکھتے ہو، جبکہ وہ تمہیں پہنچ گئیں؟ کیا جادو ہے یہ؟ حالانکہ جادوگر کامیاب نہیں ہوتے! ـــ یعنی کیا تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو؟ حالانکہ جو جادوگر ہو، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے، اور بناوٹوں اور کرتبوں کا راز زیادہ دنوں تک چھپا نہیں رہ سکتا، پھر کیا جادو کرنے والا نبوت کا دعویٰ کر کے حق وباطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتا ہے؟ ـــ سچی چیزوں کو جبکہ وہ سامنے بھی ہوں، باطل سے تمیز نہ کر سکنا ان کوتاہ فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کر سکتے ہوں، میری ان نشانیوں کو جادوگری اور شعبدہ بازی سے کوئی دور کا واسطہ بھی نہیں، پھر ان چیزوں کو جادو بتلانا کس قدر دیوانگی ہے؟! ـــ ان لوگوں نے (جواب میں) کہا کہ: ''کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں اس راہ سے پھیر دو، جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے، اور تم دونوں کو سرزمین (مصر) میں بڑائی حاصل ہو جائے؟ ہم تم دونوں کی بات کبھی ماننے والے نہیں!'' ـــ یعنی

خاکم بدہن! تم بدنیت ہو، سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو، تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی انقلاب برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ، یاد رکھو! تمہاری یہ خواہش ہم کبھی پوری ہونے نہیں دیں گے، ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے، نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے! — نبی پاک ﷺ نے بھی جب قوم کے سامنے اپنی بات پیش کی تھی تو سرداران قوم یہ کہتے ہوئے چل دیئے تھے کہ: ''یہ کوئی مطلب کی بات ہے!'' (اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَیُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲/۱۳

لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ	لفظ	ترجمہ
وَقَالَ	اور کہا	مَاۤ اَنْتُمْ	جو کچھ تم	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک
فِرْعَوْنُ	فرعون (نے)	مُّلْقُوْنَ	ڈالنے والے ہو	لَا	نہیں
ائْتُوْنِیْ	میرے پاس حاضر کرو	فَلَمَّاۤ	پھر جب	یُصْلِحُ	سنورنے دیتے
بِكُلِّ (۱)	ہر	اَلْقَوْا	ڈال دیا انھوں نے	عَمَلَ	کام
سٰحِرٍ	جادوگر (کو)	قَالَ	کہا	الْمُفْسِدِیْنَ	فسادیوں (کے)
عَلِیْمٍ	ماہر فن	مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام نے)	وَیُحِقُّ	اور ثابت کردیتے ہیں
فَلَمَّا	پھر جب	مَا جِئْتُمْ (۲)	جو کچھ تم لائے ہو	اللّٰهُ	اللہ پاک
جَآءَ	آئے	بِهِ (۳)	اس کو	الْحَقَّ	سچی بات کو
السَّحَرَةُ	جادوگر	السِّحْرُ	وہ جادو ہے	بِكَلِمٰتِهٖ	اپنے وعدوں سے
قَالَ لَهُمْ	کہا ان سے	اِنَّ اللّٰهَ	بلاشبہ اللہ پاک	وَلَوْ	اگرچہ
مُّوْسٰۤى	موسیٰ (علیہ السلام) نے	سَیُبْطِلُهٗ	ابھی درہم برہم کئے دیتے ہیں اس کو	كَرِهَ	ناپسند کریں
اَلْقُوْا	ڈالو			الْمُجْرِمُوْنَ	مجرم لوگ!

(۱) بَاء صلہ کی ہے۔ اَتٰی به: لانا۔ (۲) مَا موصولہ مبتدا ہے اور السحر خبر ہے و التعریف لافادة القصر إفرادًا: أی: الذی جئتم به هو السحر (روح) (۳) بِهٖ کی باء صلہ کی ہے جاء به: لانا اور ضمیر ما موصولہ کی طرف راجع ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا مقابلہ جادو سے کیا

فرعون نے جو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو جادو قرار دیا تھا، تو اسے ثابت کرنے کے لئے جادوگروں کی ایک کھیپ جمع کرلی، جنہوں نے مقابلہ میں حیرت انگیز کرتب دکھائے، مگر فرعون کا جادو ایسا جادو نہ تھا کہ سر پر چڑھ کر بولتا، باطل کے پیر کہاں ہوتے ہیں! چنانچہ اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور حق کا بول بالا رہا۔ سنئے! —— اور فرعون نے حکم دیا —— اور ملک کے چپے چپے میں ہرکارے دوڑائے —— کہ: "ہر ماہر فن جادوگر کو میرے حضور میں حاضر کرو!" —— میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے کرشمے معجزات نہیں ہیں (جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے) بلکہ جادو ہیں، اور میں ابھی دنیا کو مشاہدہ کرا دیتا ہوں کہ موسیٰ (علیہ السلام) پیغمبر نہیں، بلکہ جادوگر ہے —— پھر جب جادوگر آموجود ہوئے —— اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کرتب دکھلانے میں، آپ پہل کرتے ہیں یا ہم پہل کریں؟ —— تو ان سے موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ "پھینکو، جو کچھ تمہیں پھینکنا ہے! —— تاکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد جب حق آئے اور باطل ملیامیٹ ہوجائے تو حق کا غلبہ خوب اچھی طرح واضح ہوجائے —— پھر جب انھوں نے (جادو کی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں —— اور نظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے —— تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ یہ جادو ہے جو تم لائے ہو! —— وہ نہ تھا جادو جو میں نے دکھایا تھا —— بالیقین ابھی اللہ پاک اسے درہم برہم کئے دیتے ہیں! —— اور اپنی قدرت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتے ہیں —— بلاشبہ اللہ پاک سنورنے نہیں دیتے فسادیوں کے کاموں کو! —— یعنی یہ اللہ پاک کی حکمت وعادت کے خلاف ہے کہ جب مصلحین اور فسادیوں کا مقابلہ ہو، تو وہ شریروں کی بات سنوار دیں اور سچی بات نیچی کردیں —— اور اپنی بات کو اللہ پاک اپنے وعدوں کے موافق ثابت کردیتے ہیں، اگرچہ مجرم لوگ ناپسند کریں —— "حق" سچی، ثابت، اٹل اور اَمِٹ بات کو کہتے ہیں۔ "باطل" اس کی نقیض ہے یعنی وہ بات جو مٹ جانے والی ہے، باقی رہنے والی نہیں —— پس موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک حق کو حق کریں گے اور باطل کو باطل، جو حق ہے وہ ثابت وقائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کردے گا، اور باطل نابود ہوکر اپنے بطلان کا ثبوت دے دیگا —— چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ سورۂ اعراف آیات ۱۱۷-۱۲۶ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

فَمَآ اٰمَنَ	پس نہیں ایمان لائی	لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ	حد سے باہر ہو جانے	تَوَكَّلْنَا	بھروسہ کرتے ہیں ہم
لِمُوْسٰٓى (۱)	موسیٰ (علیہ السلام) پر		والوں میں سے ہے	رَبَّنَا	اے ہمارے پالنہار!
اِلَّا ذُرِّيَّةٌ	مگر نئی پود	وَقَالَ	اور کہا	لَا تَجْعَلْنَا	ہمیں نہ بنائیے
مِّنْ قَوْمِهٖ (۲)	ان کی قوم کی	مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) نے	فِتْنَةً	تختۂ مشق
عَلٰى خَوْفٍ (۳)	بے حد ڈرتے ہوئے	يٰقَوْمِ (۶)	اے میری قوم!	لِّلْقَوْمِ	لوگوں کے لئے
مِّنْ فِرْعَوْنَ	فرعون سے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم	الظّٰلِمِيْنَ	ظالم
وَمَلَا۟ئِهِمْ (۴)	اور اپنے سرداروں سے	اٰمَنْتُمْ	ایمان لائے ہو	وَنَجِّنَا	اور ہمیں نجات بخشیے
اَنْ يَّفْتِنَهُمْ (۵)	اس بات سے کہ وہ آزمائش	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	بِرَحْمَتِكَ	اپنی رحمت سے
	میں ڈالیں گے انہیں	فَعَلَيْهِ	تو اسی پر	مِنَ الْقَوْمِ	جماعت سے
وَاِنَّ	اور بلاشبہ	تَوَكَّلُوْٓا	بھروسہ کرو	الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کی
فِرْعَوْنَ	فرعون	اِنْ كُنْتُمْ	اگر تم	وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی بھیجی ہم نے
لَعَالٍ	بڑا سرکش ہے	مُّسْلِمِيْنَ	فرمانبردار ہو!	اِلٰى مُوْسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف
فِى الْاَرْضِ	ملک (مصر) میں	فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے!	وَاَخِيْهِ	اور ان کے بھائی (ہارون
وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پاک ہی پر		علیہ السلام) کی طرف

(۱) لام صلہ کا ہے، آمَنَ لَهُ: تابع دار اور مطیع ہونا (۲) مِنْ اضافت کا ہے (۳) عَلٰى خَوْفٍ حال ہے ذُرِّيَّةٌ سے اور تنوین تعظیم کی ہے (۴) مَلَائِهِمْ کی ضمیر ذُرِّيَّةٌ کی طرف لوٹتی ہے اور ان کے سردار عام ہیں خواہ فرعونی ہوں یا اسرائیلی (۵) اَنْ مصدریہ ہے اور اس پر سے مِنْ حرف جار ہٹا دیا گیا ہے، اور جملہ من فرعون الخ سے بدل اشتمال ہے۔ (۶) یاء محذوف ہے، اصل يقَوْمِيْ ہے جس کی علامت میم کا کسرہ ہے۔

اَنْ (۱)	کہ	بُیُوْتًا	گھر	وَّاَقِیْمُوا	اور تم اہتمام رکھو
تَبَوَّا (۲)	تم دونوں تیار کرو	وَّاجْعَلُوْا	اور تم بناؤ	الصَّلٰوةَ	نماز (کا)
لِقَوْمِكُمَا (۳)	اپنی قوم کے لئے	بُیُوْتَكُمْ	اپنے گھروں کو	وَبَشِّرِ	اور آپ خوشخبری سنایئے
بِمِصْرَ	ملک مصر میں	قِبْلَةً (۴)	اجتماعی عبادت گاہ	الْمُؤْمِنِیْنَ	مؤمنوں کو

بنی اسرائیل اور مکی مسلمانوں کے احوال یکساں

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کی یہ درمیانی پانچ آیتیں مسلمانوں کو سنائی جارہی ہیں، ان مسلمانوں کو جو مکی دور کے احوال سے دوچار تھے —— نبی پاک ﷺ نے جب اپنی قوم کو جو سالہا سال سے شرک وکفر اور طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھی، توحید کی دعوت دینی شروع کی تو اسے اول اول نوجوانوں نے قبول کیا، صدیق اکبر، علی مرتضیٰ اور جعفرِ طیّار رضی اللہ عنہم تو ایمان لائے، مگر ابوقُحافہ اور ابوطالب کتراتے رہے تھے، حضرات زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی عمریں قبول اسلام کے وقت ۲۰ سال سے کم تھیں، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، بلال حبشی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم ۲۰ اور ۳۰ کے درمیان تھے اور حضرات ابوعبیدۃ بن الجراح، زید بن حارثہ، عثمان بن عفان اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم ۳۵ کے لگ بھگ تھے —— یہ حضرات اپنے بڑوں سے ڈرتے، سہمتے ایمان لائے تھے، کیونکہ ان کے بڑے انہیں ستانے کے لئے نئے نئے انداز ایجاد کررہے تھے، کسی کو ٹھیک دوپہر کے وقت تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے تاکہ غریب ہُمسنے نہ پائے، کسی کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیتے کسی کو پانی میں غوطہ دیتے اور کسی کو رسی میں باندھ کر گھسیٹتے۔ حضرات بلال، خباب، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے، مرد تو مرد مسلمان عورتیں بھی ان ظالموں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ تھیں، حضرات سُمَیَّہ، زِنِّیْرَہ رومیہ اور لَبِیْبَہ رضی اللہ عنہن بھی تختۂ مشق بنی ہوئی تھیں۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو تو کم بخت ابوجہل ملعون نے نیزے سے چھید کر ہلاک کردیا تھا —— الغرض صحابۂ کرام بڑے نازک دور سے گزر رہے تھے، کچھ تو تنگ آ کر حبشہ کی طرف

(۱) اَنْ مفسرہ ہے (۲) تَبَوَّآ مضارع کا صیغہ تثنیہ مذکر حاضر ہے۔ تَبَوُّءٌ سے، جس کے معنی ہیں تم دونوں ٹھیراؤ، تم دونوں اتارو، تم دونوں جگہ تیار کرو (۳) لام صلہ کا ہے بَوَّاَلَهٗ مَنْزِلًا کسی کے لئے جگہ تیار کرنا (۴) قِبْلَةً اسم نوع ہے، اس کے اصلی معنی ہیں: ''وہ جہت جس کی طرف رخ پھیرا جائے'' یہاں ''اجتماعی عبادت گاہ'' (نماز کا مقام) مراد ہے، کیونکہ اس کی طرف پنج وقتہ نمازوں میں رخ پھیرا جاتا ہے۔ فرعون نے چونکہ نماز پڑھنے کی ممانعت کردی تھی اس لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو ہی مقام نماز بنالو، اور چھپ کر گھروں میں ہی نماز پڑھا کرو (مفردات القرآن)

ہجرت کر گئے اور باقیوں کا سرداران قریش نے بائیکاٹ کر دیا، ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی، انہیں موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت سنائی جارہی ہے —— موسیٰ (علیہ السلام) کی بات ان کی قوم کی نئی پود ہی نے مانی، فرعون اور اپنے سرداروں سے بے حد ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں!—— کیونکہ جب کبھی مقاصد وعزائم کی راہ میں سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جاتی ہے، زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان آگے بڑھتے ہیں اور وہی حق کا ساتھ دیتے ہیں، کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ایک خاص نہج پر بسر ہونے کی وجہ سے اُس طریقہ زندگی کی عادی ہو جاتی ہیں، اگر ان کی زندگیاں ظلم وفساد اور فسق وفجور میں بسر ہوئی ہے تو اب اس حالت کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی، نہ ان میں توبہ کرنے کی ہمت باقی رہتی ہے، وہ یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ اب آخر وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے! اور اگر محکومی اور غلامی میں ان کی زندگیاں بسر ہوئی ہیں تو اب عافیت کوشی، مصلحت پرستی اور اغراض دنیا کی بندگی کچھ اس طرح ان پر چھائی رہتی ہے کہ وہ کسی طرح حق کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے، نیا خون ہوتا ہے، نئی امنگیں ہوتی ہیں، اس لئے انہیں شدائد ومصائب کا خوف مرعوب نہیں کرتا، وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں، پھر تمام قوم پیچھے چلنے لگتی ہے۔

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ہی صورتِ حال سے سابقہ پڑا تھا اور مکہ شریف میں نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کو بھی ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا تھا—— فرعون کے قہر واستبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کر لی تھیں، وہ شکر گزار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے تھے۔﴿اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ (سورۂ اعراف آیت ۱۲۹) —— لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا، ان میں ایک گروہ نکل آیا جو فوراً ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا۔

بنی اسرائیل اگرچہ کافر اور مشرک نہیں تھے، وہ نسلی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے سیدنا ابراہیم، اسحاق، یعقوب اور یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امتی تھے، اور فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اٹھا رہے تھے، اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے والا، اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا اسرائیلی پیغمبر مبعوث ہو، جب موسیٰ علیہ السلام ٹھیک اسی شان سے تشریف لائے تو تمام بنی اسرائیل قدرتی طور پر انہیں بڑی نعمت سمجھتے تھے، وہ دل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہتے تھے اور ان کی عزت کرتے تھے، مگر اکثر آدمی فرعون اور فرعونی سرداروں سے خوف زدہ تھے، اس لئے شروع شروع میں وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے، وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق

کا غلبہ ہوگا موسیٰ علیہ السلام کو رسول تسلیم کرلیں گے —— اس لئے اب یہ لوگ مومن نہیں رہے، کیونکہ شرعاً ایمان وہی معتبر ہے جس میں دوسری چیزوں کے ساتھ اپنے وقت کے رسول کو بھی مانا جائے، پس جب اکثر بنی اسرائیل نے شروع شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول تسلیم نہ کیا، یا اس کا اعتراف اور اظہار واعلان نہ کیا تو اب وہ شرعاً مؤمن نہیں رہے، اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے تک مؤمن تھے، شرعاً ایمان لانے والے تھوڑے سے نوجوان تھے، جنھوں نے فرعون اور اپنے سرداروں سے خائف ہونے کے باوجود اسلام کا اعلان واظہار کردیا تھا۔

''ان کے سرداروں'' سے یہاں مراد فرعون کے حکام وعمال ہیں، خواہ نسلاً اور مذہباً وہ قبطی ہوں یا اسرائیلی، کیونکہ حاکم قوم، محکوم اقوام پر عموماً براہِ راست حکومت نہیں کیا کرتی، بلکہ انہی کے بعض قوم فروشوں کی مدد سے حکومت جمایا کرتی ہے، محکوم قوم کے جو افراد حاکم قوم کی ہمنوائی ہی میں اپنی فلاح دیکھتے ہیں اور جو طرح طرح سے اپنے لوگوں کو حاکم قوم کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں ان کو آلۂ کار بنایا جاتا ہے اور یہ ضمیر فروش خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنی پوری قوم کو حاکموں کے ابروؤں کے اشاروں پر چلاتے رہتے ہیں، اور وہ اپنی قوم کو حاکموں کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے ہیں، بلکہ کبھی دشمن حاکم سے یہ ہم قوم حکام زیادہ ضرررساں ثابت ہوتے ہیں، وہ چند کوڑیوں کی لالچ میں یا کرسیوں کی ہوس میں پوری قوم کی عظمت کا سودا اور رفعت کا نیلام کربیٹھتے ہیں —— یہ نوجوان اپنے اسی قسم کے سرداروں سے ڈرتے سہمتے ایمان لائے تھے! —— اور بلاشبہ فرعون ملک مصر میں بڑا ہی سرکش بن رہا ہے! اور بیشک وہ حد سے باہر ہوجانے والوں میں ہے —— یعنی ان نوجوانوں کا خوف کھانا کچھ بے جانہ تھا کیونکہ اس وقت ملک میں فرعون کا پورا تسلط تھا اور اس نے کمزوروں کو ستانے کے لئے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا، وہ کسی برے سے برے طریقے کو اختیار کرنے میں بھی تأمل نہیں کرتا تھا، اپنے مطلب کے لئے وحشت وبربریت کے ارتکاب سے بھی نہیں چوکتا تھا، غرض اپنی خواہشات کے پیچھے وہ ہر انتہا تک جاسکتا تھا، اس کے لئے کوئی حد نہیں تھی، جس پر جاکر وہ رک جائے!

یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ابتدائی دور کے احوال تھے، اب درمیانی دور کے احوال سنئے —— اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: ''اے برادرانِ قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور واقعی اس کے فرمانبردار ہو (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو صرف اسی پر بھروسہ کرو!'' —— فرعون سے گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں، ایک فرمانبردار مؤمن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے، اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہوسکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکلیہ اللہ پاک کے سپرد کردے، اپنی عافیتوں اور مصلحتوں سے دست بردار ہوجائے صرف اللہ پاک کے حکم پر چلے اور تمام جدوجہد میں صرف اسی پر نظر رکھے —— پس اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہے کہ تم اللہ پاک پر ایمان رکھتے ہو اور اس کے فرمانبردار ہو تو اللہ تعالیٰ پر

بھروسہ کر کے مجھ پر ایمان لے آؤ، مجھے اللہ پاک کا رسول مان لو، اور میری ہدایات پر عمل پیرا ہو جاؤ! —— تو انھوں نے کہا: اللہ پاک ہی پر ہم بھروسہ کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالم جماعت کا تختۂ مشق نہ بنا! اور ہمیں اپنی رحمت کے صدقے کافر قوم سے نجات عطا فرما! —— یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے پر اب تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے، اور سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول مان لیا اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان باندھا —— اور انھوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بیشک ہمارا بھروسہ صرف اللہ پاک پر ہے، ہم اسی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو ظالموں کا تختۂ مشق بننے سے بچائے اور ان کی غلامی اور محکومی سے ہم کو نجات دے —— ہماری کسی جدوجہد کے بل پر نہیں بلکہ صرف اپنی رحمت کے صدقے اور اپنے فضل و کرم کے طفیل!

فائدہ: یہ دو آیتیں یعنی ﴿ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ اپنے اندر عجیب تاثیر رکھتی ہیں، اگر دشمن، دین کی وجہ سے ستا رہا ہو، ستم ڈھا رہا ہو اور مسلمان مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں اور ان دو آیتوں کو بکثرت پڑھیں تو اللہ پاک غیب سے ان کی نجات کا سامان پیدا فرما دیتے ہیں۔

جب تمام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اس کے بعد کے احوال سنئے! —— اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی (ہارون) کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے ملکِ مصر میں مکانات بناؤ! —— یعنی ابھی کہیں جانے کا وقت نہیں آیا، ابھی انہیں یہیں بساؤ، ابھی مصر ہی میں جم کر رہو! —— اس میں اشارہ ہے کہ فرعون سے نجات کا وقت ابھی جلدی نہیں آنے والا، ابھی اس میں کافی دیر ہے، لہٰذا ابھی یہاں مکانات بنا کر، پیر جما کر سکونت پذیر رہو، اور تم دونوں ان کا ہاتھ بٹاؤ، ان کی رہنمائی کرو تا کہ وہ اپنے رہنے بسنے کے مکانات بنا سکیں، کیونکہ رہنے سہنے کا مسئلہ انسان کا بنیادی مسئلہ ہے اس لئے دینی راہنمائی کرنے والوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اس سلسلہ میں بھی ممکن سہولتیں فراہم کریں —— اور (لوگو!) تم اپنے گھروں کو اجتماعی عبادت گاہ بناؤ! اور نماز کا اہتمام رکھو! —— یعنی عبادت گھر ہی میں کرتے رہو، تا آنکہ نجات کی گھڑی آ جائے۔

جب تمام بنی اسرائیل ایمان لے آئے تو فرعون کا غصہ بھڑکا اور اس نے تمام مسجدیں اور عبادت گاہیں ویران کر دیں، کوئی باہر نکل کر اللہ پاک کی عبادت نہ کر سکتا تھا، اس لئے حکم دیا گیا کہ اپنے مکانوں ہی میں عبادت کرو، نماز ترک نہ کرو کہ اسی کی برکت سے اللہ پاک کی مدد آتی ہے، صبر اور نماز ہی تو مؤمن کے وہ ہتھیار ہیں جن سے وہ سخت حالات میں سنبھل سکتا ہے۔

اور اپنے گھروں میں تنہا نماز نہ پڑھو، بلکہ نماز با جماعت کا نظام بناؤ اور اس مقصد کے لئے کچھ گھروں کو خاص کرو اور

ان کو قبلہ بناؤ یعنی تم سب نماز کے اوقات میں اس عبادت کی جگہ کی طرف رخ کرو، وہاں حاضری دو اور وہاں سب مل کر باجماعت نماز ادا کرو۔

جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کر لیتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبہ کی کمزوری کی وجہ سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہیں کرسکتے —— نبی پاک ﷺ کا صحیح ارشاد ہے کہ اگر کسی بستی میں یا کسی اقامت گاہ میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، لہٰذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو لقمہ بناتا ہے جو گلّہ سے دور رہتی ہے (ابوداؤد شریف)

اور آپ ایمان لانے والوں کو خوش خبری دیجئے —— حسن انجام کی! یعنی اہل ایمان پر مایوسی، مرعوبیت اور پژمردگی کی جو کیفیت اس وقت چھائی ہوئی ہے اسے دور کیجئے، ان کی ہمت بندھایئے، پرامید بنایئے اور ان کا حوصلہ بڑھایئے، دنیا میں نجات اور آخرت میں رضائے الٰہی کی خوش خبری سنایئے۔

مسئلہ: حکومت یا حالات مسجد بنانے کی اجازت نہ دیں تو کسی گھر کو مخصوص کر کے اس میں جماعت سے نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

وَقَالَ	اور دعا کی	فِرْعَوْنَ	فرعون (کو)	فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
مُوسٰى	موسیٰ (علیہ السلام) نے	وَمَلَاَهٗ	اور اس (کی قوم) کے	رَبَّنَا	اے میرے پروردگار
رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار		سرداروں کو	لِيُضِلُّوْا (۱)	تاکہ گمراہ کریں وہ
اِنَّكَ	بے شک آپ نے	زِيْنَةً	ٹھاٹھ		(لوگوں کو)
اٰتَيْتَ	عنایت فرمایا	وَّاَمْوَالًا	اور دولتیں	عَنْ سَبِيْلِكَ	آپ کی راہ سے

(۱) ترکیب: لِيُضِلُّوْا کا لام، لام عاقبت ہے، جیسے لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا کا لام، لام عاقبت ہے۔

رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار	يَرَوُا	دیکھیں وہ	فَاسْتَقِيمَا	سو مستقیم رہو تم دونوں
اطْمِسْ (۱)	غارت کر دیجئے	الْعَذَابَ	عذاب	وَلَا	اور نہ
عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ (۲)	ان کے اموال کو	الْاَلِيْمَ	دردناک!	تَتَّبِعٰٓنِّ (۴)	چلو دونوں
وَاشْدُدْ	اور سخت کر دیجئے	قَالَ	(حق تعالیٰ نے) فرمایا	سَبِيْلَ	راہ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (۳)	ان کے دلوں کو	قَدْ	تحقیق	الَّذِيْنَ	(ان کی) جو
فَلَا يُؤْمِنُوْا	پس نہ ایمان لائیں وہ	اُجِيْبَتْ	قبول کر لی گئی	لَا	نہیں
حَتّٰى	یہاں تک کہ	دَّعْوَتُكُمَا	تم دونوں کی دعا	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی فرعون اور اس کی قوم کے لئے بددعا

قیامِ مصر کے تقریباً آخر زمانے میں موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے ہیں — اور موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا کی ''اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے حکام کو دنیا کی زندگی میں ٹھاٹھ اور دولتیں عنایت فرمائی ہیں — یعنی آپ نے ان کو شان و شوکت اور زینت و خوش نمائی بخشی ہے۔ جس کی وجہ سے دنیا ان پر اور ان کے طور طریقوں پر ریجھتی ہے، اور ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ ویسا ہی بن جائے جیسے وہ ہیں۔ اور آپ نے انھیں ذرائع اور وسائل کی فراوانی بھی عنایت فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی تدبیروں کو عمل میں لانے کے لئے ہر طرح کی آسانیاں رکھتے ہیں — اے ہمارے رب! تاکہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کرتے پھریں! — یعنی آپ نے تو یہ سامان انھیں اس لئے دیا تھا کہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کریں اور ان نعمتوں سے آپ کو یاد کریں اور آپ کے شکر گزار بندے بنیں مگر اس کے برخلاف انھوں نے اپنی بدبختی سے آپ کی نعمتوں کو لوگوں کے بہکانے اور گمراہ کرنے میں ایسا بے دریغ خرچ کیا کہ گویا وہ اسی کام کے لئے انھیں دی گئی تھیں! — اے ہمارے رب! ان کے اموال غارت فرما دیجئے! — آفتوں کے ذریعے نیست و نابود کر دیجئے! — اور ان کے دل سخت کر دیجئے، تاکہ جب تک وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، ایمان نہ لاویں! — یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دیجئے، کہ اب وہ اسی کے حقدار ہیں!

(۱) طَمَسَ (ض) طَمْسًا الشیئَ، مٹانا، ہلاک کرنا۔ طَمْسُهَا: اتلافُهَا منهم على أتم وجه (روح) (۲) محذوف سے متعلق ہے ای: بارسال الآفات علیها اس لئے کہ طَمْس بغیر صلہ کے متعدی ہے۔ (۳) عَلٰى صلہ ہے شَدَّدَ عَلَيْهِ: تنگی کرنا (۴) اِتِّبَاعٌ سے مضارع با نون تاکید ثقیلہ کا صیغۂ تثنیہ مذکر حاضر ہے اور چونکہ یہاں لائے نہی داخل ہوا ہے اس لئے فعل نہی ہے۔

یہ دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام مصر کے آخری زمانے میں کی تھی۔ اور اس وقت کی تھی جب فرعون اور اس کے اعیان سلطنت پے درپے نشانات دیکھ لینے اور حجت تمام ہوجانے کے بعد بھی دین کی دشمنی پر انتہائی ہٹ دھرمی کے ساتھ جمے ہوئے تھے اور تجربہ اور طول صحبت سے یا وحی الٰہی سے پوری طرح ثابت ہوگیا تھا کہ یہ لوگ اب کبھی ایمان لانے والے نہیں۔ تب ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی تھی، تاکہ ان کی گندگی سے دنیا پاک ہو۔ اور دوسروں کے لئے ان کی بدانجامی درس عبرت بنے۔

مشفق تیماردار، مریض کے لئے ہر طرح جان دیتا ہے، مگر جب اسے یقین ہوجاتا ہے کہ مریض کا یہ عضو اب کسی طرح صحت یاب ہونے والا نہیں۔ بلکہ اس کا وجود سارے جسم کے لئے پیغامِ موت ثابت ہوگا۔ تو وہ بڑی لجاجت سے ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے کہ آپ آپریشن کرکے اس عضو کو کاٹ دیں، تاکہ اس عضو کا فساد سارے جسم کے لئے پیغام موت نہ ثابت ہو۔

مقبولان بارگاہِ الٰہی، وحی کے ذریعے یا الہام سے یا قرائن سے، منشاء خداوندی کو پہچانتے ہیں اور وہی کہتے ہیں جو استاذِ ازل کہلانا چاہتا ہے۔ عام لوگوں کو ایسے مواقع میں الجھن کا سامنا ہوتا ہے، ان کے خیال میں دعا یا بددعا، مناسب یا نامناسب ہوتی ہے مگر مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے یہاں معاملہ کچھ اور ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا، اور رحمۃ للعالمین ﷺ نے مسلسل سات سالہ قحط کے لئے جو بددعا فرمائی تھی[1]، وہ سب اسی شان کی دعائیں تھیں ــــ اسی لئے دراجابت فوراً وا ہوتا ہے ــــ فرمایا: بالتحقیق تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ــــ روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ اس لحاظ سے ''تم دونوں کی دعا'' فرمایا ــــ سو تم دونوں مستقیم رہو ــــ یعنی اپنا کام استقلال اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔ اپنے کار منصبی (دعوت وتبلیغ) میں لگے رہو ــــ اور ان لوگوں کی راہ نہ چلو جو (سنت الٰہی) جانتے نہیں ــــ یعنی قبولیتِ دعا کا اثر دیر میں ظاہر ہو تو نادانوں کی طرح جلد بازی نہ کرو، فیصلہ وقت مقرر پر ہی ہوگا۔

حکیم ترمذی نے مجاہد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس دعا کی قبولیت کے چالیس سال بعد فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ پیش آیا (درمنثور) ــــ اللہ پاک کی سنت یہی ہے کہ کسی قوم کے سنبھلنے کے لئے علم الٰہی میں جو مدت درکار ہوتی ہے، اس کے گزرنے کے بعد ہی عذاب کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ چادر کا تکیہ بنائے کعبہ شریف کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان صحابہ

(۱) بخاری شریف ص ۷۱۴ کتاب التفسیر، سورۂ دخان۔

میں سے ہیں جن کو مشرکین نے بے حد اذیتیں پہنچائی تھیں، انھوں نے کرتہ اٹھا کر اپنی پشت دکھائی جو زخموں اور چوٹوں سے چور تھی اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا اب بھی آپؐ ہمارے لئے دعا نہیں فرماتے؟ آپؐ بیٹھ گئے چہرہ سرخ ہو گیا اور ارشاد فرمایا: ''تم سے پہلے بعض مؤمنوں کا سارا گوشت لوہے کی کنگھیوں سے اتار لیا جاتا تھا، مگر یہ چیز ان کو ان کے دین سے برگشتہ نہیں کرتی تھی۔ قسم بخدا! اللہ پاک ضرور اسلام کو غالب فرمائیں گے، یہاں تک کہ صَنعَاء یَمَن سے حضرموت تک مسافر اس حال میں سفر کرے گا کہ اسے بجز اللہ پاک کے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ مگر تم لوگ چاہتے ہو کہ آنا فانا ایسا ہو جائے (ابوداؤد، نسائی)

اللہ پاک کے وعدے وقت پر ضرور پورے ہوتے ہیں، مگر نادان ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اٰۗلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

ع ۹ / ۱۴

وَجٰوَزْنَا	اور پار اتار دیا ہم نے	فِرْعَوْنُ	فرعون (نے)	الْغَرَقُ	ڈوبنے نے
بِبَنِيْٓ (۱)	اولاد	وَجُنُوْدُهٗ	اور اس کے لشکر (نے)	قَالَ	(تو) بولا
اِسْرَاۗءِيْلَ	اسرائیل (یعقوب	بَغْيًا (۲)	شرارت سے	اٰمَنْتُ	یقین کیا میں نے
	علیہ السلام) کو	وَّعَدْوًا	اور زیادتی سے	اَنَّهٗ (۵)	کہ
الْبَحْرَ	دریا (سے)	حَتّٰٓي اِذَآ (۳)	یہاں تک کہ جب	لَآ اِلٰهَ	نہیں (ہے) کوئی معبود
فَاَتْبَعَھُمْ	پھر پیچھا کیا ان کا	اَدْرَكَهُ (۴)	پالیا اسے	اِلَّا	مگر وہ جو کہ

(۱) بَاءَ تعدیہ کی ہے، فعل جَاوَزَ پہلے مفعول کی طرف باء کے ذریعہ متعدی ہوتا ہے اور دوسرا مفعول اَلْبَحْرَ ہے (۲) بَغْيًا اور عَدْوًا مفعول لہ ہیں (۳) اِتْبَاعٌ کی غایت ہے (۴) اَدْرَکَ الشَّیْءَ: لاحق ہونا، ملنا، پانا۔ (۵) اَنَّ پر حرف جار باء مقدر ہے کیونکہ فعل آمَنَ بذریعہ باء متعدی ہوتا ہے اور ضمیر شان کی ہے

الَّذِیٓ	ایمان لائی ہے	وَقَدْ (۳)	حالانکہ تحقیق	لِتَكُوْنَ	تاکہ ہووے تو
اٰمَنَتْ	اس پر	عَصَيْتَ	تونے نافرمانی کی	لِمَنْ	ان لوگوں کے لئے جو
بِهٖ (۱)	اولاد	قَبْلُ	پیشتر	خَلْفَكَ	تیرے پیچھے ہیں
بَنُوْٓا	اسرائیل (کی)	وَكُنْتَ (۴)	اور تھا تو	اٰيَةً	نشانی!
اِسْرَآءِيْلَ	اور میں	مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ	فسادیوں میں سے	وَاِنَّ كَثِيْرًا	اور بے شک بہت سے
وَاَنَا (۲)	فرمانبرداروں میں	فَالْيَوْمَ	پس آج	مِّنَ النَّاسِ (۶)	لوگوں میں سے
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ	سے ہوں	نُنَجِّيْكَ	بچائیں گے ہم تجھ کو	عَنْ اٰيٰتِنَا	ہماری نشانیوں سے
آٰلْئٰنَ	کیا اب؟	بِبَدَنِكَ (۵)	تیرے بدن سے	لَغٰفِلُوْنَ	قطعی غافل ہیں

فرعون نے ڈوبتے وقت ایمان ایمان پکارا، مگر اب کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے ظہور میں آنے کا وقت قریب آیا تو اللہ پاک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر اپنے باپ دادا کی سرزمین کی طرف لے جائیں۔

مصر سے ملک کنعان جانے کے دو راستے ہیں، ایک خشکی کا راستہ، جو نزدیک ہے، اور دوسرا بحر احمر (قلزم) کا راستہ یعنی اس کو عبور کرکے بیابان سَیْنَاء (تیہ) کی راہ لی جائے، اور یہ دور کی راہ ہے۔ اللہ پاک کی مصلحت کا تقاضا یہ ہوا کہ بنی اسرائیل خشکی کی راہ بھول کر دور کی راہ اختیار کریں، اور قلزم کو پار کر کے جائیں۔

ادھر پرچہ نویسوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے ہیں۔ فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ لیا۔ اور رَعْمسِیْس سے نکل کر ان کا تعاقب کیا، اور صبح ہونے سے پہلے ان کے سر پر جا پہنچا۔ پو پھٹنے کے وقت جب بنی اسرائیل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرعون کو سر پر پایا، آگے پانی کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور پیچھے فرعون کی فوج کا دریا جوش زن تھا۔ الامان والحفیظ! ـــــ موسیٰ علیہ السلام پر وحی اتری کہ آپ اپنی لاٹھی پانی پر ماریں۔ تاکہ پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے ـــــ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب انھوں نے دریائے قلزم پر عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہوگیا، اور بیچ میں راستہ نکل آیا ـــــ اور ہم نے بنی

(۱) بِهٖ کی باء صلہ کی ہے اور ضمیر الَّذِیٓ کی طرف لوٹتی ہے (۲) جملہ وَاَنَا الخ معطوف ہے جملہ آمَنَتُ پر (۳) جملہ وَقَدْ الخ حال ہے آٰلْئٰنَ میں عمل کرنے والے فعل محذوف کے فاعل سے (۴) كُنْتَ معطوف ہے عَصَيْتَ پر (۵) ای: مُلابسًا ببدنک عاریا عن الروح (۶) من اضافت کا ہے۔

اسرائیل کو دریا کے پار اتار دیا ــــ لیکن راستے خشک باقی چھوڑ دیئے ــــ پھر فرعون اور اس کے لشکر نے شرارت اور زیادتی کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا ــــ جب وہ بھی اسی راستے پر اتر لئے تو حکم الٰہی سے پانی پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا ــــ تا آنکہ جب وہ ڈوبنے لگا ــــ اور ملائکہ عذاب نظر آنے لگے ــــ تو بولا: ''میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں، اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوتا ہوں'' ــــ فرعون کی یہ پکار ایمان لانے اور یقین حاصل کرنے کے لئے نہیں تھی، بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری کی حالت میں نکلنے والی پکار تھی، اور نتیجہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ﴾ کی قبولیت کا، اللہ پاک نے اپنے رسول کی دعا کے لفظ لفظ کو واقعہ بنا دیا ــــ اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوا ــــ کیا اب؟ ــــ تیری عقل ٹھکانے آئی؟ ــــ حالانکہ پیشتر تو نے برابر نافرمانی کی، اور قطعی فسادیوں میں سے تھا! ــــ یعنی ساری عمر تو نافرمانیاں کرتا رہا، اور شرارتیں پھیلاتا رہا، اب عذاب دیکھ کر یقین کرتا ہے، اس وقت کے یقین کا کیا اعتبار؟

اس آیت سے سرسری طور پر نہ گزر جایئے۔ یاد کیجئے: فرعون کی کیا کیا نافرمانیاں اور شرارتیں تھیں؟ اس نے بنی اسرائیل کو ستانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی، موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو عداوت وشقاوت کا معاملہ کیا تھا اسے جانے دیجئے! خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت اس نے اسرائیلی بچوں کو جس بے دردی سے بے دریغ قتل کیا تھا، اسے یاد کیجئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد ستانے کا وہ کونسا طریقہ تھا جو فرعون نے بنی اسرائیل پر آزمانہیں لیا تھا؟ اس لئے بندوں کے دلوں میں ایسے شخص کے ساتھ انتہائی دشمنی کا جذبہ ابھر آنا ایک قدرتی بات تھی۔

غزوۂ بدر میں جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے ظالم امیہ بن خلف کو دیکھا تو شور مچادیا کہ: اے انصار! اے اللہ کے مددگارو! یہ کافروں کا سردار امیہ بن خلف ہے۔ اگر یہ بچ گیا تو سمجھو میں نہیں بچا، اور اسے قتل کروا کر ہی چھوڑا۔

اسی طرح اللہ پاک کے مقبول بندوں کے دلوں میں فرعون کی دشمنی اس قدر پیوست ہوگئی تھی کہ ترمذی شریف کی روایت کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی پاک ﷺ سے بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ جب فرعون نے ایمان واسلام کی بات کرنی شروع کی تو میں نے دریا کی کیچ اس کے منہ میں بھردی، تاکہ کم بخت کہیں بچ نہ جائے، جس طرح متعدد بار موسیٰ علیہ السلام سے دعائیں کرا کر بچتا رہا تھا۔

عین موت کے وقت کا ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''اللہ پاک بندے کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں، جب تک غرغرۂ موت کا وقت نہ آجائے (ترمذی شریف) ــــ غرغرۂ موت سے مراد وہ وقت ہے

جب نزع روح کے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں۔اس وقت دنیا کی زندگی ختم ہوکرآخرت کے احکام شروع ہوجاتے ہیں۔اس لئے اس وقت کا کوئی عمل قابل قبول نہیں ہوتا، نہ ایمان نہ کفر! ایسے وقت جو ایمان لاتا ہے اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا۔اوراس کے ساتھ کفن ودفن میں مسلمانوں کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اگر خدانخواستہ نزع کی حالت میں کسی شخص کی زبان سے کفریہ بات نکل جائے تو اس کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے گا،مگر دیکھنے والوں کو اس میں بڑی احتیاط لازم ہے، کیونکہ اس کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے کہ یہ وقت نزع روح کا اور غرارۂ موت کا ہے یا اس سے پہلے کا۔

جس وقت روح نکل رہی ہو،اور نزع کا عالم طاری ہو، وہ وقت دنیا کی زندگی میں شمار نہیں،اس وقت کا کوئی بھی عمل شرعاً معتبر نہیں! اس سے پہلے پہلے ہر عمل معتبر ہے!

ماضی میں جب بھی اللہ پاک کی طرف سے فرعونیوں پر، تنبیہ کے لئے کوئی آفت آتی،تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتے،اوراس آفت سے چھٹکارا حاصل کرلیتے۔سورۂ اعراف میں ہے کہ جب ان پر کوئی آفت پڑتی،تو کہتے: ''اے موسیٰ! اپنے رب سے ہمارے واسطے دعا کر،جیسا کہ اس نے تجھے (دعا کا طریقہ) بتلا رکھا ہے اگر تو نے ہم سے یہ آفت دور کردی تو ہم بے شک تجھ پر ایمان لے آئیں گے،اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے!'' —— مگر جب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آفت ٹل جاتی تو کتے کی دم ٹیڑھی ہوجاتی —— آج بھی پرانی عادت کے مطابق فرعون ایمان واسلام کا لفظ زبان پر اس لئے لا رہا ہے کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا ایمان واسلام کا لفظ سن کر دریا کی موجوں سے باہر نکال دے۔اس پر اللہ پاک کی طرف سے ارشاد ہوگا —— لے! آج ہم تیری لاش کو نجات دیں گے —— جیسا ایمان ویسا فائدہ! —— تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کے لئے —— جو تجھے رب اعلیٰ مان کر پوجتے ہیں،عبرت کی —— نشانی بنے! —— یعنی تیری گلی سڑی اور بدبودار لاش ان کے لئے درس عبرت بنے! —— اور بیشک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے قطعی غافل ہیں —— اس لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ انھیں دولت ایمان بھی نصیب ہوجائے اور وہ عبرت پذیر بھی ہوں —— اللہ پاک نے دریا کی ایک موج کے ذریعہ فرعون کی مردہ لاش کو ساحل پر ڈال دیا،اوراس کی یہ لاش سب کے لئے نمونۂ عبرت بن گئی۔پھر معلوم نہیں کہ اس لاش کا کیا انجام ہوا! نجّار رحمہ اللہ نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ اسے عجلت کے ساتھ اَمَنْتَحَبْ کے مقبرہ میں دفن کردیا گیا۔مصری دستور کے مطابق کارروائی نہیں کی گئی کہ اس کا مقبرہ جدا ہوا اوراس کے تمام حالات اور شاہی اشیاء اور جواہرات اس کی قبر کے ساتھ ہی محفوظ کرکے رکھے جائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ وہ بہت ناگفتہ

بہ حالت میں پائی گئی تھی اس لئے بعجلتِ ممکنہ اسے دفن کر دیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَھُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	نفیس چیزیں	يَقْضِيْ	فیصلہ فرمائیں گے
بَوَّاْنَا[1]	تیار کیا ہم نے	فَمَا	پھر نہیں	بَيْنَھُمْ	ان کے درمیان
بَنِیْٓ	اولاد	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا انھوں نے	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے روز
اِسْرَاۗءِيْلَ	اسرائیل (کے لئے)	حَتّٰى	یہاں تک کہ	فِيْمَا	ان (اختلافات) میں
مُبَوَّاَ	ٹھکانا	جَاۗءَھُمُ	آ گیا اُن کے پاس	كَانُوْا فِيْهِ	(کہ) تھے وہ اس میں
صِدْقٍ[2]	بہت اچھا	الْعِلْمُ	(دین کا) علم	يَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے
وَّرَزَقْنٰھُمْ	اور کھانے کو دی ہم نے انہیں	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار	❁	❁

بنی اسرائیل فرقے ہو کر سب گمراہ ہو گئے

اب مسلمانوں کو فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کا مستقبل سنایا جا رہا ہے۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ کی سچی پیشین گوئی ہے کہ: "ضرور میری امت پر ویسا ہی دور آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آچکا ہے۔ سرِ مو فرق نہ ہوگا! ان میں سے کسی نے سرعام اپنی ماں سے منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا ضرور پیدا ہوگا۔ اور بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے، میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ اور بجز ایک کے سب جہنم رسید ہوں گے" صحابہؓ نے پوچھا: وہ ایک کونسا فرقہ ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جو میری اور میرے صحابہ کی روش پر گامزن ہو" (مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی)[3] — اس لئے مسلمان بہت غور سے بنی اسرائیل کا حال سنیں۔

---

(۱) فعل بَوَّأَ پہلے مفعول کی طرف حرف جر کے ذریعہ بھی متعدی ہوتا ہے اور بلا واسطہ بھی بَوَّأَهُ وَبَوَّأَ لَهُ مَنْزِلاً: کسی کے لئے جگہ تیار کرنا۔ یہاں بلا واسطہ متعدی ہے یعنی بَنِیْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ مفعول اول ہے اور مُبَوَّأَ صِدْقٍ مفعول ثانی ہے اور مُبَوَّأ اسم مکان ہے (۲) دیکھو یونس آیت ۲ کا حاشیہ۔ (۳) رواه الترمذی عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما .

سَینا کے جس میدان میں فرعون کی غرقابی کے وقت بنی اسرائیل موجود تھے، یہ میدان سرزمین فلسطین سے قریب تھا اوران کے باپ دادا حضرت ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام سے اللہ پاک کا وعدہ تھا کہ یہ ملک تمہاری اولاد کو ملے گا، اور وہ یہاں پھولے پھلے گی(۱) ــــ یہ وعدہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت یوشع اور کالب کے زمانے میں پورا ہوا۔ اللہ پاک نے عَمَالِقَہْ کو وہاں سے نکال کر یہ سرسبز وشاداب علاقہ بنی اسرائیل کو عنایت فرمایا جہاں ستھری اور لذیذ چیزوں کی بہتات تھی، ارشاد فرماتے ہیں ــــ واللہ! ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا، اور کھانے کے لئے نفیس چیزیں دیں! ــــ انھیں حلال وطیب چیزوں سے مالا مال کردیا۔ شاداب علاقہ، لذیذ اشیاءِ خوردنی اور مہربان مولیٰ سبھی کچھ مل گیا ــــ پھر انھوں نے تفرقہ بازی نہیں کی یہانتک کہ ان کے پاس دین کا علم پہنچ گیا ــــ یعنی وہ لوگ مادی انعام واکرام کے ساتھ دینی اور روحانی نعمت سے بھی سرفراز کئے گئے، مگر پھر بعد میں ان میں پھوٹ پڑی، وہ فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوئے، علم صحیح اور خبر صادق پہنچ جانے کے باوجود طرح طرح کے اختلاف پیدا کئے اور نئے نئے مذاہب نکالے ــــ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے نہیں کیا کہ انھیں حقیقت کا علم نہیں تھا، ناواقفیت کی بنا پر مجبوراً انھوں نے ایسا کیا، بلکہ درحقیقت یہ سب کچھ ان کے اپنے نفس کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔ اللہ پاک کی طرف سے تو انھیں واضح طور پر بتادیا گیا تھا کہ دین حق یہ ہے، یہ اس کے اصول ہیں، یہ اس کے تقاضے اور مطالبے ہیں، یہ کفر واسلام کی امتیازی حدود ہیں، طاعت اس کو کہتے ہیں، معصیت اس کا نام ہے، اور ان چیزوں کی بازپرس اللہ پاک کے یہاں ہونی ہے۔ مگر ان صاف صاف ہدایتوں کے باوجود انھوں نے ایک دین کے بیسیوں دین بناڈالے۔ اور اللہ پاک کی بتلائی ہوئی بنیادوں کو چھوڑ کر کچھ دوسری ہی بنیادوں پر اپنے مذہبی فرقوں کی عمارتیں کھڑی کرلیں! ــــ بیشک آپ کے پروردگار قیامت کے روز ان کے درمیان ان مناقشات میں فیصلہ فرمائیں گے جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں! ــــ یعنی اب دنیا میں تو یہ اختلاف برابر چلے گا۔ آخری اور قطعی فیصلہ قیامت کے روز ہی ہوگا۔ کیونکہ اختلافات جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے نہیں تھے، بلکہ ان کے پیچھے تَحَاسُدْ اور تَبَاغُض کام کررہا تھا۔ پس جب تک یہ جذبات کارفرما ہیں اختلاف ختم نہیں ہوسکتا!

ہفتاد ودو فریق حَسَدْ کے عدد سے ہیں ❁ اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں(۲)

---

(۱) کتاب استثناء باب ۳۴ (۲) لفظ حسد کے عدد بہتّر (۷۲) ہیں۔ ح کے ۸، س کے ۶۰ اور د کے ۴ مجموعہ ۷۲ ہوا اور تہتّرواں عدد بہتّر سے آگے ہے یعنی بہتّر فرقے تو بربنائے تحاسد پیدا ہوتے ہیں اور اہل حق کی جماعت جو تہتّرواں فرقہ ہے اس کی بنیاد حسد پر نہیں، بلکہ وحی کی روشنی پر ہوتی ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

فَاِنْ كُنْتَ	پس اگر آپ ہیں	مِنْ رَّبِّكَ	تیرے پروردگار کی	عَلَيْهِمْ	ان پر
فِیْ شَكٍّ	شک میں		جانب سے	كَلِمَتُ	بات
مِّمَّآ	اس وحی کے متعلق جو	فَلَا تَكُوْنَنَّ	پس ہرگز نہ ہوتو	رَبِّكَ	تیرے رب کی
اَنْزَلْنَآ	اتاری ہم نے	مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (۲)	شک کرنیوالوں میں سے	لَا (۳)	نہیں
اِلَيْكَ (۱)	آپ کی طرف	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز نہ ہوتو	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں گے
فَسْئَلِ	تو پوچھ لیں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں میں سے جنھوں نے	وَلَوْ	اگرچہ
الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا	جَآءَتْهُمْ	پہنچے انہیں
يَقْرَءُوْنَ	پڑھتے ہیں	بِاٰيٰتِ	آیتوں کو	كُلُّ	ہر
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	اللّٰهِ	اللہ پاک کی	اٰيَةٍ	نشانی
مِنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	فَتَكُوْنَ	پس ہوجائے تو	حَتّٰى (۴)	یہانتک کہ
لَقَدْ	البتہ تحقیق	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ٹوٹا پانے والوں میں سے	يَرَوُا	دیکھ لیں وہ
جَآءَكَ	پہنچا ہے تجھے	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک وہ لوگ جو	الْعَذَابَ	سزا
الْحَقُّ	دین حق	حَقَّتْ	ثابت ہوگئی	الْاَلِيْمَ	دردناک!

(۱) اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ کا خطاب عام ہے۔ نبی پاک ﷺ کے ساتھ خاص نہیں کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل آیت ۴۴) (۲) اَلْمُمْتَرِیْ کی جمع ہے، جو اسم فاعل ہے اِمْتِرَاءٌ سے اِمْتَرٰى فِی الشَّيْءِ: شک کرنا۔ (۳) لَا يُؤْمِنُوْنَ خبر ہے اِنَّ کی (۴) حَتّٰى غایت ہے لَا يُؤْمِنُوْنَ کی۔

جس کو دین کی کسی بات میں شک ہو وہ علماء سے تحقیق کرے، شک کی پرورش نہ کرے

اب سورتِ پاک پوری ہو رہی ہے اور اس کی آخری موعظتیں شروع ہو رہی ہیں —— عام انسانوں سے خطاب ہے:
—— اب اگر تجھے اس وحی میں، جو ہم نے تیری طرف بھیجی ہے، کچھ شک ہو تو ان لوگوں سے تحقیق کر جو تجھ سے پہلے آسمانی کتاب پڑھتے ہیں —— شک، شبہ، خلجان اور الجھن کا درجہ تکذیب وانکار سے نیچے ہے۔ پس ارشاد یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تیری تکذیب وانکار میں کچھ کمی آئی ہے اور بات شک وشبہ تک اتر آئی ہے تو اب ہمارا خطاب تجھ ہی سے ہے کہ تو اپنا شک رفع کرلے، شبہ مٹالے۔ اور اہل کتاب کے علماء میں جو لوگ متدین اور منصف مزاج ہیں ان سے تحقیق کرلے، وہ تصدیق کریں گے کہ یہ قرآن برحق کتاب ہے، وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہے یہ وہی بات ہے جس کی دعوت تمام پچھلے انبیاء دیتے آئے ہیں۔ اہل کتاب علماء قرآن کے کتاب برحق ہونے کی تصدیق تو کریں گے، مگر قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ وہ آسمانی کتابیں پڑھتے ہیں، تلاوت نہیں کرتے۔ تلاوت اس وقت ہوتی جب وہ آسمانی کتابوں کو اس یقین کے ساتھ پڑھتے کہ ان میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ اہل کتاب علماء میں صرف قراءت کی رسم باقی رہ گئی تھی، جذبۂ عمل مفقود ہو گیا تھا، اس لئے وہ تصدیق تو کریں گے مگر خود ایمان نہیں لائیں گے —— اور اگر تجھے ہماری بات کا اعتبار آئے تو سن! —— واللہ! تجھے تیرے پروردگار کی جانب سے دینِ حق پہنچا ہے، پس ہرگز تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، اور ہرگز تو ان لوگوں میں سے نہ ہو، جنھوں نے اللہ پاک کی آیتوں کو جھٹلایا۔ پس تو ٹوٹا پانے والوں میں سے ہو کر رہ جائے! —— کیونکہ تکذیب کے بعد جو درجہ ہے، وہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ یعنی تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد برباد ہو جاتی ہے —— بلاشبہ جن لوگوں پر تیرے رب کی بات درست ہوگئی، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بھلے پہنچ جائے انھیں ہر نشانی، جب تک کہ وہ دردناک سزا نہ دیکھ لیں! —— یعنی ایسا شخص اگر دنیا جہاں کے سارے نشانات بھی دیکھ لے تب بھی ایمان نہیں لائے گا، اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے گا۔ جب کہ وہ یقین بے فائدہ ہوگا۔

''جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہوگئی'' یعنی وہ لوگ جن کے لئے بدبختی، سوءِ استعداد اور شامتِ اعمال کی وجہ سے جہنمی ہونے کا فیصلہ ہو گیا، جن پر ''بدبخت ازلی'' کا خطاب صادق آ گیا، اور جن کے دلوں پر تکذیب کرتے کرتے ''مہر ضلالت'' ثبت ہوگئی، اب وہ کسی طرح ایمان لانے والے نہیں، چاہے ان کے پیچھے سو جتن کر لئے جائیں!

ان آیتوں میں خطاب عام ہے یعنی ہر شخص سے خطاب ہے۔ پس جسے دین کے کسی معاملہ میں کوئی شبہ پیش آئے تو اس پر لازم ہے کہ علماء حق سے تحقیق کرے، ان سے پوچھ کر اپنے شبہات دور کرے، شبہات کی پرورش نہ کرے ——

اور جسے اللہ پاک، شک کی بیماری سے محفوظ رکھیں، وہ نبی پاک ﷺ کا جواب دوہرائے کہ: ''نہ مجھے شک ہے، نہ مجھے تحقیق کی حاجت!'' لاَ اَشُکُّ وَلاَ اَسْأَلُ![1]

> وہ لوگ خسارے میں ہیں، جو قرآن پاک سمجھنے کے لئے علماءِ دین کی طرف رجوع نہیں کرتے، بلکہ شبہات کا شکار رہتے ہیں یا مظنونات پر مذاہب کی عمارتیں اٹھاتے ہیں!

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۹۸

فَلَوْلَا[2]	سو نہ	اِلَّا[5]	بجز	عَنْهُمْ	ان سے
كَانَتْ	تھی	قَوْمَ	قوم	عَذَابَ	عذاب
قَرْيَةٌ[3]	کوئی بستی	يُوْنُسَ	یونس (علیہ السلام) کے	الْخِزْيِ	رسوائی (کا)
اٰمَنَتْ	ایمان لاتی	لَمَّآ	جب	فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی میں
فَنَفَعَهَآ[4]	اور نافع ہوتا اسکے لئے	اٰمَنُوْا	ایمان لائی وہ	وَمَتَّعْنٰهُمْ	اور عیش دیا ہم نے انکو
اِيْمَانُهَآ	اس کا ایمان لانا	كَشَفْنَا[6]	(تو) ہٹا دیا ہم نے	اِلٰى حِيْنٍ	ایک مدت تک

تکذیب کرنے والی کوئی قوم ایمان نہیں لائی، سوائے قومِ یونس (علیہ السلام) کے

جن لوگوں پر پروردگار کی بات راست آجاتی ہے وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے البتہ دردناک عذاب دیکھنے کے بعد ضرور ایمان لاتے ہیں مگر وہ ایمان ثمر بار نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں بطور مثال اور استدلال گزشتہ قوموں کا جائزہ لیا جاتا ہے

(۱) أخرجه عبد الرزاق وابن جرير عن قتادة مرسلا (درمنثور) (۲) لَوْلاَ تحضیض وعرض کے لئے ہے یعنی کسی کام پر سختی سے یا نرمی سے ابھارنے کے لئے ہے اور نفی اس کے لئے لازم ہے۔ پس وہ هَلاَّ کے معنی دیتا ہے مگر اس آیت میں اور سورۂ ہود آیت ۱۱۶ میں لَوْلاَ نفی کے لئے استعمال ہوا ہے اور تحضیض ضمنی ہے۔ یہ بات مشہور مفسر ابو مالک سعد بن طارق کوفی رحمہ اللہ سے مروی ہے۔ درمنثور میں ان سے نقل کیا ہے کل مافی القرآن فلولاَ فهو فَهَلَّا اِلَّا فی حَرْفَيْنِ: فی یونس: فَلَوْلاَ كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ والآخر: فلولا كان من القرون من قبلكم اس روایت سے اوپر دوسری روایت انہی سے یہ ہے کہ یہاں فَلَوْلاَ فَمَا کے معنی میں ہے (۳) کانت ناقصہ: قرية اسم اور آمَنَتْ خبر ہے (۴) فَا عاطفہ ہے اور جملہ نَفَعَها معطوف ہے آمَنَتْ پر (۵) قَرْيَةٌ سے استثناء متصل ہے (۶) كَشَفْنَا جواب شرط ہے۔

—— پھر یونس (علیہ السلام) کی قوم کو چھوڑ کر کوئی بستی نہ ہوئی کہ ایمان لاتی اور اس کا ایمان لانا اس کے لئے سودمند ہوتا!
—— یعنی یونس علیہ السلام کی قوم کی منفرد مثال چھوڑ کر ساری قوموں کا ایک ہی حال رہا، ان پر تیرے رب کی بات راست آ گئی، چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایسے وقت ایمان نہ لایا کہ اس کا ایمان لانا سودمند ہوتا، ہاں عذاب کی لپیٹ میں آ جانے کے بعد، فرعون کی طرح، سب ہی ایمان لائے، مگر اس وقت کا ایمان بے فائدہ ہوتا ہے—— البتہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم وقت پر سنبھل گئی اس لئے اللہ پاک نے اسے مہلت دیدی۔ پس خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو وقت پر سنور جائیں، اللہ پاک ایسے لوگوں کی پچھلی خطائیں معاف فرمادیتے ہیں۔

غرض آیت پاک میں ماضی کی ہلاک شدہ قوموں کی مثال پیش کر کے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جن لوگوں پر تیرے رب کی بات صادق آ جاتی ہے، وہ ایمان نہیں لاتے، چاہے انھیں لاکھ نشانیاں دکھادی جائیں۔ اور ان کے بے فائدہ ایمان لانے پر حسرت ظاہر کی گئی ہے، نیز اس آیت پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اہل مکہ جو انکار و سرکشی کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ماضی میں کتنے ہی رسول آئے لیکن یونس علیہ السلام کی قوم کے علاوہ کوئی قوم نہ نکلی جس نے رسولوں کی بات مان لی ہو۔ پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے تو موجودہ حالت پر تعجب اور مایوسی کیوں ہو!

اور اس آیت پاک میں مذبذب لوگوں کو ابھارنا ہے کہ وہ اپنا شک جلد دور کر کے وقت پر ایمان کا سامان کریں تا کہ وہ ایمان ان کے لئے سودمند ثابت ہو، جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم کے لئے ان کا ایمان فائدہ بخش ہوا کیونکہ وہ وقت پر ایمان لے آئی تھی، دردناک عذاب کی لپیٹ میں آنے سے پہلے تائب ہو گئی تھی۔ اس لئے—— جب وہ ایمان لے آئی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان پر سے رسوائی کا عذاب ہٹا دیا، اور ایک مدت تک ان کو سامانِ عیش دیا!—— یعنی اللہ پاک نے ایمان کی بدولت دنیوی زندگی میں بھی ان پر سے آنے والی بلا ٹال دی اور جس وقت تک انھیں دنیا میں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے متمتع کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا زمانہ ۸۶۰-۷۸۴ قبل مسیح بتایا جاتا ہے، آپ کو باشندگان نینویٰ کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا، وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام ان کو لگاتار کئی سال تک پند و نصیحت کرتے رہے مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ روز بروز ان کی تکذیب اور انکار بڑھتا رہا۔ آخر آپ نے ان کو آگاہ کیا کہ تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ تیسری شب یونس علیہ السلام آدھی رات گزرنے پر بستی سے نکل گئے۔ صبح ہوتے ہی عذاب کے آثار نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک سیاہ بادل چھا گیا۔ یہ آثار دیکھ کر لوگوں کو عذاب کا یقین آ گیا تو حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا۔ مگر وہ نہ ملے تو خود ہی اخلاص نیت کے ساتھ توبہ و استغفار میں لگ گئے، بستی سے ایک میدان میں نکل آئے، عورتیں

بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کر دیئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز وزاری کے ساتھ توبہ کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوگئے کہ پورا میدان آہ وبکا سے گونجنے لگا۔ اللہ پاک نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور عذاب ان سے ہٹادیا۔ کیونکہ وہ عذاب کے آثار دیکھ کر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے۔ اس لئے ان کا ایمان اور توبہ قبول کرلی گئی۔ عین عذاب میں پھنس کر ایمان نہیں لائے تھے۔ جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا

یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ اتنی سچی تھی کہ انھوں نے باہمی حق تلفیوں کی تلافی بھی کرلی۔ حتی کہ اگر دوسرے کا پتھر اپنے مکان کی نیو میں لگا دیا تھا، تو عمارت منہدم کر کے وہ مالک کو واپس کر دیا (حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ ع

وَلَوْ	اور اگر	فِي الْاَرْضِ	زمین میں (ہیں)	النَّاسَ	لوگوں (کو)
شَآءَ (۱)	چاہتے	كُلُّهُمْ	سارے کے	حَتّٰى	یہاں تک کہ
رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	جَمِيْعًا	سارے	يَكُوْنُوْا	ہو جائیں وہ
لَاٰمَنَ (۲)	تو ایمان لاتے	اَفَاَنْتَ	کیا تو آپ	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے
مَنْ	وہ لوگ جو	تُكْرِهُ	مجبور کریں گے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا

(۱) شآءَ کا مفعول محذوف ہے (۲) لَاٰمَنَ جواب شرط ہے۔

لِنَفۡسٍ	کسی نفس کے لئے	الۡاٰیٰتُ	نشانیاں	اِنِّیۡ	بے شک میں (بھی)
اَنۡ تُؤۡمِنَ	کہ ایمان لائے	وَالنُّذُرُ (۲)	اور تنبیہات (یا تنبیہ	مَعَکُمۡ	تمہارے ساتھ
اِلَّا	بغیر		کرنے والے)	مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ	انتظار کرنے والوں
بِاِذۡنِ اللّٰهِ	حکم خداوندی کے	عَنۡ قَوۡمٍ	ان کے لئے جو		میں سے ہوں
وَ یَجۡعَلُ	اور ڈالتے ہیں	لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ	یقین نہیں کرتے	ثُمَّ	پھر (جب ایسا وقت آتا
الرِّجۡسَ	گندگی	فَهَلۡ (۳)	سو نہیں		ہے تو)
عَلَی الَّذِیۡنَ	ان پر جو	یَنۡتَظِرُوۡنَ	انتظار کرتے ہیں وہ	نُنَجِّیۡ (۴)	بچالیا کرتے ہیں ہم
لَا یَعۡقِلُوۡنَ	نہیں سمجھتے ہیں	اِلَّا مِثۡلَ	مگر مانند	رُسُلَنَا	اپنے رسولوں کو
قُلِ	آپ فرمائیں	اَیَّامِ الَّذِیۡنَ	ان لوگوں کے (برے	وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا	اور ان کو جو ایمان لائے
انۡظُرُوۡا	دیکھو		دنوں کے) جو	کَذٰلِكَ	اسی طرح
مَاذَا (۱)	جو کچھ	خَلَوۡا	گذر چکے ہیں	حَقًّا	لازم ہے
فِی السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں (ہے)	مِنۡ قَبۡلِهِمۡ	ان سے پہلے	عَلَیۡنَا	ہم پر
وَالۡاَرۡضِ	اور زمین میں (ہے)	قُلۡ	آپ فرمائیے	نُنۡجِ (۵)	(کہ) بچائیں ہم
وَمَا تُغۡنِی	اور نہیں کام آتی	فَانۡتَظِرُوۡۤا	پھر تم انتظار کرو	الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	ایمان لانے والوں کو

نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں تاکہ آپؐ مکہ والوں کی تکذیب سے رنجیدہ نہ ہوں

اب نبی پاک ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ مکہ والوں کی تکذیب وانکار سے رنجیدہ نہ ہوں، ہدایت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے، جو شخص سمجھ سے کام لیتا ہے اسی کو اللہ پاک ہدایت کی دولت سے نوازتے ہیں اور رہے عقل کے دشمن، تو ان کی گندگی ہی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— اور اگر آپ کے رب کی مشیت ہوتی تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ضرور ایمان لے آتے—— یعنی اگر اللہ پاک چاہتے تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت، ایک ہی طرح کی استعداد، ایک ہی طرح کی فکری وعملی حالت پر مجبور کردیتے اور زمین میں

(۱) مَاذَا اسم موصول ہے اور الَّذِیۡ کا ہم معنی ہے (۲) النَّذِیۡر کی جمع ہے۔ ڈرانے والے یعنی پیغمبر یا ڈرانے والی نشانیاں (۳) هَلۡ استفہام انکاری ہے (۴) نُنَجِّیۡ تَنۡجِیَةً سے مضارع جمع متکلم ہے (۵) نُنۡجِ جمع متکلم فعل مضارع ہے۔ باب اِنۡجَآءٌ سے اس لفظ کی اصل نُنۡجِیۡ ہے ہلکا کرنے کے لئے آخر کی یاء حذف کردی گئی ہے اور جیم کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔

صرف اطاعت گزار اور فرمانبردار ہی بستے، کفر و نافرمانی کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ ہوتا مگر انھوں نے ایسا نہیں چاہا، ان کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسان میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو، اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھلی رہے، اگر وہ اونچا ہونا چاہے، تو زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے، اور پست ہونا چاہے تو زیادہ سے زیادہ پستی میں گر سکے، اس لئے اللہ پاک نے انھیں ایمان لانے یا نہ لانے اور اطاعت اختیار کرنے یا نہ کرنے میں آزاد رکھا ہے، مجبور نہیں کیا ـــــ تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں؟ ـــــ یعنی آپ کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں ـــــ ایمان کوئی ایسی چیز نہیں کہ زور زبردستی کسی کے اندر ٹھونس دی جائے، یہ تو اسی کے اندر پیدا ہوگا، جس میں سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد ہے ـــــ آیت پاک سے واضح ہوا کہ دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر و اکراہ، زور زبردستی اور مجبور کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ''اکراہ'' کا ذکر آیت پاک میں ان ہونی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۲۵۶ میں کلی ضابطہ بیان فرمایا گیا ہے:
﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ دین قبول کرنے میں زور زبردستی نہیں ـــــ اور کسی متنفس کے لئے ممکن نہیں کہ بغیر حکم خداوندی کے ایمان لے آوے ـــــ اور اللہ پاک کا حکم ان ہی لوگوں کے حق میں صادر ہوتا ہے، اور انہی لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب ہوتی ہے جو اللہ پاک کی نشانیوں میں غور کرتے ہیں اور عقل و فہم سے کام لیتے ہیں۔ اور جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے، اللہ پاک انھیں کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں ـــــ اور اللہ پاک ان لوگوں پر گندگی ڈالتے ہیں، جو سمجھتے نہیں! ـــــ یعنی اللہ پاک کی توفیق اور ان کا حکم کوئی اندھی بانٹ نہیں کہ بے ضابطہ جسے چاہا ایمان کی توفیق ارزانی فرمادی اور جسے چاہا محروم کر دیا۔ بلکہ اس کے بارے میں ان کا نہایت حکیمانہ ضابطہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت کی تلاش میں اپنی عقل کو ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے ہیں ان کے لئے حقیقت رسی کے اسباب مہیا کر دئے جاتے ہیں اور جو حق کے طالب ہی نہیں ہوتے، یا اپنی عقل کو تعصبات کے پھندے میں پھانسے رکھتے ہیں یا سرے سے حقیقت کی تلاش میں اسے استعمال ہی نہیں کرتے تو ان کے لئے نجاستوں کے سوا اور کچھ نہیں ـــــ اور جب بات یہ ہے تو ـــــ آپ فرمادیں کہ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے غور سے دیکھو ـــــ کائنات کے ذرے ذرے اور پتے پتے سے تمہیں حقیقت کا سراغ مل جائے گا ـــــ اور یقین نہ کرنے والوں کے لئے نشانیاں اور تنبیہات کچھ بھی مفید نہیں! ـــــ ان کے لئے سب نشانیاں اور دلیلیں بیکار ہیں، قدرت کی تنبیہات اور پیغمبروں کا جھنجھوڑنا غیر مؤثر ہے تو کیا ـــــ اب یہ لوگ صرف ویسے ہی برے دنوں کے انتظار میں ہیں، جو ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں! ـــــ ان کا حال تو یہی بتلا رہا ہے کہ اب انھیں آفات

وحوادث کے نزول ہی کا انتظار ہے،تو—— آپ فرمادیجئے کہ:''اچھا تو تم انتظار میں رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں''—— لیکن سنتِ الٰہی سن لو—— پھر(جب براوقت آتا ہے تو) ہم بچالیا کرتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ایمان لانے والوں کو، اسی طرح، ہمارے ذمے ہے کہ ہم مؤمنوں کو بچالیں!—— یعنی سنتِ الٰہی یہ ہے کہ حق وباطل کی کشمکش کے نتیجہ میں جو عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے اس کا شکار صرف اہل باطل ہوتے ہیں۔ اہل حق کو اس عذاب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔خواہ وہ رسول ہوں یا مؤمنین یا دونوں،ان کو اس عذاب سے بچالیا جاتا ہے،اسی سنت کے مطابق یونس علیہ السلام کی قوم کو دنیا میں بھی رسوائی کے عذاب سے بچالیا گیا۔

اور جو عذاب انسانوں کے ظلم وطغیانی اور شرارت وفساد کے نتیجہ میں رونما ہوتا ہے اس کا شکار دنیا میں تو سب ہی ہوتے ہیں،اچھے بھی اور برے بھی،البتہ آخرت میں ہر ایک کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جاتا ہے۔ سورۃ الانفال آیت ۲۵ میں فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ﴾

ترجمہ:اور اس فتنہ سے ڈرو جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہے۔ بلکہ اچھے اور برے سب ہی اس فتنہ کی لپیٹ میں آئیں گے۔

مگر پہلی قسم کے عذاب سے اہل حق کو محفوظ رکھا جاتا ہے، کیونکہ وہ فیصلہ کن عذاب ہوتا ہے،اگر اہل حق بھی اس عذاب سے متأثر ہوں تو فیصلہ ہونے کے بجائے معاملہ اور الجھ جائے گا—— اس لئے کافر برے دنوں کا انتظار کریں مگر یاد رکھیں کہ جب وہ برے دن آئیں گے تو مؤمنوں کا اور اللہ پاک کے رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا۔شامت انہیں کی آئے گی اور گت انہیں کی بنے گی!

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ

لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

قُلْ	آپ فرمادیں	وَاُمِرْتُ	اور مجھے حکم دیا گیا ہے	فَاِنَّكَ	تو بلاشبہ تو
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	اَنْ اَكُوْنَ (۳)	کہ رہوں میں	اِذًا (۵)	تب تو
اِنْ كُنْتُمْ (۱)	اگر تم ہو	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانیوالوں میں	مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں میں سے (ہے)
فِيْ شَكٍّ	کسی قسم کے شک میں	وَاَنْ اَقِمْ	اور یہ کہ تو سیدھا رکھ	وَاِنْ	اور اگر
مِّنْ دِيْنِيْ	میرے دین کے متعلق	وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ	اپنا رخ دین کی طرف	يَّمْسَسْكَ (۶)	چھوائیں تجھے
فَلَآ	تو (سنو) نہیں	حَنِيْفًا (۴)	یکسو ہوکر	اللّٰهُ	اللہ پاک
اَعْبُدُ	عبادت کرتا ہوں میں	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز نہ ہو تو	بِضُرٍّ (۷)	کوئی تکلیف
الَّذِيْنَ	ان کی جن کی	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے	فَلَا	تو نہیں (ہے)
تَعْبُدُوْنَ	تم عبادت کرتے ہو	وَلَا تَدْعُ	اور تو نہ پکار	كَاشِفَ	کوئی کھولنے والا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ پاک کے علاوہ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ	لَهٗۤ	اس (تکلیف) کو
وَلٰكِنْ	بلکہ	مَا لَا	ان کو جو نہ	اِلَّا هُوَ	مگر وہ
اَعْبُدُ	میں عبادت کرتا ہوں	يَنْفَعُكَ	فائدہ پہنچاتے ہیں تجھے	وَاِنْ	اور اگر
اللّٰهَ	(اس) اللہ (کی)	وَلَا يَضُرُّكَ	اور نہ نقصان پہنچاتے ہیں	يُّرِدْكَ	چاہیں تیرے حق میں
الَّذِيْ	جو	فَاِنْ	پھر اگر	بِخَيْرٍ	کوئی بھلائی
يَتَوَفّٰىكُمْ (۲)	تمہیں موت دیتے ہیں	فَعَلْتَ	تو نے کیا (یہ)	فَلَا	تو نہیں (ہے)

(۱) شرط کی جزاء مقدر ہے (۲) تَوَفّٰى تَوَفِّيًا: پورالینا۔ کہا جاتا ہے تَوَفَّيْتُ مِنْ فُلَانٍ حَقِّيْ: جو کچھ میرا حق فلاں پر تھا، اس کو میں نے پورا لے لیا۔ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ: موت دینا۔ کیونکہ مرنا فنا اور معدوم ہونا نہیں ہے۔ بلکہ مرنا نام ہے اس کا کہ اللہ پاک جاندار کی روح کو پورا وصول فرمالیتے ہیں۔ پس اللہ پاک مُتَوَفِّي (وصول کرنے والے) ہیں اور بندہ مُتَوَفّٰى (وصول شدہ) ہے (۳) ای: بان (۴) اَقِمْ کی ضمیر سے حَنِيْفًا حال ہے (۵) اِذًا شرطیہ ہے اور اس کے بعد کا جملہ شرطیہ جس کی طرف اذاً مضاف ہے حذف کیا گیا ہے اور اس کے عوض میں تنوین لائی گئی ہے (روح) (۶) يَمْسَسْ فعل مضارع مجزوم، صیغہ واحد مذکر غائب مَسّ (س) مَسًّا چھونا (۷) بَا تعدیہ کے لئے ہے مَسَّ بہ: پہنچانا۔ ﴿مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ﴾ (ص ۴۱) شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے۔

رَآدَّ	کوئی پھیرنے والا	مَنۡ	جسے	الۡغَفُوۡرُ	بے حد درگذر فرمانے والے
لِفَضۡلِهٖ	اللہ پاک کے فضل کو	يَّشَآءُ	چاہتے ہیں	الرَّحِيۡمُ	نہایت مہربانی فرمانے
يُصِيۡبُ	نوازتے ہیں وہ	مِنۡ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے		والے ہیں
بِهٖ	اپنے فضل سے	وَهُوَ	اور وہ	۞	۞

توحید دین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے

اب آخر میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا واضح اعلان کیا جاتا ہے، جو اس سورت کا خاص موضوع ہے۔ارشاد فرماتے ہیں—— آپ فرمادیجئے کہ: لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کسی قسم کا شک ہے—— میرا دینی مسلک تمہاری سمجھ میں نہیں آتا ہے، میں جس دین کی دعوت دے رہا ہوں اس کی حقیقت تم نے ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی—— تو (سنو!) میں ان چیزوں کی پرستش نہیں کرتا، جن کی تم اللہ پاک کے علاوہ پرستش کرتے ہو، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتے ہیں—— یعنی میں تمہارے گھڑے ہوئے معبودوں کو نہیں مانتا۔صرف پروردگارِ عالم کی عبادت کرتا ہوں۔جن کے قبضے میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب چاہتے ہیں تمہارا رشتۂ حیات منقطع کردیتے ہیں۔اور تم بے بس ہو کر اپنی جان اس جاں آفریں کے حوالے کردیتے ہو۔

مشرکین مکہ یہ مانتے تھے، اور آج بھی ہر قسم کے مشرک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موت صرف اللہ پاک کے اختیار میں ہے، اس پر کسی دوسرے کا قابو نہیں، حتی کہ جن بزرگوں کو یہ مشرکین خدائی صفات واختیارات میں شریک ٹھہراتے ہیں، ان کے متعلق بھی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی خود اپنی موت کا وقت نہیں ٹال سکا ہے۔

اللہ پاک کی بے شمار صفات میں سے خاص اس صفت کا کہ ''وہ تمہیں موت دیتے ہیں'' اس صفت کا انتخاب دلیل مدعا کے طور پر کیا گیا ہے۔یعنی صرف اللہ پاک کی بندگی اس لئے کرنی چاہئے کہ ہمیں پلٹ کر انہی کے پاس جانا ہے، وہی ہمارا مرجع ہے، دنیا کی زندگی تمام ہونے پر وہی ہمیں وصول کرلیتے ہیں۔ہمیں کسی اور کے حضور میں حاضر نہیں ہونا ہے۔اب اگر ہم دنیا کی زندگی میں اوروں کی چوکھٹ پر ماتھا رگڑتے رہے تو وہ عبادت موت کے بعد ہمارے کس کام آئے گی؟ جن کی عبادت کی وہ تو ہمارا مرجع نہیں، اور جس کے حضور حاضری ہوئی اس کی ہمارے پاس کوئی عبادت نہیں!

اور یہ جو فرمایا کہ: ''تمہیں موت دیتے ہیں'' اس میں مقصد کی طرف دعوت ہے۔کیونکہ اگر یہ کہا جاتا کہ ''میں اس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو مجھے موت دیتے ہیں'' تو اس سے صرف یہ معنی نکلتے کہ ''مجھے ان کی بندگی کرنی ہی چاہئے'' اب جو فرمایا کہ ''میں اس اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں موت دیتے ہیں'' تو اس سے یہ معنی نکلے کہ نہ صرف مجھے بلکہ تمہیں بھی

صرف اسی کی بندگی کرنی چاہئے۔اور تم جو اس کے سوا دوسروں کی بندگی کئے جاتے ہو، تو یہ تم غلطی کر رہے ہو—— پس آیتِ پاک میں مقصد (توحید) دلیل مقصد اور دعوت الی المقصد، تینوں فائدے جمع کر دئے گئے ہیں۔

اب اسی بات کو ایک دوسرے انداز سے پیش فرماتے ہیں :—— اور (خواہ کوئی مانے یا نہ مانے!) مجھے یہ حکم دیا گیا ہیکہ :

① —— میں ایمان لانے والوں میں رہوں!—— یعنی اہل ایمان کی راہ پر چلوں اور انکا ساتھی بنوں!

② —— اور یہ (بھی) کہ تو یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف بالکل سیدھا رکھ!—— بالکل ناک کی سیدھ اسی راستے پر نظر جمائے ہوئے چلتا رہ جو تجھے دکھا دیا گیا ہے—— اور سب طرف سے مڑ کر ایک طرف کا ہو رہ۔یکسوئی کے ساتھ اللہ پاک کی عبادت کر۔کسی دوسرے طریقے کی طرف ذرہ برابر میلان نہ رکھ! تیرے دل کی لو صرف اللہ پاک سے لگی رہے!

③ —— اور ہرگز مشرکوں کے زمرے میں شامل نہ ہو!—— یعنی تو ہرگز ان لوگوں میں سے نہ ہو جو اللہ پاک کا بھی نام لیتے ہیں، اور دوسروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔اللہ پاک پر ایمان کے دعویدار ہیں۔مگر ان کے دلوں کی لو بزرگوں، شہیدوں، ولیوں اور نبیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔وہ پریشانی کے وقت انہی کی دہائی دیتے ہیں، تو ان لوگوں سے الگ ہو جا، ان کے طریقوں سے اپنا طریقہ الگ کر لے۔

④ —— اور اللہ پاک سے نیچے ان چیزوں کو نہ پکار، جو نہ تو تجھے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تجھے نقصان پہنچا سکتے ہیں—— یعنی جس طرح عبادت صرف اسی کے لئے ہے، استعانت واستمداد کے لئے بھی اسی کو پکار، ہر قسم کا نفع، نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضے میں ہے۔ایسی چیزوں کو مدد کے لئے پکارنا جو کسی نفع نقصان کے مالک نہ ہوں ظلم عظیم اور شرک ہے! —— اور اگر تو نے ایسا کیا تو ضرور اس وقت تو اپنا ہی نقصان کرنے والوں میں سے ہو جائے گا!—— ہمارا کچھ نہیں بگاڑے گا!—— "اگر تو نے یہ کیا" یعنی ڈگمگاتا اور ہلتا ڈُلتا رہا، غیر اللہ سے دل کی لو لگائے رہا اور ایسی مخلوقات کو پکارتا رہا جو نہ نفع کی مالک ہیں نہ نقصان کی تو تیرا اپنا ہی نقصان ہوگا۔تو ظالموں میں سے یعنی مشرکوں میں سے ہو جائے گا۔اور ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہو جائے گا۔ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔

قرآن پاک کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مؤمنوں سے خطاب مقصود ہوتا ہے لیکن مخاطب نبی پاک ﷺ کو بنایا جاتا ہے۔مثلاً: ﴿ يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ (سورۃ الطلاق آیت ۱) اے پیغمبر! جب تم لوگ طلاق دینے لگو الخ—— پس ان آیات میں بھی اگرچہ خطاب نبی پاک ﷺ سے ہے، مگر مقصود مؤمنوں کی پوری جماعت ہے۔

ان آیتوں سے پیغمبرانہ دعوت الی الدین کا نہج بھی معلوم ہوا۔یعنی اگرچہ وہ دین کی دعوت حکمت و دانشمندی اور پند و موعظت کے ذریعہ دیتے ہیں، مگر بات پہلے ہی دن سے صاف، واضح، غیر مبہم اور دوٹوک کہتے ہیں خواہ کوئی مانے یا نہ

مانے وہ اپنا مدعا کھول کر لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں، وہ اپنی بات لگی لپٹی کبھی نہیں رکھتے۔

کچھ لوگ ایک عرصہ تک مبہم، غیر واضح، لگی لپٹی اور ناصاف باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اسے دین کی طرف لوگوں کو بلانے کی ''حکمت'' سمجھتے ہیں۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ وہ پیغمبرانہ حکمت نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ بہت کم لوگوں کی اصلاح کر پاتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ آخری مرحلہ تک پہنچانے سے پہلے ہی ان کی موت کا وقت آ جاتا ہے اور وہ اپنی امت کو ایک نئی ملت بنا کر چل دیتے ہیں اور آئندہ کام کرنے والوں کے لئے سنگِ راہ کھڑا کر جاتے ہیں۔

اس آیت پاک میں مؤمن کو ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا گیا ہے جن کے قبضہ میں نہ کسی کا بھلا کرنا ہے اور نہ برا کرنا۔ اب اس کے مقابل اللہ پاک کا ذکر کیا جاتا ہے جو تکلیف و راحت اور بھلائی برائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار رکھتے ہیں۔ جن کی بھیجی ہوئی تکلیف کو کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ اور جس پر فضل و رحمت فرمائیں، کوئی طاقت اس فضل خداوندی سے اسے محروم نہیں کرسکتی، فرماتے ہیں —— اور اگر اللہ پاک تجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچائیں تو ان کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر تیرے حق میں کوئی بھلائی چاہیں، تو اس کے فضل کو کوئی پھیرنے والا نہیں۔ وہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔ اور وہ بے حد درگزر فرمانے والے، نہایت مہربانی فرمانے والے ہیں! —— اس لئے بندوں کی خطاؤں کے باوجود اپنے فضل و کرم سے انھیں نوازتے رہتے ہیں۔ ان کی رحمت ان کے غضب پر غالب رہتی ہے! —— اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ پاک کو چھوڑ کر جن معبودوں کو لوگ پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی توجہات اور دعاؤں سے مشکلیں حل ہوتی ہیں، وہ سن لیں کہ اللہ پاک نے جس مشکل سے تمہیں دوچار کیا ہے اس کا حل کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں جو تمہاری پریشانیوں کا علاج کر سکے! —— پس لوگو! کمزور سہاروں کو چھوڑو اور حقیقی سہارا ڈھونڈھو!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت، حکمت کے ساتھ، واضح اور صاف ہوتی ہے وہ کبھی لگی لپٹی باتیں اور آدھے پونے کا سودا نہیں کرتے!

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۖۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

قُلْ	آپ فرمادیجئے	يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!	قَدْ	تحقیق

جَآءَكُمُ	پہنچ چکا تمہیں	ضَلَّ	بہکا پھرتا ہے	يُوْحٰٓى	بذریعہ وحی بھیجی گئی ہے
الْحَقُّ	دین حق	فَاِنَّمَا	تو بس	اِلَيْكَ	آپ کی طرف
مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	يَضِلُّ	بہکا پھرتا ہے	وَاصْبِرْ	اور آپ صبر کیجئے
فَمَنِ	پس جس نے	عَلَيْهَا	اپنے برے کے لئے	حَتّٰى	یہاں تک کہ
اهْتَدٰى	راہ راست اختیار کی	وَمَآ	اور نہیں (ہوں)	يَحْكُمَ	فیصلہ فرمادیں
فَاِنَّمَا	تو بس	اَنَا عَلَيْكُمْ	میں تم پر	اللّٰهُ	اللہ پاک
يَهْتَدِىْ	وہ راست روی اختیار کرتا ہے	بِوَكِيْلٍ (۱)	مسلط کیا ہوا	وَهُوَ خَيْرُ	اور وہی بہترین
لِنَفْسِهٖ	اپنے بھلے کے لئے	وَاتَّبِعْ	اور آپ چلتے رہئے	الْحٰكِمِيْنَ	فیصلہ فرمانے والے
وَمَنْ	اور جو کوئی	مَا	اس (ہدایت پر) جو		ہیں

دین حق آچکا، اب ہر شخص اپنا نفع نقصان سوچ لے

یہ آیتیں اس سورت کا حسن اختتام ہیں اور سورت کا بلیغ خلاصہ بھی ہیں اور تمام پھیلی ہوئی گفتگو کو ایک نقطہ پر سمیٹتی ہیں —— آپ فرمادیجئے کہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دین حق آچکا —— تمہارے ہی ایک آدمی کے ذریعہ! —— اب جو کوئی راہِ راست اختیار کرے گا تو اس کی راست روی اسی کے لئے مفید ہوگی! اور جو کوئی بہکا پھرے گا تو اس کی گمراہی اسی کے لئے تباہ کن ہوگی! اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں! —— مجھ پر تمہاری کچھ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی تمہاری بے راہ روی کی باز پرس مجھ سے ہونے والی نہیں! میری حیثیت داعی اور مذکّر کی ہے، میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھادوں، مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکیداری نہیں مل گئی میں نگہبان بنا کر تم پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں! —— اور آپ اُس ہدایت پر چلتے رہیں جو وحی کے ذریعہ آپ کی طرف بھیجی گئی ہے —— لوگ بات قبول نہ کریں تو اپنے آپ کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ خود احکامِ الٰہی کی پیروی کرتے رہیں اور دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے رہیں —— اور صبر کیجئے —— دعوت و تبلیغ کی راہ میں جو دشواریاں پیش آئیں انھیں گوارا کیجئے، مخالفین کی ایذاء رسانیوں کا تحمل فرماتے رہئے —— یہانتک کہ اللہ پاک فیصلہ فرمادیں، اور وہی بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں —— وہ حسب وعدہ آپ کو منصور وغالب کردیں گے!

﴿الحمدللہ! سورۂ یونس (علیہ السلام) پوری ہوئی، اور اسی پر جلد سوم بھی پوری ہوئی﴾

(۱) وَکِیْل کے معنی مختار اور کارندے کے ہیں مگر یہاں عَلٰی صلہ کے ساتھ آیا ہے اس لئے مسلط کیا ہوا، ذمہ دار ٹھہرایا ہوا اور مسئول قرار دیا ہوا معنی ہونگے۔